

تفسیر الکتاب



عبرانیوں — مکاشفہ

ولیم میکڈونلڈ

جلد ششم



/

تفسیر الکتاب

کلام الہی کی عام فہم اور آیت بہ آیت تشریح

جلد ششم

(عبرانیوں — مکاشفہ)

— از —

ولیم میکڈونلڈ

— مترجم —

جیکب سموئیل ایم۔ اے، بی۔ ایڈ

— ناشرین —

مسیحی اشاعت خانہ

۳۶ - فیروز پور روڈ، لاہور

بار _____ دوم

تعداد _____ ایک ہزار

قیمت _____ ۷۵ روپے

۲۰۰۰ء

اُردو ایڈیشن کے مجلہ حقوق بحیثی مسیحی اشاعت خانہ ، لاہور محفوظ ہیں ۔

Copyright © 1990 by William MacDonald.

Urdu edition published by permission of author.

مینیجر مسیحی اشاعت خانہ ۳۶ فیروز پور روڈ لاہور نے ناصر باقر پرنٹرز ، لاہور سے
چھپوا کر شائع کیا ۔

پیش لفظ

مسیحی علمائے کرام نے بائبل مُقدس کی مُتعدد تفسیریں رقم فرمائی ہیں تاکہ بائبل کے طالب علم اور بالخصوص ایسے طلباء جو بائبل کی اصل زبانوں یعنی عبرانی اور یونانی سے نا آشنا ہیں اُسے بخوبی سمجھ سکیں۔ زیر نظر کتاب اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ لیکن جو بات اس تفسیر کو دیگر تفاسیر سے ممتاز بناتی ہے یہ ہے کہ اسے آسان اور سادہ اور غیر فنی زبان میں لکھا گیا ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مُصنّف نے مشکل بیانات کو نظر انداز کر دیا ہے۔ اس کے برعکس اُس نے نہ صرف اُن پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے بلکہ دیگر علما کی اختلافی تشریح کو بھی شامل کیا ہے۔

مُصنّف نے ہر کتاب کی تشریح سے پیشتر اُس کا پس منظر بھی بیان کیا ہے اور پھر کُل کتاب کو موضوعات کے لحاظ سے تقسیم کر کے سطر بہ سطر اس کی تفسیر کی ہے جس سے ایک قاری کو متن سمجھنے میں بڑی مدد ملتی ہے۔

بے شک بائبل کے ہر ایک مُفسّر کا اپنا مخصوص زاویہ نگاہ اور انداز بیان ہوتا ہے۔ لہذا عبرانی کی کوئی بات نہیں کہ بعض اوقات جب بائبل کا طالب علم کسی آیت کی تشریح کو اپنے زاویہ نگاہ سے مُختلف پاتا ہے تو شش و پنج میں پڑ جاتا ہے۔ ایسے موقع پر قاری کو خود فیصلہ کرنا چاہیے کہ اُس کے اپنے مخصوص حالات میں پاک متن کا کیا مطلب ہے۔

ہمیں یقین ہے کہ اس تفسیر کی اشاعت سے اُردو خواں مسیحیوں کو بڑی مدد ملے گی اور وہ کتاب مُقدس کو اُدھر بھی بہتر طور پر سمجھنے کے قابل بن جائیں گے۔

مُصنّف کا دیباچہ

”تفسیر الکتاب“ پیش کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ایک عام مسیحی خدا کے کلام کا سنجیدہ طالب علم بن جائے۔ لیکن کوئی تفسیر بھی بائبل مُقدس کا بدل نہیں ہو سکتی۔ زیادہ سے زیادہ یہ توقع رکھی جاسکتی ہے کہ تفسیر عام فہم انداز میں پاک متن کی سادہ تشریح پیش کر دے اور پھر مزید گہرے مطالعہ کے لئے قاری کو پاک صحائف کی طرف واپس بھیج دے۔ یہ تفسیر سادہ اور غیر تکنیکی زبان میں لکھی گئی ہے۔ یہ دعویٰ نہیں کہ یہ ایک عالمانہ کاوش ہے جس میں علم الہیات کے دقیق نکات پر بحث کی گئی ہے۔ بہت سے ایماندار پُرانے اور نئے عہد نامہ کی اصل زبانوں سے واقفیت نہیں رکھتے۔ لیکن اس وجہ سے انہیں خدا کے کلام کے عملی فوائد سے محروم رہنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے یقین ہے کہ صحائف کے باقاعدہ اور ترتیب وار مطالعہ سے ہر مسیحی ایک ایسا شخص بن سکتا ہے جس کو شرمندہ ہونا نہ پڑے اور جو حق کے کلام کو درستی سے کام میں لاتا ہو“ (۲)۔ (تمتیس ۱۵:۲)۔

تیسرے مختصر اور مُجمل ہے مگر ضروری اور اہم نکات کو نظر انداز نہیں کیا گیا۔ کسی بھی حصّے کو سمجھنے کے لئے قاری کو طویل عبارتوں سے گزرنا نہیں پڑتا۔ آج کے تیز رفتار زمانے کا تقاضا ہے کہ سچائی کو اختصار کے ساتھ پیش کیا جائے۔ تو بھی مُشکل حصّوں سے پہلو تہی نہیں کی گئی۔ متبادل تشریحات بھی درج کی گئی ہیں اور یہ فیصلہ قاری پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ کون سی تشریح سیاق و سباق کے ساتھ زیادہ موافقت رکھتی ہے۔

بائبل مُقدس کا صرف علم حاصل کر لینا ہی کافی نہیں۔ ضرور ہے کہ پاک کلام کا زندگی پر عملی اطلاق کیا جائے۔ چنانچہ اس تفسیر میں یہ مشورے بھی دئے گئے ہیں کہ خدا کے لوگوں کی زندگیوں میں پاک صحائف کیسے کارآمد ہو سکتے ہیں۔

اگر اس تفسیر کے مطالعہ ہی کو مقصد بنالیا گیا تو یہ کتاب مُعاون ثابت ہونے کی بجائے ایک پھندا یا جال ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن اگر اس کتاب کے باعث پاک صحائف کے شخصی مطالعہ کی تحریک مل جائے اور خداوند کے آئین و احکام کی تعمیل کے لئے آمادگی پیدا ہو جائے تو اس کا مقصد پُورا ہو جائے گا۔

میری دُعا ہے کہ رُوحِ اقدس جس نے بائبل مُقدس کا اِہام عطا کیا تباری کے
 دِل و دماغ کو روشن کرے، تاکہ وہ کلامِ پاک کے وسیلے سے خُدا کا عرفان
 حاصل کرے۔ آمین۔

عبرانیوں کے نام کا خط

تعارف

”پاک نوشتوں کے کسی حصے کے مصنف کے بارے میں اتنا تاثر نہیں اور نہ کسی تفسیر کے الہامی ہونے کے متعلق اتنا اختلاف رائے ہے جتنا کہ اس خط کے متعلق“
(کوئی بیئر اور ہٹسن)

۱۔ فہرستِ مُسلمہ میں مُنفرد مقام

نئے عہد نامہ میں عبرانیوں کے نام کا خط کئی باتوں میں بے مثال ہے۔ جو اس کی ابتدا خط کی سی نہیں تو بھی اختتام خط کی مانند ہے۔ یہ صاف ظاہر ہے کہ یہ خط اطالیہ سے بادشاہاں رہنے والے غالباً عبرانی مسیحیوں کے نام لکھا گیا (۱۳: ۲۴)۔ کسی نے یہ خیال پیش کیا ہے کہ دراصل یہ ایک چھوٹی گھریلو کلیسیا کے نام لکھا گیا تھا اس لئے اس کے لکھے جانے اور منزل مقصود کی روایت کو قائم رکھنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ نئے عہد نامہ میں اس کا طرزِ تحریر بڑا ادبی ہے۔ اس کا اندازِ شاعرانہ ہے اور ہفتادہوی ترجمہ سے اقتباسات سے بھرا ہوا ہے۔ اس کا ذخیرہ الفاظ بہت وسیع ہے اور اس میں یونانی زبان کو بڑے درست طریقے سے استعمال کیا گیا ہے۔

اگرچہ اس میں یہودی رنگ نمایاں ہے (اس کا مقصد اخبار کی کتاب سے کیا جاتا ہے) تاہم اس میں یسوع مسیح کی موت کی حقیقت کو نظر انداز کر کے مذہب پرستی کی طرف راغب ہونے کے بارے میں جو تنبیہ پائی جاتی ہے اس کی سچی دنیا کو ہمیشہ ہی ضرورت رہی ہے۔ اس لحاظ سے یہ کتاب نہایت اہم ہے۔

۲۔ مصنف

اس خط پر مصنف کا نام نہیں، اگرچہ کنگ جیمز ورژن کے بعض ابتدائی ایڈیشنوں پر پولس رسول

لے عہدِ عتیق کا یونانی زبان میں پہلا ترجمہ۔ اسے یسوع مسیح سے کئی صدیاں پیشتر یہودی علمائے سکندریہ (مصر) سے شائع کیا تھا۔ مسیح اور اُس کے شاگرد اسی کو استعمال کرتے تھے۔

کا نام لکھا ہوا ہے۔ ابن ندیم مشرقی کلیسیا (دیونوسیاس اور سکندریہ کلیمنیس) پوکس ہی کو اس کا مصنف سمجھتی تھی۔ اس بات پر کافی بحث و تحقیق ہوئی اور آئناسیس کے بعد اس خیال نے غلبہ حاصل کر لیا، یہاں تک کہ بالآخر مغربی کلیسیا نے بھی اس بات کو قبول کر لیا۔ لیکن موجودہ زمانہ میں چند ایک مفسر ہی اس سے اتفاق کرتے ہیں۔ مقدس اورغین مانتا تھا کہ متن پوکس کا ہی لکھا ہوا ہے اور اس میں پوکس کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں لیکن اس کا طرز اس سے بہت مختلف ہے۔ (اس سے پوکس کے مصنف ہونے کا انکار نہیں ہو سکتا کیونکہ ایک ادبی دانشور اپنا طرز بدل سکتا ہے)۔

اس شخص میں بہت سے مصنفین کے نام تجویز کئے گئے ہیں، مثلاً لوقا جس کا طرز پوکس ہی کی مانند ہے اور جو اس کی منادی سے بھی آگاہ تھا۔ پھر برتباس، سیلاس، فلپس اور یہاں تک کہ کور اور پیرسک کے نام بھی لے جاتے ہیں۔

مارٹن ٹوٹھر کے خیال میں اس کا مصنف اپلس تھا۔ اس کا طرز اور مضمون اس سے مطابقت رکھتا ہے اور وہ عہد عتیق کا ماہر تھا۔ وہ ایک فصیح البیان شخص تھا (سکندریہ جو کہ فنِ خطابت میں مشہور تھا اس کا شہر تھا)۔ لیکن اپلس کے خلاف یہ بات جاتی ہے کہ اگر اسے کسی سکندریہ کے رہنے والے نے لکھا تو اس کا ذکر سکندریہ کی روایات میں کیوں نہیں ملتا!

ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ خداوند نے کسی وجہ سے اس کے مصنف کو گناہ رکھنا ہی مناسب سمجھا۔ ایک رائے یہ ہے کہ لکھا تو اسے پوکس ہی نے تھا لیکن اپنے خلاف یہودی تعصب کی وجہ سے اس نے دیدہ و دانستہ اپنا نام نہیں دیا۔ اگرچہ یہ ممکن ہے تو بھی اورغین کے ان قدیم الفاظ سے بہتر الفاظ نہیں ملتے کہ اس خط کو کس نے لکھا صرف خدا ہی یقینی طور پر جانتا ہے۔“

۳۔ تاریخ تصنیف

انسانی مصنف کی گمنامی کے باوجود اس خط کی تاریخ تصنیف کو بیان کرنا ممکن ہے۔ خارجی شہادتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پہلی صدی میں لکھا گیا کیونکہ روم کے کلیمنیس نے اسے استعمال کیا (قریباً ۹۵ء)۔ پائکارپ اور یوسطین شہید نے بھی اس کا حوالہ دیا ہے لیکن وہ مصنف کا نام نہیں بتاتے۔ دیونوسیاس از سکندریہ کہتا ہے کہ اسے پوکس نے تحریر کیا اور سکندریہ کلیمنیس یہ کہ پوکس نے اسے عبرانی میں لکھا اور لوقا نے اس کا ترجمہ یونانی میں کیا (لیکن یہ کتاب ترجمہ معلوم نہیں ہوتی)۔ ایرینیئس اور ہیپولیت کے خیال میں پوکس نے اسے عبرانی میں نہیں لکھا اور طرطلیان یہ سمجھتا ہے کہ

اسے برنباؤس نے لکھا ہے۔

داخلی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ مصنف پہلی صدی کا کوئی مسیحی ہے (۲: ۳؛ ۱۳: ۷)۔ البتہ یہ یعقوب یا ۱۔ تھسلیٹینیوں ایسی ابتدائی تصانیف کے بعد ہی معرض وجود میں آیا (قب ۱۰: ۳۲) چونکہ اس میں یہودیوں کی جنگ کا ذکر نہیں ملتا جو ۶۶ء میں شروع ہوئی اور پیکل کی قربانیاں ہٹوز جاری تھیں (۸: ۴؛ ۹: ۶؛ ۱۲: ۲۷؛ ۱۳: ۱۰) اس لئے اس کی تاریخ تصنیف ۶۶ء سے پیشتر اور یرشلم کی بربادی سے (۶۷ء) یقیناً پیشتر ہوگی۔ ایذا رسانی کا ذکر تو ہے (۱۲: ۴) لیکن ایمان داروں نے ابھی ایسا مقابلہ نہیں کیا تھا جس میں خون بہا ہو۔ اگر اس کی منزل مقصود اٹالیہ ہے تو تیرہویں ہونی ایذا رسانی (۶۷ء) اس خط کا سن تصنیف کم از کم ۶۷ء کے وسط کا بنا دیتی ہے۔ قیاس غالب یہ ہے کہ اس کی تاریخ ۶۳-۶۵ء ہے۔

۴۔ پس منظر اور مضامین

عام طور پر عبرانیوں کے نام خط اس عظیم جدوجہد کو بیان کرتا ہے جو ایک شخص کو اپنا مذہب چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرتے وقت کرنی پڑتی ہے۔ اسے پرلنے بندھنوں کو توڑنا اور جدائی کے تناؤ اور دباؤ کو برداشت کرنا پڑتا ہے اور اس پر واپس آنے کے لئے بے حد دباؤ ڈالا جاتا ہے۔

لیکن اس خط کا مشہد ایک مذہب کو چھوڑ کر دوسرے نئے مذہب کو اختیار کرنے کا نہیں ہے، بلکہ یہودیت کو ترک کر کے مسیح کو قبول کرنے کا۔ مصنف دکھاتا ہے کہ اس کا مطلب سایہ کو چھوڑ کر حقیقت کو پکڑنا، پہلے کو چھوڑ کر آخر کو پکڑنا، عارضی کو چھوڑ کر مستقل کو پکڑنا — المختصر اچھے کو چھوڑ کر بہتر کو پکڑنا تھا۔

نیز، اس کا مطلب یہ بھی تھا کہ مقبول کی بجائے غیر مقبول، اکثریت کی بجائے اقلیت اور مظلوم بن جائے۔ اور یہ نہایت سنگین مسائل کو پیدا کرنے کا سبب بنا۔

یہ خط ان لوگوں کو لکھا گیا جو یہودی پس منظر رکھتے تھے۔ ان عبرانیوں نے کلیسیا کے ابتدائی دنوں میں رسولوں اور دوسروں سے انجیل کا پیغام سنا تھا اور عظیم معجزات دیکھے تھے جو ان کے پیغام کی تصدیق کرتے تھے۔ اور انہوں نے اس خوشخبری کو سن کر ان تین طرح سے اپنے ردِ عمل کا اظہار کیا تھا:

بعض یسوع مسیح پر ایمان لائے تھے اور حقیقتاً تبدیل ہو گئے تھے۔

بعض دکھاوے کے طور پر مسیحی بننے کا اقرار کرتے تھے۔ انہوں نے ہپتسمہ بھی لیا اور جماعت

میں شامل بھی ہوئے۔ لیکن وہ خدا کے رُوح کے وسیلہ سے نئے سرے سے پیدا نہیں ہوئے تھے۔
دیگر نے کھلے الفاظ میں نجات کے پیغام کو رد کر دیا۔

یہ خط پہلے دو قسم کے لوگوں سے مخاطب ہے یعنی حقیقی طور پر تبدیل شدہ یہودیوں اور ان کے
بارے میں جنہوں نے محض مسیحیت کا لبادہ اوڑھا ہوا تھا۔

جب کوئی یہودی اپنے آبا و اجداد کے ایمان کو ترک کر دیتا تو اسے منحرف گردانا جاتا اور اکثر درج ذیل
میں سے ایک یا زیادہ سزائیں دی جاتی تھیں:

— خاندان کی جائیداد سے عاق کر دیا جاتا۔

— اسرائیل کی جماعت سے خارج کر دیا جاتا۔

— ملازمت سے نکال دیا جاتا۔

— جائیداد چھین لی جاتی۔

— ذہنی طور پر پریشان کیا جاتا اور جسمانی اذیت دی جاتی۔

— کھلے عام مسخر اڑایا جاتا۔

— قید میں ڈال دیا جاتا۔

— شہید کر دیا جاتا۔

بے شک بچنے کے طریقے بھی ہمیشہ ہوا کرتے ہیں۔ اگر وہ مسیح کا انکار کر دیتا اور یہودیت کو دوبارہ گلے
لا لیتا تو اسے مزید اذیت نہیں دی جاتی تھی۔ جب آپ اس خط کو پڑھیں گے تو بین السطور ان زبردست
دلائل کو دیکھ سکتے ہیں جو وہ قارئین کو یہودیت میں واپس لانے کے لئے استعمال کرتے تھے:

— انبیا کی گراں بہا میراث۔

— خدا کے قدیم لوگوں کی تاریخ میں فرشتوں کی نمایاں خدمت۔

— معروف و ممتاز شریعت دینے والے موسیٰ کے ساتھ تعلق۔

— ذہین ملٹری کمانڈر شیورے کے ساتھ قومی تعلق۔

— ہارونی کمانت کا جلال۔

— پاک خیمہ اجتماع جہاں خدا اپنے لوگوں کے درمیان سکونت کرتا تھا۔

— شریعت کا عہد جو موسیٰ کی معرفت دیا گیا۔

— خیمہ اجتماع میں خدا کا مقرر کردہ ساز و سامان اور شان دار پروردہ۔

— غیر اجتماع میں عبادات اور خاص طور پر عظیم یوم کفارہ پر رسومات (یوم کفارہ یہودی جنتری میں سب سے اہم دن)۔

پہلی صدی میں یہودی اپنے قدیم رسمی مذہب کی ان جلالی باتوں کو پیش کرتے اور پھر طنزاً پوچھتے :
 ”ہمارے پاس تو یہ کچھ ہے تم مسیحیوں کے پاس کیا ہے ؟ کچھ بھی نہیں۔ ہاں، ایک بالا خانہ اور ایک میز، جس پر قنوطری سیئے اور روٹی رکھی ہوئی ہے ! کیا تمہارا مطلب یہ ہے کہ تم نے یہ سب کچھ اسی کی خاطر چھوڑ دیا ہے ؟“

عبرانیوں کا خط درحقیقت اسی سوال کا کہ ”تمہارے پاس کیا ہے ؟“ جواب ہے۔ ایک لفظ میں اس کا جواب یہ ہے کہ ”مسیح“۔ اُس میں ہمیں یہ کچھ ملتا ہے :

— وہ جو انبیاء سے بڑا ہے۔

— وہ جو فرشتوں سے بڑا ہے۔

— وہ جو موتیوں سے بڑا ہے۔

— وہ جو یسوع سے بڑا ہے۔

— جس کی کہانت ہارون کی کہانت سے افضل ہے۔

— وہ جو زیادہ بہتر مقدس میں خدمت کرتا ہے۔

— وہ جس نے زیادہ بہتر عہد کو متعارف کرایا ہے۔

— وہ جو خیمہ اجتماع کے فرنیچر اور پردے کی اصل ہے۔

— وہ جس نے گناہ کی بکروں اور بچھڑوں کی بار بار دی جانے والی قربانی سے زیادہ افضل قربانی گزارانی ہے۔

جس طرح ستارے، سورج کے زیادہ جلال کے سامنے ماند پڑ جاتے ہیں، اُسی طرح خداوند یسوع کے کام کے جلال کے سامنے یہودیت کا سایہ اور مثالیں بے وقعت ٹھہرتی ہیں۔

وہ لوگ جو خداوند یسوع کی پیروی کرتے، انہیں سخت اور جوتی مخالفت کا سامنا کرنا پڑتا۔ حقیقی ایمان داروں کے لئے یہ حوصلہ شکنی کا باعث بن سکتا تھا۔ چنانچہ ضرورت تھی کہ اُن کی خدا کے وعدوں کے بارے میں حوصلہ افزائی کی جائے۔ ضرورت تھی کہ وہ منتوق ابرو کے پیش نظر برداشت کریں۔

اُن کے لئے جو برائے نام مسیحی تھے انحراف کا خطرہ تھا۔ مسیح کو قبول کرنے کا اقرار کرنے کے

بعد ممکن تھا کہ وہ اُسے رد کر دیں اور اپنے پرانے رسمی مذہب کی طرف لوٹ جائیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ خدا کے بیٹے کو پامال کر رہے، اُس کے خون کی بے حرمتی کر رہے اور پاک روح کی بے عزتی کر رہے ہیں۔ اس دیدہ دانستہ گناہ کی کوئی توبہ یا معافی نہیں تھی۔ اس گناہ کے بارے میں عبرانیوں کے خط میں بار بار متنبہ کیا گیا ہے۔ ۱۰:۲ میں اسے مسیح کے پیغام سے ”بہ کر دور“ جانا کہا گیا ہے۔ ۴:۳-۱۹ میں اسے بغاوت یا سخت دلی کا گناہ بتایا گیا ہے۔ ۶:۶ میں اسے برگشتہ ہونا کہا گیا ہے۔ ۶:۱۰ میں اسے ”ایک دوسرے کے ساتھ جمع ہونے سے باز رہنا“ کہا گیا ہے۔ ۱۲:۱۶ میں اسے ”ایک کھانے کے عوض اپنے پہلوٹھے ہونے کا حق“ فروخت کرنا اور ۱۲:۲۵ میں ”آسمان پر کے ہدایت کرنے والے سے مٹنے“ موڑنا بتایا گیا ہے۔ لیکن یہ تمام انتباہ اُسی ایک گناہ یعنی انحراف کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں۔

عبرانیوں کے خط کا پیغام جس طرح پہلی صدی کی کلیسیا کے لئے بروقت تھا اُسی طرح یہ آج بھی ہے۔ ضرورت ہے کہ ہمیں متواتر اُن حقوق اور برکات کے بارے میں بتایا جائے جو ہمیں مسیح میں حاصل ہیں۔ ہمیں حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے تاکہ ہم مخالفت اور مشکلات کو برداشت کر سکیں۔ تمام حقیقی مسیحیوں کو بھی اسکاہ کرنے کی ضرورت ہے کہ وہ خداوند کے مہربان ہونے کا مزہ چکھنے کے بعد کہیں رسمی مذہب کی طرف مٹنے نہ موڑ لیں۔

خاکہ

۱۔ مسیح افضل ہے (۱:۱-۴:۱۳)

ا۔ انبیاء سے (۱:۱-۳)

ب۔ فرشتوں سے (۴:۱-۱۸:۲)

ج۔ موسیٰ اور یسوع سے (۱:۳-۴:۱۳)

۲۔ مسیح اپنی کہانت میں افضل ہے (۴:۴-۱۰:۱۸)

ا۔ مسیح کی سردار کاہن کی کہانت ہارون کی کہانت سے افضل ہے (۴:۴-۱۰:۱۸)

ب۔ مسیح کی خدمت ہارون سے افضل ہے (باب ۸)

ج۔ مسیح کی قربانی عہد عتیق کی قربانیوں سے افضل ہے (۱:۹-۱۰:۱۸)

۳۔ تنبیہ اور نصیحت (۱۰:۱۹-۱۳:۱۷)

ا۔ مسیح کی حقارت کرنے کے بارے میں تنبیہ (۱۰:۱۹-۱۳:۹)

ب۔ عہد عتیق کی مثالوں کے ذریعے ایمان رکھنے کی نصیحت (باب ۱۱)

ج۔ مسیح میں اُسید کی نصیحت (باب ۱۲)

د۔ مختلف مسیحی فضائل کے بارے میں نصیحت (۱۳:۱-۱۷:۱۷)

۴۔ کلماتِ برکت (۱۳:۱۸-۲۵)

تفسیر

۱۔ مسیح افضل ہے (۱:۱-۴:۱۳)

۱۔ مسیح انبیاء سے افضل ہے (۱:۱-۳)

۱:۱۔ نئے عہد نامہ کا کوئی خط بھی اپنے مطلب کو بیان کرنے میں اتنی جلدی نہیں کرتا جتنی کہ یہ خط۔ یہ سلام و دعا اور تعارف کے بغیر فوراً ہی موضوع کی طرف آ جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے گویا کہ روح القدس اسے مجبور کر رہا تھا کہ وہ خداوند یسوع مسیح کے اعلیٰ جلال کا انکشاف فوراً ہی کرنے لگے۔

سب سے پہلے وہ نبیوں کی معرفت خدا کے مکاشفہ کا مقابلہ پیش کرتے ہیں اس کے مکاشفہ کے ساتھ کرتا ہے۔ نبی خدا کے مہم نمائندہ تھے۔ وہ یہوواہ کے معزز خادم تھے۔ ان کی روحانی دولت عہدِ عتیق میں محفوظ ہے۔

لیکن اس کے باوجود بھی ان کی خدمت نامکمل اور جزوی تھی۔ ہر ایک کو ایک خاص حد تک مکاشفہ بخشا گیا تھا، تاہم ہر صورت یہ نامکمل ہی تھا۔

انہیں نہ صرف سچائی حصہ بہ حصہ دی گئی تھی بلکہ انہوں نے اُسے لوگوں تک پہنچایا بھی مختلف طریقوں سے۔ اسے شریعت، تاریخ، نظم اور نبوت کے طور پر پیش کیا گیا۔ بعض اوقات یہ زبانی دی گئی اور بعض اوقات تحریری طور پر۔ بعض اوقات یہ رویاؤں، خوابوں، انشائوں میں اور بعض اوقات اشاروں و کنایوں میں دی گئی۔ خواہ کوئی بھی طریقہ استعمال کیا گیا، نکتہ یہ ہے کہ نبی اسرائیل کو جو مکاشفہ پہلے دیا گیا وہ ابتدائی اور بتدریج تھا اور اُسے مختلف طریقوں سے لوگوں تک پہنچایا گیا۔

۲:۱۔ عہدِ عتیق کی وقتی، جزوی اور مخصوص نبوتوں پر اب اس کے ”بیٹے“ میں خدا کا آخری مکاشفہ چھا گیا۔ انبیاء صرف ایک وسیلہ تھے جنکی معرفت کلامِ الہی دیا گیا، جبکہ خداوند یسوع مسیح خود ہی آدم کے لئے خدا کا آخری مکاشفہ ہے۔ چنانچہ یوحنا رسول کہتا ہے ”خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ اکوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اسی نے ظاہر کیا“ (یوحنا ۱:۱۸)۔ خداوند یسوع نے اپنے بارے میں خود فرمایا

”جس نے مجھے دیکھا اُس نے باپ کو دیکھا“ (یوحنا ۱۴: ۹)۔ مسیح خداوند نہ صرف خدا کی طرف سے کلام کرتا ہے بلکہ بطور خدا کے بھی۔

اس خط کا مصنف یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ ابن خدا تمام انبیاء سے افضل ہے وہ پہلے اُسے تمام ”چیزوں کے وارث“ کے طور پر پیش کرتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے اُسے یہ کائنات دی ہے اور وہ جلد ہی اس پر حکومت کرنے لگے گا۔ اُسی کے ”وسیلے“ خدا نے ”عالم بھی پیدا کئے“۔ یسوع مسیح تخلیق کائنات میں ایک سرگرم نکتہ تھا۔ اُسی نے فضا اور ستاروں بھرے آسمانوں کو زمین کو اور نسل انسانی کو پیدا کیا۔ وہی تمام مخلوقات کا خواہ وہ روحانی ہیں یا زمینی خالق ہیں۔

۳:۱۔ وہ خدا کے ”جلال کا پرتو“ ہے یعنی خدا باپ میں ہیں جو کل کا طیث ملتی ہے وہ بیٹے میں بھی پائی جاتی ہے۔ وہ اُس کے جلال کی تابانی و درخشندگی ہے۔ خدا کی تمام اخلاقی اور روحانی حرالت اُس میں دیکھی جاتی ہے۔

مزید یہ کہ خداوند یسوع، خدا کی ذات کا حقیقی نقش ہے۔ لیکن اس کا اشارہ جسمانی شکل و شہابرت کی طرف نہیں ہے کیونکہ خدا اپنی ذات میں روح ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسیح اُن تمام باتوں میں جو انسانی سمجھ میں آسکتی ہیں بعین باپ کی مانند ہے۔ اس سے زیادہ نزدیکی مشابہت اور کوئی نہیں ہو سکتی۔ بیٹا، خدا ہوتے ہوئے اپنے کلام اور کام سے ظاہر کرتا ہے کہ خدا اُس قسم کا ہے۔ اور وہ کل کائنات کو اپنی ”قدرت کے کلام“ سے سنبھالتا ہے۔ ابتدا میں عالم اُسی کے کہنے سے بنے (عبرانیوں ۱۱: ۳)۔ اب بھی وہ کلام کرتا ہے اور اُس کا قدرت کا کلام ”زندگی دیتا، اور تمام چیزوں اور کائنات کو درست نظام میں برقرار رکھتا ہے۔ یہ وہی ہے جس میں تمام چیزیں قائم رہتی ہیں (کلتیسوں ۱: ۱۷)۔ یہاں اُس بات کی جس کے بارے میں سائنسدان چکرائے رہتے ہیں سادہ سی تشریح ہے۔ سائنسدان یہ معلوم کرنے میں کوشاں ہیں کہ ذروں کو کون سی قوت باہم قائم رکھے ہوئے ہے! یہاں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ یسوع مسیح اسے اپنے ”قدرت کے کلام“ سے سنبھالے ہوئے ہے۔

لیکن ہمارے نجات دہندہ کا اگلا جلال سب سے زیادہ حیران کن ہے جبکہ اُس نے ہمارے ”گناہوں کو دھویا“۔ خالق اور قیوم ہمارے گناہ اٹھانے والا بن جاتا ہے۔ کائنات کی تخلیق کے لئے اُسے صرف ”کن“ کہنا پڑا اور وہ وجود میں آگئی کیونکہ اس میں کوئی اخلاقی فتور حائل نہ تھا۔ لیکن ہمارے گناہوں کو ہمیشہ کے لئے دور کرنے کی خاطر اُسے گوری کی صلیب پر جان دینا پڑی۔ یہ خیال کہ قادرِ مطلق خداوند قربانی کا برہ بن گیا ہمارے لئے ناقابلِ فہم ہے۔

آخر میں ہم اُسے تخت نشین خداوند کے طور پر دیکھتے ہیں۔ اُس کی تخت نشینی کا انداز یہ ہے کہ وہ ”کبریائی کی دہنی طرف جا بیٹھا“۔ یہ مساعی کے بعد کا آرام نہیں ہے بلکہ اپنے تکمیل شدہ کام کی تسکین کا آرام ہے۔ یہ انداز ظاہر کرتا ہے کہ مخلصی کا کام پایہ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔

”کبریائی کی دہنی طرف بیٹھنا“ ایک ایسا مرتبہ ہے جو عزت اور استحقاق کو ظاہر کرتا ہے (عبرانیوں ۱۳:۱)۔ خدا نے اُسے اس لئے سرفراز کیا کیونکہ اُس نے جلالی فتح حاصل کی ہے۔ دامن ہاتھ اختیار کرتی (۶۴:۲۶) اور شادمانی و خوشی کو ظاہر کرتا ہے۔ نجات دہندہ اپنے چھیدے ہوئے ہاتھ میں کُل کائنات پر حکومت کرنے کا عصا پکڑے ہوئے ہے (۱- پطرس ۳:۲۲)۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہم نے اپنے خداوند کے تخلیق کائنات سے کلوری اور پھر سرفرازی کے راستے کی پیروی کرتے ہوئے انبیاء کو بھلا ہی دیا ہے۔ اگرچہ وہ بڑے قابل احترام ہیں، تاہم وہ سایہ میں ہٹ گئے ہیں۔ انہوں نے آنے والے مسیح کی گواہی دی (اعمال ۱۰:۴۳)۔ اور اب جبکہ وہ آگیا تو وہ خوشی خوشی منظر سے ہٹ گئے۔

ب۔ مسیح فرشتوں سے افضل ہے (۴:۱-۲:۱۸)

۴:۱- اس خط میں دوسرا نکتہ یہ ہے کہ مسیح ”فرشتوں سے بزرگ“ ہے۔ یہ اس لئے ضروری تھا کیونکہ یہودی فرشتوں کی خدمت کو بہت بلند سمجھتے تھے۔ شریعت فرشتوں ہی کی وساطت سے دی گئی تھی (اعمال ۷:۵۳؛ گلتیوں ۱۹:۳) اور فرشتگان خدا کے قدیم لوگوں کی تاریخ میں متعدد بار ظاہر ہوتے رہے تھے۔ غالباً کہا جاتا تھا کہ اگر کوئی مسیح کی خاطر یہودیت کو ترک کر دیتا ہے تو وہ اپنی قومی اور دینی وراثت سے اہم حصے سے کٹ جاتا ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ مسیح کو حاصل کرنے سے وہ اُس کو جو فرشتوں سے افضل ہے دو معنوں میں حاصل کر لیتا ہے: پہلے بطور ابن خدا (۴:۱-۱۴) اور دوسرے ابن آدم (۲:۵-۱۸)۔

مسیح ”فرشتوں سے اسی قدر بزرگ ہو گیا جس قدر اُس نے میراث میں اُن سے افضل نام پایا“۔ یہاں پہلا اشارہ اُس کی اکتسابی بزرگی کی طرف ہے اور پھر اُس کی وراثتی بزرگی کی طرف۔ اکتسابی بزرگی اُس کے جی اٹھنے، صعودِ آسمانی اور بطور خداوند اور مسیح اُس کی سرفرازی کا نتیجہ ہے۔ وہ اپنے تجسم میں تھوڑے عرصہ کے لئے فرشتوں سے کم بن گیا تاکہ موت سپہ سکے (۹:۲)۔ لیکن خدا نے اُسے سرفراز کیا اور بلند ترین جلال پر بٹھایا۔ اُس کی وراثت بزرگی کا تعلق اُس کے

خدا کا بیٹا ہونے سے ہے۔ بیٹے کا نام سب سے "افضل نام" ہے۔

۵:۱۔ یہاں پہلے نے عہد نامہ سے دو آیات پیش کی گئی ہیں جن میں المسیح کو بیٹا بتایا گیا ہے۔ پہلی، زبور ۲: ۷ میں خدا اُسے بطور بیٹا مخاطب کرتا ہے: "تو میرا بیٹا ہے۔ آج تو مجھ سے پیدا ہوا۔" ایک لحاظ سے مسیح ازل سے پیدا شدہ بیٹا ہے۔ دوسرے لحاظ سے وہ تجسم میں پیدا ہوا۔ تیسرے لحاظ سے وہ جی اٹھنے میں پیدا ہوا۔ مردوں میں سے جی اٹھنے والوں میں پہلوٹھا (کلیسیوں ۱۸: ۱)۔ پولس رسول نے اس آیت کو پستید کے عبادت خانے میں استعمال کیا اور اس کا اطلاق مسیح کی پہلی آمد پر کیا (اعمال ۱۳: ۳۳)۔

لیکن بنیادی نکتہ یہ ہے کہ خدا نے کبھی بھی کسی فرشتے کو اپنے "بیٹے" کے طور پر مخاطب نہیں کیا۔ فرشتوں کو مجموعی طور پر تو بیٹا کہا گیا ہے (ایوب ۱: ۶؛ زبور ۸۹: ۶) لیکن ان سے مراد محض مخلوقات ہیں۔ لیکن جب خداوند مسیح کو خدا کا بیٹا کہا گیا تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خدا کے برابر ہے۔

دوسری آیت ۲۔ سموئیل ۷: ۱۴ ہے: "میں اُس کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا۔" ممکن ہے الفاظ سے ایسا محسوس ہو کہ یہاں سلیمان کی طرف اشارہ ہے، تاہم روح القدس یہاں ان کو داؤد کے عظیم بیٹے سے منسوب کرتا ہے۔ یہاں پھر وہی بات ہے کہ خدا نے کبھی کسی فرشتے کو اس طرح مخاطب نہیں کیا۔

۶: ۱۔ تیسرا سبب جس کی بنا پر مسیح فرشتوں سے بڑا ہے یہ ہے کہ وہ ان کی پرستش کا مرکز ہے یعنی وہ اُس کی پرستش کرتے ہیں، وہ اُس کے پیغام بردار اور خادم ہیں۔ اس نکتے کو ثابت کرنے کے لئے مصنف استثناء ۳۲: ۴ اور زبور ۹۷: ۷ کا حوالہ دیتا ہے۔ استثناء ۳۲: ۴ موسیٰ کے گیت کا حصہ ہے جس میں مستقبل میں اسرائیل کے خداوند کی اپنے دشمنوں پر فتح کی منفر کشی کی گئی ہے۔ عبرانیوں کا مصنف اُس فتح کو المسیح کی طرف منتقل کرتا ہے جبکہ خدا "پہلوٹھے کو دنیا میں پھر لاتا ہے۔" بالفاظ دیگر یہ المسیح کی آمد ثانی کی طرف اشارہ ہے۔ اُس وقت فرشتے اُس کی کھلے عام پرستش کریں گے۔ اس کا صرف ایک ہی مطلب ہو سکتا ہے کہ وہ خدا ہے۔ سچے خدا کے سوا کسی اور کی پرستش کرنا بت پرستی ہے۔

"پہلوٹھے" کا مطلب زمانے کے لحاظ سے پہلا (لوقا ۲: ۷) یا مرتبہ اور عزت کے لحاظ سے پہلا (زبور ۸۹: ۲۷) ہو سکتا ہے۔ یہاں اور رومیوں ۸: ۲۹ اور کلیسیوں ۱۵: ۱۸ میں اس کا مؤخر الذکر مطلب ہی ہے۔ ۷: ۱۔ خدا اپنے افضل و برتر بیٹے کے مقابلے میں فرشتوں کو ہوا میں اور اپنے خادموں کو آگ کے شعلے

بناتا ہے۔ ”وہ فرشتوں“ کا خالق اور ناظم و رہنما ہے۔ وہ اُس کی مرضی کو ہوا کی سی تیزی اور آگ کی سی تندہی سے بجالاتے ہیں۔

۸:۱۔ آئیے اب ہم جلالوں کی کھکشاں کو دیکھیں جس میں بیٹا ناقابل موازنہ نظر آتا ہے۔ پہلے خدا اُسے بطور خدا مخاطب کرتا ہے۔ زبور ۴۵:۶ میں خدا باپ المسیح کو ان الفاظ سے پکارتا ہے ”اے خدا! تیرا تخت ابد الابد رہے گا۔“ یہاں پھر مسیح کی الوہیت میں کوئی شک نہیں رہتا اور جو دلیل دی گئی ہیں وہ روایتی عبرانی متن سے لی گئی ہیں (عبرانیوں کے خط کے ہر ایک باب میں کم از کم ایک اقتباس عہد عتیق سے شامل کیا گیا ہے)۔

وہ ابدی حاکم بھی ہے۔ اُس کا تخت ابد تک قائم رہے گا۔ وہ راست باز بادشاہ ہے۔ زبور نویس کہتا ہے کہ اُس کے ہاتھ میں ”راستی کا عصا“ ہے۔ یہ، یہ بتانے کے لئے کہ اس بادشاہ کی سلطنت قطعی دیانت داری اور عزت و وقار پر مبنی ہے ایک شاہراہ انداز ہے۔

۹:۱۔ یہاں اُس کی ذاتی راستبازی اس سے ظاہر ہوتی ہے کہ اُس نے متواتر راست بازی سے محبت اور بدکاری سے عداوت رکھی۔ یہ بلاشبہ اُس کی اُس تینتیس سالہ زندگی کی طرف اشارہ ہے جو اُس نے زمین پر بسر کی جس میں خدا کی آنکھ کو نہ تو اُس کے کردار میں اور نہ اُس کے چال چلن میں کوئی نقص نظر آیا۔ اُس نے ثابت کیا کہ وہ حکومت کرنے کے قابل ہے۔

چونکہ اُسے یہ ذاتی فضیلت حاصل تھی، اس لئے ”خدا نے (اُسے) خوشی کے تیل سے“ اُس کے ”ساقیوں کی نسبت ... زیادہ مسح کیا۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے اُسے دیگر تمام ہستیوں پر برتری دی۔ یہاں تیل غالباً پاک رُوح کی طرف اشارہ ہے۔ دوسروں کی نسبت مسیح کو پاک رُوح دیا گیا! ”یوحنا ۳:۳۴۔ اُس کے ساقیوں میں وہ لوگ بھی شامل تھے جن کے ساتھ وہ خود رہا تھا مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ اُس کے برابر تھے۔ ممکن ہے ان میں فرشتے بھی شامل ہوں لیکن یہاں زیادہ تر اُس کے یہودی بھائیوں کی طرف اشارہ ہے۔

۱۰:۱۔ یسوع مسیح زمین اور آسمان کا خالق ہے۔ یہ زبور ۱۰۲:۲۵-۲۷ سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس زبور میں المسیح کہتا ہے ”اے میرے خدا! مجھے ... نہ اٹھا“ (آیت ۲۴)۔ گتسمنی اور کلوری کی اس دُعا کا جواب خدا باپ نے یوں دیا: ”تو نے قدیم سے زمین کی بنیاد ڈالی۔ آسمان تیرے ہاتھ کی صنعت ہے۔“ اس بات پر بھی غور کریں کہ خدا یہاں آیت ۱۰ میں پڑانے حمد کے یہوواہ سے متعلق کلام کا اطلاق

مسیح پر کرتا ہے۔ یوں وہ اپنے بیٹے کو خداوند یعنی یہوواہ کہتا ہے۔ چنانچہ اس نتیجہ سے کہ سنئے ہمدنام کا لبسوع پر لے ہمدنام کا یہوواہ ہے قرار ممکن نہیں۔

۱۱:۱۲- آیات ۱۱، ۱۲ میں غنوق کی ناپائیداری کا خالق کی بقا کے ساتھ مقابلہ کیا گیا ہے۔ اُس کا کام تو تباہ ہو جائے گا مگر وہ خود باقی رہے گا۔ اگرچہ سورج، چاند، ستارے، سمندر اور دریا دائمی نظر آتے ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ معدوم ہو جائیں گے۔ زبور فرس اُن کو پوشاک سے تشبیہ دیتا ہے: پہلے وہ چرائی ہو جاتی ہے، پھر اسے ناقابل استعمال سمجھ کر تہ کر کے رکھ دیا جاتا ہے اور پھر اسے اُس سے بہتر سے تبدیل کر لیا جاتا ہے۔ ذرا برف سے ڈھکی پہاڑ کی چوٹیوں کے سلسلے، ڈوبتے ہوئے شہزادہ سورج اور تاروں بھرے آسمان پر نظر دوڑائیں۔ پھر ان الفاظ کے زیروم کو سنیں: ”تو انہیں چادر کی طرح پھیلتے گا اور وہ پوشاک کی طرح بدل جائیں گے مگر تو وہی ہے۔“

۱۳:۱- ایک اور اقتباس (زبور ۱۱۰:۱) بیٹے کی انصافیت کو ثابت کرتا ہے۔ اس زبور میں خدا بیٹے کو دعوت دیتا ہے کہ ”تو میری دہنی طرف بیٹھ جب تک میں تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں تلے کی چوکی نہ کر دوں۔“ اب سوال یہ ہے کہ کیا خدا نے اس قسم کی بات کسی فرشتے کو بھی کہی؟ جواب یہ ہے کہ بے شک نہیں۔

خدا کی ”دہنی طرف“ بیٹھنا بے حد عزت اور لامحدود اختیار کو ظاہر کرتا ہے، اور اپنے دشمنوں کو اپنے پاؤں کی ”چوکی“ بنانا یہ کہ وہ کل دنیا کو مغلوب کرے گا اور اُس کی حکومت عالمگیر ہوگی۔

۱۴:۱- فرشتوں کا کام حکومت کرنا نہیں بلکہ خدمت کرنا ہے۔ وہ ذی رُوح ہستیاں ہیں جنہیں خدا نے ”نجات کی میراث پانے والوں کی خدمت“ کے لئے پیدا کیا ہے۔ ہم اسے دو طرح سے سمجھ سکتے ہیں: پہلا، فرشتے اُن کی ”خدمت“ کرتے ہیں جو ابھی ایمان نہیں لائے ہیں۔ دوسرا اُن کی جوگناہ کی سزا اور قوت سے بچ گئے ہیں لیکن ابھی گناہ کی موجودگی سے نہیں بچے یعنی وہ ایمان دار جو ابھی زمین پر ہیں۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ محافظ فرشتے ہیں۔ ہمیں اس قسم کی سچائی پر حیران ہونے کی ضرورت نہیں۔ بُدردوں کی موجودگی ایک یقینی بات ہے جو خدا کے برگزیدوں سے جنگ میں مصروف ہیں (انفیوں ۱۲:۶)۔ تو کیا ہمیں پاک فرشتوں کی موجودگی پر حیران ہونا چاہئے جو نجات کے لئے بلائے ہوؤں کی حفاظت کرتے ہیں؟

آئیے ہم محافظ فرشتوں کو چھوڑ کر اپنے اصل نکتہ پر غور کریں جو یہ ہے کہ فرشتے خدا کے بیٹے سے کم تر ہیں جیسے خادم یا نوکر عالمگیر حاکم سے کم تر ہوتے ہیں۔

۱:۲- مُصِیْف نے ابھی اس بحث کو ختم کیا ہے کہ مسیح فرشتوں سے افضل ہے کیونکہ وہ خدا کا بیٹا ہے۔ یہ دکھانے سے پیشتر کہ وہ بطور ابنِ آدم بھی افضل ہے وہ تھوڑے توقف کے بعد افسیوں کے خط میں دی گئی متعدد تنبیہوں میں سے پہلی کو بھی شامل کرتا ہے۔ یہ تنبیہ انجیل کے پیغام سے بہ کر ”دور“ چلے جانے کے بارے میں ہے۔

چونکہ دینے والا اور اُس کی بخشش کی عظمت عظیم ہے اس لئے جو انجیل کا پیغام سُنتے ہیں انہیں اس پر ”اور بھی دل لگا کر غور کرنا“ چاہئے۔ مسیح کی شخصیت سے ”دور“ چلے جانے اور رسوماتی مذہب میں واپس پھسل جانے کا خطرہ ہمیشہ ہی موجود رہتا ہے۔ اس کا مطلب گمراہی میں پڑ جانا ہے یعنی ایسے گناہ میں جس کے لئے کوئی توبہ نہیں۔

۲:۲- ہم نے پہلے بھی بیان کیا ہے کہ یہودی اپنی تاریخ میں فرشتوں کی خدمت کو خاص اہمیت دیتے تھے۔ غالباً اس کی بڑی مثال وہ ہے جبکہ شریعت دی گئی تو وہاں لاتعداد فرشتے موجود تھے (استثنا ۲:۳۳؛ زبور ۹۸:۱۷)۔ یہ درست ہے کہ شریعت ”فرشتوں کی معرفت“ دی گئی تھی۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ شریعت کا حُدُول کرنے والے کو ٹھیک ٹھیک بدلہ ملا۔

۳:۲- لیکن اب بحث کم اہمیت کے حامل سے زیادہ اہمیت کے حامل کی طرف بڑھتی ہے۔ اگر شریعت کو توڑنے والوں کو سزا ملتی ہے تو پھر ان کی قسمت کا کیا ہوگا جو انجیل کی خوشخبری کو نظر انداز کرتے ہیں؟ شریعت یہ باقی ہے کہ انسان پر کیا کرنا فرض ہے، جبکہ انجیل یہ کہ خدا نے کیا کیا ہے۔ شریعت سے ہمیں گناہ کا علم ہوتا ہے اور انجیل سے ”نجات“ کا۔

پس ”اتنی بڑی نجات سے فاضل“ رہنا، شریعت کو توڑنے سے کہیں زیادہ سنگین ہے۔ خدا نے شریعت فرشتوں کی معرفت موسیٰ کو دی تھی اور اُس نے اُس کے اُمت کو دی۔ لیکن انجیل کی خوشخبری مسیح خداوند نے خود براہِ راست بیان کی۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ اس کی تصدیق رسولوں اور دیگر نے بھی کی جنہوں نے اسے نجات دہندہ سے سنا تھا۔

۴:۲- اور اس کے ساتھ خدا نے خود بھی اس کی تصدیق ”نشانوں اور عجیب کاموں اور طرح طرح کے معجزوں اور رُوح القدس کی نعمتوں کے ذریعہ“ سے کی۔ ”نشان“ خداوند مسیح اور رسولوں کے وہ معجزے تھے جن سے رُوحانی سچائیاں ظاہر ہوتی تھیں۔ مثلاً پانچ ہزار کو کھانا کھلانا (یوحنا ۶:۱-۱۴) ایک ایسی بنیاد تھی جس سے مابعد زندگی کی روٹی پر گفتگو کرنے کا موقع ملا (یوحنا ۶:۲۵-۵۹)۔ ”عجیب کام“ وہ معجزے تھے جن کا مقصد لوگوں میں تسخیر پیدا کرنا تھا، مثلاً لغز کو زندہ کرنا (یوحنا ۱۱:۱-۴۴)۔

”مُجَرَّبَ“ مافوق الغرط قوت کا اظہار تھے جو قانونِ فطرت کی مزاحمت کرتے تھے۔ ”روح القدس کی نعمتیں“ جو آدمیوں کو دی گئیں بولنے اور کام کرنے کی وہ خاص قابلیتیں تھیں جو ان کی فطری قابلیت سے قطعی بلند تھیں۔ ان معجزات کا مقصد خوشخبری کی تصدیق کرنا تھا، خاص طور پر یہودیوں کے لئے جو کسی بات پر ایمان لانے سے پیشتر اپنی روایت کے مطابق نشان طلب کرتے تھے۔ لیکن ایسی شہادتیں ملتی ہیں کہ جب نیا عہد نامہ تحریر میں صورت میں وجود میں آگیا تو تصدیقی معجزات کی ضرورت ختم ہو گئی۔ تاہم یہ کہنا مشکل ہے کہ روح القدس دوسرے زمانوں میں ان معجزات کو کبھی نہیں دہرائے گا۔

یہ الفاظ کہ ”اپنی مرضی کے موافق“ ظاہر کرتے ہیں کہ روح القدس یہ معجزاتی قوتیں ایمان داروں کو اپنی مرضی کے مطابق دیتا ہے۔ خدا کی یہ نعمتیں اُس کی آزاد مرضی کے مطابق دی جاتی ہیں۔ انسان ان کا تقاضا نہیں کر سکتا اور نہ وہ اپنی دعا کے جواب کے طور پر ان کا دعویٰ کر سکتا ہے کیونکہ خدا نے ان کا ان سے کبھی وعدہ نہیں کیا ہے۔

۵:۲۔ ہم نے پہلے باب میں دیکھا کہ مسیح خدا کے بیٹے کے طور پر فرشتوں سے افضل ہے۔ اب ہم یہ دیکھیں گے کہ وہ بطور ابنِ آدم بھی افضل ہے۔ اگر ہم یہ یاد رکھیں گے کہ یہودی ذہن کے نزدیک مسیح کا تہتم خارج از قیاس اور اُس کی پستی باعثِ شرم تھی تو خیالات کے بہاؤ کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ یہودیوں کے نزدیک یسوع محض انسان تھا اس لئے وہ فرشتوں کی نسبت کمتر طبقے سے تعلق رکھتا تھا۔ لیکن درج ذیل آیات بتاتی ہیں کہ ابنِ آدم ہوتے ہوئے بھی وہ فرشتوں سے افضل تھا۔

سب سے پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ ”مستقیل کے جہان“ کے بارے میں خدا نے یہ حکم نہیں دیا کہ وہ ”فرشتوں“ کے کنٹرول میں ہوگا۔ یہاں ”آنے والے جہان“ سے مراد وہ پُر امن اور خوشحال زمانہ ہے جس کا ذکر انبیاء عموماً کیا کرتے تھے۔ ہم اسے ہزار سالہ بادشاہت کہتے ہیں۔

۶:۲۔ یہاں زبور ۸:۴-۶ سے اقتباس یہ دکھانے کے لئے دیا گیا ہے کہ زمین پر بالآخر حکومت کا اختیار آدمی کو دیا گیا ہے نہ کہ فرشتوں کو۔ ایک لحاظ سے آدمی حقیر سی ہستی ہے لیکن اُس کے باوجود بھی خدا اُس کا خیال کرتا ہے۔ ایک لحاظ سے آدمی کی کوئی اہمیت نہیں، تو بھی خدا اُس پر نگاہ کرتا ہے۔

۷:۲۔ تخلیق کی درجہ بندی میں انسان ”فرشتوں سے کچھ ہی کم ہے۔ وہ اُن کی نسبت علم، حرکت کرنے اور قوت میں کمزور ہے، اور پھر یہ کہ وہ فانی ہے۔ تاہم خدا کے مقاصد میں اُس پر جلال اور عزت کا تاج رکھا“ گیا ہے۔ اُس کی بدنی اور ذہنی مجبوری بہت حد تک ختم کر دی جائے گی اور اُسے زمین پر سرفراز کیا جائے گا۔

۸:۲ - اُس دن سب کچھ — فرشتگان، حیوانات، پرندے، پھلیاں، نباتات — آدمی کے اختیار کے تابع کر دیا جائے گا، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ کائنات کا ہر ایک حصہ اُس کے کنٹرول تلے آجائے گا۔

انسان کے لئے خدا کا اصل ارادہ یہی تھا۔ مثلاً اُس نے اُسے کہا تھا: ”پھلو اور بڑھو اور زمین کو معمور و محکوم کرو اور سمندر کی مچھلیوں اور ہوا کے پرندوں اور کل جانوروں پر جو زمین پر چلتے ہیں اختیار رکھو“ (پیدائش: ۱۸)۔

لیکن کیا وہ ہے کہ ہم ”سب چیزیں“ اُس کے تابع نہیں دیکھتے؟ جواب یہ ہے کہ انسان نے اپنا اختیار گناہ کی وجہ سے کھو دیا۔ یہ آدم کا گناہ ہی تھا جس کی وجہ سے تخلیق پر لعنت آئی۔ فرمانبردار جاندار وحشی بن گئے۔ زمین نے اُونٹے کٹارے اور جھاڑیاں اُگانی شروع کر دیں۔ انسان کے فطرت پر کنٹرول کو چیلنج کیا جانے لگا اور محدود ہو گیا۔

۹:۲ - لیکن جب ابن آدم زمین پر حکومت کرنے کے لئے آئے گا تو انسان کا اختیار بحال ہو جائے گا۔ یسوع، بحیثیت انسان جو کچھ آدم نے گنوا دیا اُسے اور اُس کے علاوہ اور بہت کچھ بحال کر دے گا۔ پس اب جبکہ ہم سب کچھ انسان کے کنٹرول میں نہیں دیکھتے تو ہم ”یسوع“ کو دیکھتے ہیں اور اُس میں ہمیں انسان کی بلا فر زمین پر حکومت کرنے کی گنجی مل جاتی ہے۔

تھوڑے عرصہ کے لئے وہ ”فرشتوں سے کچھ ہی کم کیا گیا“ خاص طور پر اپنی زمینی زندگی کے تین تیس سالوں کے لئے — اُس کی پستی کے درجات کو ہم اُس کے آسمان سے بیت لحم میں آنے، وہاں سے گتسمیٰ عدالت کے چبوترو، گلگتا اور قبر تک دیکھتے ہیں۔ لیکن اب ”جلال اور عزت کا تاج اُسے پہنایا گیا“۔ اُس کی سرفرازی اُس کے دکھ اٹھانے اور موت کا تیج ہے۔ صلیب اُسے تاج مکہ لے گئی۔

اس سب میں خدا کا پُر فضل مقصد یہ تھا کہ مسیح ”ہر ایک آدمی کے لئے موت کا مزہ چکھے“۔ نجات دہندہ ہمارے نمائندہ کے طور پر اور ہمارے بدلے میں مٹا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بطور آدمی، آدمی کے لئے مٹا۔ اُس نے گناہ کے خلاف خدا کی تمام عدالت کو اپنے بدن پر صلیب پر سہا تاکہ وہ لوگ جو اُس پر ایمان لاتے ہیں انہیں وہ کبھی نہ اٹھانی پڑے۔

۱۰:۲ - یہ خدا کے راست کردار کے عین مطابق تھا کہ نجات دہندہ کی تذلیل کے ذریعہ انسان کے اختیار کو پھر بحال کرے۔ گناہ نے خدا کے نظام کائنات کو بگاڑ دیا تھا۔ اس سے پیشتر کہ اُس نظام کو افراتفری سے نکالا جائے ضروری تھا کہ گناہ کی راستی سے عدالت کی جائے۔ یہ خدا کے پاک کردار

کے عین مطابق تھا کہ گناہ کو دور کرنے کے لئے مسیح دکھ اٹھائے، خون بہائے اور موت ہے۔
 دانش مند منصوبہ ساز کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ "وہ تھا جس کے لئے سب چیزیں ہیں اور
 جس کے وسیلہ سے سب چیزیں ہیں۔" اول، وہ تخلیق کا نصب العین تھا۔ تمام چیزیں اُس کے
 جلال اور خوشی کے لئے پیدا کی گئیں۔ لیکن اُس کے ساتھ ہی وہ تمام تخلیق کا بانی بھی ہے۔ اُس کے بغیر
 کوئی چیز پیدا نہیں ہوئی۔

اُس کا عظیم مقصد "بہت سے بیٹوں کو جلال میں داخل کرنا تھا۔ جب ہم اپنے بچتے ہیں پر
 غور کرتے ہیں تو یہ سوچ کر حیران ہو جاتے ہیں کہ اُسے بھی ہمارے ساتھ تکلیف اٹھانی پڑی، لیکن یہ اُس کے لئے
 تھا کیونکہ وہ پُر فضل خدا ہے اور کہ اُس نے ہمیں اپنے ابدی جلال کے لئے بلایا ہے۔

ہمارے جلال پانے کی قیمت کیا ہے؟ ہمارے "نجات کے بانی کو دکھوں کے ذریعہ سے کاہل" کیا گیا۔
 جہاں تک اُس کے اخلاقی کردار کا تعلق ہے خداوند یسوع ہمیشہ ہی کامل طور پر بے گناہ تھا۔ اس سلسلے میں
 اُسے کاہل نہیں بنایا جاسکتا تھا۔ لیکن اُسے ہمارے نجات دہندہ کے طور پر "کاہل" بننا پڑا۔ ہمارے لئے
 ابدی غلصی خریدنے کے لئے اُسے وہ تمام سزا سہنی پڑی جس کے ہمارے گناہ حق دار تھے۔ ہم اُس کی
 بے داغ زندگی سے نہیں بچ سکتے تھے، اُس کی عوضی موت ہی بدیہی ضرورت تھی۔

خدا نے ہمیں بچانے کے لئے ایسا طریقہ اختیار کیا جو اُس کے شایان شان تھا۔ اُس نے اپنے اکلوتے
 بیٹے کو ہماری جگہ مرنے کے لئے بھیجا۔

۱۱:۲۔ اگلی تین آیات یسوع کی انسانیت کی کاملیت پر زور دیتی ہیں۔ اگر وہ اُس اختیار کو جو آدم نے
 گنوا دیا تھا دوبارہ حاصل کرنا چاہتا ہے تو اُسے دکھانا ہوگا کہ وہ حقیقی انسان ہے۔

سب سے پہلے اس حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ "پاک کرنے والا اور پاک ہونے والے سب ایک
 ہی اصل سے ہیں" یعنی دونوں ہی بشریت رکھتے ہیں یا ایک ہی اصل سے ہیں" کا مطلب یہ ہے کہ اُن کا
 خدا اور باپ ایک ہی ہے۔

مسیح وہ ہے جو "پاک" کرتا ہے یعنی وہ لوگوں کو خدا کے لئے دُنیا سے الگ کرتا ہے۔ ایسے لوگ
 مُبارک ہیں۔

مقدس شخص یا شے وہ ہے جسے اُس کے عام استعمال سے خدا کی ملکیت، استعمال اور لطف
 اندوزی کے لئے الگ کیا گیا ہے۔ تقدیس کا الٹ غیر مقدس یا نجس ہونا ہے۔

بائبل میں تقدیس کے چار پہلو بیان کئے گئے ہیں: تبدیلی سے پہلے تقدیس، پوزیشن یا مقام

کے لحاظ سے تقدیس، عملی تقدیس اور کامل تقدیس۔

قارئین کو عبرانیوں کے خط میں ایسے حصے تلاش کرنے چاہئیں جہاں تقدیس کا بیان کیا گیا ہے۔ اور یہ دیکھنا چاہئے کہ یہاں کس قسم کی تقدیس پیش نظر ہے۔

چونکہ وہ حقیقی انسان بنا، اس لئے وہ اپنے پیروکاروں کو ”بھائی کہنے سے نہیں شرماتا“ کیا یہ ممکن ہے کہ اس کا ثنات کا ابدی حاکم انسان بنے اور اپنے آپ کو اپنی مخلوق سے اس قدر قریب سمجھے کہ انہیں اپنا بھائی کہے؟

۱۲:۲۔ اس کا جواب زبور ۲۲:۲۲ میں ملتا ہے جہاں وہ کہتا ہے: ”تیرا نام میں اپنے بھائیوں سے بیان کروں گا“۔ یہی آیت اُسے اپنے لوگوں کے ساتھ عام پرستش میں بھی شامل دکھاتی ہے: ”کیلیسیا میں تیری حمد کے گیت گاؤں گا“۔ اپنی جان کنی کی حالت میں اُس نے اُس دن کی طرف دیکھا جب وہ مخلصی یافتہ لوگوں کے ساتھ خدا باپ کی حمد کرے گا۔

۱۳:۲۔ یہ ثابت کرنے کے لئے کہ مسیح حقیقی انسان تھا یہودی معائف سے مزید دو آیات پیش کی گئی ہیں۔ یسعیاہ ۸:۱۴ میں وہ خدا پر اپنے اعتماد کو ظاہر کرتا ہے۔ یہود وہ پرکلی ”بھروسا“ ہی حقیقی انسانیت کا نشان ہے۔ پھر خداوند یسعیاہ ۸:۱۸ میں کہتا ہے ”دیکھ میں اُن لوگوں سمیت جنہیں خدا نے مجھے دیا“۔ یہاں یہ خیال کار فرما ہے کہ وہ ایک ہی خاندان کے افراد ہیں جن کا باپ بھی ایک ہی ہے۔

۱۴:۲۔ وہ لوگ جو ابن آدم کی پستی کو شرم ناک سمجھتے ہیں، لازم ہے کہ وہ اُن چار برکات پر غور کریں جو اُس کے دکھوں کے نتیجے میں ملیں۔

پہلی، شیطان کی تباہی ہے۔ یہ کیسے وقوع میں آئی؟ خدا نے اپنے بچوں کو ایک خاص مفہوم میں پاک کرنے، بچانے اور نجات دینے کے لئے مسیح کو دیا۔ چونکہ ان بچوں کی انسانی فطرت تھی اس لئے خداوند یسوع نے بھی خون اور گوشت کا جسم اختیار کیا۔ اُس نے اپنی الوہیت کے ظاہر اظہار کو ایک طرف رکھا اور اپنی ربوبیت کو مٹی کے لباس میں چھپا لیا۔

لیکن وہ بیت لحم پر رُکنا نہیں بلکہ کوری تک پہنچا کیونکہ وہ مجھے پیار کرتا ہے۔

اپنی ”موت کے وسیلے“ اُس نے اُسے جسے موت پر قدرت حاصل تھی یعنی ابلیس کو تباہ کر دیا۔ یہاں تباہ کرنے کا مطلب صفو پرستی سے مٹانا نہیں بلکہ بے اثر کرنا ہے۔ شیطان اب بھی اس دُنیا میں خدا کے مقصد کی مخالفت کرتا ہے لیکن اُسے صلیب پر بڑا کاری زخم لگا ہے۔ اُس کا وقت کم ہے اور اُس

کی عاقبت کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ وہ ایک شکست خوردہ دشمن ہے۔

کرن معنوں میں شیطان کو ”موت پر قدرت حاصل تھی؟“ غالباً اس کا سب سے بڑا مطلب یہ ہے کہ وہ موت کا مطالبہ کر سکتا تھا۔ شیطان کے ذریعہ ہی سب سے پہلے گناہ دُنیا میں داخل ہوا۔ چنانچہ خدا کی پاکیزگی نے تمام گنہگاروں پر موت کا حکم لگایا۔ پس مخالفت کے طور پر ابلیس یہ مطالبہ کر سکتا ہے کہ سزا دی جائے۔

بائبل مقدس میں ہمیں کوئی ایسا حوالہ نہیں ملتا جس سے ظاہر ہو کہ شیطان خدا کی اجازت کے بغیر کسی پر موت کا حکم لگا سکتا ہے (ایوب ۲: ۶)۔ پس وہ ایمان دار کی موت کا وقت مقرر نہیں کر سکتا۔ تاہم بعض اوقات اُسے کسی بدکار کے ذریعہ ایمان دار کو ہلاک کرنے کی اجازت مل جاتی ہے۔ لیکن یسوع نے اپنے شاگردوں کو متنبہ کیا ہے کہ وہ اُن سے نہ ڈریں جو جسم کو قتل کر سکتے ہیں بلکہ خدا سے ڈریں جو بدن اور روح دونوں کو دوزخ میں ڈال سکتا ہے (متی ۲۸: ۱۰)۔

پرانے عہد نامہ میں حنوک اور ایلیاہ موت کا مزہ چکھتے بغیر ہی آسمان پر چلے گئے۔ بلاشبہ یہ اس لئے تھا کہ بطور ایمان دار وہ مسیح کی مستقبل میں موت میں مر چکے تھے۔

جب مسیح بادلوں پر آئے گا تو تمام زندہ ایمان دار وفات پائے بغیر آسمان پر جائیں گے۔ وہ اس لئے نہیں کریں گے کیونکہ اُن کے بارے میں خدا کی پاکیزگی مسیح کی موت کے باعث مطمئن ہو گئی۔ جی اٹھے مسیح کے پاس اب ”موت اور عالم ارواح کی گنجیاں“ ہیں (مکاشفہ ۱: ۱۸)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ ان پر مکمل اختیار رکھتا ہے۔

۱۵: ۲۔ مسیح کی پستی کی دوسری برکت یہ ہے کہ ہمیں ”ڈر“ سے رہائی ملتی ہے۔ مسیح کی صلیب سے پیشتر لوگ ساری عمر ”موت کے ڈر“ میں مبتلا رہتے تھے۔ اگرچہ پرانے عہد نامہ میں کہیں کہیں موت کے بعد زندگی کی جھلکیاں ملتی ہیں، تاہم عام تاثر بے یقینی، خوف اور افسردگی کا ہی ملتا ہے۔ جو اُس وقت دھندلا تھا اب صاف نظر آتا ہے کیونکہ مسیح زندگی اور بقا لایا ہے (۲ تیمتھیس ۱: ۱۰)۔

۱۶: ۲۔ تیسری زبردست برکت گناہ کا کفارہ ہے۔ دُنیا میں آنے سے خداوند ”فرشتوں کا نہیں بلکہ ابراہام کی نسل کا ساتھ دیتا ہے۔“

”ابراہام کی نسل“ سے مراد اُس کی جسمانی اولاد یعنی یہودی ہو سکتے ہیں یا پھر اُس کی روحانی اولاد یعنی ہر زمانہ کے ایمان دار۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ وہ انسان ہیں نہ کہ فرشتے۔

۱۷: ۲۔ پس یہ ضروری تھا کہ وہ ہر لحاظ سے ”اپنے بھائیوں کی مانند“ بنے۔ اُس نے حقیقی اور

کارل انسانیت اختیار کی۔ اُس میں ماسوائے گناہ انسانی خواہشات، خیالات، احساسات اور جذبات پاسے جاتے تھے۔ اُس کی انسانیت مثالی تھی۔ ہرادی انسانیت پر ایک خارجی عنصر یعنی گناہ نے حملہ کیا ہے۔ اُس کی کارل انسانیت اُسے ”اُن باتوں میں جو خدا سے علاقہ رکھتی ہیں ایک رحمدل اور دیانت دار سردار کا ہن“ بننے کے قابل بنا دیتی ہے۔ وہ انسان کے ساتھ ”رحمدل“ اور خدا کے ساتھ ”دیانت دار“ ہو سکتا ہے۔ بطور ”سردار کا ہن“ اُس کا سب سے بڑا کام ”امت کے گناہوں کا کفارہ“ دینا تھا۔ ایسا کرنے کے لئے اُس نے وہ کام کیا جو کبھی کسی سردار کا ہن نے نہیں کیا یا کر ہی نہیں سکتا تھا۔ اُس نے خود کو بے عیب برہ کی طرح قربانی کے لئے پیش کیا۔ اُس نے اپنی مرضی سے ہماری جگہ جان دی۔

۱۸:۲۔ چوتھی برکت ”آزمائش“ میں پڑے ہوئے لوگوں کے لئے مدد ہے۔ کیونکہ اُس نے خود بھی ”آزمائش کی حالت میں دکھ اٹھایا“ اس لئے ”وہ اُن کی بھی مدد کر سکتا ہے جن کی آزمائش ہوتی ہے۔“ وہ اُن کی جو آزمائش سے گزر رہے ہیں مدد کر سکتا ہے کیونکہ وہ خود بھی اُن میں سے گزرا ہے۔

یہاں پھر ہم ایک استثنائی بات کا اضافہ کرنا چاہتے ہیں۔ خداوند یسوع کی آزمائش باہر کی طرف سے ہوئی نہ کہ باطن کی طرف سے۔ بنیاد میں آزمائش سے ظاہر ہے کہ وہ بیرونی تھی۔ شیطان اُس پر ظاہر ہوتا ہے اور خارجی ترغیبات سے آزمانے کی کوشش کرتا ہے۔ لیکن نجات دہندہ کو کبھی بھی باطنی خواہشات اور جذبات سے نہیں آزما یا جاسکتا تھا کیونکہ اُس میں گناہ نہیں تھا اور نہ کوئی ایسی چیز جو گناہ کے قریب میں آجاتی۔ اُس نے ”آزمائش کی حالت میں دکھ اٹھایا۔“ ہمیں آزمائش کا مقابلہ کرنے سے دکھ ہوتا ہے، جبکہ اُسے آزمائے جانے سے دکھ ہوا۔

ج۔ مسیح موسیٰ اور یسوع سے افضل ہے (۱۰:۳-۱۳:۴)

۱۱:۳۔ موسیٰ بنی اسرائیل کا سب سے بڑا اقویٰ ہیرو تھا۔ چنانچہ مصنف کی حکمت عملی میں تیسرا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ وہ موسیٰ پر مسیح کی لامحدود افضلیت دکھاتا ہے۔

یہ پیغام ”پاک بھائیوں“ کو دیا گیا ہے جو آسمانی بلاؤں میں شریک ہیں۔ تمام ایمان دار جہاں تک اُن کی حیثیت کا تعلق ہے پاک ہیں اور انہیں اپنے عملوں میں بھی پاک بننا چاہئے۔ مسیح میں وہ پاک ہیں اور انہیں اپنے آپ میں بھی پاک بننا چاہئے۔

اُن کی آسمانی بلاؤں“ بنی اسرائیل کی زمینی بلاؤں سے مختلف ہے۔ پر کرنے عہد نامہ کے بُزدلوں کو ملکِ موعود میں مادی برکات کے لئے بلا یا گیا تھا (اگرچہ انہیں آسمانی اُمید بھی تھی)۔ اب کلیسیائی

زمانہ میں ایمان داروں کو آسمانی برکات اور مستقبل میں آسمانی وراثت کے لئے بلایا گیا ہے۔
 یسوع پر غور کرو۔ ہمیں اُس "رسول اور سردار کاہن" پر "جس کا ہم اقرار کرتے ہیں" بڑے احترام سے غور کرنا چاہئے۔ جب ہم اُس کا بطور "رسول" اقرار کرتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمارے سامنے خدا کو پیش کرتا ہے، اور جب ہم اُس کا بطور "سردار کاہن" اقرار کرتے ہیں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیں خدا کے حضور پیش کرتا ہے۔

۲:۳۔ ایک پہلو ایسا ہے جس میں وہ واقعی موسیٰ کی مانند ہے۔ وہ خدا کے "حق میں دیانت دار تھا جس طرح موسیٰ اُس کے سارے گھر میں تھا۔ یہاں گھر سے مراد صرف خیمہ اجتماع نہیں ہے بلکہ وہ تمام طبقہ جس میں موسیٰ خدا کی خدمت کیا کرتا تھا۔ یہ گھر اسرائیل ہے یعنی خدا کے قدیم زمینی لوگ۔
 ۳:۳۔ لیکن یہاں پر مماثلت ختم ہو جاتی ہے۔ باقی تمام پہلوؤں میں یسوع موسیٰ سے لامقام افضل ہے۔ پہلی بات یہ کہ خداوند یسوع موسیٰ سے ... زیادہ عزت کے لائق ہے کیونکہ گھر کا بنانے والا گھر سے زیادہ عزت دار ہوتا ہے۔" خداوند یسوع خدا کا گھر بنانے والا تھا جبکہ موسیٰ گھر کا صرف ایک حصہ تھا۔

۴:۳۔ دوسری بات یہ کہ یسوع اس لئے افضل ہے کیونکہ وہ الہی ذات ہے۔ "ہر ایک گھر کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہوتا ہے۔ لیکن جس نے سب چیزیں بنائیں وہ خدا ہے۔" ہم یوحنا ۱:۳؛ کلمیوں ۱۶:۱ اور عبرانیوں ۱:۱۲-۱۰ سے سیکھتے ہیں کہ تخلیق کا ثبات میں یسوع سرگرم عمل تھا۔ اس کا بدیہی نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ مسیح خدا ہے۔

۵:۳۔ تیسرا نکتہ یہ ہے کہ یسوع بیٹا ہونے کی وجہ سے افضل ہے۔ "موسیٰ" وفادار "خادم" تھا جو خدا کے "سارے گھر میں" ... دیانت دار تھا (گنتی ۱۲:۷) اور وہ لوگوں کی امیج کی طرف راہنمائی کرتا تھا۔ اُس نے "آئندہ بیان ہونے والی باتوں کی گواہی" دی یعنی مسیح میں نجات کی خوشخبری کی۔ بدین وجہ ایک موقع پر یسوع نے کہا "اگر تم موسیٰ کا یقین کرتے تو میرا بھی یقین کرتے۔ اس لئے کہ اُس نے میرے حق میں لکھا ہے" (یوحنا ۵:۴۶)۔ اُمّا اُس کی راہ پر اپنے دُشمنانِ گردن کے ساتھ گفتگو کے دوران یسوع نے موسیٰ اور تمام انبیاء سے شروع کر کے "سب نوشتوں میں جتنی باتیں اُس کے حق میں لکھی ہوئی ہیں وہ اُن کو سمجھا دیں" (لوقا ۲۴:۲۷)۔

۶:۳۔ "لیکن مسیح" خادم کے طور پر نہیں بلکہ "بیٹے کی طرح" خدا کے گھر کا مختار ہے، اور اُس کی نسبت سے بیٹے کا مطلب خدا کے برابر ہونا ہے۔ خدا کا گھر، اُس کا اپنا گھر ہے۔

یہاں مصنف یہ بتاتا ہے کہ آج کل خدا کے گھر سے کیا مراد ہے۔ یہ خداوند یسوع میں تمام ایمان داروں پر مشتمل ہے: اُس کا گھر ہم ہیں بشرطیکہ اپنی دلیری اور اُمید کا فخر آخر تک مضبوطی سے قائم رکھیں۔ شاید پہلے پہل اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ہماری نجات کا انحصار مضبوطی سے قائم رہنے میں ہے۔ اس صورت میں ہماری نجات مسیح کے صلیب پر تکمیل شدہ کام کی بجائے ہمارے مضبوطی سے قائم رہنے پر ہوگی۔ لیکن اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ جب ہم مضبوطی سے قائم رہتے ہیں تو ثابت کرتے ہیں کہ ہم خدا کا حقیقی گھر ہیں۔ قائم رہنا حقیقت کا ثبوت ہے۔ وہ لوگ جو مسیح پر اور اُس کے وعدوں پر اعتماد کھو بیٹھتے ہیں اور رسومات کی طرف لوٹ جاتے ہیں یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ کبھی نے دوسرے سے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ درج ذیل تنبیہ اسی قسم کی گمراہی کے بارے میں ہے۔

۷:۳۔ اس موقع پر مصنف دوسری تنبیہ کرتا ہے۔ یہ دل کو سخت کر لینے کے بارے میں ہے۔ اس کا تجربہ بنی اسرائیل کو بیان میں ہوا اور ہمیں بھی ہو سکتا ہے۔ ”لہذا رُوح القدس“ زبور ۹۵: ۷-۱۱ کے ذریعہ، اب بھی ہم سے ہمکلام ہے کہ ”اگر آج تم اُس کی آواز سنو“۔

۸:۳۔ جب خدا ہمکلام ہوتا ہے تو ہمیں سننے میں جلدی کرنی چاہئے۔ اگر ہم اُس کے کلام پر شک کرتے ہیں تو اسے جھوٹا ٹھہراتے اور اُس کے غضب کو بھڑکاتے ہیں۔

تمام اسرائیل کی بیابان میں یہی تاریخ تھی۔ یہ شکایات، لالچ، مبت پرستی، بے اعتقادی، اور بغاوت پر مشتمل تھی۔ مثلاً زبیریم کے مقام پر انہوں نے پانی کی کمی کی شکایت کی اور اپنے درمیان خدا کی حضوری پر شک کیا (خروج ۱۷: ۱-۱۷)۔ دشت فاران میں جب بے اعتماد جاسوس حوصلہ شکنی اور شک و شبہات کی بُری رپورٹ کے ساتھ واپس آئے (گنتی ۱۳: ۲۵-۲۹) تو لوگوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے غلامی کے ملک مصر کو واپس جائیں گے (گنتی ۱۴: ۴)۔

۹:۳۔ خدا اس بات سے بے حد غضب ناک ہوا اور فیصلہ کیا کہ لوگ بیابان میں چالیس سال بھٹکتے رہیں گے (گنتی ۱۴: ۳۳-۳۴)۔ اُن تمام سپاہیوں میں سے جو مصر سے نکلے تھے اور جن کی عمر بیس سال سے اوپر تھی اُن میں سے صرف ۲ کنعان میں داخل ہوں گے۔ اُن میں سے ایک کا نام کالب اور دوسرے کا یسوع تھا (گنتی ۱۴: ۲۸-۳۰)۔

یہ بات بڑی اہمیت کی حامل ہے کہ جس طرح بنی اسرائیل چالیس سال بیابان میں بھٹکتے پھرنے اُسی طرح مسیح کی موت کے بعد تقریباً چالیس سال پاک رُوح اسرائیلی قوم میں کام کرتا رہا، لیکن انہوں نے مسیح کے پیغام کی طرف سے دل سخت کر لیا۔ یہاں تک کہ سن ۷۰ میں یہ یروشلیم تباہ کر دیا گیا اور لوگ

غیر اقوام میں پر لگندہ ہو گئے۔

۱۰:۳۔ خُدا کی بنی اسرائیل کے ساتھ بیابان میں گہری ناراضی اس ملامت کا سبب تھی۔ اُس نے اُن پر الزام لگایا کہ اُن کے دل ہمیشہ اُس سے دُور رہتے اور وہ دیدہ و دانستہ اُس کی ”راہوں“ کو نظر انداز کرتے ہیں۔

۱۱:۳۔ چنانچہ اُس نے اپنے غضب میں قسم کھائی کہ ”وہ اُس کے آرام میں“ یعنی مُلکِ کنعان میں داخل نہ ہونے پائیں گے۔

۱۲:۳۔ پاک مَورح کو اسرائیل کے ساتھ جو تجربہ بیابانی میں ہوا تھا، اس کا اطلاق آیات ۱۲-۱۵ میں کیا گیا ہے۔ عبرانی روایت کے مطابق یہاں بھی اُن کو ”اُسے بھائیو“ کہہ کر مخاطب کیا گیا ہے۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ سب حقیقی مسیحی تھے۔ پُس تمام ایمان داروں کو ”بے ایمان“ دل کے نقصان کی طرف سے ہوشیار رہنا چاہئے مبادا وہ ”انہیں زندہ خُدا“ سے پھیر دے۔ یہ ایک مسلسل خطرہ ہے۔

۱۳:۳۔ اس کا ایک تریاق باہمی پسند و نفاق ہے۔ خاص طور پر مُشکلات اور مُصیبت کے دنوں میں خُدا کے لوگوں کو دوسروں کو ”ہر روز“ نصیحت کرتے رہنا چاہئے کہ وہ ایسے مذہب کے لئے جو گنہ کا موثر طریقہ سے علاج نہیں کر سکتا مسیح کو نرک نہ کریں۔

یہ نصیحت صرف خدمت گزاروں کے لئے ہی نہیں بلکہ ہر ایک بھائی کا فرض ہے۔ اسے اُس وقت تک جاری رہنا چاہئے جسے ”آج“ کہا جاتا ہے یعنی جب تک خُدا ایمان کے وسیلے فضل سے نجات کو پیش کرتا رہتا ہے۔ ”آج“ قبولیت کا وقت ہے۔ یہ نجات کا دن ہے۔ خُدا سے پھر جائا گناہ کے فریب میں آکر سخت دل ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ گناہ تصورات میں بٹانا خوبصورت نظر آتا ہے۔ یہاں وہ یسوع کی تدبیل سے بچاؤ، پاکیزگی کے کم معیار، نشان دار رُحومات اور دنیاوی فوائد کی پیشکش کرتا ہے۔ لیکن بعد میں اس کے درشت انگیز نتائج نکلتے ہیں۔ یہ آدمی کو گناہوں کی معافی، قبر سے اُگے اُمید اور توبہ کے امکان سے محروم کر دیتا ہے۔

۱۴:۳۔ ایک مرتبہ پھر ہمیں یاد دلایا جاتا ہے کہ اگر ہم اپنے ابتدائی بھروسے پر آخر تک مضبوطی سے قائم رہیں تو ہم ”مسیح میں شریک“ ہیں۔ اس قسم کی آیات کو اکثر غلط تعلیم کے لئے استعمال کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نجات پانے کے بعد پھر نجات سے محروم ہو سکتا ہے۔ لیکن بائبل میں کثرت سے شہادتیں ملتی ہیں کہ نجات خُدا کے فضل سے مفت ملتی ہے، مسیح نے اُسے اپنے خون سے خریدا ہے اور اُس کا ثبوت نیک کاموں سے ملتا ہے۔ سچا ایمان پائیداری کا حامل ہوتا ہے۔ ہم اپنی نجات کو قائم رکھنے کے لئے قائم

نہیں رہتے بلکہ یہ ایک ثبوت ہے کہ ہم حقیقتاً پیچ گئے ہیں۔ ایمان نجات کی بڑے اور قائم رہنا پھل ہے۔ مسیح میں کون شامل ہیں؟ جواب یہ ہے کہ وہ جو ایمان پر مضبوطی سے جیسے رہنے سے ثابت کرتے ہیں کہ وہ حقیقتاً اُس کے ہیں۔

۱۵:۳۔ اب مصنف زبور ۹۵: ۷، ۸ کے الفاظ دہراتے ہوئے اسرائیل کے افسوس ناک تجربہ کا شخصی اطلاق کرتا ہے: ”اگر آج تم اُس کی آواز سنو تو اپنے دلوں کو سخت نہ کرو جس طرح کہ غصہ دلانے کے وقت کیا تھا۔“ یہ سخت دلیل جو ایک مرتبہ اسرائیل سے کی گئی اب اُس سے کی جاتی ہے جس پر خوشخبری سے مہذبہ طور پر شریعت سے رجوع کرنے کی آزمائش آتی ہے۔

۱۶:۳۔ باب کا اختتام اسرائیل کی گمراہی کی تاریخی تفسیر سے ہوتا ہے۔ مصنف تین سوالوں اور اُن کے جوابوں میں اسرائیل کی بغاوت، غصہ دلانے اور کئے کی سزا کا کھوج لگاتا ہے۔ اس کے بعد اختتام کو بیان کرتا ہے۔

بغاوت: باغی وہ لوگ بنائے گئے ہیں جو موسیٰ کے وسیلہ سے مقرر سے نکلے تھے۔ صرف کاتب اور شمعون ہی اس سے مستثنیٰ تھے۔

۱۷:۳۔ ”غضب“: یہ وہی باغی تھے جنہوں نے یہوداہ کو ”چالیس برس“ تک اشتعال دایا۔ یہ تقریباً چھ لاکھ تھے اور جب ”چالیس برس“ ختم ہوئے تو بیابان میں چھ لاکھ قبریں نظر آتی تھیں۔ ۱۸:۳۔ مکافاتِ عمل: یہ وہی لوگ تھے جنہیں نافرمانی کی وجہ سے کنعان کے ملک میں داخل ہونے سے روک دیا گیا تھا۔

سوال و جواب کی اس سادہ سی تشریح کو اُن لوگوں کو خبردار کرنا چاہئے جو سچے مسیحیوں کی چھوٹی سی جماعت کو چھوڑنے اور اکثریتی جماعت میں جو بظاہر مذہبی ہے لیکن خدا پرستی کی قوت کا انکار کرتی ہے شامل ہونے کی آزمائش میں ہیں۔ کیا اکثریت ہمیشہ ہی درست ہوتی ہے؟ اس باب میں اسرائیل کی تاریخ میں صرف دو درست تھے جبکہ پانچ لاکھ سے زیادہ غلطی پر تھے۔

۱۔ ٹی۔ پیٹر سن اسرائیل کے گناہ کی سنگینی پر یوں تبصرہ کرتا ہے:

اُن کی بے ایمانی چار طرح سے غصہ دلاتی ہے:

۱۔ یہ خدا کی سچائی پر حملہ اور اُسے جھوٹا بنانا تھا۔

۲۔ یہ اُس کی قوت پر حملہ تھا کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ انہیں بچا نہیں سکتا۔

۳۔ یہ اُس کے لاتبدیل ہونے پر حملہ تھا۔ اگرچہ انہوں نے یہ کہا تو نہیں تھا، تاہم اُن کی باتوں سے

ظاہر تھا کہ خدا بدلتا رہتا ہے اور وہ اُن عجائب کو کر نہیں سکتا جو اُس نے پہلے کئے تھے۔

۴۔ یہ اُس کی پدرانہ وفاداری پر حملہ تھا، گویا کہ وہ ایسی اُمید کی حوصلہ افزائی کرے گا جسے وہ پورا کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا۔

اِس کے برعکس کاتب اور شیوخ نے خدا کی عزت کی۔ اُنہوں نے اُس کے الفاظ کو قطعی درست، اُس کی قدرت کو لامحدود، اُس کی طبیعت کو غیر متغیر اور اُس کی وفاداری کو ایسا سمجھا کہ وہ لوگوں میں کسی ایسی اُمید کو بیدار نہیں کرے گا جسے وہ پورا نہیں کر سکے گا۔

۱۹:۳۔ اِختتام: ”بے ایمانی“ ہی تھی جس نے باغی لوگوں کو ملکِ موعود سے باہر رکھا، اور یہ ”بے ایمانی“ ہی ہے جو ہر زمانہ میں انسان کو خدا کی وراثت سے محروم رکھتی ہے۔ نتیجہ صاف ظاہر ہے: ”بے ایمانی“ کے بُرے دل سے ہوشیار رہیں۔

درج ذیل آیات اس خط میں سب سے مشکل ہیں۔ اگرچہ اس حصہ کی مجموعی تعلیم کافی حد تک صاف ہے، تاہم مفسرین کا اِس بات پر کہ بحث کا حقیقتاً زور کس پر ہے بہت کم اتفاق ہے۔

۱۰:۱۳۔ ۱۳۔ اِصمٰنوں آرام اور اُسے پوری کوشش سے حاصل کرتا ہے۔ اگر ہم اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ بائبل میں کئی ایک آراموں کا ذکر آیا ہے تو یہ شروع ہی میں ہمارے لئے مدد کا باعث ہوگا۔
۱۔ خدا نے تخلیق کے چھ دن بعد آرام کیا (پیدائش ۲:۲)۔ اِس آرام کا مطلب محنتِ مشقت کے بعد آرام نہیں ہے بلکہ اپنے کام سے مطمئن ہونا ہے۔ یہ اطمینان کا آرام تھا (پیدائش ۱:۱۱)۔ لیکن گناہ نے دنیا میں داخل ہو کر خدا کے اِس آرام میں رکاوٹ ڈال دی۔ اُس وقت سے وہ لگاتار کام کر رہا ہے۔ مسیح نے فرمایا: ”میرا باپ اب تک کام کرتا ہے اور میں بھی کام کرتا ہوں“ (یوحنا ۵: ۱۷)۔

۲۔ ملکِ کنعان کو بنی اسرائیل کے لئے آرام کا ملک ہونا تھا۔ لیکن ان کی اکثریت اُس میں داخل نہ ہو سکی اور جو اُس میں داخل ہوئے انہیں بھی وہ آرام نہ مل سکا جو خدا اُن کے لئے چاہتا تھا۔ کنعان یہاں خدا کے آخری اور ابدی آرام کی تصویر ہے۔ اُن میں سے بہتیرے جو کنعان نہ پہنچ سکے (مثلاً قورح، داتن اور ابیرام) موجودہ زمانہ کے گمراہوں کی تصویر ہیں جو اپنی بے اعتقادی کے سبب سے خدا کے آرام میں داخل نہیں ہوتے۔

۳۔ فی زمانہ ایمان داروں کو ضمیر کا آرام حاصل ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ خداوند یسوع کے کفارہ بخش کام کے ذریعہ اُن کے گناہوں کا فیہ دیا جا چکا ہے۔ یہ وہ آرام ہے جس کا نجات دہندہ نے وعدہ کیا تھا کہ سب میرے پاس آؤ۔ میں تم کو آرام دوں گا“ (متی ۱۱: ۲۸)۔

۴- ایمان دار خداوند کی خدمت کرنے میں بھی آرام پاتے ہیں۔ اس سے پیشتر کے آرام نجات کے آرام تھے جبکہ یہ آرام خدمت کا آرام ہے۔ ”میرا مٹوا اپنے اوپر اٹھا لو اور مجھ سے سیکھو۔۔۔ تو تمہاری جانیں آرام پائیں گی“ (متی ۱۱: ۲۹)۔

۵- آخری آرام وہ ہے جو ایمان داروں کا آسمان پر باپ کے گھر میں انتظار کر رہا ہے۔ مستقبل کے اس آرام کو سبت کا آرام بھی کہتے ہیں (عبرانیوں ۴: ۹)۔ اس آخری آرام کے باقی تمام آرام یا تو تشبیہ ہیں یا پہلے سے مزہ چکھنا ہیں۔ یہی آرام ذیل کی آیات کا بڑا موضوع ہے (عبرانیوں ۴: ۱-۱۳)۔

۱: ۴- کسی کو بھی یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اب ”آرام“ کا وعدہ نہیں رہا۔ ماضی میں یہ کبھی بھی مکمل طور پر پورا نہیں ہوا اس لئے یہ پیشکش اب بھی قائم ہے۔

لیکن وہ سب جو ایمان دار کہلاتے ہیں انہیں یقین ہونا چاہئے کہ نشان سے ”رہ“ نہیں گئے ہیں۔ اگر ان کا دعویٰ کھوکھلا ہے تو ہر وقت خطرہ ہے کہ کہیں وہ مسیح سے منہ موڑ کر کسی ایسے مذہب کو قبول نہ کر لیں جو انہیں بچانے کی قدرت نہ رکھتا ہو۔

۲: ۴- ہمیں ”نوشخبری سنائی گئی“ ہے یعنی مسیح پر ایمان کے وسیلہ سے ابدی زندگی کی خوشخبری۔ اسرائیلیوں کو بھی نوشخبری سنائی گئی تھی یعنی ملک کنعان میں آرام کی لیکن انہوں نے آرام کی خوشخبری سے فائدہ نہ اٹھایا۔ یوں بے اعتدالی نے انہیں آرام سے جو خدا نے ملک موعود میں ان کے لئے تیار کیا تھا خارج کر دیا۔

۳: ۴- اس آیت میں خیالات کا تسلسل مشکل بن جاتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ اس میں تین الگ الگ اور غیر متعلق شقیں ہیں۔ تو بھی ہم دیکھ سکتے ہیں کہ ان میں ایک مشترکہ لکیر گزرتی ہے یعنی خدا کے آرام کی لکیر۔

سب سے پہلے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ”ہم جو ایمان لائے“ وہ ہیں جو خدا کے ”آرام میں داخل ہوتے ہیں“۔ ایمان وہ کتنی ہے جو دروازہ کھولتی ہے۔ جیسا کہ ہم نے پہلے بتلایا ہے فی زمانہ ایمان دار ضمیر کے آرام سے لطف اندوز ہوتے ہیں کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ انہیں کبھی بھی اپنے گناہوں کی سزا نہیں اٹھانی پڑے گی (یوحنا ۵: ۲۴)۔ لیکن یہ بھی سچ ہے کہ وہی جو ایمان لاتے ہیں جلال میں خدا کے آخری آرام میں داخل ہوں گے۔ غالباً یہ مستقبل کا ہی آرام ہے جس کی طرف بنیادی طور پر یہاں اشارہ کیا گیا ہے۔

دوسری شق جسے منفی انداز میں بیان کیا گیا ہے، وہ بھی اس خیال کی تائید کرتی ہے: ”جس طرح اس نے کہا کہ میں نے اپنے غضب میں قسم کھائی کہ یہ میرے آرام میں داخل نہ ہوں پائیں گے“ (دینیہ ۹: ۱۱)۔

سے اقتباس ہے)۔ جس طرح ایمان شامل کرتا ہے اُسی طرح بے اعتقادی خارج کرتی ہے۔ ہم موسیٰ پر ایمان رکھتے ہیں یقیناً آرام میں داخل ہوں گے، جبکہ ایمان نہ لانے والے یہودیوں کو اس کا یقین نہیں تھا، کیونکہ وہ خدا کے کلام پر ایمان نہیں رکھتے تھے۔

تیسری شق سب سے زیادہ مشکل پیش کرتی ہے۔ وہ کہتی ہے ”گو بنائے عالم کے وقت اُس کے کام ہو چکے تھے“۔ اگر ہم اسے شق ۲ سے منسلک کریں تو شاید تشریح سادہ بن جائے۔ وہاں خدا اپنے آرام کے لئے فعل مستقبل استعمال کرتا ہے۔ ”وہ میرے آرام میں داخل نہ ہونے پائیں گے“۔ فعل مستقبل ظاہر کرتا ہے کہ خدا کے آرام میں داخل ہونے کا اب بھی موقع ہے، حالانکہ بعض اپنی نافرمانی کے باعث اُس کے اہل نہ رہے۔ یہ آرام اس حقیقت کے باوجود کہ ”بنائے عالم کے وقت سے اُس کے (خدا کے) کام ہو چکے تھے“ اب بھی بل سکتا ہے۔

۴:۴۔ یہ آیت کلام سے اس بات کو ثابت کرتی ہے کہ خدا نے تخلیق کا کام مکمل ہونے کے بعد آرام کیا۔ مُصنّف کا متذکرہ حوالے کو شناخت نہ کرنے کے بارے میں ابہام اُس کی کسی لاعلمی کو ظاہر نہیں کرتا۔ یہ اُس کتاب سے جو اُس زمانہ میں ابواب اور آیات میں تقسیم نہیں کی گئی تھی ایک آیت کو پیش کرنے کا محض ایک ادبی طریقہ ہے۔ یہ پیرائش ۲:۲ کے مضمون کے مطابق ہے ”خدا نے اپنے کام کو جسے وہ کرتا تھا ساتویں دن ختم کیا“۔ یہاں فعل ماضی استعمال ہوا ہے اور ممکن ہے کسی کو یہ محسوس ہو کہ خدا کے آرام کا تعلق گزشتہ زمانے سے ہے، موجودہ وقت سے اس کا کوئی واسطہ نہیں۔ لیکن حقیقت یہ نہیں ہے۔

۵:۴۔ اس خیال کو تقویت دینے کے لئے کہ تخلیق کے بعد خدا کے آرام کے حوالہ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ ایک ختم شدہ معاملہ ہے، مُصنّف زبور ۹۵: ۱۱ کو پیش کرتا ہے جہاں فعل مستقبل استعمال کیا گیا ہے، ”وہ میرے آرام میں داخل نہ ہونے پائیں گے“۔ یہاں حقیقت وہ کہہ رہا ہے کہ ”آپ خدا کے آرام کو جو کچھ پیرائش باب ۲ میں مرقوم ہے اُس تک ہی محدود نہ کریں۔ یاد رہے کہ خدا نے بعد میں بتایا ہے کہ یہ ایک ایسی شے ہے جو اب بھی میسر ہے۔“

۶:۴۔ ہم نے اپنی بحث میں اس مقام تک یہ دیکھا ہے کہ خدا تخلیق کے وقت سے ہی بنی نوع (انسان کو آرام کی پیشکش کر رہا ہے۔ داخلے کا دروازہ کھلا ہوا ہے۔

بنی اسرائیل اپنی نافرمانی کے سبب سے داخل نہ ہوئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وعدہ اب باقی نہ رہا۔

۷:۴۔ اگلے قدم کا مقصد یہ دکھانا ہے کہ اسرائیلیوں کے کنعان میں داخلے کو روک دینے کے ۵۰۰ سال بعد ”داؤد“ کے معاملے میں خدا آرام میں داخل ہونے کے دن کے لئے آج تک لفظ استعمال کرتا ہے۔ مصنف نے پہلے ہی عبرانیوں ۳: ۸۱، ۸۲، ۹۵ میں زبور ۸۱، ۸۲ سے اقتباس کیا ہے۔ اب وہ پھر ثابت کرنے کے لئے اسے پیش کرتا ہے کہ خدا کے آرام کا وعدہ بیابان میں اسرائیلیوں کے ساتھ ہی ختم نہیں ہو گیا تھا۔ داؤد کے زمانہ میں بھی وہ اپنے پر اعتماد کرنے اور ”دلوں کو سخت نہ“ کرنے کی تلقین کرتا ہے۔

۸:۴۔ یثیور کے ساتھ چند اسرائیلی کنعان میں داخل ہوئے۔ لیکن وہ بھی اُس آخری آرام سے لطف اندوز نہ ہو سکے، جسے خدا نے اپنے سے پیار کرنے والوں کے لئے تیار کیا ہے۔ کنعان میں لڑائی جھگڑے، گناہ، بیماریاں، دُکھ اور موت پائی جاتی تھی۔ اگر آرام کا وعدہ اُن کے ساتھ ہی ختم ہو گیا ہوتا تو خدا اُس کی پیشکش دوبارہ داؤد کے زمانے میں نہ کرتا۔

۹:۴۔ مُندر جہ بالا آیات اس نتیجہ کی طرف لاد رہی ہیں کہ ”خدا کی اُمت کے لئے سبت کا آرام باقی ہے۔“ یہاں مصنف ”آرام“ کے لئے ایک مختلف یونانی لفظ استعمال کرتا ہے جس کا تعلق سبت سے ہے۔ یہ اُس ابدی آرام کی طرف اشارہ کرتا ہے جس میں وہ تمام لوگ جو مسیح کے بیش قیمت خون سے دھل گئے ہیں داخل ہوں گے۔ ”سبت“ کا یہ آرام کبھی ختم نہ ہوگا۔

۱۰:۴۔ جو شخص خدا کے ”آرام“ میں داخل ہوتا ہے اُس کی محنت مشقت ختم ہو جاتی ہے جیسے کہ خدا کی ساتویں دن ختم ہو گئی تھی۔

ممکن ہے کہ اپنے بچنے سے بیشتر ہم نے نجات حاصل کرنے کے لئے کام کرنے کی کوشش کی ہو۔ لیکن جب ہمیں احساس ہوا کہ مسیح نے نجات کا کام کلوری پر مکمل کر دیا ہے تو اپنی لا حاصل مساعی کو ترک کر دیا اور جی اُٹھے نجات دہندہ پر ایمان لے آئے۔

اور نجات پانے کے بعد ہم محبت کے ساتھ اُس کے لئے جس نے ہم سے محبت رکھی اور اپنے آپ کو ہمارے لئے دے دیا کام کرنے لگے۔ ہمارے نیک کام ہم میں سکونت پذیر پاک روح کا پھل ہیں۔ اگرچہ ہم اکثر اُس کی خدمت کرتے ہوئے تھک جاتے ہیں، تاہم اُس سے کلتے نہیں۔

خدا کے ابدی آرام میں ہماری یہ محنت مشقت ختم ہو جائے گی۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم آسمان پر بیکار بیٹھے رہیں گے۔ ہم اُس کی پرستش اور خدمت کریں گے لیکن کوئی تھکاوٹ، پریشانی، عذاب یا دُکھ تکلیف نہیں ہوگی۔

۱۱:۴ - متذکرہ بالا آیات ظاہر کرتی ہیں کہ خدا کا آرام اب بھی مل سکتا ہے۔ اور یہ آیت بتاتی ہے کہ اُس آرام میں داخل ہونے کے لئے کوشش کرنا ضروری ہے۔ ہمیں اس بات کا بڑی احتیاط سے خیال کرنا چاہئے کہ ہماری واحد امید خداوند مسیح ہی ہے۔ ہمیں ہر اُس آزمائش کا جو ہمیں مسیح پر ایسا ایمان رکھنے کے لئے اکساتی ہے جو مصیبت اور ایذا رسانی میں اُسے ترک کر دیتا ہے مقابلہ کرنا چاہئے۔

اسرائیلی بے پروا تھے۔ وہ خدا کے وعدوں کو بڑے ہلکے پھلکے انداز میں لیتے تھے۔ وہ ہنصر کے جو اُن کی غلامی کا گھر تھا بڑے آرزو مند رہتے تھے۔ وہ خدا کے وعدوں کو ایمان سے حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرتے تھے۔ نتیجہ وہ کنگان نہ پہنچ سکے۔ وہ ہمارے لئے عبرت کا باعث ہیں۔

۱۲:۴ - اگلی دو آیات ہمیں بڑی سنجیدگی سے آگاہ کرتی ہیں کہ بے اعتقادی چھپی نہیں رہتی۔ رب سے پہلے اُسے "خدا کا کلام" ظاہر کرتا ہے۔ (یہاں "کلام" کے لئے جو یونانی لفظ استعمال ہوا ہے وہ "لوگوس" ہے۔ اسے یوحنا رسول نے اپنی انجیل کی ابتدا میں بھی استعمال کیا ہے۔ لیکن اس آیت میں یہ لفظ زندہ کلام یسوع کی طرف اشارہ نہیں کرتا بلکہ تحریری کلام بائبل کی طرف)۔ یہ "خدا کا کلام" :

"زندہ ہے" ————— مسلسل سرگرم عمل ہے۔

"موثر ہے" ————— توانائی عطا کرتا ہے۔

کاٹتا ہے ————— دو دھاری تلوار سے زیادہ تیز ہے۔

"جدا" کرتا ہے ————— "جان اور روح" کو جو کہ انسان کے دو ناویدنی اور غیر فانی حصے ہیں

"جدا" کر کے گزر جاتا ہے۔ "بند بند اور گودے گودے کو جدا کر کے

گزر جاتا ہے۔ "بند" کے ذریعہ ہمارے اعضاء حرکت کرتے ہیں اور گودا

پوشیدہ ہوتا ہے لیکن ہڈیوں کی اہم زندگی ہے۔

"جانچتا ہے" ————— یہ "دل کے خیالوں اور ارادوں کو جانچتا ہے"۔ یہ کلام ہے جو ہمیں

پرکھتا ہے نہ کہ ہم کلام کو پرکھتے ہیں۔

۱۳:۴ - دوسرا یہ کہ زندہ خداوند بے ایمانی کو معلوم کر لیتا ہے۔ یہاں اسم ضمیر، غیر شخصی کی

جائے شخصی استعمال ہوتا ہے: "اُس سے عنوانات کی کوئی چیز چھپی نہیں"۔ اُس کی نظروں سے کوئی چیز

چھ نہیں سکتی۔ وہ قطعی حاضر و ناظر ہے۔ جو کچھ کائنات میں وقوع پذیر ہوتا ہے وہ اُس سے مسلسل آگاہ

رہتا ہے۔ لیکن متن میں جو اہم نکتہ ہے وہ یہ ہے کہ وہ جانتا ہے کہ حقیقی ایمان کہاں ہے اور کہاں محض ذہنی قابلیت ہے۔

۲۔ یسوع مسیح اپنی کہانت میں افضل ہے (۱۴:۴ - ۱۸:۱۰)

۱۔ مسیح کی کہانت مارون سے افضل ہے (۱۴:۴ - ۲۸:۷)

۱۴:۴۔ ان آیات میں مُصَنِّف کے اُنہی خیالات کا اعادہ کیا گیا ہے جن کو اُس نے ۱:۳ میں مُتَعَارِف کرایا ہے۔ — مسیح اپنے لوگوں کا ”بڑا سردار کاہن“ ہے۔ وہ اُسے اپنے لوگوں کے عظیم سہارے کے طور پر پیش کرتی ہیں جو اپنے ضرورت مند پیر و کاروں کو گرنے سے بچا سکتا ہے۔ نیز وہ ”کلام بطور ممتحن“ پر زور دینے کی بجائے اب ”خداوند بطور ہمدرد“ پر زور دینے لگتی ہیں۔ جب کلام نے ہم پر سے ہر طرح کا پردہ اٹھا لیا ہے (آیات ۱۲، ۱۳) تب ہم اُس کے پاس رحم اور فضل سے لئے جاسکتے ہیں۔

آئیے اپنے شاندار خداوند کی افضلیت پر غور کریں :

۱۔ وہ ”بڑا سردار کاہن ہے“۔ موسوی نظام کے تحت متعدد سردار کاہن تھے لیکن اُن میں سے کسی کو بھی بڑا نہیں کہا جاتا تھا۔

۲۔ وہ ستاروں سے ”گزر“ کر خدا کی سکونت گاہ تک پہنچ گیا۔ یہ بلاشبہ اُس کے صعودِ آسمانی اور باپ کے دہنے ہاتھ سر فرازی کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ وہ انسان ہے۔ اُس کی پیدائش پر اُسے ”یسوع“ نام دیا گیا اور اس نام کو خاص طور پر اُس کی انسانیت سے منسلک سمجھا جاتا ہے۔

۴۔ وہ الہی ذات ہے۔ جب ”خدا کے بیٹے“ کو مسیح کہا جاتا ہے تو یہ اُس کے خدا باپ کے برابر ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اُس کی انسانیت نے اُسے ہمارے نقطہ نظر سے سردار کاہن ہونے کا اہل بنا دیا اور اُس کی الوہیت نے خدا کے نقطہ نگاہ سے۔ پس اِس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ اُسے ”بڑا سردار کاہن“ کہا جاتا ہے۔

۱۵:۴۔ پھر ہمیں اُس کے تجربہ پر بھی غور کرنا چاہئے۔ کوئی بھی اُس وقت تک حقیقتاً کسی کا ہمدرد نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ خود اُسی قسم کے تجربہ سے نہ گزرا ہو۔ ہمارا خداوند بطور انسان ہمارے تجربات میں سے گزرا اِس لئے وہ ہماری آزمائشوں کو سمجھ سکتا ہے (وہ ہماری غلط کاریوں میں ہمارا ہمدرد

نہیں ہو سکتا کیونکہ اسے اس کا تجربہ نہیں تھا)۔

وہ ہماری طرح سب باتوں میں ”آزمایا“ گیا لیکن اس کے باوجود بھی وہ ”بے گناہ رہا“۔ کلام پاک ایسے کی بے گناہی کی بڑے پُر زور طریقے سے حفاظت کرتا ہے اور ہمیں بھی ویسا ہی کرنا چاہئے۔ وہ گناہ سے واقف نہ تھا (۲- کرنتھیوں ۵: ۲۱)۔ نہ اُس نے گناہ کیا (۱- پطرس ۲: ۲۲) اور نہ اُس میں گناہ تھا (۱- یوحنا ۳: ۵)۔

اُس کے لئے بطور خدا یا بطور انسان گناہ کرنا ممکن نہیں تھا۔ بطور کامل انسان وہ اپنی مرضی سے کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مکمل طور پر باپ کا فرمانبردار تھا (یوحنا ۵: ۱۹)۔ اب یہ کہنا کہ اگر وہ گناہ نہیں کر سکتا تھا تو اُس کی آزمائشیں بے معنی ہیں، گمراہ کن ہے۔ آزمائشوں کا ایک مقصد یہ تھا کہ ثابت ہو جائے کہ وہ گناہ کر ہی نہیں سکتا۔

اگر آپ سونے کو جانچنا چاہتے ہیں تو جانچ اس لئے بغیر ضروری نہیں بن جاتی کہ سونا خالص ہے۔ اگر اُس میں بلاوٹ ہے تو جانچ ظاہر کر دے گی۔ بعینہ یہ کہنا غلط ہے کہ اگر وہ گناہ نہیں کر سکتا تھا تو وہ پورے طور پر انسان نہیں تھا۔ انسانیت میں گناہ لازمی عنصر نہیں ہے بلکہ یہ ایک بیرونی حملہ آور ہے۔ ہماری انسانیت کو گناہ نے بگاڑ کر رکھ دیا ہے، جبکہ اُس کی انسانیت کامل ہے۔

اگر یسوع زمین پر گناہ کر سکتا ہوتا تو بطور انسان اُسے آسمان میں گناہ کرنے سے کون سی چیز روک سکتی ہے؟ جب وہ باپ کے دہنے بیٹھا تو وہ اپنی انسانیت پیچھے نہیں چھوڑ گیا۔ وہ زمین پر گناہ نہیں کر سکتا تھا، اس لئے وہ آسمان پر بھی گناہ نہیں کر سکتا۔

۱۶: ۴۔ اب پُر فضل دعوت کا دائرہ وسیع ہوتا ہے: ”فضل کے تخت کے پاس“ دلیری سے چلیں۔ ہماری دلیری کی بنیاد یہ علم ہے کہ وہ ہمیں بچانے کے لئے مڑا اور کہ وہ ہمیں قائم رکھنے کے لئے زندہ ہے۔ ہمیں پُر جو ش خیر مقدم کا یقین ہے کیونکہ اُس نے خود ہمیں ”آنے“ کو کہا ہے۔

عہدِ حقیق کے لوگ براہِ راست اُس کے پاس نہیں جاسکتے تھے۔ صرف سردار کاہن ہی جاسکتا تھا اور وہ بھی سال میں فقط ایک مرتبہ۔ ہم رات یا دن کسی وقت بھی اُس کی حضوری میں جاسکتے اور ”فضل حاصل“ کر سکتے ہیں جو ضرورت کے وقت ہماری مدد کرے۔ اُس کا ”رحم“ اُن باتوں کو ڈھانپ دیتا ہے جو ہمیں نہیں کرنی چاہئے تھیں۔ اور اُس کا ”فضل“ ہمیں قوت دیتا ہے کہ وہی کریں جو ہمیں کرنا چاہئے لیکن جسے کرنے کی قوت نہیں رکھتے۔

مسٹر مورگن رقم طراز ہیں :

میں ہمیشہ یہ بتاتا رہتا ہوں کہ جس یونانی مجاور سے کا ترجمہ ”ضرورت کے وقت“
 کیا گیا ہے وہ عام بول چال میں ”عین موقع پر“ ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ”عین موقع
 پر“ فضل حاصل کر سکتے ہیں۔ جہاں اور جب ضرورت ہو فضل موجود ہے۔ آپ پر
 آزمائش حملہ کرتی ہے۔ حملہ کے وقت آپ مسیح کی طرف دیکھیں اور فضل ”عین موقع پر“
 آپ کی مدد کے لئے موجود ہوگا۔ آپ اپنی درخواست کو شام کی دعا کے وقت تک
 اٹھانہ رکھیں، بلکہ شہر کی گلی میں جب شعلہ زن آزمائش آپ کے سامنے ہے تو مدد کے
 لئے مسیح کو چکریں اور فضل ”عین موقع پر“ آپ کی مدد کے لئے آ موجود ہوگا۔

آپ تک یسوع انبیاء، فرشتگان اور موسیٰ سے افضل ثابت کر دیا گیا ہے۔ اب ہم کہانت کے اہم
 مضمون کی طرف متوجہ ہوتے ہیں، یہ دیکھنے کے لئے کہ مسیح کی کہانت ہارون کی کہانت سے افضل ہے۔
 جب خدا نے کوہ سینا پر موسیٰ کو شریعت دی تو اس نے انسانی سلسلہ کہانت قائم کیا تاکہ لوگ
 کاہنوں کی معرفت خدا کے نزدیک جاسکیں۔ اس نے حکم دیا کہ کاہن لاوی کے قبیلہ اور ہارون کے خاندان سے
 ہوں۔ اس سلسلہ کو لاوی یا ہارونی کہانت کہتے ہیں۔

عہدِ عتیق میں خدا کی طرف سے مقرر کردہ ایک اور کہانت کا ذکر ملتا ہے۔ وہ کہانت بزرگ ملک
 صدق سالم کی تھی۔ یہ شخص شریعت دئے جانے سے بہت عرصہ پہلے ابراہام کے زمانہ میں تھا اور
 یہ بادشاہ اور کاہن دونوں تھا۔ زیرِ نظر حوالہ میں مصنف دکھائے گا کہ یسوع مسیح ملک صدق کے طریق پر
 کاہن ہے اور یہ ہارونی کہانت سے افضل ہے۔ پہلی چار آیات میں ہمیں ہارون کی کہانت کا بیان ملتا
 ہے۔ پھر آیات ۵-۱۰ میں مسیح کی بطور کاہن موزونیت کی تفصیل ہے اور وہ بھی زیادہ تر موازنے کی صورت
 میں۔

۱:۵- ہارونی ”کاہن“ کی پہلی شرط یہ تھی کہ وہ ”آدمیوں میں سے“ چنا جائے۔ بالفاظِ دیگر وہ
 خود بھی انسان ہو۔ اسے ”خدا“ کے ساتھ تعلق کے سلسلے میں ”آدمیوں“ کے لئے مقرر کیا جاتا تھا۔ وہ
 آدمیوں کی خاص ذات سے تعلق رکھتا تھا جو خدا اور انسان کے درمیان بطور درمیانی خدمت انجام دیتا
 تھا۔ اس کا ایک بڑا کام یہ تھا کہ وہ ”نذریں اور گناہوں کی قربانیاں گزرنے“ نذریں اُن ہدیوں کو
 ظاہر کرتی ہیں جو خدا کے حضور پیش کئے جاتے تھے۔ قربانیاں اُن ہدیوں کو ظاہر کرتی ہیں جن میں گناہوں
 کے کفارہ کے لئے خون بہایا جاتا تھا۔

۲:۵- وہ انسانی کمزوریوں کے پیشِ نظر نادانوں اور گمراہوں سے ”نرمی سے“ پیش آتا تھا۔

وہ اپنی کمزور جسمانی حالت کے باعث ہی اُن مسائل کو جو اُس کے لوگوں کو درپیش تھے سمجھ سکتا تھا۔
اس آیت میں ”نادانوں“ اور گمراہوں کا جو حوالہ ہے وہ اس بات کی یاد دہانی ہے کہ پیرانے
عہد نامہ کی قربانیاں صرف نادانستہ گناہوں کے لئے دی جاتی تھیں۔ شریعت میں دانستہ گناہوں
کی معافی کا کوئی طریقہ نہیں بتایا گیا تھا۔

۵: ۳۔ لیکن جبکہ کاہن کی انسانیت فائدہ مند تھی تو اُس کی گنہگار انسانیت نقصان کا سبب
بھی تھی۔ وہ نہ صرف ”اُمرت“ کے ”گناہوں“ کے لئے قربانی گزانتا تھا بلکہ ”اپنی طرف سے بھی جڑھاتا
تھا۔

۵: ۴۔ کاہن کا عہدہ، ایسا نہیں تھا جسے آدمی خود اپنے لئے مُستعجب کرتا تھا۔ اُسے ”ہارون کی طرح
خدا کی طرف سے بلایا“ جاتا تھا۔ خدا کی یہ بلا ہٹ صرف ہارون اور اُس کی اولاد کے لئے مخصوص تھی۔ اُس
کے خاندان سے باہر کوئی شخص بھی خیمہ اجتماع یا مسکین میں خدمت نہیں کر سکتا تھا۔

۵: ۵۔ مُصنّف اب مسیح کی طرف مڑتا ہے اور اُسے کاہن ہونے کے لئے موزوں قرار دیتا ہے۔ اس
کی وجہ اُس کا الٰہی تقرر، اُس کی ظاہر شدہ انسانیت اور اس منصب کے لئے اُس کی اہلیت تھی۔
جہاں تک اُس کے تقرر کا تعلق ہے یہ خدا نے خود کیا تھا۔ یہ خدا کی بلا ہٹ تھی جس کا انسانی
نسب سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ اس میں زمینی کاہن کی نسبت کہیں بہتر تعلق شامل تھا۔ ہمارا
”کاہن“ خدا کا لاثانی ”بیٹا“ ہے۔ وہ ازل سے پیدا ہوا، تجسّم میں پیدا ہوا اور جی اٹھنے میں ”پیدا ہوا۔“
۵: ۶۔ پھر مسیح کی کہانت زیادہ بہتر کہانت ہے کیونکہ خدا اعلان کرتا ہے کہ وہ ”ملک صدق
کے طریقے کا ابد تک کاہن ہے۔“ اس فضیلت کو باب ۷ میں اور بھی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے۔
یہاں نمایاں خیال یہ ہے کہ ہارونی کہانت کے برعکس یہ ”ابد تک“ ہے۔

۵: ۷۔ مسیح نہ صرف خدا کا بے گناہ بیٹا ہے بلکہ حقیقی انسان بھی ہے۔ اس بات کو ثابت کرنے
کے لئے مُصنّف اُس کے مختلف انسانی تجربات کو بیان کرتا ہے جن سے وہ ”اپنی بشریت کے دنوں میں گزرا۔“
اُن الفاظ پر غور کریں جو اُس کی زندگی کو اور خاص طور پر اُس کے گتسمتی باغ میں تجربہ کو بیان کرتے ہیں: ”زور
زور سے ہلکا کر اور آٹسو بھا بہا کر اُسی سے دُعا میں اور التماسیں کیں۔“ یہ سب ظاہر کرتے ہیں کہ وہ خود مختار
آدمی نہیں تھا بلکہ اُس نے خدا کی فرمانبرداری میں زندگی بسر کی اور وہ آدمیوں کے اُن تمام احساسات و جذبات
میں شامل رہا جن کا گناہ سے تعلق نہیں ہے۔

مسیح کی دُعا کا یہ مقصد کبھی نہیں تھا کہ وہ مرنے سے بچ جائے کیونکہ آخر اُس کے اِس دنیا میں

آنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ گنہگاروں کے لئے موت ہے (یوحنا ۱۷: ۲۷)۔ اُس کی موت سے بچائے جانے کی دعا کا مقصد یہ تھا کہ اُس کی روح عالم ارواح میں نہ پڑی رہے۔ خدا نے اُس کی اس دعا کو قبول کیا اور اُسے مُردوں میں سے زندہ کر دیا۔ ”خدا ترسی کے سبب سے اُس کی مُنی گئی۔“

۸: ۵۔ یہاں ایک مرتبہ پھر اُس کے جسم کے گہرے بھید کا سامنا ہے یعنی خدا کس طرح انسان کی خاطر مرنے کے لئے انسان بن سکتا ہے۔

اگرچہ وہ ”بیٹا“ ہے لیکن وہ بہت سے بیٹوں میں سے ایک نہیں ہے بلکہ وہ خدا کا اکلوتا بیٹا ہے۔ اس حقیقت کے باوجود بھی ”اُس نے دکھ اٹھا اٹھا کر فرمانبرداری سیکھی۔“ وہ اس جہان میں بطور انسان داخل ہوا اور اُسے وہ تجربات حاصل ہوئے جو اگر وہ آسمان میں رہتا تو کبھی حاصل نہ ہو سکتے تھے۔ ہر صبح باپ اُس کے کان کھولتا تھا تاکہ اُس دن کے لئے اپنی ہدایات اُس کے کانوں میں ڈالے (یسعیاہ ۵۰: ۴)۔ اُس نے بطور بیٹا جو کہ ہمیشہ ہی اپنے باپ کی مرضی کی اطاعت کرتا تھا: تجرباتی طور پر ”فرمانبرداری سیکھی۔“

۹: ۵۔ ”اور کامل بن کر۔“ اس کا اشارہ اُس کے ذاتی کردار کی طرف نہیں ہے کیونکہ خداوند یسوع قطعی کامل تھا۔ اُس کے اقوال و افعال اور طور طریقہ قطعی بے عیب تھے۔ تو پھر وہ کن معنوں میں ”کامل“ کر دیا گیا؟

اس کا جواب ہے: نجات دہندہ کے منصب کے لحاظ سے۔ اگر وہ آسمان میں رہتا تو وہ کبھی بھی ہمارا کامل نجات دہندہ نہ بن سکتا۔ لیکن اُس نے اپنے تجسم، موت، کفن، دفن، قیامت اور صعودِ آسمانی کے ذریعہ اُن کاموں کو مکمل کیا جو نجات کے لئے ضروری تھے، اور اب وہ دنیا کے کامل نجات دہندہ کے طور پر جلال حاصل کر چکا ہے۔

آسمان پر واپس جانے کے باعث وہ ”سب فرمانبرداروں کے لئے ابدی نجات کا باعث ہوا۔“ وہ تمام انسانوں کے لئے نجات کا منبع ہے لیکن نجات صرف وہی پائیں گے جو اُس کی ”فرمانبرداری“ کرتے ہیں۔

یہاں نجات کو اُس کی فرمانبرداری سے مشروط کیا گیا ہے۔ لیکن دیگر حوالوں میں ایمان کو نجات کی بنیاد بتایا گیا ہے۔ ہم اس تضاد میں مطابقت کیسے پیدا کر سکتے ہیں؟ سب سے پہلی بات، یہ ایمان کی فرمانبرداری ہی ہے (رومیوں ۱: ۵، ۱۶، ۲۵-۲۷)۔ خدا نے اپنے کلام میں جس قسم کی فرمانبرداری بتائی ہے وہ ایمان ہے۔ لیکن یہ بھی درست ہے کہ نجات بخش ایمان وہ ہے جس کا نتیجہ فرمانبرداری کی صورت میں نکلتا ہے۔ فرمانبرداری کے بغیر ایمان لانا ناممکن ہے۔

۱۰: ۵۔ کہانت کے بنیادی کام کو شاندار طریقے سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کے بعد، خدا نے

خُداوندِ یسوع کے بارے میں فرمایا کہ وہ ”ملکِ صدق کے طریقہ“ کا سرور کاہن ہے۔

یہاں یہ بتانا بھی ضروری ہے کہ اگرچہ مسیح کی کہانت ملکِ صدق کے طریق کی ہے، تاہم اُس نے اپنی کہانت کے کام کو بارہوی کاہنوں کے طریقہ پر انجام دیا۔ درحقیقت یہودی کاہنوں کی خدمت اُس کام کی جو سچ انجام دینے کو تھا عکس یا تصویر تھی۔

۱۱:۵- اس نکتہ پر مصنف قہوڑا سا تصرف کرنا چاہتا ہے۔ وہ مسیح کے ملکِ صدق کے طریق پر کاہن ہونے کے موضوع کو جاری رکھنا چاہتا ہے لیکن وہ ایسا کر نہیں سکتا۔ خُدا کے زیرِ ہدایت ہونے کے باعث وہ اپنے قارئین کو اُن کی ناچنگی پر ملامت کرنے اور گمراہ ہونے کے خطرہ کی سنگینی کے بارے میں آگاہ کرنے پر مجبور ہے۔

یہ ایک افسوس ناک حقیقت ہے کہ الہی سچائی کے بارے میں ہماری سمجھ ہماری روحانی حالت کی کمزوری کے باعث محدود ہے۔ ”اُونچا سُسنے“ والے کان گہری سچائی کو پا نہیں سکتے جس طرح بے شاگردوں کے بارے میں سچ تھا اُسی طرح یہ اکثر ہمارے متعلق بھی سچ ہے کہ خُداوند ہمیں بہت سی باتیں کہنا چاہتا ہے لیکن ہم ان کو برداشت نہیں کر سکتے۔ (۱۲:۱۶)

۱۲:۵- مصنف عبرانی مسیحیوں کو یاد دلاتا ہے کہ انہیں مُدّت سے تعلیم دی جا رہی ہے اور اب تک انہیں دوسروں کو سکھانے کے قابل ہو جانا چاہئے تھا۔ لیکن الٰہیہ یہ تھا کہ ضرورت تھی کہ اب بھی ”کوئی شخص“ انہیں ”خُدا کے کلام“ کی الف ب سکھائے۔

”تمہیں اُستاد ہونا چاہئے تھا“۔ خُدا کی مرضی یہ ہے کہ ہر ایک ایمان دار اس حد تک ترقی کرے کہ وہ دوسروں کو سکھا سکے۔ اگرچہ یہ سچ ہے کہ تعلیم دینے یا سکھانے کی نعمت کسی کسی کو ملتی ہے، تاہم یہ بھی سچ ہے کہ ہر ایک ایمان دار کو کسی نہ کسی صورت میں سکھانے کی خدمت میں مصروف ہونا چاہئے۔ خُدا کا مقصد کبھی یہ نہیں تھا کہ یہ کام صرف چند افراد تک ہی محدود رہے۔

”سخت غذا کی جگہ تمہیں دودھ پینے کی حاجت پڑ گئی“۔ جسمانی لحاظ سے اگر کوئی بچہ دودھ چھوڑ کر ٹھوس غذا استعمال نہیں کرتا تو وہ کمزور ہے اور صحت مند نہیں۔ یعنی نہ روحانی دنیا میں بھی بولنے ہیں جن کی روحانی نشوونما رک گئی ہے (۱- کرنتھیوں ۳:۲)۔

۱۳:۵- بچے مسیحی ہو ابھی تک دودھ پیتے ہیں انہیں ”راست بازی کے کلام کا تجربہ نہیں ہوتا“۔ وہ کلام کے سُسنے والے ہوتے ہیں اُس پر عمل کرنے والے نہیں۔ جس بات کو وہ استعمال نہیں کرتے اُسے کھو بیٹھتے ہیں اور دائمی بچپن کی حالت میں رہتے ہیں۔ انہیں روحانی باتوں کی گہری سمجھ نہیں ہوتی

اور وہ آدمیوں کی بازیگری اور مکاری کے سبب سے اُن کے گمراہ کرنے والے منصوبوں کی طرف ہر ایک تعلیم کے جھوکے سے نمبوں کی طرح اچھلتے بہتے پھرنے ہیں (افسیوں ۴: ۱۳)۔

۱۴: ۵۔ ”سخت“ روحانی ”فدا“ پوری عمر کے لوگوں کے لئے ہوتی ہے ”جنگِ حواس کام کرنے کرتے نیک و بد میں امتیاز کرنے کے لئے تیز“ ہو جاتے ہیں۔ انہیں خدا کے کلام سے جو روشنی ملی ہوتی ہے اُس کی فرمانبرداری کرنے کے باعث وہ روحانی راستے قائم کرنے کے قابل بن جاتے اور خود کو اخلاقی اور تعلیمی خطرات سے بچا لیتے ہیں۔

اس حوالہ میں جس ”نیک و بد“ میں تمیز کرنے کے لئے قارئین پر زور دیا گیا ہے اُس کا تعلق مسیحیت اور یہودیت سے ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہودیت بذاتہ بُری تھی۔ خدا نے ہارونی کہانت کو خود متعارف کرایا تھا۔ لیکن اُسے مسیح کی طرف اشارہ کرنا تھا۔ مسیح رسمی تمثیلوں اور سیاہوں کی تکمیل ہے۔ چونکہ اب مسیح آچکا ہے اس لئے اُن تصویروں کی طرف مڑنا گناہ ہے۔ کوئی بھی چیز جو آدمی کے جذبات اور وفاداری میں مسیح کی رقیب بنتی ہے بُری ہے۔ روحانی طور پر بالغ مسیحی ہارونی کہانت کے گھٹیا پن اور مسیح کی افضلیت میں فرق کو پہچان لیتے ہیں۔

۱: ۶۔ جس تنبیہ کو ۱۱: ۵ میں شروع کیا گیا وہ اس سارے باب میں بھی جاری رہتی ہے۔ یہ حوالہ سارے نئے عہد میں سب سے زیادہ متنازع ہے۔ چونکہ متعدد خدا پرست مسیحیوں میں اس کی تشریح میں اختلاف ہے اس لئے ہمیں اس کے بارے میں بات کرتے ہوئے ہٹ دھرمی سے کام نہیں لینا چاہئے۔ ہم یہاں وہ تشریح پیش کرتے ہیں جو ہماری دائرست میں متن اور باقی نئے عہد نامہ کے ساتھ سب سے زیادہ مطابقت رکھتی ہے۔

سب سے پہلے یہاں قارئین کو نصیحت کی جاتی ہے کہ وہ ”مسیح کی تعلیم کی ابتدائی باتیں“ پیچھے چھوڑ دیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا اشارہ مذہب کی اُن بنیادی تعلیمات کی طرف ہے جو عہدِ عتیق میں سکھائی گئی تھیں اور جن کا مقصد المسیح کی آمد کے لئے بنی اسرائیل کو تیار کرنا تھا۔ ان تعلیمات کی فہرست پہلی آیت کے آخری حصے اور دوسری آیت میں دی گئی ہے۔ یہ مسیحیت کی بنیادی تعلیمات نہیں ہیں بلکہ ابتدائی نوعیت کی ہیں جو کہ بعد کی عمارت کی بنیاد بن گئیں۔ یہ مسیح کے جی اٹھنے اور اُس کے جلال ملنے سے کم تر ہیں۔ نصیحت یہ ہے کہ ان بنیادوں کو ترک کر دیں لیکن اس صورت میں نہیں کہ انہیں بے کار سمجھ کر چھوڑ دیں بلکہ یہ سمجھتے ہوئے کہ یہ پہلا قدم ہیں جن سے بلوغت کی طرف بڑھا جاتا ہے۔ اطلاق یہ ہے کہ یہودیت کا زمانہ روحانی بچپنی کا زمانہ تھا جبکہ مسیحیت پوری بلوغت کو پیش کرتی ہے۔

جب بنیاد رکھی جا چکی ہے تو اگلا قدم اُس پر تعمیر کرنے کا ہوتا ہے۔ تعلیمی بنیاد عہدِ عتیق میں رکھ دی گئی تھی۔ یہاں جن چھ بنیادی تعلیمات کا ذکر ہے وہ اُس میں شامل ہیں۔ یہ ہنرِ نقطہ آغاز کے ہیں۔ نئے عہدِ نامہ کی عظیم سچائیاں جن کا تعلق مسیح، اُس کی شخصیت اور اُس کے کاموں سے ہے وہ اُس کی بلوغت کی نمائندگی کرتی ہیں۔ عہدِ عتیق کی پہلی تعلیم ”مردہ کاموں سے توبہ کرنا“ ہے۔ اس کی منادی انبیاء نے، ربِیز المسیح کے پیش رو نے بھی متواتر کی۔ اُن سب نے لوگوں کو اُن ”کاموں“ سے دُور رہنے کو کہا جو ان معنوں میں ”مردہ“ تھے کہ وہ ایمان سے خالی تھے۔

یہاں ”مردہ کاموں“ کا اُن کاموں کی طرف بھی اشارہ ہے جو پہلے عہدِ عتیق میں درست تھے لیکن مسیح کی آمد سے ”مردہ“ بن گئے۔ مثلاً وہ تمام خدمات جن کا تعلق ہیکل کی پرستش سے تھا مسیح کے کفارہ بخش کام کے باعث متروک ہو گئیں۔

پھر مصنف یہاں جس ایمان کا ذکر کرتا ہے اُس کا تعلق خدا سے ہے۔ اس پر عہدِ عتیق میں بھی بہت زور دیا گیا ہے۔ تاہم نئے عہدِ نامہ میں ایمان کا محور مسیح ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس نے خدا پر ایمان کی جگہ لے لی ہے بلکہ یہ کہ اگر خدا پر ایمان میں مسیح پر ایمان شامل نہیں تو اب وہ ایمان نہیں ہے۔

۲:۶۔ پتہ ۲ کے متعلق ہدایت مسیحی پتہ ۲ کے بارے میں نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق رسمی طہارت سے ہے جو کہ اسرائیل کے کامیوں اور عوام کی مذہبی زندگی میں بڑی نمایاں تھی (۱:۹ ابھی دیکھئے)۔ ہاتھ رکھنے کی رسم کو احبار ۱:۴، ۲:۳، ۲:۶، ۲:۱۱ میں بیان کیا گیا ہے۔ قربانی دینے والا یا کاہن قربانی کے جانور پر یہ ظاہر کرنے کے لئے ہاتھ رکھتا تھا کہ جانور اُس کی جگہ لے رہا ہے۔ تمثیلی طور پر وہ جانور اُن لوگوں کے جو اُس سے منسوب ہوتے تھے گناہ اٹھالیتا تھا۔ یہ رسم عوضی کفارہ کو ظاہر کرتی ہے۔ ہمارے نزدیک اس کا ہاتھ رکھنے کی اُس رسم سے کوئی تعلق نہیں جو رسول اور ابتدائی کلیسیا ادا کیا کرتے تھے (اعمال ۸: ۱۷، ۱۳، ۱۹: ۶)۔

”مردوں کے جی اٹھنے“ کی تعلیم الیوب ۱۹: ۲۵-۲۷، زبور ۱۴: ۱۵ میں دی گئی ہے اور اس کا اطلاق یسعیاہ ۵۳: ۱-۱۲ میں ہے جو عہدِ عتیق میں بڑا مبہم سا نظر آتا ہے اُسے نئے عہدِ نامہ میں بڑے واضح اور روشن طریقے سے بیان کیا گیا ہے (۲- تیمتیس ۱: ۱)۔

عہدِ عتیق کی آخری بنیادی سچائی ”ابدی عدالت“ تھی (زبور ۹: ۱۷، یسعیاہ ۶۶: ۲)۔ یہ ابتدائی اصولِ موجودیت کی نمائندگی کرتے تھے۔ وہ مسیح کی آمد کی تیاری تھے۔ مسیحیوں کو ان

بدی مٹھیں ہو کر نہیں بیٹھ جانا چاہئے بلکہ اُس مکاشفہ کی طرف قدم بڑھائیں جسے مسیح میں اب پوری طرح واضح کر دیا گیا ہے۔ قارئین پر زور دیا گیا ہے کہ وہ سایہ کی بجائے حقیقت سے، تمثیل کی بجائے اصل سے، چھلکے کی بجائے مغز سے اور اپنے بزرگوں کی مردہ رسموں کی بجائے مسیح میں زندہ حقیقتوں سے رجوع کریں۔

۳:۶۔ مُصَنِّف اس خواہش کا اظہار کرتا ہے کہ اگر ”خدا چاہے تو ہم یہی کریں گے۔“ لیکن خداوند کے غصہ کا تعلق اُن سے ہے نہ کہ خدا سے۔ خدا اُنہیں بوقت تک پہنچنے کے قابل بنادے گا بشرطیکہ وہ سچے ایمان پر صبر سے قائم رہیں۔

۴:۶۔ اب ہم برکتگی کے بارے میں تنبیہ کے مرکز پر پہنچ گئے ہیں۔ اس کا اطلاق اُن لوگوں پر ہوتا ہے جن کو توبہ کے لئے بحال کرنا ”ناممکن“ ہے۔ بظاہر تو انہوں نے توبہ کی تھی (اگرچہ یہاں اُن کے مسیح پر ایمان کا ذکر نہیں ہے)۔ یہاں پر صاف طور سے بنایا گیا ہے کہ توبہ کی تجدید ناممکن ہے۔

یہ کون لوگ ہیں؟ اس کا جواب آیات ۴ اور ۵ میں دیا گیا ہے۔ اُن بڑے حقوق کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں اُن لوگوں پر بھی صادق آسکتی ہیں جو نجات یافتہ نہیں ہیں۔ یاد رہے کہ یہاں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ وہ تھے سرسے سے پیدا ہوئے تھے۔ اور نہ بچانے والے ایمان، مسیح کے خون سے مخلصی یا ابدی زندگی کا ہی ذکر ہے۔

”ایک بار“ وہ ”روشن ہو گئے“ تھے۔ انہوں نے خدا کے فضل کی خوشخبری کو سنا تھا۔ وہ راہ نجات کے بارے میں تاریکی میں نہیں تھے۔ یہودادہ اس کے یوقی کو بھی روشنی ملی تھی مگر اُس نے اُسے رد کر دیا تھا۔

”وہ آسمانی بخشش کا مزہ چکھ چکے“ ہیں۔ خداوند یسوع مسیح آسمانی بخشش ہے۔ انہوں نے اُسے چکھا ہے لیکن سچے ایمان سے اُسے قبول نہیں کیا ہے۔ کھائے یا پئے بغیر چکھنا ممکن ہے جب آدمیوں نے مسیح کو صلیب پر پت ملی ہوئی مے پینے کو دی تو اُس نے اُسے چکھا لیکن پیانا نہیں (متی ۲۶:۴۲)۔ مسیح کو چکھنا کافی نہیں ہے جب تک کہ ہم ابن آدم کا گوشت نہ کھائیں اور اُس کا خون نہ پیئیں یعنی جب تک ہم اُسے حقیقی طور پر اپنا خداوند اور نجات دہندہ قبول نہیں کرتے ہم میں زندگی نہیں

(یوحنا ۶: ۵۳)۔

”وہ رُوح القدس میں شریک ہو گئے“ ہیں۔ اس سے پیشتر کہ ہم اس نتیجہ پر پہنچیں کہ اس کا بدیہی مطلب نئی پیدائش ہے، ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ رُوح القدس آدمیوں کی زندگی میں اُن کی نئی

بیدارش سے پہلے بھی سرگرم عمل ہوتا ہے۔ وہ بے ایمانوں کو بھی پاک کرتا ہے (۱۔ کرنتھیوں ۷: ۱۳) اور انہیں خارجی حقوق حاصل کرنے کے لائق بنا دیتا ہے۔ وہ بے ایمانوں کو گناہ، راستبازی اور عدالت کے بارے میں تصور وار ٹھہراتا ہے۔ وہ آدمیوں کی نوبت توبہ تک لاتا ہے اور اُن کی واحد اُمید مسیح کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ اس طرح وہ پاک رُوح کے دل میں سکونت نہ کرنے کے باوجود اُس کے فوائد میں شریک ہوتے ہیں۔

۵: ۶۔ ”وہ خدا کے عہدہ کلام“ کا مزہ لے چکے۔ جب انہوں نے خوشخبری کی منادی کو سنا تو اُن میں ایک عجیب تحریک پیدا ہوئی اور وہ اُس کی طرف کھینچنے لگے۔ وہ اُس بیچ کی مانند تھے جو ہتھیرلی زمین پر گرے۔ انہوں نے کلام کو سنا اور فوراً ہی خوشی سے قبول کر لیا لیکن اُس نے اُن میں جڑ نہ پکڑی۔ وہ کچھ عرصہ تو وفادار رہے لیکن جب اُن کو کلام کے سبب سے مصیبت یا ایذا رسانی کا سامنا کرنا پڑا تو فوراً برگشتہ ہو گئے۔

وہ آئندہ جہان کی قوتوں کا ذائقہ لے چکے۔ ”آئندہ جہان“ ہزار سالہ حکومت ہے کہ جب مسیح زمین پر ایک ہزار سال حکومت کرے گا۔ یہ زمانہ امن و امان اور خوشحالی کا ہوگا۔ کلیسیا کے ابتدائی ایام میں منادی کے ساتھ جو معجزات وقوع پذیر ہوئے (عبرانیوں ۲: ۴) وہ اُن نشانات اور عجیب کاموں کا موسیٰ کی حکومت میں کیے جائیں گے پیشگی مزہ چکھنا تھا۔ ان لوگوں نے پہلی صدی عیسوی میں اُن کا مشاہدہ کیا تھا اور حقیقت تو یہ ہے کہ وہ خود بھی اُن میں شریک تھے۔ مثلاً روٹیں اور مچھلیوں کے معجزہ ہی کو لیں۔ جب مسیح نے پانچ ہزار کو سیر کیا تو لوگ چھیل کی دوسری طرف بھی اُس کے پیچھے پیچھے گئے۔ نجات دہندہ نے محسوس کیا کہ اگرچہ انہوں نے معجزہ کا مزہ چکھا لیکن وہ اُس پر ایمان نہیں لائے۔ اُس نے اُن سے کہا ”میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ تم مجھے اس لئے نہیں ڈھونڈتے کہ معجزے دیکھو بلکہ اس لئے کہ تم روٹیاں کھا کر سیر ہوئے“ (یوحنا ۶: ۲۶)۔

۶: ۶۔ اگر وہ مذکورہ بالا مراعات سے کٹ پھوٹے اندوز ہونے کے بعد ”برگشتہ ہو جائیں“ تو پھر انہیں توبہ کے لئے نیا بنانا ناممکن ہے۔ وہ ارتداد کے گناہ کے مرتکب ہوئے ہیں۔ وہ اُس مقام تک پہنچ گئے ہیں جو انہیں جہنم کا راستہ دکھاتا ہے۔

مُحَرَّروں کی عظیم خطاؤں کو ان الفاظ میں ظاہر کیا گیا ہے کہ وہ خدا کے بیٹے کو اپنی طرف سے دوبارہ مصلوب کر کے علانیہ ذلیل کرتے ہیں (آیت ۶ آخری حصہ)۔ یہ مسیح کو دیدہ واپستہ رد کرنا ہے نہ کہ بے توجہی سے اُس کی پروا نہ کرنا۔ یہ اُس سے قطعی طور پر غداری کرنا، اُس کی مخالف قوتوں میں شامل ہونا اور

اُس کی شخصیت اور کاموں کا تمسخر اڑانا ہے۔

انحراف یا ارتداد

مُخرف وہ لوگ ہیں جو انجیل کی خوشخبری کو سُنتے، مسیحی ہونے کا اقرار کرتے، کلیسیا میں شامل ہوتے، لیکن پھر وہ اپنے ایمان کا انکار کرتے، فیصلہ کن انداز میں مسیح کو رد کرتے، مسیحی رفاقت کو ترک کر دیتے اور خداوند یسوع مسیح کے دشمنوں کی صف میں جا کھڑے ہوتے ہیں۔ ارتداد ایسا لگتا ہے جس کے مُرتکب صرف بے ایمان ہی ہو سکتے ہیں۔ اِس کے مُرتکب دھوکا کھانے والے نہیں ہوتے بلکہ وہ جانتے بوجھتے، ارادۂ اور کینہ پروری سے خداوند کے خلاف ہو جاتے ہیں۔

اِس کو عام بے ایمانوں کے گناہ سے غلط ملط نہیں کرنا چاہئے جو خوشخبری کو سُنتے تو ہیں لیکن اِس کے بارے میں کچھ نہیں کرتے۔ مثلاً ایک شخص پاک رُوح کی بار بار دعوت کے باوجود بھی مسیح کو قبول نہیں کرتا۔ لیکن وہ مُرتد نہیں ہے۔ وہ اب بھی نجات پاسکتا ہے بشرطیکہ وہ نجات دہندہ کو قبول کر لے۔ بے شک اگر وہ بے ایمانی کی حالت میں مرتا ہے تو وہ ہمیشہ کے لئے جہنم میں جاتے گا، لیکن جب تک وہ زندہ ہے اُس کے لئے اُمید ہے کہ وہ خداوند پر ایمان لائے۔

ارتداد کو مسیح سے برگشتہ ہو جانے کے ساتھ بھی نہیں بلانا چاہئے۔ ایک حقیقی ایمان دار مسیح سے کافی دُور جاسکتا ہے۔ گناہ کے باعث اُس کی خدا کے ساتھ رفاقت ٹوٹ سکتی ہے۔ وہ اُس حد تک بھی پہنچ سکتا ہے جہاں اب وہ مسیحی نہیں جانا جاتا۔ لیکن جو تہی وہ اپنے گناہوں کا اقرار کرتا اور اُنہیں ترک کر دیتا ہے تو اُس کی خدا کے ساتھ رفاقت پورے طور پر بحال ہو جاتی ہے (۱- یوحنا ۱: ۹)۔

پھر ارتداد وہ ناقابلِ معافی گناہ بھی نہیں ہے جس کا ذکر اناجیل میں آیا ہے۔ وہ گناہ، وہ تھا جس میں مسیح کے معجزات کو بد رُوحوں کے سردار کا اعجاز قرار دیا گیا۔ مسیح کے معجزات درحقیقت پاک رُوح کی قوت سے انجام دئے گئے تھے۔ اُن کو ابلیس سے منسوب کرنا، پاک رُوح کے خلاف کُفر کینے کے مترادف تھا۔ اِس کا مطلب یہ تھا کہ پاک رُوح ابلیس ہے۔ یسوع نے کہا کہ اِس قسم کا گناہ نہ تو اِس زمانہ میں مُعاف کیا جاسکتا ہے اور نہ اُردہ کبھی مُعاف کیا جائے گا (مرقس ۳: ۲۲ - ۳۰)۔ ارتداد بھی پاک رُوح کے خلاف کُفر کی مانند ہے اور دونوں دائمی گناہ ہیں لیکن یہاں ان دونوں کی آپس میں مُطابقت ختم ہو جاتی ہے۔

مجھے یقین ہے کہ ارتداد بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ وہ گناہ جو موت کی طرف لے جاتا ہے اور جس کا ذکر ۱- یوحنا ۵: ۱۶ میں ملتا ہے۔ یوحنا رسول اُن لوگوں کے بارے میں لکھ رہا ہے جو بظاہر ایمان دار تھے اور مقامی کلیسیا کی سرگرمیوں میں حصہ لیتے تھے۔ پھر انہوں نے غناسطی تعلیمات کو قبول کر لیا

اور مسیحی رفاقت کو بڑی حقارت سے ترک کر دیا۔ اُن کا دیدہ دانستہ چلے جانا یہ ظاہر کرتا تھا کہ وہ حقیقتاً نے سرے سے پیدا نہیں ہوئے تھے (۱- یوحنا ۲: ۱۹)۔ وہ یسوع کو مسیح ہونے سے کھلے عام انکار کرنے کے باعث (۱- یوحنا ۲: ۲۲) ایک ایسے گنہگار کے مترکب ہو رہے تھے جو موت کی طرف لے جاتا ہے چنانچہ اُن کے بحال ہونے کے لئے دُعا کرنا بے فائدہ تھا (۱- یوحنا ۵: ۱۶)۔

جب بعض سنجیدہ مسیحی عبرانیوں باب ۶ اور اسی قسم کے دوسرے حوالے پڑھتے ہیں تو پریشان ہو جاتے ہیں۔ ایلینس اس قسم کی آیات کو خاص طور پر اُن ایمان داروں کو پریشان کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے جو جسمانی، ذہنی یا جذباتی مشکلات کا سامنا کر رہے ہوتے ہیں۔ وہ دُرتے ہیں کہ کہیں وہ مسیح سے برگشتہ نہ ہو گئے ہوں اور کہ اُن کے بحال ہونے کی کوئی اُمید نہیں۔ وہ پریشان ہوتے ہیں کہ وہ مخلصی کے مقام سے دُور ہٹ چکے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اُن کا فکر مند ہونا ہی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ مُرتد نہیں ہیں۔ ایک مُرتد کو ایسی فکر مندی نہیں ہوتی۔ وہ بڑی ڈھٹائی سے مسیح کو رد کرتا ہے۔

اگر ارتداد کے گنہگار اطلاق ایمان داروں پر نہیں ہو سکتا تو پھر ہمارے زمانہ میں اس کا اطلاق کس پر ہونا ہے؟ ایسے شخص پر جو سچائی کا پورا علم رکھنے کے باوجود دیدہ دانستہ اُس سے مُنہ موڑ لیتا ہے۔ وہ مکمل طور پر مسیح کو رد کر دیتا ہے اور مسیحی ایمان کی ہر ایک بنیادی تعلیم کو بڑی نفرت سے پاؤں تلے روند دیتا ہے۔ بائبل کہتی ہے کہ ایسے شخص کو توبہ کے لئے نیا بنانا ناممکن ہے اور تجربہ بائبل کی تصدیق کرتا ہے۔ ہم بہت سے ایسے لوگوں کو جانتے ہیں جو مسیح سے منحرف ہو گئے لیکن ہم کسی ایسے کو نہیں جانتے جو واپس آیا ہو۔

اب جبکہ ہم زمانہ کے اختتام کو پہنچ رہے ہیں تو ہم ارتداد کی بڑھتی ہوئی لہر کی توقع کر سکتے ہیں (۲- تھیمسلیکیوں ۲: ۳؛ ۱- تیمتھیس ۴: ۱)۔ چنانچہ برگشتہ ہونے کی تنبیہ روز بروز زیادہ ضروری ہوتی جاتی ہے۔

۷۶۔ اب مُصنّف ایمان دار (آیت ۷) اور مُرتد (آیت ۸) کی مثال تلاش کرنے کے لئے دُنیاۓ فطرت کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ دونوں کو زمین سے تشبیہ دی گئی ہے۔ جن مراعات کی آیات ۴ اور ۵ میں فہرست دی گئی ہے اُن کا مقابلہ ”باش“ سے کیا گیا ہے۔ فصل ایک شخص کے مراعات ملنے کے بارے میں ردِ عمل کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آیا زمین بابرکت ہے یا لعنتی۔

حقیقی مسیحی اُس زمین کی مانند ہے جو ”بارش کا پانی پی لیتی ہے“ اور کار آمد فصل پیدا

کرتی ہے اور ”خدا“ کی طرف سے برکت پاتی ہے۔

۸:۶۔ مُرتد بھی اُس زمین کی مانند ہے جسے کافی پانی دیا گیا لیکن وہ گناہ کے پھل ”جھاڑیاں“ اور اونٹن ”سارے“ کے سوا کچھ پیدا نہیں کرتی۔ وہ حاصل تو کرتی ہے لیکن کارآمد فصل پیدا نہیں کرتی۔ اِس قسم کی زمین بے فائدہ ہے۔ اُس پر پہلے ہی سزا کا حکم ہو چکا ہے۔ ”اُس کا انجام جلا یا جانا ہے۔“

۹:۶۔ آیات ۹ اور ۱۰ میں دو زبردست اشارے ملتے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ ماقبل آیات میں جن مُرتدوں کا بیان کیا گیا ہے وہ ایمان دار نہیں ہیں۔ پہلا یہ کہ اسم اشارہ اچانک بدل جاتا ہے۔ مُرتدوں کے متعلق بیان کرتے ہوئے مُصنّف اسم اشارہ ”اُن“ استعمال کرتا ہے۔ لیکن ایمان داروں کو بیان کرتے وقت وہ اسم اشارہ ”تمہارے“ اور ”تُم“ استعمال کرتا ہے۔

دوسرا اشارہ اِس سے بھی زیادہ صاف ہے۔ ایمان داروں کو مخاطب کرتے ہوئے وہ کہتا ہے ”اے عزیزو! ... ہم ... تمہاری نسبت اِن سے بہتر اور نجات والی باتوں کا یقین کرتے ہیں۔“ نتیجہ یہ ہے کہ جن اشیاء کے متعلق اُس نے آیات ۳-۶ اور ۸ میں بیان کیا وہ نجات کے ساتھ نظر نہیں آتیں۔

۱۰:۶۔ دو باتیں جو نجات کے ساتھ مُتفقہوں کی زندگیوں میں ظاہر ہوتی ہیں وہ اُن کے ”کام“ اور ”محبت“ ہے۔ اُن کے ایمان نے اپنے آپ کو بیک کاموں میں ظاہر کیا اور اُن پر حقیقی مسیحیت کی چھاپ تھی۔ ایمان کے گھرانے کے لئے سرگرم محبت۔ وہ مسیح کی خاطر اُس کے لوگوں کی خدمت متواتر کرتے رہتے ہیں۔ ۱۱:۶۔ ایسا لگتا ہے کہ اگلی دو آیات مختلف لوگوں کے لئے لکھی گئیں یعنی اُن کے لئے جن کے بارے میں مُصنّف کو یقین نہیں تھا۔ یہ وہ لوگ تھے جن کے بارے میں خدشہ تھا کہ وہ پھر یہودیت کی طرف راغب ہو جائیں گے۔

وہ چاہتا ہے کہ ”وہ اسی طرح کوشش“ ظاہر کرتے رہیں جس طرح کہ حقیقی ایمان داروں نے ”پوری اُمید کے واسطے آخر تک“ ظاہر کی ہے۔ وہ آرزو مند ہے کہ وہ مسیح کے ساتھ مُستقل مزاحی سے آگے بڑھیں یہاں تک کہ اُنہیں آسمان میں مسیحیوں کی آخری اُمید حاصل ہو جائے۔ یہ حقیقت کا ثبوت ہے۔

۱۲:۶۔ وہ ”سست نہ ہو“ جائیں اور نہ پاؤں گھسیٹ کر چلیں اور نہ اپنی رُوح کو مدغم کرنے دیں۔ وہ تمام حقیقی ایمان داروں کی طرح ”جو ایمان اور تحمل کے باعث وعدوں کے وارث ہوتے ہیں“ آگے ہی آگے بڑھتے رہیں۔

۱۳:۶۔ باب ۶ کا اختتامی حصّہ، آیت ۱۲ میں اِس نصیحت سے کہ ایمان اور تحمل سے آگے بڑھتے

ہیں منسلک ہے۔ ابراہام کی مثال ہمارے ایمان کی تقویت کے لئے دی گئی ہے اور ایمانداروں کی اُمید کے یقینی ہونے کی تصدیق کی گئی ہے۔

ایک لحاظ سے ایمان دار نقصان میں نظر آتا ہے۔ اُس نے سب کچھ مسیح کی خاطر چھوڑ دیا ہے اور اب اُس کے پاس دکھانے کو کچھ بھی نہیں ہے۔ اُس کے لئے ہر چیز مستقبل میں ہے۔ تو پھر اُسے کیسے یقین ہو سکتا ہے کہ اُس کی اُمید رائیگاں نہیں جائے گی؟

اس کا جواب ابراہام کے ساتھ خدا کے وعدہ میں ملتا ہے، ایک ایسا وعدہ جس میں مسیح کی صورت میں وہ سب کچھ شامل ہے جو بعد میں یسوع مسیح کی شخصیت میں عطا کیا جائے گا۔ جب خدا نے وہ وعدہ کیا تو اُس نے اپنی ہی قسم کھائی کیونکہ اُس نے ”کسی کو اپنے سے بڑا نہ پایا۔“

۱۴:۶۔ یہ وعدہ پیدائش ۲۲:۱۶، ۱۷ میں ملتا ہے: ”خداوند فرماتا ہے... میں نے بھی اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ میں تجھے برکت پر برکت دوں گا اور تیری نسل کو بڑھاتے بڑھاتے آسمان کے تاروں اور سمندر کے کنارے کی ریت کی مانند کروں گا۔“ چونکہ خدا نے اس وعدہ کو پورا کرنے کی قسم کھائی اس لئے اُس کی تکمیل کی یقین دہانی کرائی گئی ہے۔

۱۵:۶۔ ابراہام خدا پر ایمان لایا اور اُس نے ”صبر“ کیا اور اُس کے حق میں وعدہ پورا ہوا۔ حقیقت ابراہام خدا پر ایمان رکھنے سے قسمت آزمائی نہیں کر رہا تھا۔ اس میں کوئی خطرہ نہیں تھا۔ اس کائنات میں سب سے یقینی بات خدا کے الفاظ ہیں۔ خدا کے کسی بھی وعدے کی تکمیل اس قدر یقینی ہے گویا کہ وہ پہلے ہی وقوع میں آچکا ہے۔

۱۶:۶۔ انسانی معاملات میں آدمی اپنے سے بڑے کی قسم کھاتے ہیں۔ مثال کے طور پر عدالتوں میں ملزم یا گواہ کہتے ہیں کہ میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر کہتا ہوں کہ سچ بولوں گا۔۔۔ وہ خدا کو گواہ بناتے ہیں کہ وہ جو کچھ کہیں گے سچ ہوگا۔

جب آدمی اپنے وعدے کی تصدیق کے لئے ”قسم“ کھاتے ہیں تو عام طور پر ”قضیہ“ ختم ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ وعدہ ضرور پورا ہوگا۔

۱۷:۶۔ خدا چاہتا ہے کہ اُس پر ایمان لانے والے قطعی یقین رکھیں کہ جو وعدہ اُس نے کیا وہ ضرور پورا ہوگا۔ درحقیقت اُس کا محض وعدہ ہی کافی تھا لیکن وہ وعدہ سے بڑھ کر کہیں زیادہ صاف طور سے ظاہر کرنا چاہتا تھا۔ پس اُس نے وعدہ کے ساتھ قسم بھی کھائی۔

”وعدہ کے وارث“ وہ لوگ ہیں جو ایمان کی رُود سے وفادار ابراہام کے فرزند ہیں۔ جس ”وعدہ“ کا

حوالہ دیا گیا ہے وہ اُن تمام کے لئے جو خدا پر ایمان لاتے ہیں ابدی نجات کا وعدہ ہے۔ جب خدا نے ابراہام کی نسل کا وعدہ کیا تو یہ وعدہ بالآخر مسیح میں پُورا ہوا، لہذا مسیح کے ساتھ بیورست ہونے سے جو برکات ملتی ہیں وہ سب اُس وعدہ میں ہی شامل تھیں۔

۱۸:۶۔ اب ایمان داروں کے پاس ”دو بے تبدیل چیزیں“ ہیں جن پر وہ تکیہ کر سکتے ہیں — خدا کا کلام اور اُس کی قسم۔ یہ ناممکن ہے کہ کوئی چیز ان سے زیادہ قابل اعتبار ہو۔ خدا اُن سب کو جو مسیح پر ایمان لاتے ہیں بچانے کا وعدہ کرتا ہے اور پھر وہ اس کی تصدیق قسم کھا کر کرتا ہے۔ اس کا بدیہی نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایمان دار ابد تک محفوظ ہو جاتا ہے۔

مُصنّف باب ۶ کے باقی حصّے میں چار تصویریں یہ دکھانے کے لئے استعمال کرتا ہے کہ مسیحی اُمیدِ قطعی قابل اعتماد ہے: (۱) پناہ کا شہر (۲) لنگر، (۳) پیش رو، اور (۴) سردارِ کاہن۔ سب سے پہلے حقیقی ایمان داروں کی تصویر پیش کی گئی ہے۔ وہ گویا اس دُنیا سے جس پر سُر کا حکم ہو چکا ہے آسمانی پناہ کے شہر کی طرف دوڑ رہے ہیں۔ اُن کی اس دوڑ میں حوصلہ افزائی کرنے کے لئے خدا نے شرمندہ نہ ہونے والی اُمید دی ہے جس کی بنیاد اُس کے کلام اور قسم پر ہے۔ ۱۹:۶۔ زندگی کی آزمائشوں اور طوفانوں میں یہ اُمید، ”جان کا لنگر“ کا کام دیتی ہے۔ یہ علم کہ ہمارا جلال پانا ایسا ہی یقینی ہے گویا وہ دُور میں اُچھکا ہے، ہمیں شک و شبہات کی سرکش لہروں میں بہہ جانے سے روک دیتا ہے۔

لنگر اس دُنیا کی ریت (ناپائیداری) میں نہیں ڈالا جاتا بلکہ آسمانی مقدّس میں۔ چونکہ ہماری اُمید ہمارا لنگر ہے، لہذا اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہماری اُمید ”پروہ کے اندر“ خدا کی حضورِ ی میں محفوظ ہے۔ جس طرح یہ یقین ہے کہ لنگر وہاں موجود ہے اُسی طرح یہ یقین بھی ہے کہ ہم بھی وہاں ہوں گے۔

۲۰:۶۔ ”یسوع“ خود ہمارے پیشرو کے طور پر مقدّس کے اندر گیا ہوا ہے۔ اُس کی وہاں موجودگی اس بات کی ضمانت ہے کہ بالآخر اُس کے لوگ بھی اُس میں داخل ہوں گے۔ یہ کہنا مبالغہ آمیز نہیں ہے کہ ایک معمولی ایمان دار کو بھی آسمان میں جانے کا اتنا ہی یقین ہے جتنا کہ اُن مقدّسین کا جو پہلے ہی وہاں موجود ہیں۔

ایتنا دُرسن میری لکھتے ہیں :

جس لفظ کا ترجمہ ”پیشرو“ کیا گیا ہے وہ نئے عہد نامہ میں اور کہیں نہیں

مِلتا۔ یہ جس خیال کو ظاہر کرتا ہے اُس کا تصور لاوی نظام میں نہیں تھا کیونکہ سردار کاہن پاک ترین مقام میں نمائندہ کے طور پر داخل ہوتا تھا۔ وہ ایسی جگہ جاتا تھا جہاں کوئی بھی اُس کے پیچھے نہیں جاسکتا تھا۔ لیکن ہمارے پیشرو کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جہاں وہ ہے ہم بھی ہوں گے۔ بطور پیشرو وہ (۱) وہاں ہماری مستقبل میں آمد کے بارے میں اعلان کرتا ہے، (۲) ہماری جگہ آسمانی جلال کو لیتا ہے، اور (۳) وہ اس لئے وہاں گیا ہے تاکہ جب اُس کے لوگ وہاں جائیں تو وہ انہیں خوش آمدید کہے اور انہیں آسمان کے بادشاہ کے سامنے پیش کرے۔“

پوتھی صورت ”سردار کاہن“ کی ہے۔ ہمارا خداوند ”ہمیشہ کے لئے ملک صدق کے طریقہ کا سردار کاہن بن“ گیا ہے۔ اُس کی دائمی کہانت ہماری دائمی حفاظت کی ضمانت ہے۔ جس طرح اُس کی موت کے ذریعہ ہمارا خدا کے ساتھ یقینی طور پر میل ملاپ ہو گیا ہے اُسی طرح اُس کے خدا کے دہتے ہاتھ بطور ہمارا کاہن ہونے کے (رومیوں ۵: ۱۰) ہم اُس کی زندگی سے یقیناً بچ گئے ہیں۔

”یسوع“ کا ”ملک صدق کے طریقہ کا سردار کاہن“ ہونا ہمیں یاد دلاتا ہے کہ جو مضمون ۵: ۱۰ میں امتداد کے بارے میں تنبیہ کی خاطر چھوڑ دیا گیا تھا وہ اب پھر جاری کیا جاتا ہے۔ لیکن اب وہ اپنے اس موضوع کو کہ مسیح کی کہانت ہارون کی کہانت سے افضل ہے جاری رکھنے کو تیار ہے۔ وہ بڑے ماہرانہ انداز میں بحث کے بنیادی مہاؤ کی طرف لوٹ آتا ہے۔

۱: ۷۔ ”ملک صدق“ ایک بڑی پراسرار شخصیت ہے جو انسانی تاریخ میں تھوڑی دیر کے لئے ظاہر ہو کر (پیدائش ۱۴: ۱۸-۲۰) پھر غائب ہو جاتا ہے۔ صدیوں بعد داؤد اُس کے نام کا ذکر کرتا ہے (زبور ۱۱۰: ۴)۔ پھر اس کے صدیوں بعد وہ عبرانیوں کے نام خط میں ظاہر ہوتا ہے۔ ایک بات خوب ظاہر ہے۔ خدا نے اُس کی زندگی کو اس طرح ترتیب دیا ہے کہ وہ خداوند یسوع مسیح کی ایک شاندار مثال بن جاتا ہے۔

باب ۷ کی پہلی تین آیات میں ہمیں اُس کے بارے میں کچھ تاریخی حقائق ملتے ہیں۔ ہمیں یاد دلایا جاتا ہے کہ وہ ”کاہن“ اور ”بادشاہ“ دونوں تھا۔ ”وہ سالم (بعد میں یروشلم کہلایا) کا بادشاہ“ اور ”خدا تعالیٰ کا کاہن“ تھا۔ وہ اپنے لوگوں کا سیاسی اور روحانی لیڈر تھا۔ یہی خدا کا معیاری انداز حکومت ہے کہ دنیاوی اور روحانی میں تفریق نہ ہو۔ جب گنہگار حکومت کرتے ہیں تو ضروری ہے کہ کلیسیا اور ریاست الگ الگ ہوں۔ ان دونوں کو آپس میں ملانا صرف اُس وقت

ہی ممکن ہوگا جب مسیح اس دنیا پر حکومت کرے گا (یسعیاہ ۳۲: ۱۷)۔

”ملکِ صدق“ اُس وقت ”ابراہام“ کو ملا جبکہ وہ فوجی فتح کے بعد ”ولیس“ آ رہا تھا اور اُس کے لئے برکت چاہی۔ اس کی اہمیت کو آیت ۷ میں بیان کیا گیا ہے۔ اگر ہمارے پاس صرف پڑانا عہد نامہ ہوتا تو ہم ان بظاہر متضاد تفصیلات کی عمیق اہمیت کو کبھی نہ سمجھ سکتے۔

۲: ۷۔ ”ابراہام نے“ اس پراسرار بادشاہ کو مالِ غنیمت کی ”دہ کی دہ“ ہمیں پھر ابراہام کی دہ کی کے پوشیدہ معنوں کو جاننے کے لئے آیات ۸، ۹، ۱۰ کا انتظار کرنا پڑے گا۔ پاک کلام ایک شخص کا نام دہی کچھ بتاتا ہے جو کچھ وہ ہے۔ ہمیں ملکِ صدق کے نام اور لقب کے بارے میں معلوم ہو جاتا ہے کہ اُس کے نام کا مطلب ”راست بازی کا بادشاہ“ اور لقب (سالم کا بادشاہ) کا ”صلح کا بادشاہ“ ہے۔ یہاں ”راست بازی“ کو پہلے اور ”صلح“ کو بعد میں بیان کیا گیا ہے جو بلاوجہ نہیں ہے۔ خدا سے صلح اُس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ پہلے راست بازی نہ ہو۔

یہ ہم مسیح کے کاموں میں صفائی سے دیکھتے ہیں۔ صلیب پر ”شفقت اور راستی باہم مل گئی ہیں --- صداقت اور سلامتی نے ایک دوسرے کا بوسہ لیا“ (زبور ۸۵: ۱۰)۔ چونکہ نجات دہندہ نے ہمارے گناہوں کے لئے خدا کے راست تقاضوں کو پورا کر لیا، اس لئے اب ہم خدا کے ساتھ صلح رکھ سکتے ہیں۔

۳: ۷۔ جب ہم یہ پڑھتے ہیں کہ اُس کا نہ تو باپ تھا اور نہ ماں، نہ نسب نامہ، نہ پیدائش اور نہ موت تو ملکِ صدق کے بارے میں گہرا ہوا جاتا ہے۔ اگر ہم ان کو ان کے سیاق و سباق سے الگ کر کے پڑھیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ آسمان سے یا کسی اور جرمِ فلکی سے نازل ہوا یا خدا نے اُسے خاص طور پر پیدا کیا۔ لیکن جب ہم انہیں ان کے سلسلہ بیان میں پڑھتے ہیں تو ان کو سمجھنے کی کلید مل جاتی ہے۔ موضوع کہانت ہے۔ معنیف ملکِ صدق کی کہانت اور ہارون کی کہانت میں فرق بیان کر رہا ہے۔ ہارونی کہانت کے قابل ہونے کے لئے ضروری تھا کہ ایک شخص لاوی کے قبیلہ اور ہارون کے خاندان میں پیدا ہو۔ نسب نامہ بے حد ضروری تھا۔ پھر اُس کی مؤزونیت پیدائش پر شروع ہوتی اور موت پر ختم ہوتی تھی۔

ملکِ صدق کی کہانت اس سے بالکل مختلف تھی۔ اُس نے کہانت کو کاہنوں کے خاندان میں پیدا ہونے سے حاصل نہیں کیا تھا۔ خدا نے اسے عام آدمیوں میں سے چنا اور کاہن مقرر کر دیا۔ جہاں تک اُس کی کہانت کا تعلق ہے اُس کی ”ماں“ یا ”باپ“ یا ”نسب نامہ“ کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔

اُس کے معاملہ میں یہ اہم نہیں تھا۔ اور جہاں تک اُس کے باقی ریکارڈ کا تعلق ہے اُس کی پیدائش یا موت کا بھی کوئی ذکر نہیں ملتا، اس لئے اُس کی کہانت جاری ہے۔

جیسی یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ اُس کے والدین نہیں تھے، اگر وہ کبھی پیدا نہیں ہوؤا، اور کہ وہ مرا نہیں تھا۔ مکتہ یہ نہیں ہے۔ مکتہ یہ ہے کہ جہاں تک اُس کی کہانت کا تعلق ہے ان اہم اعداد و شمار کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے کیونکہ اُس کی کہانت کی خدمت کا انحصار ان پر نہیں تھا۔

وہ خدا کا بیٹا نہیں تھا جیسا کہ بعض لوگوں نے غلطی سے سمجھ رکھا ہے، البتہ وہ خدا کے بیٹے کے مشابہ ٹھہرا اور کہ اُس کی کہانت بغیر کسی رکاوٹ کے جاری ہے۔

اب مصنف یہ بتاتا ہے کہ ملک صدق کی کہانت ہارون کی کہانت سے افضل ہے۔ ثبوت کے طور پر وہ تین دلیلیں پیش کرتا ہے: (۱) وہ یکی اور برکت دینے سے متعلق دلیل (۲) ہارون کی کہانت کی تبدیلی کی دلیل (۳) ملک صدق کی کہانت کے جاری رہنے کی دلیل۔

۴:۷- آیت ۳-۱۰ میں پہلے ثبوت کے بارے میں دلائل دئے گئے ہیں۔ یہ قارئین کو ملک صدق کی بزرگی پر غور کرنے کو کہتی ہیں۔ ”ابراہام نے ٹوٹ کے عمدہ سے عمدہ مال کی وہ یکی دی۔“ چونکہ ابراہام عبرانی قوم کی عظیم شخصیت تھا اس لئے مطلب یہ ہوا کہ ملک صدق اُس سے کہیں عظیم شخص تھا۔

۵:۷- جہاں تک لاوی قبیلے کے کامروں کا تعلق ہے انہیں ”شریعت“ نے اپنے عبرانی بھائیوں سے ”وہ یکی“ لینے کا اختیار دیا تھا۔ کامروں اور عوام بھی اپنے حسب نسب کو ”ابراہام“ سے جوکہ ایمان داروں کا باپ ہے بتاتے تھے۔

۶:۷- ”مگر جب ملک صدق نے ابراہام سے وہ یکی لی“ تو یہ ایک غیر معمولی اور خلاف رواج معاملہ تھا۔ ابراہام جسے قوم کا باپ کہا جاتا ہے اور جس سے ایسح آنے کو تھا ایک ایسے شخص کی تعظیم کر رہا تھا جس کا تعلق اسرائیل کے برگزیدہ لوگوں سے نہیں تھا۔ ملک صدق کی کہانت نسلی رکاوٹ کو پار کر گئی۔

ایک اور اہم دنیاوی حقیقت یہ ہے کہ ملک صدق ابراہام کو ”برکت“ دیتا ہے۔ اُس نے کہا ”خدا تعالیٰ کی طرف سے جو آسمان اور زمین کا مالک ہے ابراہام مبارک ہو (پیدائش ۱۲: ۱-۱۹، ۲۰)۔“ ۷:۷- جب ایک آدمی دوسرے آدمی کو برکت دیتا ہے تو ظاہر ہے کہ وہ اُس سے بڑا ہوتا ہے۔ بلاشبہ اس سے شخصی یا اخلاقی کمتری تو ظاہر نہیں ہوتی بلکہ صرف مرتبے کی کمتری۔

جب ہم ان بیانات کو جن کی بنیاد عمدہ حقیق پر ہے پڑھتے ہیں تو ہمیں اپنے ذہن میں عبرانی

قارئین کے ردِ عمل کو لانے کی کوشش کرنی چاہئے۔ وہ اسے اپنا سب سے بڑا قومی ہیرو سمجھتے تھے اور یہ سمجھنے میں وہ بالکل حق بجانب تھے۔ لیکن اب انہیں معلوم ہوتا ہے کہ ابراہام نے ایک غیر یہودی کا ہن کو اپنے سے بھی بڑا جانا۔ ذرا غور فرمائیے! یہ بات اُن کی بائبل میں ہمیشہ سے موجود تھی لیکن انہوں نے اُس پر کبھی غور نہیں کیا تھا۔

۸:۷ - ہارونی کہانت میں وہ یہی وہ لوگ لیتے تھے جنہیں بقا نہیں تھی۔ ایک کے بعد دوسرا کا ہن بنتا تھا اور اپنی باری پوری کر کے کہانت دوسرے کو سونپ دیتا تھا۔ لیکن ملکِ صدق کے مُصلحے میں اُس کے مرنے کا ذکر نہیں ہے۔ پس وہ ایسی کہانت پیش کر سکتا تھا جو کہ لاثانی اور دائمی ہے۔

۹:۷ - ابراہام سے وہ یہی لینے سے ملکِ صدق نے فی الواقع ”لاوی“ سے وہ یہی لی۔ چونکہ لاوی کا ہنوں کے قبیلے کا سربراہ تھا، اس لئے اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہارونی کہانت نے ملکِ صدق کو وہ یہی دی اور یوں انہوں نے اُس کی فضیلت کا اعتراف کر دیا۔

۱۰:۷ - واقعات کے کس سلسلے کی بنا پر کہا جاسکتا ہے کہ لاوی نے ملکِ صدق کو وہ یہی دی؟ سب سے پہلے، درحقیقت یہ ابراہام ہی تھا جس نے وہ یہی دی تھی۔ وہ لاوی کا دادا پردادا تھا۔ اگرچہ لاوی ابھی پیدا نہیں ہوا تھا تاہم وہ ابراہام کی ”صُلب“ میں تھا یعنی وہ بزرگ ابراہام کی اولاد ہونے کے لئے مُقرر ہو چکا تھا۔ دراصل جب ابراہام نے ملکِ صدق کو وہ یہی دی تو وہ اپنی تمام اولاد کی نائندگی کر رہا تھا۔ اس طرح لاوی اور کہانت جو ابراہام سے نکلے، ملکِ صدق اور اُس کی کہانت کے مُقابلے میں ثانوی درجے پر آجاتے ہیں۔

۱۱:۷ - آیات ۱۱-۲۰ میں ہمیں دوسری بات بتائی گئی ہے کہ ملکِ صدق کی کہانت ہارون کی کہانت سے افضل ہے۔ دلیل یہ ہے کہ کہانت میں تبدیلی ہوئی۔ مسیح کی کہانت نے بنی لاوی کی کہانت کو ایک طرف کر دیا۔ اگر لاویوں کی کہانت اپنے مقصد کو حتمی طور پر حاصل کر لیتی تو یہ ضروری نہ ہوتا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ”بنی لاوی کی کہانت“ سے ”کالمیت“ حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ گناہ دور نہیں کیا گیا تھا اور ضمیر کا آرام نہیں ملا تھا۔ موسوی شریعت کے تحت جو کہانت قائم ہوئی وہ حتمی نہیں تھی۔

اب ایک نئی کہانت جاری ہے۔ اب ایک کابل کا ہن اُچکا ہے، اور اُس کی کہانت ”ہارون کے طریقہ“ پر نہیں بلکہ ”ملکِ صدق کے طریقہ“ پر ہے۔

۱۲:۷ - اس حقیقت کا کہ ”کہانت“ ”بدل“ چکی ہے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ وہ تمام قانونی ڈھانچے

جس پر کہانت کی بنیاد تھی وہ بھی بدل گیا ہے۔ یہ ایک بنیادی اعلان ہے۔ یہ پُرانے دستور کو ختم کر دیتا ہے اور نیا جاری کرتا ہے۔ اب ہم شریعت کے ماتحت نہیں ہیں۔

۱۳:۷۔ شریعت کی تبدیلی اس حقیقت سے ظاہر ہوتی ہے کہ خداوند یسوع ایک ایسے قبیلہ سے تعلق رکھتا تھا جسے لاوی شریعت نے کہانتی فرائض انجام دینے سے منع کر رکھا تھا۔

۱۴:۷۔ ”ہمارا خداوند یسوع“ کے قبیلہ سے تھا۔ موسوی شریعت نے اس قبیلہ سے تعلق رکھنے والے شخص کو کاہن ہونے کی اجازت کبھی نہیں دی تھی۔ لیکن اس کے باوجود بھی یسوع کاہن ہے۔ یہ کیسے ممکن ہو گا؟ اس لئے کہ شریعت بدل گئی ہے۔

۱۵:۷۔ کہانت کے قانون میں تبدیلی کے بارے میں مہصنف ایک اور شہادت پیش کرتا ہے۔ ”ایک اور... کاہن“ ”ملک صدق کی مانند“ اٹھا ہے اور اس منصب کے لئے اُس کی اہلیت ہارون کے بیٹوں سے قطعی مختلف ہے۔

۱۶:۷۔ لاوی کاہن صرف اُس وقت ہی اہل ٹھہرتے تھے جبکہ وہ شریعت کے مطابق نسلی تقاضے کو پورا کرتے تھے۔ انہیں لاوی کے قبیلہ اور ہارون کے خاندان سے ہونا ہوتا تھا۔

لیکن جس اہلیت کے مطابق ہمارا خداوند ملک صدق کے طریقہ پر کاہن ہوا، وہ اُس کی ”غیر فانی زندگی“ ہے۔ یہاں شجرہ نسب کا سوال نہیں ہے بلکہ شخصی درستی قوت کا۔ وہ ہمیشہ زندہ ہے۔

۱۷:۷۔ اس کی تصدیق زبور ۱۱۰:۴ کے الفاظ سے ہوتی ہے جہاں داؤد المسیح کی مستقبل میں کہانت کی طرف اشارہ کرتا ہے: ”تو ملک صدق کے طریقہ کا ابد تک کاہن ہے۔“ یہاں زور ”ابد تک“ پر ہے۔ اُس کی خدمت کبھی ختم نہیں ہوگی کیونکہ اُس کی زندگی ہمیشہ قائم رہے گی۔

۱۸:۷۔ جو حکم ہارونی کہانت کے ذریعہ قائم ہوا تھا وہ کمزور اور بے فائدہ ہونے کے سبب سے منسوخ ہو گیا ہے۔ اُسے المسیح کی آمد نے منسوخ کر دیا ہے۔

یہ حکم کن معنوں میں کمزور اور بے فائدہ تھا؟ کیا یہ خود خدا نے نہیں دیا تھا؟ کیا خدا کوئی ایسی چیز دے سکتا ہے جو بے فائدہ اور بے مصروف ہو؟ جواب یہ ہے کہ خدا کا مقصد کبھی یہ نہیں تھا کہ وہ اُسے کہانت کا دائمی حکم بنائے۔ یہ خدا کی مثالی کہانت کی تیاری کے لئے تھا۔ یہ اُس کا بل اور آخری کہانت کا عارضی تصویر و جھلک تھا۔

۱۹:۷۔ یہ اس لحاظ سے بھی کمزور اور بے فائدہ تھا کیونکہ اُس نے کسی چیز کو کامل نہیں کیا۔ اس

سے لوگ پاک ترین مقام میں خدا کی حضوری میں جلنے کے قابل کبھی بھی نہ بن سکے۔ اس سے خدا اور انسان کے درمیان فاصلہ متواتر یاد دلایا جاتا تھا کہ گناہ کے سوال کا مستقل حل ابھی نہیں ہوا ہے۔

لیکن اب ایک ”بہتر امید“ پیدا ہو گئی ہے ”جس کے وسیلہ سے ہم خدا کے نزدیک جاسکتے ہیں۔“ وہ ”بہتر امید“ خداوند یسوع خود ہے۔ وہ لوگ جو اسے اپنی امید بنالیتے ہیں وہ خدا کے حضور کسی وقت بھی حاضر ہو سکتے ہیں۔

۲۰:۷- اور نہ صرف کہانت کی ترتیب اور نظام میں تبدیلی ہوئی بلکہ کاہن کے طریقہ تقرر میں بھی یہاں پر دلائل مسیح کی کہانت کے بارے میں خدا کے ”قسم“ کھانے کے ارد گرد گھومتے ہیں۔ قسم یہ ظاہر کرتی ہے کہ جس چیز کے بارے میں قسم کھائی گئی وہ لاتبدیل اور دائمی ہے۔ رہنبر بری کہتا ہے کہ ”ہمارے مبارک خداوند یسوع مسیح کی کہانت کے کافی اور ابدی ہونے کے لئے قادرِ مطلق خدا کی قسم ہی ضمانت ہو سکتی تھی۔“

۲۱:۷- ہارونی کہانت میں کاہن ”بغیر قسم“ کے مقرر ہوتے تھے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی کہانت عارضی تھی، دائمی نہیں تھی۔

لیکن خدا، مسیح کو کاہن مقرر کرتے وقت ”قسم کے ساتھ“ مخاطب کرتا ہے۔ اس قسم کے الفاظ زبور ۱۱۰:۴ میں ملتے ہیں: ”خداوند نے قسم کھائی ہے اور اس سے پھرے گا نہیں کہ تو ایک کاہن ہے۔“

مینڈرسن کہتا ہے:

”خدا مسیح کے تقرر کی ابدی تصدیق اپنے تحت اور اپنی فطرت کی لاتبدیل صفات

سے کرتا ہے۔ اگر وہ بدل سکتی ہیں تو یہ نئی کہانت بھی تبدیل ہو سکتی ہے ورنہ نہیں۔“

۲۲:۷- اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ”یسوع“ ”بہتر عہد کا ضامن“ ہے۔ ہارونی کہانت عہدِ عتیق کا حصہ تھی۔

مسیح کی کہانت کا تعلق عہدِ جدید سے ہے۔ عہد اور کہانت ایک ساتھ قائم رہتے یا ایک ساتھ ختم ہو جاتے ہیں۔

نیا عہد فضل کا غیر مشروط معاہدہ ہے جو خدا اُس وقت اسرائیل کے گھرانے اور یہودِ آہ کے گھرانے

سے کرے گا جب خداوند یسوع زمین پر اپنی بادشاہی قائم کرے گا (یرمیاہ ۳۱: ۳۳، ۳۴)۔ ایماندار

اس نئے عہد کی کچھ برکات سے اس وقت بھی لطف اندوز ہو رہے ہیں، لیکن اس کی پوری برکات اُس

وقت ہی حاصل ہوں گی جبکہ اسرائیل بحال ہوگا اور قومی طور پر نجات پائے گا۔

”یسوع“ اس نئے عہد کا اس لحاظ سے ”ضامن“ ہے کہ وہ خود اس کی ضمانت ہے۔ اُس نے

اپنی موت، دفن اور قیامت کے ذریعہ ایک راست بنیاد مہیا کی ہے جس کی بنا پر خدا عہد کی شرائط

کو پورا کر سکتا ہے۔ اُس کی ختم نہ ہونے والی کہانت بھی عہد کی شرائط کو نامی کے خدشہ کے بغیر پورا کرنے میں معاون ہے۔

۲۳:۷۔ اب ہم ملکِ صدق کی افضل کہانت کے بارے میں آخری دلیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ اسرائیل کے ”بہت سے کاہن“ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ قوم کی تاریخ میں ۸۳ (چوڑاسی) سردار کاہن تھے اور ان کے علاوہ بے شمار کاہن تھے۔ ”موت“ کی وجہ سے یہ منصب وقفہ وقفہ سے دوسروں کو ملتا رہتا تھا، اور اس بدیہی رکاوٹ کے باعث اس خدمت کو نقصان پہنچتا تھا۔

۲۴:۷۔ مسیح کی کہانت کے سلسلے میں اس قسم کے نقصان کا کوئی خدشہ نہیں کیونکہ وہ ”ابد تک“ زندہ ہے۔ اُس کی ”کہانت“ کسی اور کو کبھی نہیں دی گئی اور نہ اُس کی تاثیر میں کبھی رکاوٹ پیدا ہوئی۔ وہ لا تبدیل ہے اور کسی کو منتقل نہیں کی جاسکتی۔

۲۵:۷۔ چونکہ وہ ہمیشہ ”زندہ“ ہے، ”اسی لئے جو اُس کے وسیع سے خدا کے پاس آتے ہیں وہ انہیں پوری پوری نجات دے سکتا ہے۔“ اس سے ہم عام طور پر یہ سمجھتے ہیں کہ اس کا اشارہ گنہگاروں کے لئے اُس کے نجات بخش کام کی طرف ہے جو اُس نے انہیں گناہ کی سزا سے بچانے کے لئے کیا۔ لیکن حقیقت مصنف اُس کام کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو مسیح نے مقدسوں کو گناہ کی قوت سے رہائی دینے کے لئے کیا۔ اس کا اُس کے نجات دہندہ ہونے سے اتنا تعلق نہیں ہے جتنا کہ اُس کے ہمارا سردار کاہن ہونے سے ہے۔ اس بات کا کوئی خطرہ نہیں ہے کہ ایمان دار اپنی نجات کھو بیٹھے گا۔ اُن کی ابدی حفاظت کی بنیاد اُن کے لئے اُس کی دائمی ”شفاعت“ ہے۔ وہ ہر وقت انہیں ”پوری پوری نجات“ دے سکتا ہے کیونکہ اُس کی اُن کے لئے خدا کے دہنے ہاتھ موجودہ خدمت میں موت کے باعث رکاوٹ پیدا نہیں ہوگی۔

۲۶:۷۔ مسیح کی شخصی افضلیت کے باعث اُس کی کہانت باورزدن کی کہانت سے برتر ہے۔ وہ خدا کی نظر میں ”پاک“ ہے۔ وہ آدمیوں کے ساتھ معاملات میں ”بے ریا“ ہے۔ وہ اپنے چال چلن میں ”بے داغ“ ہے۔ وہ خدا کے دہنے ہاتھ گنہگاروں سے ”جدا“ ہے۔ وہ اپنی موجودہ اور ابدی شان و شوکت میں ”آسمانوں سے بلند کیا گیا۔“ ایسا سردار کاہن ہی ہمارے لائق تھا۔

۲۷:۷۔ لادسی قبیلے کے کاہنوں کی طرح ہمارے سردار کاہن کو ”ہر روز“ قربانیاں چڑھانے کی ضرورت نہیں۔ یہ وہ ”ایک ہی بار کر گزرا“ ہے۔ وہ ”اپنے گناہوں“ کے لئے بھی قربانی گزرائے گا ”محتاج“ نہیں کیونکہ وہ قطعی بے گناہ تھا۔ ایک تیسرا حیران کن طریقہ جس میں وہ سابق کاہنوں سے فرق ہے یہ ہے کہ اُس نے لوگوں کے گناہوں کے لئے ”اپنے آپ کو قربان کیا۔“ اس کاہن نے

خود اپنے آپ کو بطور قربانی دے دیا۔ یہ یسوع کا کتنا شہ نثار اور لاثانی فضل ہے!
 ۲۸:۷۔ ”شریعت“ کے مقرر کردہ ”کاہن“ شخصی طور پر ناکامل، ”کمزور“ ہوتے تھے۔ وہ صرف رسمی طور پر پاک تھے۔

خدا نے شریعت کے مطابق جو ”قسم“ کھائی اُس کے ذریعہ وہ ”بیٹے“ کو بطور کاہن ”مقرر کرتا ہے۔ جو ہمیشہ کے لئے کامل کیا گیا ہے۔“ اس قسم کا آیت ۲۱ میں ذکر کیا گیا ہے اور زبور ۱۱۰:۴ سے اقتباس ہے۔ ہم نے اب تک جو کچھ بیان کیا ہے اُس میں متعدد اہم اطلاقات ملتے ہیں۔ انسانی کہانت کو الہی اور ابدی کہانت نے منسوخ کر دیا ہے۔ چنانچہ آدمیوں کے لئے عہد عتیق کے نمونہ پر کہانت کے نظام کو رائج کرنا اور اسے ہمارے عظیم سردار کاہن کے کام پر مستط کرنا کتنا احمقانہ فعل ہے!

ب۔ مسیح کی خدمت ہارون کی خدمت سے افضل ہے (باب ۸)

۱:۸۔ مابعد کی آیات میں یہ دکھایا گیا ہے کہ مسیح کی خدمت ہارون سے برتر ہے کیونکہ وہ ایک بہتر مقدس میں خدمت کرتا ہے (آیات ۱-۵)۔ نیز اُس کا تعلق بہتر عہد سے ہے (آیات ۷-۱۳)۔
 اب مُصنّف اپنی بحث کی ”بڑی بات“ کی طرف آتا ہے۔ وہ جو کچھ بیان ہو چکا اُس کا خلاصہ بیان نہیں کر رہا ہے بلکہ بنیادی نظریہ کو جس کو وہ اپنے خط میں متعارف کراتا رہا ہے۔

”ہمارا ایسا سردار کاہن ہے۔“ لفظ ”ہمارا“ میں فتح کا اشارہ ہے۔ یہ اُن بیہودیوں کو جواب ہے جو نظریہ کہتے تھے کہ ”ہمارے پاس خیمہ اجتماع ہے، ہمارے پاس کہانت ہے، ہمارے پاس قربانیاں ہیں، ہمارے پاس رسمیں ہیں، ہمارے پاس میکل ہے، ہمارے پاس کامنوں کا خوبصورت لباس ہے۔“ ایمانداروں کا پُر اعتماد جواب یہ ہے کہ ”ہاں تمہارے پاس فلس ہے جبکہ ہمارے پاس تکمیل ہے۔ تمہارے پاس رسمیں ہیں جبکہ ہمارے پاس مسیح ہے۔ تمہارے پاس تصویر ہے جبکہ ہمارے پاس شخص ہے۔ اور ہمارا سردار کاہن ”آسمانوں پر کبریا کے تخت کی دہنی طرف“ بیٹھا ہوا ہے۔ کوئی بھی سردار کاہن اپنے ختم شدہ کام کے صلہ میں وہاں نہیں بیٹھا اور نہ کسی کو کبھی اُسنی عزت اور اختیار کی جگہ ملی ہے۔“

۲:۸۔ وہ انسانوں کی خدمت آسمانی مقدس میں کرتا ہے۔ ”یہ حقیقی“ خیمہ ہے جس کی زمینی خیمہ نقل یا نمائندگی کرتا ہے۔ ”حقیقی خیمہ“ کو خداوند نے کھڑا کیا ہے نہ کہ انسان نے جیسے کہ زمینی خیمہ کو کیا تھا۔

۸:۳- چونکہ ”سردار کاہن“ کا بڑا کام ”نذریں اور قربانیاں“ گزارنا ہوتا ہے، اس لئے اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہاں سردار کاہن بھی وہی کرے گا۔

”نذریں“ ایک عام اصطلاح ہے جس میں وہ سب چیزیں آجاتی ہیں جو خدا کو پیش کی جاتی تھیں۔ ”قربانیاں“ وہ نذریں ہیں جن میں جانور ذبح کیا جاتا تھا۔ مسیح نے کیا نذر کیا؟ اس سوال کا جواب یہاں نہیں دیا گیا بلکہ باب ۹ میں۔

۸:۳- یہ آیت اس سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ مسیح نے کیا قربانی چڑھائی، صرف یہ یاد دلاتی ہے کہ اگر وہ زمین پر ہوتا تو وہ خیمہ اجتماع یا ہیکل میں قربانی اور نذریں گزارنے کا حقدار نہ ہوتا۔ ہمارا خداوند یہوداہ کے قبیلہ سے تھا نہ کہ لاوی کے قبیلہ سے یا بارون کے خاندان سے۔ اس وجہ سے وہ زمینی مقدس میں خدمت انجام نہیں دے سکتا تھا۔ جب ہم اناجیل میں پڑھتے ہیں کہ یسوع ہیکل میں گیا (دیکھئے لوقا ۱۹:۴۵) تو ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ وہ پاک مقام یا پاک ترین مقام میں نہیں گیا بلکہ صرف صحن میں۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب یسوع زمین پر تھا تو کیا اُس نے سردار کاہن کی کوئی خدمت ادا کی یا اُس نے اپنے کہانت کے کام کو صرف اُس وقت ہی شروع کیا جبکہ وہ آسمان پر گیا؟ آیت ۴ کا مطلب یہ ہے کہ جب وہ زمین پر تھا تو وہ بارون کے طریق کا کاہن بننے کا اہل نہیں تھا اس لئے وہ یروشلم کی ہیکل میں خدمت نہیں کر سکتا تھا۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ وہ ملک صدق کے طریق کے کاہن کی خدمت بھی انجام نہیں دے سکتا تھا۔ آخر اُس کی کیونٹا باب ۷ میں دُعا سردار کاہن کی دُعا تھی۔ اور پھر اُس کا اپنے آپ کو کوربی پر بطور کامل قربانی پیش کرنا یقیناً ایک کہانتی عمل تھا (دیکھئے ۱۷:۲)۔

۵:۸- زمین پر خیمہ اجتماع، ”آسمانی“ مقدس کی نقل تھا۔ اس کی ترتیب سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا کے عہدِی لوگ کس طرح خدا سے پریش میں ملاقات کر سکتے ہیں۔ سب سے پہلے صحن کا دروازہ تھا، اُس سے آگے سوختنی قربانی کا مذبح اور پھر بیتل کا حوض۔ اس کے بعد کاہن پاک مقام میں داخل ہوتا اور سردار کاہن پاک ترین مقام میں جہاں خدا اُس پر ظاہر ہوتا تھا۔

”خیمہ اجتماع“ ایک عارضی مقدس تھا۔ وہ صرف ”نقل اور عکس“ تھا۔ جب خدا نے موسیٰ کو کوہ سینا پر بلا کر اُسے خیمہ اجتماع بنانے کو کہا تو اُس نے اُسے نقشہ دیا اور اُس کے مطابق بنائے کو کہا۔ ”یہ نمونہ اعلیٰ آسمانی“ روحانی حقائق کی مثال تھا۔

معتقد اس بات پر زیادہ زور کیوں دے رہا ہے ؟ محض اس لئے کہ اگر کسی پر دوبارہ یہودیت اختیار کرنے کی آزمائش آئے تو انہیں علم ہو جائے کہ وہ اصل کو چھوڑ کر عکس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں جبکہ انہیں عکس کی طرف سے اصل کی طرف جانا چاہئے۔

آیت ۵ صفائی سے بتاتی ہے کہ عہدِ عتیق کی چیزیں آسمانی حقیقتوں کی مثال تھیں۔ چنانچہ مثالیت سے تعلیم دینا درست ہے بشرطیکہ وہ پاک نوشتوں سے اتفاق کرتی ہوں اور ان میں خیال آرائی کا دخل نہ ہو۔

۶:۸۔ یہ آیت افضل مقدس کے مضمون اور ”بہتر عہد“ کی بحث کے درمیان ایک کڑی ہے۔

سب سے پہلے ایک موازنہ ہے۔ مسیح کی خدمت ہالوئی کا ہونوں کی خدمت سے اتنی ہی افضل ہے جتنا کہ وہ عہد جس کا وہ درمیانی ہے پرلے عہد سے افضل ہے۔

پھر وجہ بیان کی گئی ہے۔ یہ ”عہد“ اس لئے ”بہتر“ ہے کیونکہ یہ ”بہتر وعدوں“ پر قائم ہے۔ مسیح کی خدمت از حد بہتر ہے۔ اُس نے جانور کی قربانی کو نہیں بلکہ اپنا ہی خون پیش کیا جو بلیوں اور بکروں کے خون سے کہیں ہمیشہ قیمت ہے۔ اُس نے گناہوں کو محض ڈھانپنا نہیں بلکہ دُور کر دیا۔ اُس نے ایمان داروں کو مطمئنِ ضمیر بخشا۔ اُس نے ایسی قربانی پیش نہیں کی جو ہر سال گناہوں کی یاد دلاتی ہے۔ اُس نے ہمارے لئے خدا کی حضوری میں پہنچنے کا راستہ کھول دیا تاکہ ہم دُور کھڑے ہو کر دیکھتے نہ رہیں۔

وہ ”بہتر عہد کا درمیانی ٹھہرا“ بطور ”درمیانی“ وہ خدا اور انسان کے درمیان کھڑا ہے تاکہ جلائی کی خلیج کو پر کر دے۔ گرتے تھکے مس عہدوں کا موازنہ بڑی جامعیت سے کرتا ہے :

عہد ”بہتر“ ہے کیونکہ یہ غیر مشروط ہے ، روحانی ہے جسمانی نہیں ، عالمگیر ہے

مقامی نہیں ، ابدی ہے عارضی نہیں ، انفرادی ہے قومی نہیں ، باطنی ہے خارجی

نہیں۔

یہ ”بہتر عہد“ ہے کیونکہ اس کی بنیاد ”بہتر وعدوں“ پر ہے۔ شریعت کے عہد میں فرمانبرداری کے لئے برکات کا وعدہ تھا لیکن نافرمانی کی صورت میں موت کی سزا تھی۔ وہ راست بازی کا مطالبہ کرتا تھا لیکن اس کو پیدل کرنے کی قابلیت نہیں دیتا تھا۔

نیا عہد فضل کا غیر مشروط عہد ہے۔ جہاں راست بازی نہیں ، یہ راست بازی منسوب کرتا ہے۔ یہ راست بازی کی زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے اور ایسا کرنے کے لئے قوت دیتا ہے اور جب کوئی ایسا

کرتا ہے تو اُجڑ دیتا ہے۔

۸:۷ - ”پہلا عہد“ کامل نہیں تھا یعنی وہ خدا اور انسان کے درمیان درست تعلقات استوار کرنے میں ناکام رہا۔ وہ دائمی عہد نہیں تھا بلکہ مسیح کی آمد کی تیاری ہی تھا۔ یہ حقیقت کہ دوسرے عہد کا ذکر آیا ہے یہ ظاہر کرتی ہے کہ پہلا عہد معیاری نہیں تھا۔

۸:۸ - درحقیقت پہلے عہد میں نقص نہیں تھا؛ ”شریعت پاک ہے اور حکم بھی پاک اور راست اور اچھا ہے“ (رومیوں ۷: ۱۲)۔ نقص اُن لوگوں میں تھا جنہیں یہ دیا گیا تھا۔ شریعت کا خام مال ناقص تھا۔ اس کو یہاں یوں بیان کیا گیا ہے: ”پس وہ اُن کے نقص بنا کر کہتا ہے۔۔۔“ وہ عہد میں کوئی نقص نہیں بتاتا بلکہ اُس کے عہدی لوگوں میں۔ پہلا عہد انسان کے فرمانبرداری کرنے کے وعدہ پر قائم ہوا تھا (خروج ۱۹: ۸؛ ۲۴: ۷)۔ اس لئے وہ زیادہ عرصہ کے لئے نہیں تھا۔ نئے عہد میں خدا نے شروع سے آخر تک سب کچھ کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ یہی اُس کی قوت ہے۔

مصیّف اب یرمیاہ ۳۱: ۳۱-۳۴ کا حوالہ دے کر دکھاتا ہے کہ خدا نے پُرانے عہد میں نئے عہد کا وعدہ کیا ہے۔ تمام بحث لفظ ”نیا“ کے ارد گرد گھومتی ہے۔ اگر پُرانا کافی اور تسلی بخش ہوتا تو پھر ایک نیا متعارف کرنے کی کیا ضرورت ہوتی؟

خدا واضح طور پر وعدہ کرتا ہے کہ میں اسرائیل کے گھرانے اور یہوداہ کے گھرانے سے ایک نیا عہد باندھوں گا۔ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ ”نئے عہد“ کا تعلق بنیادی طور پر اسرائیل کے ساتھ تھا نہ کہ کلیسیا کے ساتھ۔ یہ مکمل طور پر اُس وقت تکمیل پائے گا جب مسیح تائب اور مخلصی یافتہ اسرائیل پر حکومت کرنے کے لئے آئے گا۔ لیکن دریں اثنا عہد کی کچھ برکات سے تمام ایمان دار بھی لطف اندوز ہوں گے۔ چنانچہ جب نجات دہندہ نے فے کا پیالہ اپنے شاگردوں کو دیا تو کہا ”یہ پیالہ میرے خون میں نیا عہد ہے۔ جب کبھی پیو میری یادگاری کے لئے یہی کیا کرو“

(۱- کرنتھیوں ۱۱: ۲۵)۔

ہینڈ ٹرسن رقم طراز ہے :

پس ہم پہلی تفسیر جو اسرائیل کے لئے ہے اور دوسری جس کا روحانی اطلاق آج کل کلیسیا پر کیا جاتا ہے میں امتیاز کرتے ہیں۔ اب ہم پاک رُوح کی قوت میں نئے عہد کی برکات سے لطف اندوز ہوتے ہیں لیکن اس کے باوجود بھی خدا کے وعدہ کے مطابق اس کا مزید اور مستقبل میں ظہور اسرائیل کے لئے ہے۔

۹:۸۔ خدا صاف طور پر وعدہ کرتا ہے کہ نیا عہد ”اُس عہد کی مانند“ نہ ہوگا جو اُس نے اُن کے ساتھ اُس وقت ”باندھا“ جب اُس نے ”ملکِ مصر سے نکال لانے کے لئے اُن کا ہاتھ پکڑا تھا۔“ وہ فرق کیسے ہوگا؟ اگر یہ وہ کہتا تو نہیں لیکن غالباً اُس کا جواب آیت کے باقی حصے میں ملتا ہے: ”اِس واسطے کہ وہ میرے عہد پر قائم نہیں رہے اور خداوند فرماتا ہے کہ میں نے اُن کی طرف کچھ تو بڑھ کر کی۔“ شریعت کا عہد اِس لئے ناکام ہو گیا کیونکہ وہ مشروط تھا۔ وہ لوگوں سے فرمانبرداری کا تقاضا کرتا تھا جو اُن سے نہیں ہوتی تھی۔

نیا عہد دینے کے وسیلہ سے جو کہ غیر مشروط و فاضل کا عہد ہے خدا ناکامی کے امکان کو ختم کر دیتا ہے کیونکہ اِس کی تکمیل کا انحصار صرف اُسی پر ہے اور وہ ناکام نہیں ہوتا۔

۱۰:۸۔ پرانا عہد بتاتا ہے کہ آدمی کو کیا کرنا لازم ہے، لیکن نیا عہد یہ بتاتا ہے کہ خدا کیا کرے گا۔ جب اسرائیل کی نافرمانی کے دن گزر جائیں گے تو خدا ”اپنے قانون اُن کے ذہن میں“ ڈالے گا تاکہ وہ جان جائیں۔ اور اُن کے ”دلوں پر“ لکھے گا تاکہ وہ اُنہیں پیار کریں۔ وہ فرمانبرداری کرنا چاہیں گے، سزا کے خوف سے نہیں بلکہ اُس سے محبت کرنے کے باعث۔ اب قانون یا شریعت پتھر پر نہیں لکھی جلتے گی بلکہ دل کی تختیوں پر۔ ”میں اُن کا خدا ہوں گا اور وہ میری امت ہوں گے۔“ اِس سے قرأت کا اظہار ہوتا ہے۔ پرانا عہد لوگوں کو فاصلے پر کھڑا ہونے کو کہتا ہے، لیکن فضل اُنہیں نزدیک آنے کو کہتا ہے۔ علاوہ ازیں یہ الٹوٹ رشتے اور غیر مشروط حفاظت کا وعدہ کرتا ہے۔ اِس نون خریدے تعلق میں کبھی بھی کوئی چیز رخصتہ انداز نہیں ہو سکتی۔

۱۱:۸۔ نئے عہد میں خداوند کا عالمگیر عرفان بھی شامل ہے۔ المسیح کی جلالی حکومت میں ایک شخص ”اپنے ہموطن اور اپنے بھائی کو یہ تعلیم نہ دے گا کہ تو خداوند کو پہچان۔“ ہر شخص ”چھوٹے سے بڑے تک“ باطنی طور پر اُس کا علم رکھے گا: ”جس طرح سمندر پانی سے بھرا ہے اُسی طرح زمین خداوند کے عرفان سے معمور ہوگی“ (یسعیاہ ۱۱:۹)۔

۱۲:۸۔ سب سے اچھی بات یہ ہے کہ نیا عہد ناراستوں سے رحم اور اُن کے گناہوں کا کفارہ تو عطا کرتی طور پر معاف کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ شریعت میں لچک نہیں تھی: ”ہر نافرمانی کا ٹھیک ٹھیک بدلہ ملا“ (عبرانیوں ۲:۲)۔

مزید براں، شریعت گناہ سے مؤثر طریقے سے نہیں نپٹ سکتی تھی۔ وہ گناہوں کا کفارہ تو عطا کرتی تھی لیکن اُن کو دور نہیں کرتی تھی (یہاں کفارہ کے لئے جو عبرانی لفظ آیا ہے اُس کے فعل کا مطلب ڈھانپنا ہے)۔ شریعت میں جن قربانیوں کا ذکر ہے وہ آدمیوں کو رسمی طور پر پاک کرتی تھیں یعنی وہ

انہیں قوم کی مذہبی زندگی میں شریک ہونے کے قابل بنا دیتی تھیں۔ لیکن یہ رسمی پاکیزگی خارجی تھی۔ یہ قربانیاں انسان کی باطنی زندگی کو چھوٹی نہیں تھیں۔ یہ انہیں نہ تو اخلاقی پاکیزگی عطا کرتی تھیں اور نہ صاف ضمیر۔

۱۳:۸۔ جب خدا نے ایک ”نیا عہد“ متعارف کیا تو اس کا مطلب یہ تھا کہ ”پُرانا“ منسوخ ہو گیا۔ اس لئے شریعت کی طرف لوٹنے کا نہیں سوچنا چاہئے۔ تاہم معاملہ بعین یہی تھا کہ بعض ایمان داروں پر یہ آزمائش آئی ہوئی تھی۔ چنانچہ مصنف انہیں تنبیہ کرتا ہے کہ شرعی عہد پُرانا ہو چکا ہے اور اس کی جگہ ایک بہتر عہد متعارف کرایا گیا ہے۔ پس انہیں خدا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلنا چاہئے۔

ج۔ مسیح کی قربانی عہد عتیق کی قربانیوں سے افضل ہے

(۱:۹ — ۱۸:۱۰)

۱:۹ — ۳:۸ میں مصنف نے سرسری طور پر اس حقیقت کا ذکر کیا تھا کہ ہر ایک سردار کا بہن کے پاس نذر کرنے کو کچھ نہ کچھ ہونا لازم تھا۔ اب وہ ہمارے بڑے سردار کا بہن کی نذر پر بحث کرنے اور اس کا مقابلہ پُرانے عہد کی قربانیوں کے ساتھ کرنے کو تیار ہے۔ موضوع کو متعارف کرانے کے لئے وہ خیمہ اجتماع کی ترتیب اور عبادت کے احکامات پر جلدی جلدی نظر دوڑاتا ہے۔

۲:۹۔ ”خیمہ“ ایک تنبو تھا جس میں خدا اسرائیل کے درمیان اُن کے کوہ سینا پر ڈیرے ڈالنے سے لے کر ہیکل کی تعمیر تک سکونت کرتا تھا۔ خیمہ اجتماع کے ارد گرد کے حصے کو صحن کہا جاتا تھا۔ یہ کپڑے کے بنے ہوئے پردوں سے گھرا ہوا تھا۔ جب اسرائیلی خیمہ کے صحن میں دروازے سے داخل ہوتے تو اُن کا سامنا سوختنی قربانی کے مذبح سے ہوتا جہاں قربانی کا جانور ذبح کیا جاتا اور جلایا جاتا تھا۔ اس کے بعد پیتل کے پانی کا حوض آتا جس میں کاہن اپنے ہاتھ اور پاؤں دھوتا تھا۔

خیمہ اجتماع کی لمبائی ۴۵ فٹ، چوڑائی ۱۵ فٹ اور اونچائی ۱۵ فٹ تھی۔ یہ دو حصوں میں تھا۔ پہلا حصہ پاک مقام کہلاتا تھا جو ۳۰ فٹ لمبا تھا۔ دوسرے کو پاک ترین مقام کہتے تھے اور یہ ۱۵ فٹ لمبا تھا۔

خیمہ کا ڈھانچا لکڑی کا تھا جو بکری کے بالوں کے پردوں اور جانوروں کی پن روک کھالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ خیمہ کی چھت اور پشت اور دائیں بائیں کی دیواریں اسی میٹیریل کی تھیں۔ خیمہ کے سامنے ایک منقش پردہ لٹکا ہوا تھا۔

پاک مقام میں درج ذیل اشیاء تھیں :

۱۔ ”نذر کی روٹیاں“ کی ”میز“ جس پر ۱۲ روٹیاں رکھی جاتی تھیں۔ یہ اسرائیل کے ۱۲ قبیلوں کی نمائندگی کرتی تھیں۔ انہیں نذر کی روٹیاں اس لئے رکھتے تھے کہ یہ خدا کی حضور ہی میں وہاں پڑی رہتی تھیں۔

۲۔ سونے کا ”پراغدان“۔ اس کی اوپر کو اٹھی چوٹی سات شاخیں تھیں جن پر تیل کے پراغ بنے ہوئے تھے۔

۳۔ بخور جلانے کی سونے کی میز۔ اس پر صبح اور شام پاک بخور جلایا جاتا تھا۔

۳:۹۔ ”دوسرے پردہ کے پیچھے“، ”پاک ترین“ مقام تھا۔ یہاں خدا اپنے آپ کو چمکتے بادلوں میں ظاہر کیا کرتا تھا۔ یہ زمین پر واحد جگہ تھی جہاں خدا سے خون کے کفارہ کے ساتھ ملاقات کی جاسکتی تھی۔

۴:۹۔ اصل خیمہ کے ”دوسرے حصے میں“ ”عہد کا صندوق“ رکھا ہوا تھا۔ یہ کھڑی کا ایک بڑا صندوق تھا

جس پر چاروں طرف سونا منڈھا ہوا تھا۔ اس کے اندر ”سونے کا مرتبان“ تھا جس میں ”من“ بھرا ہوا تھا۔

اس میں ”پھولا پھیلا ہوا ہارون کا عصا“ اور دو ”عہد کی تختیاں“ تھیں سرب بعد میں سیکل تعمیر ہوئی تو صندوق میں سوا عہد کی تختیوں کے اور کچھ نہیں تھا۔ دیکھئے (۱:۸:۸)۔

آیت ۲ بیان کرتی ہے کہ ”سونے کا عود سوز“ بھی پاک ترین مقام میں تھا۔ یونانی لفظ جس کا ترجمہ

”عود سوز“ کیا گیا ہے اس کا مطلب بخور جلانے کی قربان گاہ (خروج ۳۰:۶) میں یہ پاک مقام میں تھی) یا ”عود سوز“

ہو سکتا ہے جس میں سردار کا بن جوڑ لے کر جاتا تھا۔ اس کی بہترین تشریح مؤخر الذکر ہے۔ مصنیف کے خیال

میں ”عود سوز“ کا تعلق پاک ترین مقام سے تھا، کیونکہ سردار کا بن یوم کفارہ پر اسے بخور جلانے کی قربان گاہ

سے پاک ترین مقام میں لے جاتا تھا۔

۵:۹۔ عہد کے صندوق کے سونے کے ڈھکن کو کفارہ گاہ ”یا دم گاہ“ کہا جاتا تھا۔ اس کے اوپر

سونے کے دو ”کرہی“ تھے۔ وہ اپنے منہ آمنے سامنے کے اور اپنے پیروں کو پھیلانے ہوئے اور اپنے

سروں کو کفارہ گاہ پر جھکائے ہوئے کھڑے تھے۔

مصنیف اپنے بیان کو مختصر تشریح کے ساتھ ختم کر دیتا ہے۔ اس کا مطلب اسے مفصل طور پر

بیان کرنا نہیں ہے بلکہ خیمہ اجتماع کی اشیاء کا خاکہ اور خدا تک رسائی کے راستہ کو بیان کرنا ہے۔

۶:۹۔ چونکہ مصنیف، مسیح کی قربانی کے ساتھ یہودیت کی قربانی کا موازنہ کرے گا اس لئے وہ اُن

پیمبروں کو جن کی اس سلسلے میں شریعت کو ضرورت تھی بیان کرتا ہے۔ بہت سی چیزیں تھیں جنہیں وہ

جُن سکتا تھا لیکن وہ دُوبی کچھ منتخب کرتا ہے تو تمام شرعی نظام میں سب سے اہم تھا یعنی وہ قربانی جو کفارہ کے عظیم دن گزرائی جاتی تھی (احبار باب ۱۶)۔ اگر وہ مسیح کے کام کو اسرائیل کے اُس خاص دن پر سردار کاہن کے کام سے افضل ثابت کر دے تو وہ اپنے مقصد میں کامیاب ٹھہرے گا۔

کاہن خیمہ کے پہلے حصہ یعنی صرف پاک مقام میں داخل ہو سکتے تھے۔ وہ اپنے رسمی فرائض کی ادائیگی کے لئے اُس میں متواتر داخل ہوتے رہتے تھے۔ عام آدمی اُس کمرے میں داخل نہیں ہو سکتے تھے۔ انہیں صحن میں رہنا پڑتا تھا۔

۷:۷۔ دُنیا میں صرف ایک ہی آدمی تھا جو پاک ترین مقام میں جاسکتا تھا یعنی اسرائیل کا ”سردار کاہن“۔ اور وہ ایک آدمی جو ایک نسل، ایک قبیلہ، ایک خاندان سے تھا سال میں صرف ایک دن یعنی یوم کفارہ پر اُس میں داخل ہو سکتا تھا۔ اور جب وہ داخل ہوتا تو وہ ایک برتن میں ”خُون“ لے جاتا ”جسے اپنے واسطے اور امت کی بھول چوک کے واسطے گزرائتا تھا“۔

۸:۹۔ اِس کے ساتھ گہری روحانی سچائیاں وابستہ تھیں۔ ”پاک رُوح“ یہ سکھاتا تھا کہ گناہ نے خدا اور آدمیوں کے درمیان فاصلہ پیدا کر دیا ہے اور ضروری ہے کہ آدمی کسی درمیانی کی وساطت سے خدا کے پاس جائے اور وہ بھی صرف قربانی کے خون کے ساتھ۔ یہ ایک تمثیلی سبق تھا جس کا مقصد یہ سکھانا تھا کہ پرستاروں کے لئے خدا کی حضوری میں جانے کی ”راہ“ ابھی تک ”ظاہر نہیں ہوئی ہے“۔ جب تک پہلا خیمہ کھڑا رہا، غیر کامل راہ جاری رہی۔ اگرچہ ستیمان بادشاہ کے زمانہ میں خیمہ کی جگہ میکیل تعمیر کی گئی تو یہی مسیح کی موت، دفن اور جی اٹھنے تک اُس کی وقعت قائم رہی۔ خدا تک رسائی کے لئے جن اصولوں کو یہ پیش کرتا تھا، ہیکل کے پردے کے اوپر سے نیچے تک پھٹنے کے دن تک قائم رہے۔

۹:۹۔ خیمہ کا انتظام وانصرام ”موجودہ زمانہ کے لئے ایک مثال ہے“۔ یہ آنے والی کسی بہتر چیز کی تصویر ہے۔ یہ مسیح کے کامل کام کا غیر کامل نمائندہ تھا۔

”نذیریں اور قربانیاں“ پرستار کو ”دل کے اعتبار سے کامل نہیں کر سکتی“ تھیں۔ اگر گناہوں کی مکمل معافی مل جاتی تو پھر عبادت کرنے والے کا دل گناہ سے آزاد ہو جاتا۔ لیکن یہ کبھی نہیں ہو سکا۔

۱۰:۹۔ درحقیقت، لادلوں کی قربانیاں ”صرف“ رسمی آلودگی کو دور کرتی تھیں۔ اُن کا تعلق خارجی باتوں مثلاً ”کھانے پینے“ اور رسمی ”غسلوں“ سے تھا جس سے خارجی ناپاکی دور ہوتی تھی، لیکن وہ اخلاقی پلیدگی کو صاف نہیں کرتی تھیں۔

قربانیوں کا تعلق اُن لوگوں سے تھا جن کے ساتھ خدا نے عہد باندھا تھا۔ ان کا مقصد لوگوں کو

رسمی طور پر پاک کرنا تھا تاکہ وہ خدا کی پرستش کر سکیں۔ ان کا تعلق نباتات سے یا گناہ سے پاک کرنے سے نہیں تھا۔ لوگ، خداوند پر ایمان لانے کے باعث بچتے تھے جس کی بنیاد مسیح کے اُس کام پر تھی جو ہنوز مستقبل میں انجام پانا تھا۔

پھر قربانیاں عارضی تھیں۔ یہ اصلاح کے وقت تک کے لئے ”مقرر“ کی گئی تھیں۔ مسیح کی آمد اور اُس کی کامل قربانی کی طرف اشارہ کرتی تھیں۔ یہاں جس ”اصلاح کے وقت“ کا ذکر ہوا ہے وہ عیسوی زمانہ ہے۔

۱۱:۹ ”مسیح آئندہ کی اچھی چیزوں کا سردار کاہن ہو کر آیا“ یعنی اُن بے حد برکات کا جو وہ اُن کو دے گا جو اُسے قبول کرتے ہیں۔

اُس کا مقدس، ایک ”بزرگ تر اور کامل تر خیمہ“ ہے۔ وہ ”ہاتھوں کا بنا ہوا“ نہیں ہے یعنی اُس کی تعمیر میں دنیاوی سامان استعمال نہیں ہوا ہے۔ وہ آسمانی مقدس اور خدا کی سکونت گاہ ہے۔

۱۲:۹ ہمارا خداوند ”پاک مکان میں ایک ہی بار داخل ہو گیا“ اپنے معبود آسمانی کے وقت، وہ کلوری پر ہماری ”خلاصی“ کرا کے خدا کی حضوری میں حاضر ہوا۔ ہمیں ”ایک ہی بار“ کے الفاظ پر ہمیشہ خوشی مناتے رہنا چاہئے۔ کام مکمل ہو چکا ہے۔ خداوند کی تعریف ہو!

اُس نے بکروں اور بیلوں کا خون نہیں بلکہ اپنا ہی خون“ پیش کیا۔ جانوروں کے خون میں گناہوں کو ہٹانے کی قوت نہیں۔ یہ صرف مذہبی رسومات سے متعلق خاص خطاؤں کے لئے ہی مؤثر تھا۔ لیکن مسیح کا خون لامحدود قدر و قیمت کا حامل ہے۔ اس کی قوت ہر زمانہ کے لوگوں کے گناہ دھونے کے لئے خواہ وہ اب زندہ ہیں یا کبھی زندہ تھے کافی ہے۔ لیکن اس قوت کا تجربہ صرف وہ کرتے ہیں جو اُسے ایمان سے قبول کرتے ہیں۔

اپنی قربانی کے ذریعہ اُس نے ”ابدی خلاصی“ کرائی۔ پہلے کاہن ہر سال کفارہ دیتے تھے۔ ان دونوں میں بڑا وسیع فرق ہے۔

۱۳:۹ مسیح کی قربانی اور شریعت کی رسومات میں فرق ظاہر کرنے کے لئے اب مصنف گائے کی راکھ کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ شریعت کے مطابق اگر کوئی اسرائیلی لاش کو چھو لیتا تو وہ رسمی طور پر سات دن تک ناپاک ہو جاتا۔ اس کا علاج یہ تھا کہ ناپاک شخص پر سرخ پچھیا کی جلی ہوئی راکھ میں چشمے کا صاف پانی ملا کر تیسرے اور ساتویں دن چھڑکا جائے۔ تب وہ پاک ٹھہرتا۔

۱۴:۹ اگر گائے کی راکھ ایک نہایت سنگین قسم کی خارجی خطا سے پاک کرنے کی قوت رکھتی تھی تو

پھر ”مسیح کا خون“ باطنی گناہوں کے گہرے سے گہرے داغ کو دھونے کے قابل کیوں نہ ہوگا!
 اُس کی قربانی ”ازلی رُوح“ کے وسیلہ سے تھی۔ اس اصطلاح کے معنی کے بارے میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کے نزدیک ازلی رُوح کا مطلب یہ ہے کہ جانوروں کے مُقابلے میں اُس نے رضامند رُوح سے قربانی دی۔ دیگر اس کا مطلب ”اپنی ابدی رُوح“ سمجھتے ہیں۔ ہمارا خیال یہ ہے کہ یہاں ”پاک رُوح“ پیش نظر ہے۔ اُس نے یہ قربانی پاک ”رُوح“ کی قوت میں دی۔
 یہ قربانی خدا کو دی گئی۔ وہ خدا کا بے عیب اور بے گناہ بڑا تھا جس کی کاملیت نے اُسے ہمارے گناہ اٹھانے کے قابل بنا دیا۔ قربانی کے جانور کے لئے لازمی تھا کہ وہ بے عیب اور بے داغ ہو۔ مسیح پر بھی کسی قسم کا کوئی داغ دھبہ نہیں تھا۔

اُس کا ”خون“ ہمیں مُردہ کاموں سے پاک کرتا ہے تاکہ ”زندہ خدا کی رعبادت کریں“۔
 ۱۵: ۹۔ گزشتہ آیات نے اس بات پر زور دیا کہ نئے عہد کا خون پُرانے عہد کے خون سے افضل ہے۔ اس کا وہ نتیجہ نکلتا ہے جسے آیت ۱۵ میں بیان کیا گیا ہے کہ مسیح ”نئے عہد کا درمیانی ہے“۔
 دوسرے بیان کرتا ہے :

لفظ ”درمیانی“ مسیحیتس کا ترجمہ ہے۔ یہ اُس شخص کی طرف اشارہ کرتا ہے جو دو افراد کے درمیان مداخلت کرتا ہے، جو دوستی اور امن بحال کرتا ہے، جو معاہدہ تشکیل دیتا یا اُس کی توثیق کرتا ہے۔ یہاں مسیح پاک خدا اور گنہگار انسان کے درمیان درمیانی کا کردار ادا کرتا ہے۔ اپنی صلیبی موت کے ذریعہ وہ خدا اور انسان کے درمیان رکاوٹ (گناہ) کو جو ان میں دُوری کا سبب بنی ہوئی تھی ہٹا دیتا ہے۔ جب گنہگار مسیح کی قربانی کو قبول کرتا ہے تو اُس کے گناہ کی سزا اور جرم باقی نہیں رہتا، اُس کی زندگی میں گناہ کی قوت اور زور ٹوٹ جاتا ہے، وہ ذاتِ الہی میں شریک ہوتا ہے اور اُس کے اور خدا کے درمیان شرعی اور شخصی دونوں دُوریاں ختم ہو جاتی ہیں۔

اب جو بلائے ہوئے ہیں اُن کو وعدہ کے مطابق ”ابدی میراث“ مل جاتی ہے۔ مسیح کے کام کے ذریعہ پُرانے اور نئے دونوں عہدوں کے ”مقتدیین“ ابدی ”نجات اور“ ابدی ”مخلصی“ سے کُلف اندوز ہوتے ہیں۔

وہ حقیقت جو فضل کے زمانہ سے پیشتر کے ایمان داروں کو میراث کا وارث بنا دیتی ہے یہ ہے کہ موت واقع ہو چکی ہے یعنی مسیح کی موت، اور اُس کی موت اُنہیں پہلے عہد کے وقت کے تصور

کی ”معافی“ دلا دیتی ہے۔

خُدا نے پُرانے عہد نامہ کے لوگوں کو ”پیشگی“ معافی دے دی ہے۔ وہ بھی ہماری طرح ایمان ہی سے راست باز ٹھہرے تھے۔ لیکن اب تک مسیح کی موت واقع نہیں ہوئی تھی۔ تو پھر وہ انہیں کیسے بچا سکتا تھا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اُس نے انہیں اپنے اُس علم کی بنیاد پر بچایا کہ مسیح کیا کچھ انجام دے گا۔ لوگ تو مہرت کم یا بالکل نہیں جانتے تھے کہ مسیح کونسی پر کیا کرے گا۔ لیکن خُدا جانتا تھا، اور جب وہ اُس پر جو کچھ خُدا نے اپنے بارے میں ظاہر کیا ایمان لائے تو اُس نے مسیح کا مخلصی کا کام اُن سے منسوب کیا۔

ایک لحاظ سے پُرانے عہد کے تحت قصوروں کا عظیم قرضہ جمع ہوتا رہا۔ اور جب مسیح نے موت ہی تو اُس نے اُس کے ذریعے سے پہلے عہد کے ایمان داروں کو ان ”قصوروں“ سے نجات دی۔ خُدا نے اُن کو مسیح کے ہونے مستقبل کے کام سے جس طریقے سے نجات دی اُسے ”جو گناہ پیشتر ہو چکے تھے“ کہا جاتا ہے۔ اس پر رومیوں ۲: ۲۵-۲۶ میں بحث کی گئی ہے۔

۲: ۲۵-۲۶۔ مصنیف جس میراث کا آیت ۱۵ میں ذکر کرتا ہے ہمیں یاد دلاتی ہے کہ اس سے پیشتر کہ ”وصیت“ ہو رہی ہو اس بات کی شہادت ہونی چاہئے کہ ”وصیت کرنے والا“ مر چکا ہے۔

۱۴: ۹۔ ممکن ہے کسی نے اپنی وصیت کافی عرصہ پہلے لکھی ہو اور اُسے حفاظت سے رکھ لیا ہو، لیکن اُس وقت تک اُس پر عمل نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ وصیت کرنے والا مر نہ جائے۔ جب تک وہ زندہ ہے اُس کی جائیداد وارثوں میں تقسیم نہیں کی جاسکتی۔

۱۸: ۹۔ اب موصوع، ایک شخص کی وصیت سے موسیٰ کی معرفت دئے گئے ”عہد“ عتیق کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی ایک کو مرنے پڑا۔ اس کی توثیق بھی ”خُون“ سے کی گئی۔

قدیم زمانہ میں ہر ایک عہد کی ایک جانور کی ذبحی موت کے بعد ہی توثیق ہوتی تھی۔ خُون اس بات کی توثیق تھی کہ عہد کی ہر ایک شرط پوری کی جائے گی۔

۱۹: ۹۔ جب ”موسیٰ“ اسرائیلی شریعت کے تمام حکم سنا چکا تو ”بچھڑوں اور بکروں کا خُون لے کر پانی اور لال اُون اور زُوقا کے ساتھ“ شریعت کی کتاب اور تمام اُمت پر چھڑک دیا۔ اس طریقے سے موسیٰ نے عہد کی توثیق کی یا اُس پر مہر ثبت کی۔

خروج ۲۴: ۱-۱۱ میں ہم پڑھتے ہیں کہ موسیٰ نے ”قربانگاہ“ اور لوگوں پر ”خُون چھڑکا، لیکن یہاں ”کتاب“ یا ”پانی اور لال اُون اور زُوقا“ کا ذکر نہیں ملتا۔ بہتر ہے کہ ہم ان دونوں بیانات کو ایک دوسرے

کی تکمیل سمجھیں۔

یہاں خدا کی غماز منگی ”قربانگاہ“ کرتی ہے اور عہد کا دوسرا فریق ”لوگ“ ہیں۔ ”خون“ کا چھڑکا جانا دونوں فریقوں کو عہد کی شرائط کا پابند بنا دیتا ہے۔ لوگوں نے فرمانبرداری کا وعدہ کیا اور خدا نے یہ وعدہ کیا کہ اگر لوگ یہ کریں گے تو وہ اُنہیں برکت دیگا۔

۲۰:۹۔ جب موسیٰ نے خون چھڑکا تو کہا ”یہ اُس عہد کا خون ہے جس کا حکم خدا نے تمہارے لئے

دیا۔“ اس سے خدا نے شریعت پر عمل کرنے میں ناکامی کی صورت میں بھی لوگوں کی زندگی کی ضمانت دی۔

۲۱:۹۔ اسی طرح موسیٰ نے پرستش میں مستعمل ”خیمہ اور عبادت کی تمام چیزوں پر خون چھڑکا۔“ عہد

عقین کی اس رسم کا ذکر نہیں ملتا۔ خروج باب ۳۰ میں خیمہ اجتماع کی خصوصیت کے وقت بھی خون کا ذکر نہیں کیا گیا۔ لیکن تشبیہ صاف ہے۔ ہر ایک شے جس کا گنہگار آدمیوں سے تعلق ہے اودہ ہو جاتی ہے اور اُسے پاک کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۲:۹۔ ”تقریباً“ ہر ایک شے جو ”شریعت“ کے تحت تھی ”خون“ سے پاک کی جاتی تھی۔ لیکن

کچھ مستثنیات بھی تھیں۔ مثلاً جب بنی اسرائیل کی مردم شماری میں ایک شخص گناہ کرتا تھا تو وہ خون کی قربانی دینے کی بجائے کفارہ کے پیسے کے طور پر نیم مثقال چاندی لاتا (خروج ۳۰:۱۱-۱۶)۔ یہ سکہ اُس آدمی کے لئے خدا کی اُمت میں شمار کئے جانے کے لئے کفارہ کا نشان تھا۔ ایک اور استثنا اجبار ۵:۱۱ میں ملتی ہے جہاں بعض رسمی ناپاکی کو پاک کرنے کے لئے مہدہ کی نذر لانے کو کہا گیا ہے۔

یہ مستثنیات کفارہ یا گناہ کو ڈھانپنے کے لئے تھیں حالانکہ عام طور پر کفارہ کے لئے خون کی قربانی دی جاتی تھی۔ لیکن جہاں تک گناہ کی ”معافی“ کا تعلق ہے اس میں کوئی استثنا نہیں ہے۔ ”خون“ بہانا ضروری ملازمی ہے۔

۲۳:۹۔ باب ۹ کی باقی آیات میں دونوں عہدوں میں موازنہ کیا گیا ہے۔

پہلی بات یہ کہ زمینی خیمہ کو بکروں اور بیلوں کے خون سے ”پاک“ کیا جاتا تھا۔ جیسے کہ پہلے بتایا گیا ہے یہ رسمی پاکیزگی تھی۔ یہ تشبیہی مقدس کی تشبیہی تقدیس تھی۔

”آسمانی“ مقدس اصل تھا جس کا زمینی مقدس نقل تھی۔ پس ضروری تھا کہ اُسے ”ان سے بہتر قربانوں“ کے وسیلہ سے یعنی مسیح کی قربانی سے پاک کیا جاتا۔ مسیح کی واحد قربانی کے لئے جمع کا صیغہ احترام کے طور پر استعمال کیا گیا ہے۔

یہ بات بڑی حیران کن لگتی ہے کہ آسمانی مقاموں کو بھی ”پاک“ کرنے کی ضرورت تھی۔ غالباً اس

کی کلید۔ ایوب ۱۵: ۱۵ میں ملتی ہے: ”آسمان بھی اُس کی نظر میں پاک نہیں۔“ بلاشبہ یہ ایسا اس لئے ہے کیونکہ شیطان نے جو پہلا گناہ کیا تھا اُس کا وہ آسمان میں ہی مرتکب ہوا تھا (یسعیاہ ۱۴: ۱۲-۱۴) اور بطور الزام لگانے والا اب بھی اُسے خدا کی حضور میں رسائی حاصل ہے (مکاشفہ ۱۲: ۱۰)۔

۲۴: ۹۔ ”سیح“ انسان ساختہ مقدس میں داخل نہیں ہوا جو حقیقی ”پاک مکان کا نمونہ تھا بلکہ خود ”آسمان ہی میں“۔ وہاں وہ ”خدا کے روبرو ہماری خاطر حاضر“ ہوا ہے۔

یہ سمجھنا مشکل ہے کہ کیوں ایک شخص اصل کو چھوڑ کر نقل کی طرف جانا چاہے گا۔ ایک شخص کیوں آسمانی مقدس میں بڑے سردار کا بہن کی خدمت کو چھوڑ کر اسرائیل کے کاہنوں کی طرف جانا چاہے گا جو نمونہ کے خمیہ میں خدمت کرتے تھے۔

۲۵: ۹۔ خداوند یسوع نے بار بار قربانی نہیں گزرائی ”جس طرح“ ہارونی ”سردار کاہن“ کہتا کرتے تھے۔ ہارونی سردار کاہن سال میں صرف ایک دن یعنی کفارہ کے دن پاک ترین مکان میں جاتا اور وہاں وہ اپنا خون نہیں بلکہ قربانی کے جانور کا ”خون“ پڑھاتا تھا۔

۲۶: ۹۔ اگر مسیح بار بار قربانی گزراتا تو اُسے لازماً بار بار گھکھ بھی اٹھانا پڑتا جبکہ اُس نے جو قربانی پڑھائی وہ اُس کی اپنی زندگی ہی کی تھی۔ ہم یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ اُسے ”بنائے عالم سے لے کر آب تک“ کلوری کی اذیت سے وقتاً فوقتاً گزرتا چاہئے تھا، اور یہ غیر ضروری بھی تھا۔

نئے عہد کے تحت

۱۔ قطعیت تھی۔ وہ ”ایک بار ظاہر ہوا“ کلام کو دہرانے کی ضرورت نہیں تھی۔

۲۔ سازگار وقت تھا۔ وہ ”زمانوں کے آخر“ میں ظاہر ہوا، یعنی جب پرانے عہدے آدمیوں کی ناکامی اور ناواقفیت کو حتمی طور پر ظاہر کر دیا۔

۳۔ ایک مکمل کام تھا۔ وہ ”گناہ کو مٹانے“ کے لئے ظاہر ہوا۔ اب سالانہ کفارہ دینے کا سوال نہیں تھا۔ اب ابدی معافی تھی۔

۴۔ شخصی قربانی تھی۔ اُس نے ”اپنے آپ کو قربان کرنے سے“ گناہ کو مٹا دیا۔ اُس نے اپنے جسم میں اُس سزا کو اٹھالیا جس کے ہم حق دار تھے۔

۲۷: ۹۔ ایسا لگتا ہے کہ آیات ۲۷ اور ۲۸ پڑھنے اور نئے عہد میں ایک اور مقابلہ پیش کرتی ہیں۔ شریعت کہتی تھی کہ گنہگاروں کے لئے ”ایک بار مرنے اور اُس کے بعد عدالت کا ہونا مقرر ہے“۔ شریعت اُن لوگوں کو دی گئی جو پہلے ہی گنہگار تھے اور اُس پر مکمل طور پر عمل نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ

یہ اُن کے لئے سزا کا ذریعہ بن گئی۔

۲۸:۹ - نیا عهد مسیح کی لاخود قریبی کو متعارف کراتا ہے۔ وہ ایک بار بہت لوگوں کے گناہ اٹھانے کے لئے قربان ہوا۔ یہ اُن کے سامنے جو اُس کی راہ دیکھتے ہیں اُس کی دوبارہ آمد کی مبارک امید پیش کرتا ہے۔ لیکن تب وہ گناہ کے مسئلے کو حل کرنے نہیں آئے گا۔ یہ کام اُس نے صلیب پر مکمل کر دیا ہے۔ اب وہ اپنے لوگوں کو آسمان پر لے جانے کے لئے آئے گا۔ اُس وقت اُن کی نجات مکمل ہو جائے گی، انہیں جلالی جسم ملیں گے اور وہ ہمیشہ کے لئے گناہ کی دسترس سے باہر ہو جائیں گے۔

یہ الفاظ کہ جو اُس کی راہ دیکھتے ہیں حقیقی ایمان داروں کو بیان کرتے ہیں۔ خداوند کے تمام لوگ اُس کی آمد ثانی کی راہ دیکھتے ہیں، تاہم یہ ممکن ہے کہ وہ اس سلسلے میں واقعات کی کسی ایک ہی ترتیب سے اتفاق نہ کرتے ہوں۔

بائبل یہ تعلیم ہرگز نہیں دیتی کہ مسیح کی آمد ثانی پر صرف کسی خاص گروپ یا جماعت کے خاص طور پر روحانی لوگ ہی آسمان پر اٹھائے جائیں گے۔ یہ شامل ہونے والوں کے بارے میں بیان کرتی ہے کہ وہ جو مسیح میں ٹوٹے اور ہم جو زندہ باقی ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام حقیقی ایمان دار خواہ وہ مر چکے ہوں یا زندہ ہوں اٹھائے جائیں گے (۱-تفصیلیوں ۴: ۱۶-۱۷)۔ ۱-۱ کرنتھیوں ۱۵: ۲۳ میں شامل ہونے والوں کے متعلق یہ بتایا گیا ہے کہ وہ اُس (مسیح) کے لوگ ہوں گے۔

اکثر کہا جاتا ہے کہ آیات ۲۴-۲۸ میں مسیح کے تین ظہورات کا ذکر ہے۔ ان کو مختصراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے :

آیت ۲۶ - وہ ظاہر ہوا۔ یہ اُس کی پہلی آمد کی طرف اشارہ ہے جبکہ وہ ہمیں گناہ کی سزا سے بچانے کے لئے زمین پر آیا (نجات کا صیغہ ماضی)۔

آیت ۲۴ - وہ اب ظاہر ہوتا ہے۔ یہ اُس کی خدا کے حضور موجودہ خدمت کی طرف اشارہ ہے تاکہ ہمیں گناہ کی قوت سے بچائے (نجات کا صیغہ حال)۔

آیت ۲۸ - وہ ظاہر ہوگا۔ یہ اُس کی آمد ثانی کی طرف اشارہ ہے جبکہ وہ ہمیں گناہ کی موجودگی سے بچائے گا۔ (نجات کا صیغہ مستقبل)۔

۱:۱۰ - شریعت آئندہ کی اچھی چیزوں کا صرف عکس تھی۔ وہ مسیح کی شخصیت اور اُس کے کام کی طرف اشارہ کرتی تھی لیکن وہ اصل کا کمزور بدل تھی۔ مسیح پر شریعت کو ترجیح دینا ایسا ہی ہے جیسے کہ ایک شخص کی جگہ اُس کی تصویر کو ترجیح دینا۔ یہ مسیح بادشاہ کی بے عزتی ہے۔

شرعی نظام کی کمزوری اس بات میں ظاہر ہوتی ہے کہ اُس کی قربانیوں کو بار بار دہرانا پڑتا تھا۔ یہ اعادہ پاک خدا کے تقاضے کو پورا کرنے میں قطعی ناکامی کو ثابت کرتا تھا۔ بار بار دہرانے کے خیال کو ان الفاظ میں دیکھئے: ”ایک ہی طرح کی قربانیوں“، ”بلا ناغہ گزرائی جاتی تھیں“ ”ہر سال“۔

”قربانیاں“ پرستاروں کو کابل کرنے میں قطعی ناکام تھیں یعنی جہاں تک گناہ کا تعلق ہے وہ لوگوں کو ”کابل“ ضمیر نہیں دے سکتی تھیں۔ اسرائیلی یہ تجربہ نہیں رکھتے تھے کہ وہ گناہ کے احساسِ جرم سے ہمیشہ کے لئے بری کر دئے گئے ہیں۔ انہیں کبھی بھی مکمل طور پر ضمیر کا آرام حاصل نہ ہوا۔

۲:۱۰۔ اگر قربانیاں انہیں مکمل اور حتمی طور پر گناہ سے بری کر دیتیں تو کیا ان کا ہر سال خیمہ اجتماع یا ہیکل کو جانا ”موقوف نہ ہو جاتا“؟ قربانیوں کا بار بار گزرانا انہیں غیر مؤثر ثابت کرتا تھا۔ اگر ایک شخص کو زندہ رہنے کے لئے ہر گھنٹے دوا استعمال کرنی پڑتی ہے تو یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ شفا یاب ہو چکا ہے۔

۳:۱۰۔ لادویوں کا نظام ضمیر کو تسلی دینے کی بجائے ہر سال اُسے مضطرب کر دیتا تھا۔ یومِ کفارہ کی خوبصورت رسم کے پس پشت یہ سالانہ یاد دہانی ہوتی تھی کہ گناہوں کو صرف دھنا نپا گیا ہے، ہٹایا نہیں گیا۔

۴:۱۰۔ ”بیلوں اور بکروں کے خون“ میں ”گناہوں کو دُور کرنے کی قوت“ نہیں تھی۔ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے ان قربانیوں کا تعلق رسمی گناہوں سے تھا۔ یہ رسمی پاکیزگی عطا کرتی تھیں لیکن جہاں تک انسان کی بگڑی ہوئی فطرت یا اُس کے برے کاموں کا تعلق ہے یہ مطلقاً ناکام تھیں۔

۵:۱۰۔ لادویوں کی قربانیوں کی کمزوریوں کے مقابلے میں اب ہم مسیح کی سب سے بہتر قربانی کی قوت کی طرف آتے ہیں۔ تعارف کے طور پر نجات دہندہ کے تجسم کے وقت ہم اُس کی خود کلامی کو سننے ہیں۔ (نہج ۴) سے اکتساب کرتے ہوئے وہ عہدِ عتیق کی قربانیوں اور نذرانوں پر خدا کی ناپسندیدگی کو دیکھتا ہے۔ اگرچہ ان قربانیوں کو خدا نے مقرر رکھا تھا، تاہم وہ اُس کا آخری ارادہ نہیں تھیں۔ اُن کا مقصد گناہوں کو دُور کرنا نہیں تھا بلکہ خدا کے برہ کی طرف اشارہ کرنا تھا جو دنیا کا گناہ اٹھانے والا تھا۔ کیا خدا جانوروں کے خون کے دریاؤں یا اُن کی لاشوں کے ڈھیروں سے خوش ہو سکتا ہے؟

خدا کی ناپسندیدگی کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ لوگ یہ خیال کرنے لگے تھے کہ ان رسومات سے وہ خدا کو خوش کر رہے ہیں جبکہ اُن کی باطنی زندگی گناہ آلودہ اور بگڑی ہوئی تھی۔ اُن میں سے اکثر لوگ توبہ یا شکستہ دلی کے بغیر ہی قربانیوں کے ایک بے کیف سلسلے میں سے گزرتے رہے تھے۔ وہ خیال کرتے تھے کہ خدا کو جانوروں کی قربانیوں سے خوش کیا جاسکتا ہے جبکہ وہ شکستہ دل کی قربانی کا مستلاشی رہتا ہے۔ انہیں یہ احساس نہیں تھا کہ خدا اوس پرست نہیں ہے۔

خدا نے سابقہ قربانیوں سے مطمئن نہ ہونے کے باعث اپنے بیٹے کے لئے ایک انسانی بدن تیار کیا جو اُس کی انسانی زندگی اور فطرت کا ایک اٹوٹ حصہ تھا۔ اس کا اشارہ بلاشبہ اُس کے ناقابل فہم جسم کی طرف ہے جبکہ ازلی کلام نے جسم اختیار کیا تاکہ بطور انسان آدمیوں کے لئے اپنی جان دے سکے۔

یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ ”میرے لئے ایک بدن تیار کیا“ کے الفاظ کے جو کہ زبور ۶: ۴ سے لئے گئے ہیں دو مطلب ہو سکتے ہیں۔ زبور میں اس طرح ہے: ”تُو نے میرے کان کھول دیئے ہیں۔“ لیکن عبرانی میں اس کا مطلب ہے ”تُو نے میرے کان چھید دیئے ہیں۔“ کان کھولنے کا مطلب یہ ہے کہ المسیح خدا کی ہدایات سننے اور ان پر فوراً عمل کرنے کے لئے ہر وقت تیار تھا۔ کان چھیدنا عبرانی اصطلاح ہے (خروج ۲۱: ۱۰-۶) جس کے مطابق عمام کے کان دروازہ کی چوکھٹ پر لاکر ستاری سے چھید دے جاتے تھے۔ یہ اس بات کا اظہار تھا کہ وہ ہمیشہ اپنے مالک کی خدمت کرتا رہے گا۔ اپنے جسم میں درحقیقت نجات دہندہ نے کہا ”میں اپنے مالک کو پیار کرتا ہوں... میں آزاد نہیں ہوں گا۔“

۶: ۱۰۔ زبور ۴۰ سے اقتباس کو جاری رکھتے ہوئے المسیح دہراتا ہے کہ خدا سوغت قربانیوں اور گناہ کی قربانیوں سے خوش نہ ہوا۔ ”جانور جن کا خون پاک کرنے کے لئے بہایا جاتا تھا رضامندی سے قربانی نہیں دیتے تھے۔ پھر یہ بھی کہ وہ خدا کی آخری مرضی کی نمائندگی نہیں کرتے تھے۔ وہ تمثیل اور سایہ تھے جو مسیح کی قربانی کی طرف اشارہ کرتے تھے۔ اُن کی اپنے آپ میں کوئی قدر نہیں تھی۔“

۷: ۱۰۔ جس بات سے خدا کو خوشی حاصل ہوئی وہاں مسیح کا خدا کی ”مرضی“ کو خوشی پورا کرنا تھا، خواہ اس کے لئے اُسے کوئی بھی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ اور یہ اُس نے خدا کی مرضی کی فرمانبرداری کرتے ہوئے مذبح پر اپنے آپ کو قربان کرنے سے ثابت کیا۔ ان الفاظ سے جو ہمارے خداوند نے کہے یا دِ لایا جاتا تھا کہ عہدِ عتیق میں شروع سے لے کر آخر تک اس بات کا ذکر ہے کہ اُس نے خوشی خوشی اور پورے دل کے ساتھ خدا کی مرضی کو پورا کیا ہے۔

۸: ۱۰۔ آیات ۸۔ ۱۱ میں مصنف خود کلامی کی روحانی اہمیت کو بیان کرتا ہے۔ وہ اس میں قربانی کے پرانے نظام کی موت اور یسوع مسیح کی حتمی، کامل اور مکمل قربانی کے اجرا کا اشارہ دیکھتا ہے۔ وہ شریعت کے موافق گزرائی جانے والی قربانیوں پر خدا کے ”خوش“ نہ ہونے پر زور دینے کے لئے زبور ۴۰ کے اقتباس کو مختصراً پیش کرتا ہے۔

۹: ۱۰۔ پھر مصنف اس حقیقت میں اس مفہوم کو دیکھتا ہے کہ پرانی قربانیوں کے بارے میں خدا کی ناخوشی کے اعلان کے فوراً بعد المسیح آگے بڑھتا ہے تاکہ اُن باتوں کو کرے جو کہ اُس کے باپ کے

دل کو خوش کرتی ہیں۔

نتیجہ: ”وہ پہلے کو موقوف کرتا ہے تاکہ دوسرے کو قائم کرے“ یعنی وہ شریعت کے مطابق رہی جانے والی قربانیوں کے نظام کو منسوخ کرتا اور گناہ کے لئے اپنی ہی عظیم قربانی کو متعارف کراتا ہے۔ جب نیا عہد منظر کے مرکز کی طرف بڑھتا ہے تو شرعی عہد پیچھے ہٹ جاتا ہے۔

۱۰:۱۰۔ ”خدا کی“ اسی مرضی کے سبب ہے جس کا یسوع فرما رہا تھا ”ہم یسوع مسیح کے جسم کے ایک ہی بار قربان ہونے کے وسیلہ سے پاک کئے گئے ہیں“۔

۱۱:۱۰۔ اب ”ہر ایک“ ہارونی ”کاہن“ کی خدمت کا مقابلہ مسیح کی خدمت سے کیا جاتا ہے۔ وہ ”کاہن“ ہر روز کھڑے ہو کر اپنی خدمت بجالاتے تھے۔ خیمہ اجتماع یا ہیکل میں کوئی کرسی نہیں تھی۔ وہ آرام نہیں کر سکتا تھا کیونکہ اُس کا کام کبھی مکمل نہیں ہوتا تھا۔ وہ ”ایک ہی طرح کی قربانیاں بار بار گزراتا“ تھا۔ یہ ختم نہ ہونے والا دستور العمل تھا جو نہ تو گناہ کو چھوٹا اور نہ ضمیر کو تسلی دیتا تھا۔

یہ ”قربانیاں“ ”ہرگز گناہوں کو دور نہیں کر سکتی“ تھیں۔ اے۔ بی۔ برسوس لکھتا ہے :
”اگرچہ لادویوں کے نظام میں ہارون ایک شخص تھا تو بھی وہ ایک مقدس غلام کی مانند تھا جو ہر وقت ایسی قربانیاں گزراتا رہتا تھا جن کی درحقیقت کوئی دائمی اہمیت نہ تھی“۔

۱۲:۱۰۔ ہمارے مبارک خداوند نے ”گناہوں کے واسطے“ ایک ہی ”قربانی“ گزرائی۔ کسی اور کی کبھی ضرورت نہیں ہوگی۔ غصی کا کام مکمل کر کے وہ ”خدا کی دہنی طرف جا بیٹھا“۔ وہ وہاں کسی رکاوٹ کے بغیر بیٹھا ہے کیونکہ گناہ کے زبردست دعوے کا فیصلہ ہمیشہ کے لئے کر دیا گیا ہے۔ وہ خدا کی دہنی طرف بیٹھا ہے۔ یہ عزت، اختیار اور محبت کی جگہ ہے۔

”ممکن ہے کوئی اعتراض کرے کہ وہ وہاں ہمیشہ تک بیٹھا نہیں رہے گا کیونکہ ایک دن وہ انصاف کرنے کے لئے اُٹھے گا۔ اس میں تضاد کی کوئی بات نہیں۔ جہاں تک گناہ کی قربانی دینے کا تعلق ہے وہ ہمیشہ کے لئے بیٹھا ہے۔ اور جہاں تک انصاف کا تعلق ہے وہ ہمیشہ کے لئے نہیں بیٹھا ہے۔

۱۳:۱۰۔ وہ اُسی وقت سے انتظار کر رہا ہے کہ اُس کے دشمن اُس کے پاؤں تلے کی چوکی بنیں۔ اُس وقت ہر ایک گھٹنا جھکے گا اور ہر ایک زبان خدا باپ کے حلال کے لئے اقرار کرے گی کہ یسوع مسیح خداوند ہے (دیکھئے نلییوں ۲: ۱۰-۱۱)۔ یہ اُس کے زمین پر لوگوں کے سامنے ظاہر ہونے کا دن ہوگا۔

۱۴:۱۰۔ اُس کی قربانی کی بے مثال اہمیت اس میں دیکھی جاسکتی ہے کہ اُس نے ایک ہی قربانی چٹھانے سے اُن کو ہمیشہ کے لئے کامل کر دیا ہے جو پاک کئے جاتے ہیں۔ یہاں ”پاک کئے جاتے ہیں“ کا اشارہ اُن کی طرف ہے جو دنیا سے خدا کے لئے الگ کئے گئے ہیں یعنی تمام حقیقی ایمان دار۔ وہ دو طریقوں سے ”کامل“ کئے گئے ہیں۔ پہلا اُن کی حیثیت خدا کی نظر میں کامل ہے۔ انہیں باپ کے حضور اُس کے پیارے بیٹے کی قبولیت منسوب کی گئی ہے۔ دوسرا جہاں تک گناہ کے جرم و سزا کا تعلق ہے اس کے بارے میں اُن کا ضمیر کامل طور سے مطمئن ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ اُن کے گناہ کی پوری پوری قیمت ادا کی جا چکی ہے اور کہ خدا دوبارہ ادا نیگی کا تقاضا نہیں کرے گا۔

۱۵:۱۰۔ رُوح القدس بھی ہم کو یہی بتاتا ہے کہ نئے عہد کے تحت گناہ سے ہمیشہ کے لئے بچا جائے گا۔ وہ عہدِ عتیق کے نوشتوں میں اُس کی گواہی دیتا ہے۔

۱۶:۱۰۔ یرمیاہ ۳۱:۳۱ میں ”خداوند“ اپنے نرمیٰ برگزیدہ لوگوں کے ساتھ ایک نئے ”عہد“ کا وعدہ کرتا ہے۔

۱۷:۱۰۔ ”پھر اسی حوالہ میں وہ کہتا ہے کہ اُن کے گناہوں اور بے دینیوں کو پھر کبھی یاد نہ کروں گا۔“ یہ کتنی حیران کن بات ہے کہ اگرچہ یرمیاہ ۳۱:۳۴ میں گناہوں کی معافی کا پورا وعدہ پایا جاتا ہے تو بھی اُن دنوں میں (عبرانیوں کے مُعْتَفٰی کے دنوں میں) جبکہ یہ وعدہ پورا ہونے لگا تھا کچھ لوگ یہودیت کی ختم نہ ہونے والی قربانیوں کی طرف راغب ہو رہے تھے۔

۱۸:۱۰۔ نئے عہد کے تحت معافی کے وعدہ کا مطلب یہ ہے کہ گناہ کی قربانی نہیں رہی۔ ان الفاظ کے ساتھ کہ گناہ کی قربانی نہیں رہی ”مُعْتَفٰی اُس حصّے کو جسے ہم خط کا تعلیم حصّہ کہہ سکتے ہیں بند کرتا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ جب وہ ہمیں ہماری عملی ذمہ داریوں کا احساس دلاتا ہے تو یہ الفاظ ہمارے ذہن و قلب میں گونجتے رہیں۔

۳۔ تنبیہ اور نصیحت (۱۹:۱۰ - ۱۷:۱۳)

۱۔ مسیح کی حقارت نہ کرنے کے متعلق تنبیہ (۱۹:۱۰ - ۳۹)

۲۰:۱۹:۱۰۔ عہدِ عتیق کے زمانہ میں لوگوں کو فاصلے پر رکھا جاتا تھا لیکن اب مسیح میں اُن کو اُس کی صلیب پر بھائے گئے ”خون“ کے ذریعہ نزدیکی حاصل ہے۔ بدیں و جبر نزدیک آنے کے لئے ہماری

خود اُنوائی کی جاتی ہے۔

یہ نصیحت بتاتی ہے کہ اب تمام ایمان دار کاہن ہیں کیونکہ ”ہمیں مسیح کے خون کے سبب سے ... پاک مکان میں داخل ہونے کی دلیری ہے۔“ یہ جو دسی نظام میں عام لوگوں کو پاک مکان اور پاک ترین مکان میں داخل ہونا منع تھا۔ کاہن صرف پہلے مکان میں اور صرف سردار کاہن دوسرے مکان میں داخل ہو سکتا تھا۔ لیکن اب سب کچھ بدل گیا ہے۔ خدا کے پاس اسپیشل جگہ نہیں ہے جہاں صرف اسپیشل لوگ ہی اُس کے پاس آ سکتے ہیں۔ اس کے برعکس تمام ایمان دار خواہ اُن کا تعلق زمین کے کسی حصہ سے بھی کیوں نہ ہو بذریعہ ایمان ہر وقت اُس کے پاس آ سکتے ہیں۔

اب ہمیں ایک ”نئی اور زندہ راہ“ سے رسائی حاصل ہے۔ یہاں ”نئی“ کا مطلب ”نیا نیا ذبح شدہ“ یا ”نئی نئی بنائی گئی“ راہ ہو سکتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ ”زندہ“ کا اشارہ جی اٹھنے مسیح کی طرف ہے۔ پس یہ اشارہ ”زندہ“ نجات و جہنہ کی طرف ہے۔ یہ راہ ”پردہ یعنی اپنے جسم میں سے ہو کر“ ہمارے واسطے کھولی گئی ہے۔ یہاں صاف ظاہر ہے کہ خیمہ کے دو مکانوں کے درمیان ”پردہ“ مسیح کے جسم کے مشابہ تھا۔ خدا کی حضور میں ہمارے جانے کے لئے ضروری تھا کہ پردہ پھاڑا جاتا یعنی موت کے ذریعہ اُس کا جسم توڑا جاتا۔ یہ ہمیں یاد دلاتی ہے کہ ہم مسیح کی بے عیب زندگی کے ذریعہ خدا کے نزدیک نہیں جاسکتے بلکہ اُس کی عوضی موت کے ذریعہ۔ ہم صرف بڑے کی موت کے حامل زخمیوں کے وسیلے سے ہی اندر جاسکتے ہیں۔ جب بھی ہم دعا یا پرتش میں خدا کی حضور میں جلتے ہیں تو ہم یاد رکھیں کہ یہ حق ایک بھاری قیمت ادا کر کے ہمارے لئے خریدا گیا ہے۔

۲۱:۱۰۔ جب ہم خدا کی حضور میں جاتے ہیں تو نہ صرف ہمیں پورا پورا اعتماد ہوتا ہے بلکہ ہمارا ایک ”بڑا کاہن ہے جو خدا کے گھر کا مختار ہے۔“ اگرچہ ہم کاہن ہیں (۱۔ پطرس ۹:۲؛ مکاشفہ ۱:۶)، تاہم ہمیں اب بھی کاہن کی ضرورت ہے۔ ہمارا ”سردار کاہن“ مسیح ہے اور اُس کی موجودہ خدمت ہمیں یقین دلاتی ہے کہ خدا کے حضور ہمیں ہر وقت خوش آمدید کہا جائے گا۔

۲۲:۱۰۔ ”تو آؤ ہم ... خدا کے پاس چلیں۔“ یہ خون خریدے ایمان داروں کا حق ہے۔ یہ کتنی شان دار بات ہے! اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا کہ ہمیں دنیا کے حاکموں کے پاس نہیں بلکہ اس کائنات کے حاکم مطلق کے پاس آنے کی دعوت دی گئی ہے۔ ہم اس دعوت کی کتنی قدر کرتے ہیں یہ اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ ہم اس حق کو کہاں تک استعمال کرتے ہیں۔

یہاں یہ دکھانے کے لئے کہ ہمیں روحانی طور پر اس شاہ نہ مکان میں کیسے داخل ہونا چاہئے چار

باتیں بیان کی گئی ہیں۔

”سچے دل سے“۔ بنی اسرائیل اپنے مُنہ سے اُس کی حمد و تعریف اور اپنے ہونٹوں سے اُس کی عزت کرتے ہوئے خُدا کے پاس جاتے تھے لیکن اُن کے دل اکثر اُس سے دُور رہتے تھے (متی ۱۵: ۸)۔ ہمیں خُدا کے پاس قطعی سنجیدگی سے جانا چاہئے۔

۲۔ ”پُورے ایمان کے ساتھ“۔ ہم خُدا کے پاس اُس کے وعدہ پر پُورا اعتماد کرتے ہوئے اور اس پختہ ناکلیت کے ساتھ جاتے ہیں کہ وہ اپنی حضور میں بڑی رحمت سے ہمارا استقبال کرے گا۔

۳۔ ”دل کے الزام کو دُور کرنے کے لئے دلوں پر چھینٹے کر“۔ یہ صرف نئی پیدائش سے رُومنا ہو سکتا ہے۔ جب ہم مسیح پر ایمان لاتے ہیں تو ہم اُس کے خُون سے مستفیض ہوتے ہیں۔ جس طرح اسرائیلیوں نے اپنے دروازوں پر فسج کے بڑے کا خُون چھڑکا تھا، اُسی طرح تشبیہاً ہم بھی اُس کا خُون اپنے دلوں پر چھڑکتے ہیں۔ یہی ہمارے دل کے الزام کو دُور کر دیتا ہے۔

۴۔ ”بُن کو صاف پانی سے دھوا کر“۔ یہ بھی تشبیہی زبان ہے۔ ہمارا ”بُن“ ہماری زندگی کی نمائندگی کرتا ہے۔ ”صاف پانی“ کا اشارہ یا تو پاک نوشتوں کی طرف ہے (افسیوں ۵: ۲۵، ۲۶) یا پاک رُوح کی طرف (یوحنا ۷: ۳۹) یا پاک رُوح کا نوشتوں کو استعمال کرتے ہوئے ہماری زندگیوں کو دُور مَرہ کی آلودگی سے پاک کرنے کی طرف۔ ہم مسیح کی موت کے وسیلہ سے گناہ کے قصور کی طرف سے ہمیشہ کے لئے پاک صاف کئے جا چکے ہیں لیکن پاک رُوح کی معرفت کلام سے ہر روز گناہ کی آلودگی سے پاک کئے جلتے ہیں (یکینے یوحنا ۱۳: ۱۰)۔ پس ہم خُدا کی حضور میں جانے کے لئے چار شرائط کو مختصراً سنجیدگی، یقین، نجات اور تقدیس کہہ سکتے ہیں۔

۱۰: ۲۳۔ دوسری نصیحت ”اپنی اُمید کے اقرار کو مضبوطی سے تھامے“ رہنا ہے۔ کسی چیز کو بھی یہ اجازت نہیں دینی چاہئے کہ وہ ہمیں ہمارے اس ”اقرار“ سے دُور کر دے کہ ہماری ”امید“ صرف مسیح میں ہے۔

اُن لوگوں کو جن پر مستقبل سے دستبردار ہونے، موجودہ وقت کے لئے مسیح کی نا دیدنی برکات کو چھوڑ دینے اور یہودیت کی دیدنی باتوں کو قبول کرنے کی آزمائش آئی یا دِولایا جاتا ہے کہ ”جس نے وعدہ کیا ہے وہ سچا ہے“۔ اُس کے وعدے کبھی جھوٹے نہیں نکلتے اور نہ جو اس پر بھروسہ رکھتے ہیں انہیں مایوسی کا مُنہ دیکھنا پڑتا ہے۔ نجات دیندہ اپنے ”وعدہ“ کے مطابق آئے گا اور اُس کے لوگ اُس کے ساتھ ہوں گے اور وہ اُس کی مانند ہوں گے۔

۲۴:۱۰ - ہمیں اپنے ساتھی ایمان داروں کی "محبت" اور "نیک کام" کرنے میں حوصلہ افزائی کرنی چاہئے۔
 نئے عہد نامہ کے لحاظ سے "محبت" جذبات کا نام نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق ارادہ سے ہے۔ ہمیں "محبت" کرنے کا حکم دیا گیا ہے، اس لئے یہ ایک ایسی شے ہے جو ہم کر سکتے ہیں اور ہمیں کرنی چاہئے۔ "محبت" بڑھتی ہے اور "نیک کام" پھیل۔ ہم اپنے نمونے اور تعلیم سے دوسرے ایمان داروں کو اس قسم کی زندگی بسر کرنے کی ترغیب دے سکتے ہیں۔

۲۵:۱۰ - پھر ہمیں "مجمع" ہوتے رہنا چاہئے اور جیسا کہ "بعض" لوگوں کا دستور ہے مقامی جماعت میں شامل ہونے سے "باز" نہ آئیں۔ ہم اسے تمام ایمان داروں کے لئے ایک عام نصیحت کہہ سکتے ہیں کہ وہ اپنی اپنی کلیسیا کی عبادتوں میں وفاداری سے شریک ہوتے رہیں۔ ہمیں مشترکہ عبادت اور خدمت سے یقیناً قوت اور تسلی، تازگی اور خوشی ملتی ہے۔ اسے ایذا رسانی میں مبتلا مسیحیوں کے لئے ایک خاص حوصلہ افزائی بھی سمجھنا چاہئے۔ ایک شخص پر یہ آزمائش آسکتی ہے کہ وہ گرفتاری، ملاوت و شرمندگی اور دکھ تکلیف سے بچنے کے لئے کلیسیائی رفاقت سے الگ ہو جائے اور خفیہ شاگرد بن جائے۔

لیکن بنیادی طور پر یہ آیت ازداد کے خلاف ہے۔ یہاں مقامی جماعت سے منہ موڑ لینے کا مطلب مسیحیت سے برگشتہ ہونا اور یہودیت کی طرف پھرنا ہے۔ جب یہ خط لکھا گیا تو بعض یہی کر رہے تھے۔ مسیح کی آمد کے قریب ہونے کے پیش نظر خاص طور پر ایک دوسرے کو نصیحت کرنے کی ضرورت تھی۔ جب مسیح آئے گا تو وہ ایماندار بن کی تحقیر کی جاتی ہے، جنہیں دکھ دیا جاتا ہے اور جن کا حق پانی بند کر دیا جاتا ہے سرفراز ہوں گے۔ اُس وقت تک انہیں مستقل مزاجی اور ثابت قدمی کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت ہے۔

۲۶:۱۰ - اب مصنف چوتھا سخت انتباہ کرتا ہے۔ یہ پہلے تین انتباہوں کی مانند مسیح کا انکار کرنے کے بارے میں ہے۔ یہاں اسے "جان بوجھ کر گناہ" کرنا کہا گیا ہے۔

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے مسیحیوں میں اس گناہ کی نوعیت کے بارے میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ مختصراً مسئلہ یہ ہے کہ یہ کس کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(۱) حقیقی مسیحیوں کی طرف جو بعد میں مسیح سے پھر گئے اور دوزخ کے وارث بن گئے۔

(۲) حقیقی مسیحیوں کی طرف جو سست پڑ گئے لیکن اب تک نجات یافتہ ہیں۔

(۳) جو کچھ عرصہ تک اپنے آپ کو مسیحی کہتے رہے اور مقامی کلیسیا میں شامل بھی رہے لیکن پھر دیدہ دانستہ مسیح سے منہ موڑ لیا۔ وہ کبھی بھی حقیقی طور پر نور زاد نہیں تھے اور اب وہ کبھی نئے

سرسے سے پیدا نہیں ہو سکتے۔

اب ہم خواہ کوئی بھی نظریہ کیوں نہ رکھتے ہوں، اُس میں بہر حال مشکلات پائی جاتی ہیں۔ ہمارے نزدیک تیسرا نظریہ درست ہے کیونکہ وہ عبرانیوں کے خط اور نئے عہد نامہ کی تعلیمات سے مطابقت رکھتا ہے۔

آیت ۲۶ میں ارتداد کو ”حق کی پہچان حاصل کرنے کے بعد“ جان بوجھ کر گناہ کرنا کہا گیا ہے۔ یہوداہ کی طرح اُس نے خوشخبری کو سنا ہے۔ وہ راہ نجات کو جانتا ہے، یہاں تک کہ وہ اُسے قبول کرنے کا دھونگ بھی رچائے ہوئے ہے لیکن پھر اُس نے دیدہ دانستہ اُسے رد کر دیا۔ ایسے شخص کے لئے ”گناہوں کی کوئی اور قربانی باقی نہیں رہی“۔ اُس نے جتنی طور پر ایک ہی بار دی گئی مسیح کی قربانی کو رد کر دیا ہے۔ خدا کے پاس نجات کا کوئی اور راستہ نہیں جسے وہ اُسے پیش کرتا۔ ایک لحاظ سے تمام گناہ ہی ادا ہو جاتے ہیں۔ لیکن مُصنّف یہاں ارتداد کو غیر معمولی سنگینی کا ارادہ ”گناہ بیان کر رہا ہے۔“

یہ حقیقت کہ مُصنّف یہاں لفظ ”ہم“ استعمال کرتا ہے، ضروری نہیں ہے کہ وہ خود کو بھی اس میں شامل کرتا ہو۔ آیت ۳۹ میں وہ یقینی طور پر اپنے آپ کو اور دیگر ایمان داروں کو ابدی ہلاکت کے وارثوں سے باہر رکھتا ہے۔

۱۰:۲۷۔ اب صرف ”عدالت کا ایک ہولناک انتظار“ باقی ہے۔ بچنے کی کوئی اُمید نہیں۔ مُرتد کو توبہ کے لئے نیا بنانا ناممکن ہے (۶:۴)۔ وہ اپنے آپ کو جان بوجھ کر اور قصداً مسیح میں خدا کے فضل سے الگ کر لیتا ہے۔ اُس کے لئے ”وہ غضبناک آتش باقی ہے جو مخالفوں کو کھالے گی۔“ اس بات پر بحث کرنا کہ آیا یہاں آگ سے مراد واقعی آگ ہے بے معنی ہے۔ یہاں جو زبان استعمال ہوئی ہے اُس کا مقصد اُس سزا کے متعلق محض یہ بتانا ہے کہ وہ نہایت سخت ہوگی۔ غور کریں کہ خدا میاں مُرتدوں کو ”مخالفوں“ کہتا ہے۔ یہ غیر جانبداری کو نہیں مسیح کی مخالفت کو ظاہر کرتا ہے۔

۱۰:۲۸۔ عہدِ عتیق میں شریعت کے عدول کرنے والے کی جو سزا تھی اُس سے مُقابلہ کرتے ہوئے اب یہاں مومن کی سزا کو اُس سے کہیں بڑی بتایا گیا ہے۔ اگر ایک شخص مبت پرستی کر کے ”موتی کی شریعت“ کو توڑتا تھا اور ”دو باتیں“ شخصوں کی گواہی سے ”اُس کا جرم ثابت ہو جاتا تھا تو وہ“ بغیر رحم کے مارا جاتا تھا (استثنا ۱۷:۲-۶)۔

۲۹:۱۰ - مُرتد "زیادہ سزا کے لائق" ہوگا کیونکہ اُس کا استحقاق کمیں بڑا تھا۔ اُس کے گناہ

کے شرِ عظیم کو ان تین الزامات میں دیکھا جاسکتا ہے جو اُس کے خلاف لگائے گئے ہیں:

۱- اُس نے "خدا کے بیٹے کو پامال کیا۔" یہ اقرار کرنے کے بعد کہ وہ مسیح کا پیروکار ہے، اب وہ بُری دھڑائی سے کہتا ہے کہ وہ مسیح کے ساتھ کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا۔ وہ اب مسیح کی بطور نجات دہندہ ضرورت کا انکار کرتا ہے اور اُس کو بطور خداوند قطعی طور پر رد کرتا ہے۔

جاپان میں ایک صلیب ہے جسے حکومت ایذا رسانی کے دنوں میں استعمال کرتی تھی۔ اُسے زمین پر رکھ دیا جاتا اور ہر ایک کو مسیح کی مورتی کے چہرے کے اوپر سے گزرنے کو کہا جاتا۔ عام لوگ تو بلا جھجک اُس کے چہرے پر سے گزرتے جاتے لیکن حقیقی مسیحی انکار کر دیتے اور نتیجے میں قتل کر دئے جاتے۔ کہانی آگے بہن کرتی ہے کہ لوگوں کے اُس پر چلنے سے مورتی کا چہرہ مسخ ہو گیا اور دھندلا پڑ گیا تھا۔

۲- اُس نے "عہد کے خون کو جس سے وہ پاک ہوا تھا ناپاک جانا۔" وہ مسیح کے "خون" کو بے فائدہ اور ناپاک جانتا ہے جو نئے عہد کی توثیق کرتا ہے۔ خارجی استحقاق کے سلسلے میں وہ اس "خون" کے سبب سے الگ کیا گیا تھا۔ مسیحی لوگوں کے ساتھ محبت کے باعث وہ پاک کیا گیا جس طرح کہ ایک ایمان داری یوں کے سبب سے ایک بے اعتقاد شوہر پاک ٹھہرتا ہے (۱- کرنتھیوں ۷: ۱۲)۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُسے نجات مل گئی ہے۔

۳- اُس نے "فضل کے رُوح کو بے عزت کیا۔" انجیل کے بارے میں خدا کے رُوح نے اُس کے ذہن کو روشن کیا، گناہ کے بارے میں قابل کیا اور مسیح کی طرف اشارہ کیا کہ صرف وہی اُس کی رُوح کی پناہ گاہ ہے۔ لیکن اُس نے اُس پر فضل "رُوح" کی اور جو نجات اُس نے پیش کی اُس کی تحقیر کرنے سے "بیعتی" کی۔

۱۰:۳۰ - خدا کے پیارے بیٹے کو دیدہ دانستہ رد کرنا ایک ایسا گناہ ہے جو بے حد اہمیت کا

حامل ہے۔ خدا ان سب کی جو اُس کے قصور وار ہوں گے عدالت کرے گا۔ اُس نے کہا ہے "انتقام لینا میرا کام ہے۔ بدلہ میں ہی دوں گا" (دیکھئے استثنا ۳۲: ۳۵)۔ یہاں "انتقام" کا مطلب پورا پورا انصاف ہے۔ جب یہ لفظ خدا کی نسبت استعمال ہوتا ہے تو اس میں کینہ پروری یا حساب بچکانے

کا خیال نہیں پایا جاتا۔ اس کا مطلب صرف اتنا ہے کہ ایک شخص جس چیز کا حقیقتاً حقدار ہے وہی اُسے ملے گی۔ چونکہ ہم خدا کی میرت اور کردار کو جانتے ہیں اس لئے ہمیں یقین ہے کہ وہ اپنے فرمان کے مطابق ہی ایک مُرتد سے پیش آئے گا۔

اور پھر یہ کہ ”خداوند اپنی اُمت کی عدالت کریگا۔“ وہ لوگ جو حقیقتاً اُس کے ہیں خدا اُن کی عدالت کرے گا اور بدلہ دیگا، لیکن یہاں تیت ۳۰ میں بدکار لوگوں کی عدالت کی طرف اشارہ ہے۔

اگرچہ مُردوں کو ”اپنی اُمت“ کہنا مشکلات پیدا کرتا ہے، تاہم ہمیں یاد رکھنا چاہئے وہ مخلوق ہونے اور کچھ عرصہ کے لئے اقرار کرنے کے باعث اُس کے ہیں۔ وہ اُن کا نجات دہندہ تو نہیں تاہم خالق ہے اور کسی وقت اُنہوں نے اُس کے لوگ ہونے کا اقرار کیا تھا اگرچہ وہ اُسے شخصی طور پر نہیں جانتے تھے۔ ۱۰:۳۱۔ اس سب کا دائمی سبق یہ ہے کہ عدالت کے لئے خدا کے ”ماتحتوں میں“ پڑنے والے نہ ہوں کیونکہ یہ ”ہولناک بات ہے۔“

اس حوالے کا مقصد، مسیح کے حقیقی پیروکاروں کے ذہن کو پریشان کرنا نہیں ہے۔ یہ دیدہ وافر نسبتہ سخت لفظ استعمال کئے گئے ہیں تاکہ مسیح کے نام کا اقرار کرنے والوں کو خبردار کیا جائے کہ اُس سے برگشتہ ہونے کا نتیجہ کتنا ہولناک نکلتا ہے۔

۱۰:۳۲۔ باب ۱۰ کی باقی آیات میں مُصنّف تین زبردست وجوہات بیان کرتا ہے کہ ابتدائی یہودی مسیحیوں کو کیوں مسیح کا وفادار رہنا چاہئے۔

۱۔ اُن کے ”پہلے دنوں“ کا تجربہ اُنہیں تقویت دے۔

۲۔ آجبر ملنے کے وقت کی نزدیکی اُن کی تقویت کرے۔

۳۔ خدا کی ناراضی کا خوف اُنہیں برگشتہ ہونے سے روکے۔

سب سے پہلے، اُن کا سابقہ تجربہ اُنہیں تقویت دے۔ جب اُنہوں نے مسیح پر اپنے ایمان کا اقرار کیا تھا تو اُنہیں سخت مُصیبت اٹھانی پڑی تھی۔ اُن کے خاندان اُن سے علیحدہ ہوئے۔ اُن کے دوستوں نے تعلقات ختم کر دیے اور اُن کے دشمنوں نے اُنہیں خوب ستایا تھا۔ لیکن اُن ”مُصیبتوں“ نے اُنہیں بزدل بنانے کی بجائے ایمان میں اُرد بھی مضبوط بنا دیا۔ بلاشبہ اُنہیں خوشی تھی کہ وہ اُس کے نام کی خاطر بے عزت ہونے کے لائق تو ٹھہرے (اعمال ۵: ۴۱)۔

۱۰:۳۳۔ بعض اوقات اُنہیں انفرادی طور پر دکھ اٹھانے پڑے تھے۔ وہ اُنہیں فرداً فرداً پکڑ کر لے گئے اور کھلے عام اُن پر لعنت ملامت کی اور تشدد کیا۔ دیگر موقعوں پر اُنہیں دوسرے مسیحیوں کے ساتھ دکھ اٹھانا پڑا۔

۱۰:۳۴۔ وہ اُن لوگوں سے جو مسیح کی خاطر قید میں تھے ملنے سے نہیں گھبراتے تھے حالانکہ اُنہیں ہمیشہ ہی خطرہ تھا کہ اُن پر اُن کے ساتھی ہونے کا الزام لگتا۔

جب اُن کا ”مال“ محکم نام نہ ضبط کر لیا تو انہوں نے اسے ”خوشی سے منظور کیا“ انہوں نے دنیاوی مال و اسباب کی بجائے یسوع کے وفادار رہنے کو چننا۔ وہ جانتے تھے کہ اُن کے پاس ”ایک غیر فانی اور بے داغ اور لازوال میراث“ ہے (۱۔ پطرس ۴: ۱۰)۔ یہ مسیح مَحْ اِہْیَیْ فَصْل کا ایک معجزہ تھا کہ وہ دنیاوی مال و دولت کو اتنا بے وقعت سمجھنے کے قابل بن گئے تھے۔

۱۰: ۳۵۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ ”اِہْیَیْ“ کے وقت کا قریب ہونا انہیں تقویت دے گا۔ اپنی گزشتہ زندگی میں اتنا کچھ برداشت کرنے کے بعد اب انہیں ہمتیار نہیں ڈال دینا چاہئے۔ درحقیقت مُصَنِّف انہیں یہ کہہ رہا ہے کہ ”اپنے آنسوؤں کے ساتھ بوٹی جاتے والی فصل کو کاٹنے کا موقع ہاتھ سے نہ جانے دو“ (ایلف۔ بی۔ مائر)۔ اب وہ پہلے کی نسبت خدا کے وعدے کے پورا ہونے کے زیادہ نزدیک تھے۔ اب منحرف ہونے کا وقت نہیں تھا۔

اب اپنے ایمان کو مت گنواؤ کیونکہ اس کا تمہیں آئندہ جہان میں اچھا اجر ملے گا۔

۱۰: ۳۶۔ انہیں جس چیز کی ضرورت تھی وہ ”صبر“ تھا۔ انہیں معمم ارادے کی ضرورت تھی کہ وہ تشدد و ایذا رسانی سے بچنے کے لئے مسیح کا انکار کرنے کی بجائے اسے صبر سے برداشت کرتے رہیں۔ پھر ”خدا کی مرضی کو پورا کرنے کے بعد انہیں موعودہ وعدہ ”حاصل“ ہو جائے گا۔

۱۰: ۳۷۔ متوقع آخر خداوند یسوع مسیح کی آمد ثانی کے وقت ملے گا۔ چنانچہ حقوق ۳: ۲ میں بتایا گیا ہے کہ ”اب ہجرت ہی تھوڑی مدت باقی ہے کہ آنے والا آئے گا اور دیر نہ کرے گا۔“ حقوق میں یہ آیت یوں ہے: ”کیونکہ یہ روایا ایک مقررہ وقت کے لئے ہے۔ کیونکہ یہ یقیناً وقوع میں آئے گی اور خطانہ کرے گی۔ اگرچہ اس میں دیر ہو تو بھی اس کا منتظر رہ کیونکہ یہ یقیناً وقوع میں آئے گی۔ تاخیر نہ کرے گی۔“ اے۔ جے۔ پوراٹ تبصرہ کرتا ہے:

جب کوئی ملہم مُصَنِّف عہدِ عتیق سے اقتباس پیش کرتا ہے تو وہ صرف اتنا ہی لیتا ہے جو الہی مقصد کو پورا کرتا ہو۔ گو وہ اُس کا انکار تو نہیں کرتا لیکن وہ اُسے اُن معنوں کے مطابق پیش بھی نہیں کرتا جو عہدِ عتیق میں دئے گئے ہیں بلکہ زیادہ وسیع معنوں میں جو پاک رُوح نئے عہد نامہ میں لکھوانا چاہتا ہے۔۔۔ ماسواً خدا کوئی کلام پاک سے ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ حقیقت کہ ایسا کیا گیا اور وہ بھی وسیع پیمانہ پر اس کے الہامی ہونے کا ایک اَدب ثبوت ہے۔ خدا بائبل کا مُصَنِّف ہے اس لئے وہ اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے اپنے الفاظ تبدیل کر سکتا اور اُس میں اضافہ بھی کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ہم

میں سے کوئی کلام سے اقتباس پیش کرے تو اُسے بعینہ کرنا چاہئے۔ ہمیں اُس میں سے ایک شوشہ بھی تبدیل کرنے کا حق نہیں ہے۔ لیکن کتاب کا مُصنّف یہ کر سکتا ہے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ وہ کون سا قلم استعمال کرتا ہے، خواہ وہ مُوسسی ہو، ایلیاہ ہو، پطرس ہو، پوکلس ہو، متی ہو یا یوحنا، وہ سب اُسی کی تحریر ہے۔

۳۸:۱۰۔ مبر سے برداشت کرنے کا آخری مقصد خدا کی ناراضی کا ڈر ہے۔ حقوق سے اقتباس کو جاری رکھتے ہوئے مُصنّف یہ دکھانا ہے کہ وہ زندگی جو خدا کو خوش کرتی ہے "ایمان" کی زندگی ہے: "میرا راست باز بندہ ایمان سے جیتا رہے گا۔" یہ وہ زندگی ہے جو خدا کے وعدوں کی قدر کرتی، جو نادیدنی کو دیکھتی اور جو آخر تک قائم رہتی ہے۔

دوسری طرف وہ زندگی جس سے خدا ناخوش ہوتا ہے اُس آدمی کی ہے جو اِلٰہ کو روڈ کرتا اور ہیکل کی منسوختہ قربانیوں کی طرف لوٹ جاتا ہے: "اگر وہ ہٹیکا تو میرا دل اُس سے خوش نہ ہوگا۔"

۳۹:۱۰۔ مُصنّف فوراً اپنے آپ کو اور اپنے ساتھی ایمان داروں کو اُن سے جو "ہلاک" ہونے والے ہیں الگ کر لیتا ہے۔ اس سے مُرنے والے حقیقی مسیحیوں سے الگ ہو جاتے ہیں۔ مُرنے والے "ہیں اور ہلاک ہو جاتے ہیں۔ حقیقی ایمان دار ایمان رکھنے والے" ہیں اور یوں اپنی رُوحوں کو مُرنے والوں کے انجام سے بچا لیتے ہیں۔

ایمان کے اس بیان سے ایسی زندگی پر مکمل بحث کرنے کے لئے زمین تیار ہو جاتی ہے جو خدا کو خوش کرتی ہے۔ چنانچہ گیارہواں باب اس نکتہ کی خوب وضاحت کرتا ہے۔

ب۔ عہدِ عتیق کی مثالوں سے ایمان رکھنے کی نصیحت (باب ۱۱)

۱:۱۱۔ یہ باب مبر سے "ایمان" رکھنے کے بارے میں بتاتا ہے۔ یہ ہمیں عہدِ عتیق کے اُن مردوں سے مُتعارف کرتا ہے جو صاف صاف رویا رکھتے تھے اور جنہوں نے اپنے ایمان پر قائم رہنے کے باعث بے حد شرمندگی اور دکھ تکلیف برداشت کئے۔

پہلی آیت درحقیقت ایمان کی تعریف نہیں ہے بلکہ یہ بیان کرتی ہے کہ "ایمان" ہمارے لئے کیا کرتا ہے۔ "یہ اُمید کی ٹھوٹی چیزوں" کو ایسے حقیقی بنا دیتا ہے گویا کہ وہ پہلے ہی ہمارے پاس ہیں۔ اور یہ ناقابل تردید "ثبوت" چھپاتا کرتا ہے کہ مسیحیت کی نادیدنی رُوحانی برکات قطعی حقیقی اور یقینی ہیں۔

بالفاظ دیگر یہ مستقبل کو حال میں لے آتا اور ناویدنی کو دیدنی بنا دیتا ہے۔

”ایمان“ خدا کے بھروسے کے لائق ہونے پر اعتماد کا اظہار ہے۔ یہ اس بات کی قائلیت ہے کہ جو کچھ خدا کہتا ہے سچ ہے اور کہ اُس کے وعدے یقیناً پورے ہوں گے۔

لازم ہے کہ ایمان کی بنیاد خدا کا کوئی مکاشفہ اور وعدہ ہو۔ یہ تاریکی میں چھلانگ لگانا نہیں ہے۔ اس کا یقینی ثبوت خدا کے کلام میں ملتا ہے۔ یہ امکانات تک محدود نہیں ہے بلکہ ناممکنات میں حملہ آور ہوتا ہے۔ کسی کا قول ہے کہ ”ایمان وہاں سے شروع ہوتا ہے جہاں پر امکانات ختم ہوتے ہیں۔ اگر امکان ہو تو پھر اس میں خدا کے لئے کوئی جلال نہیں رہتا۔“

ایمان کی زندگی مسائل اور مشکلات سے گھری ہوتی ہے۔ خدا یہ دیکھنے کے لئے کہ ہمارا ایمان حقیقی ہے یا نہیں اسے سخت آزمائشوں میں سے گزاتا ہے (۱۔ پطرس ۱: ۷)۔ لیکن جس طرح جارج ملر نے کہا ہے ”مشکلات ہمارے ایمان کے لئے خوراک ہیں۔“

۱۱: ۲۔ چونکہ وہ دیکھ پر نہیں بلکہ ایمان سے چلتے تھے، اس لئے پرانے عہد کے بزرگ خدا کی نظر میں مقبول ٹھہرے۔ اس باب کا باقی حصہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ خدا نے کس طرح اُن کی گواہی دی۔

۱۱: ۳۔ ”صرف ایمان“ ہی کے ذریعہ ہمیں تخلیق کے حالات معلوم ہوتے ہیں۔ اُس وقت صرف خدا ہی تھا۔ وہی ہمیں بتاتا ہے کہ یہ کیسے واقعہ ہوا۔ ہم اُس کے فرمان کو سچ مان لیتے ہیں اور یوں جان جاتے ہیں۔ ایک عالم کہتا ہے: ”خدا کا موجودات سے پہلے موجود ہونے کا خیال اور اپنے فرمان سے اُسیں وجود میں آنے کا حکم دینا، دلائل یا اثبات سے ملو رہے۔ اسے محض ایمان سے قبول کیا جاتا ہے۔“

”ایمان ہی سے ہم معلوم کرتے ہیں۔“ دنیا کہتی ہے ”دیکھنا، ایمان ہے۔“ خدا کہتا ہے ”ایمان، دیکھنا ہے۔“ یسوع نے مرثا سے کہا: ”میں نے تجھ سے کہا تھا کہ اگر تو ایمان لائے گی تو... دیکھے گی؟“ (یوحنا ۱۱: ۴۰)۔ یوحنا رسول لکھتا ہے: ”میں نے تم کو جو... ایمان لائے ہو یہ باتیں اس لئے لکھیں کہ تمہیں معلوم ہو۔“ (۱۔ یوحنا ۵: ۱۳)۔ روحانی باتوں میں ایمان، معلوم ہونے سے پہلے آتا ہے۔

”عالم خدا کے کہنے سے بنے۔“ خدا نے کہا اور مادہ وجود میں آگیا۔ یہ انسان کی اس دریافت سے مکمل طور پر مطابقت رکھتا ہے کہ مادہ قوت ہے۔ جب خدا نے کہا تو آواز کی لہروں کی شکل میں قوت بننے لگی۔ یہ مادہ میں تبدیل ہو گئیں اور دنیا وجود میں آگئی۔

”یہ نہیں کہ جو کچھ نظر آتا ہے ظاہری چیزوں سے بنا ہے۔“ قوت ناویدنی ہے۔ اسی طرح ایٹم، ذرات اور گیس آنکھوں سے دیکھ نہیں سکتے۔

۴:۱۱۔ ایمان کے سوراؤں کی فرست میں آدم اور حوا کو شامل نہیں کیا گیا ہے۔ جب تو کو فیصلہ کرنا پڑا کہ خدا پرست بول رہا ہے یا ابلیس تو اس نے فیصلہ دیا کہ ابلیس۔ لیکن اس سے اس کا انکار نہیں ہوتا کہ وہ بعد میں ایمان سے بچے تھے جیسا کہ چپٹے کے گرتوں سے ظاہر ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہابل کو کسی نہ کسی طرح علم تھا کہ گنہگار انسان بہائے گئے خون کی بنیاد پر خدا کے حضور جاسکتا ہے۔ ممکن ہے یہ اس نے والدین سے سیکھا ہو جسکی خدا کے ساتھ رفاقت چمڑے کے کرتے پہننے سے بحال ہو گئی تھی (پیدائش ۳: ۲۱)۔ بہر حال، اس نے خدا کے حضور خون کی قربانی لے کر جانے سے ایمان کا مظاہرہ کیا۔ تائن کی قربانی پھلوں اور سبزیوں پر مشتمل تھی اس لئے خون کے بغیر تھی۔ ہابل ایمان کی معرفت فضل کے وسیلے سے سمات کو ظاہر کرتا ہے۔ تائن انسان کی اعمال حسنہ سے اپنے آپ کو بچانے کی لا حاصل کوشش کی تصویر پیش کرتا ہے۔

جارج کنگ کہتا ہے: اس میں ہابل کی کوئی شخصی خوبی نہیں تھی کہ خدا نے اسے راست باز گردانا بلکہ وہ اس قربانی کے باعث جو اس نے خدا کے حضور گزرائی اور اپنے ایمان کے سبب سے مقبول ٹھہرا۔ اور یہی حال ہمارا ہے۔ ہم اپنے کردار یا نیک کاموں کی وجہ سے راست باز نہیں ٹھہرتے بلکہ مکمل طور پر مسیح کی قربانی اور ہمارے اسے قبول کرنے سے۔

تائن نے ہابل کو قتل کر دیا کیونکہ شریعت فضل سے نفرت کرتی ہے۔ تقویٰ پرست شخص سچائی سے نفرت کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو بچا نہیں سکتا۔ ضرور ہے کہ وہ خدا کی محبت اور اس کی رحمت پر تکیہ کرے۔

لیکن ہابل کی گواہی لازوال ہے۔ وہ اپنے ایمان کے وسیلے سے اب تک کلام کرتا ہے۔
۵:۱۱۔ خدا نے جن کو یہ وعدہ یقیناً دیا ہو گا کہ وہ موت کا مزہ چکھے بغیر ہی بہشت میں جائے گا۔ اس وقت تک سب ہی مر چکے تھے، کوئی جلد کوئی بدیر۔ کوئی ایسا ریکارڈ نہیں تھا کہ کوئی مرے بغیر آسمان پر اٹھالیا گیا ہو۔ لیکن خدا نے وعدہ کیا اور جن کو اس پر ایمان لایا۔ اس سے زیادہ حکمت والی بات کیا ہو سکتی ہے کہ مخلوق اپنے خالق پر ایمان لائے؟

اور ویسا ہی ہوا بھی۔ جن کو نادیدنی خدا کے ساتھ تین سو سال تک چلتا رہا (پیدائش ۱۱: ۲۴-۲۵) اور پھر وہ ابدیت میں داخل ہو گیا۔ اٹھائے جانے سے پیشتر اس کے حق میں یہ گواہی دی گئی تھی کہ یہ خدا کو پسند آیا ہے۔ ایمان کی زندگی ہمیشہ ہی خدا کو خوش کرتی ہے۔ وہ اس بات کو بہت پسند کرتا ہے کہ لوگ اس پر بھروسہ کریں۔

۶:۱۱۔ ”بغیر ایمان کے اُس کو پسند آنا ناممکن ہے۔“ ایمان کی کمی کو ہمارے نیک کام خواہ کتنے

ہی زیادہ کیوں نہ ہوں پورا نہیں کر سکتے۔ اتنا کچھ کہنے اور کرنے کے بعد بھی جب کوئی خدا پر ایمان رکھنے سے انکار کرتا ہے تو وہ اُسے جھوٹا ٹھہراتا ہے؛ جس نے خدا کا یقین نہیں کیا اُس نے اُسے جھوٹا ٹھہرایا (۱۔ یوحنا ۵: ۱۰)۔ خدا ایسے لوگوں سے جو اُسے جھوٹا ٹھہراتے ہیں کیسے خوش ہو سکتا ہے؟

صرف ایمان ہی ہے جو خدا کو اُس کا مناسب مقام دیتا ہے اور ساتھ ہی آدمی کو بھی اُس کی مناسب جگہ میں رکھتا ہے۔ سی۔ ایچ۔ میکنٹاش لکھتا ہے کہ ”اُس سے خدا کو بے حد جلال ملتا ہے، کیونکہ اِس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہم اپنے آپ پر نہیں بلکہ خدا پر اعتماد کرتے ہیں۔“

ایمان، نہ صرف اِس بات کا یقین کرتا ہے کہ خدا موجود ہے بلکہ وہ یہ اعتقاد بھی رکھتا ہے کہ خدا ”اپنے طالبوں کو بدلہ دیتا ہے۔“ خدا میں کوئی ایسی بات نہیں جس سے انسان کا اُس پر ایمان لانانا ناممکن ہو۔ مشکل صرف انسان کی مرضی میں ہے۔

۷:۱۱۔ ”نوح“ کے ”ایمان“ کی بنیاد، خدا کی یہ منبہ تھی کہ وہ دنیا کو پانی کے طوفان کے ذریعہ تباہ کر دے گا (پیدائش ۶: ۱۷)۔ انسانوں کو سیلاب کا تجربہ نہیں تھا بلکہ ایسا لگتا ہے کہ آبِ نیک بارش نہیں ہوئی تھی (پیدائش ۲: ۶، ۵)۔ نوح نے خدا کا یقین کر کے ”لیک کشتی“ بنائی حالانکہ وہ کشتی رانی کے پانیوں سے بہت دور تھا۔ بلاشبہ یہ اُس کا تمسخر اُڑانے کا سبب بنا۔ لیکن نوح کے ایمان کا اجر ملا۔ اُس کا گھرانہ ”برج گیا، اُس کی زندگی اور گواہی سے“ دنیا کو مجرم ٹھہرایا گیا اور وہ اُس راست بازی کا وارث ہوا جو ایمان سے ہے۔

ہو سکتا ہے کہ ابتدائی مسیحی جنہیں یہ خط لکھا گیا حیران ہوتے ہوں کہ اگر ہم حق بجانب ہیں تو ہم کیوں اتنی چھوٹی اقلیت ہیں؟ نوح انہیں یاد دلاتا ہے کہ اُس کے زمانہ میں صرف آٹھ جانیں حق بجانب تھیں اور باقی تمام دنیا ہلاک ہو گئی۔

۸:۱۱۔ جب خدا ”ابرہام“ پر کرب دیوں کے اُداس میں ظاہر ہوا اور اُسے دہاں سے نکلنے کو کہا تو غالباً وہ بُت پرست تھا۔ اُس نے ”ایمان“ کی فرمانبرداری کو سنے چکے اپنا گھر اور ملک چھوڑ دیا حالانکہ وہ ”جاننا نہ تھا“ کہ اُس کی منزل کیا ہے۔ بلاشبہ اُس کے دوستوں نے اُس کی اِس بیوقوفی پر اُس کا تمسخر اُڑایا ہو گا لیکن اُس کا رویہ ایمان پر مبنی تھا۔

ایمان سے چلنا، اکثر دوسرے لوگوں کو نا عاقبت اندیشی اور بے پروائی نظر آتا ہے لیکن وہ شخص جو خدا کو جانتا ہے، آگے راستہ نہ جانتے ہوئے بھی آنکھوں پر پٹی باندھے چلنے پر تیار رہتا ہے۔

۹:۱۱۔ خُدا نے کنعان کا مُلک ابراہام کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔ چنانچہ حقیقی معنوں میں وہ اُسی

کا تھا۔ لیکن اُس کے باوجود بھی اُس نے زمین کا ایک ٹکڑا خریدا۔ یہ ایک کھیت تھا جس کے غار میں اُس نے اپنے مُردوں کو دفن کیا۔ وہ کسی مُستقل جائے رہائش میں رہنے کی بجائے ”خیمہ“ میں جو مسافرت کا نشان تھا رہتے پڑھتے تھے۔ وقتی طور پر اُس نے کنعان میں ایسے سفر کیا گویا وہ ”غیر ملک ہے“۔

اُس کے مسافرت کے ساتھی اُس کا بیٹا اور پوتا تھے۔ اُس کے خدا پرستی کے نقش نے اُن پر بھی اپنا نقش چھوڑا، اگرچہ وہ اُس کے ساتھ اُسی وعدہ کے وراثت تھے کہ وہ ملک اُن کا بھی ہوگا۔

۱۰:۱۱۔ ابراہام کی اپنی ملکیت پر گرفت اتنی ڈھیلی کیوں تھی؟ کیونکہ وہ اُس پایدار شہر کا اُمیدوار تھا

جس کا معمار اور بنانے والا خدا تھا۔ اُس نے اپنا دل موجودہ مادی اشیاء پر نہ لگایا بلکہ ابدی چیزوں پر۔ عبرانی میں لفظ شہر اور پایدار سے پہلے حرف تعریف ہے جو انہیں خاص بنا دیتا ہے۔ ایمان کے سلسلے میں صرف ایک ہی ”شہر“ ہے جس کا نام لیا جاسکتا ہے اور جس کی مُبنیاد ”پایدار“ ہے۔

اس آسمانی شہر کا ”معمار“ خدا ہے۔ یہ ایک مثالی شہر ہے۔ اس میں نہ تو گندی بستیاں ہیں، نہ آلودہ

ہوا اور پانی، اور نہ دوسرے مسائل جو ہمارے بڑے بڑے شہروں کو متاثر کرتے ہیں۔

۱۱:۱۱۔ ”ایمان ہی سے سارہ“ کو حاملہ ہونے کی قوت ملی جبکہ وہ ۹۰ برس کی تھی۔ کلام سے

صاف ظاہر ہے کہ وہ ”سن یاس“ کو پہنچ چکی تھی۔ یہ ایسی عمر ہے جبکہ بچہ پیدا نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ جانتی تھی کہ خُدا نے وعدہ کیا ہے اور یہ بھی کہ وہ اپنے الفاظ سے پھرے گا نہیں۔ اُس کا غیر متزلزل ایمان تھا، لہذا اُس نے وعدہ کرنے والے کو ”سچا جانا“۔

۱۲:۱۱۔ جب اِصْحاق پیدا ہوا تو ابراہام ۹۹ برس کا تھا۔ انسانی لحاظ سے تو اُس کا باپ بننا

ناممکن تھا، لیکن اِس کے باوجود بھی خُدا نے بے شمار اولاد کا وعدہ کیا۔ اِصْحاق کے وسیلہ سے ابراہام بیشمار زمینی خاندانوں یعنی عبرانی قوم کا باپ بن گیا۔ مسیح کے وسیلہ سے وہ ”بے شمار“ روحانی خاندانوں یعنی بعد کے زمانے کے سچے ایمان داروں کا باپ بن گیا۔ ”سمندر کے کنارے کی ریت“ غالباً جسمانی نسل کی تصویر ہے جبکہ ”آسمان کے ستاروں“ سے مراد روحانی اولاد ہے۔

۱۳:۱۱۔ تمام بزرگ ”ایمان کی حالت میں مرے“ وہ الٰہی وعدوں کو پورا ہوتے دیکھنے تک زندہ

نہ رہے۔ مثلاً ابراہام نے اپنی بے شمار نسل کو نہ دیکھا۔ عبرانی قوم نے اُس ملک پر پورے طور پر کبھی قبضہ نہ کیا جس کا وعدہ اُن سے کیا گیا تھا۔ عہد عتیق کے مُقتدین نے بھی المسیح کے بارے میں وعدے کو پورا ہوتے نہ دیکھا۔ لیکن اُن کے ایمان نے وعدوں کو قریب آتے ضرور دیکھا۔

انہوں نے محسوس کیا کہ یہ اُن کا مستقل گھر نہیں ہے۔ وہ ”پر دیسی اور مسافر“ ہونے پر مطمئن تھے۔ انہوں نے آرام و آسائش سے انکار کیا۔ اُن کی خواہش تھی کہ وہ دُسیا کے کسی بھی کردار کی چھاپ اپنے اوپر لے بغیر گزر جائیں۔ اُن کے دل میں مسافرت تھی (زبور ۸۴: ۵)۔

۱۴: ۱۱۔ اُن کی زندگیاں صاف ظاہر کرتی تھیں کہ وہ ”وطن“ کی تلاش میں ہیں۔ ایمان نے اُن کے دل میں گھر کی خواہش کو بکسا دیا تھا جو کنعان کی خوشیوں سے کبھی مطمئن نہ ہوئی۔ اُن کے دلوں میں ایک بہتر ملک کی آرزو ہمیشہ بسی رہتی تھی جسے وہ اپنا وطن کہ سکیں۔

۱۵: ۱۱۔ جب مُصنّف یہ کہتا ہے کہ وطن کی تلاش میں تھے تو وہ یہ بتانا چاہتا ہے کہ وہ اُن کی پیدائش کے ملک کی طرف اشارہ نہیں کر رہا ہے۔ اگر ابراہام مسوپیامیرہ واپس جانا چاہتا تو ایسا کر سکتا تھا، لیکن اب وہ اُس کا گھر نہ رہا تھا۔

۱۶: ۱۱۔ اِس کی دُرست تفسیر یہ ہے کہ وہ ”آسمانی ملک“ کی تلاش میں تھے۔ جب ہم یہ یاد کرتے ہیں کہ اسرائیل کے ساتھ اکثر برکات کے وعدوں کا تعلق زمین سے تھا تو یہ بات اور بھی حیران کن ہے کہ وہ آسمانی وطن کی جستجو میں تھے۔ لیکن اُن کے پاس آسمانی اُمید بھی تھی اور اِس اُمید نے انہیں اِس قابل بنا دیا تھا کہ وہ اِس دنیا کو غیر ملک سمجھیں۔

مُساوَرَت کی اِس رُوح سے خدا خوش ہوؤا۔ ڈاربی لکھتا ہے کہ جن کا دل اور بخیر آسمان میں ہے وہ اُن کا خدا کہلانے سے نہیں شرماتا۔ اُس نے اُن کے لئے ایک شہر تیار کیا اور وہاں اُن کو صحیح معنوں میں آرام، تسلی اور کامل امن و سلامتی ملتی ہے۔

۱۷: ۱۱۔ اب ہم ابراہام کے ”ایمان“ کی سب سے بڑی آزمائش کی طرف آتے ہیں۔ خُدا نے اُسے اپنے ”اکھوتے“ بیٹے اِصْحاق کو قربان کرنے کے لئے کہا۔ اُس نے بلا جھجک خُدا کی فرمانبرداری کی اور اپنے لُحْتِ جگر کو خُدا کے حضور قربان کرنے کو چل پڑا۔ خُدا نے اُس سے بے شمار اولاد کا وعدہ کیا تھا۔ اِصْحاق اُس کا ”اکھوتا“ بیٹا تھا۔ اب ابراہام ۱۷ برس کا اور سارہ ۸-۱۰ برس کی تھی۔

۱۸: ۱۱۔ اِصْحاق میں بے شمار اولاد کے وعدے کو پورا ہونا تھا۔ ایمان کی آزمائش یہ تھی: اگر ابراہام اِصْحاق کو قربان کر دیتا ہے تو وعدہ کیسے پورا ہوگا؟ اِصْحاق اب ۱۷ برس کا تھا اور خیر شادی شدہ تھا۔

۱۹: ۱۱۔ ابراہام جانتا تھا کہ خُدا نے کیا وعدہ کیا ہے۔ وہ اِس نتیجہ پر پہنچا کہ اگر خُدا اُس کے بیٹے کی قربانی چاہتا ہے تو وہ اپنا وعدہ پورا کرنے کے لئے اُسے ”مردوں میں سے“ بھی جلائے گا۔

اب تک کلام میں کوئی ایسا واقعہ نہیں ملتا جہاں کسی کو مردوں میں سے جلایا گیا ہو۔ انسانی تجربہ میں اب تک یہ بات نہیں آئی تھی۔ حقیقی معنوں میں مردوں میں سے جی اٹھنے کے خیال کا موجد ابراہم ہی تھا۔ خدا کے وعدہ پر ایمان نے اُسے اس نتیجہ پر پہنچایا کہ خدا کو اُسے زندہ کرنا پڑے گا۔

”تمثیل کے طور پر اُسے اضحاق“ مردوں میں سے واپس مل گیا۔ اُس نے اس حقیقت کو قبول کر لیا تھا کہ اضحاق ضرور ہی ذبح کیا جائے گا۔ خدا نے اُس کے اس عمل کو سراہا۔ لیکن جیسے کرائٹ بڑے موزوں طریقے سے لکھتا ہے: ”خدا نے ابراہم کے دل کو درد اور ٹیس سے بچا لیا لیکن وہ اپنے آپ کو نہیں بچائے گا۔“ اضحاق کی جگہ ایک مینڈھا بیٹا کیا اور اکلوتا بیٹا اپنے باپ کے دل اور گھر کو واپس مل گیا۔

ہم ایمان کی اس غیر معمولی اور نمایاں مثال کو چھوڑنے سے پیشتر دو نکات بیان کرنا چاہتے ہیں۔ پہلا یہ کہ خدا اصل میں کبھی نہیں چاہتا تھا کہ ابراہم اپنے بیٹے کو ذبح کرے۔ انسانی قربانی کبھی بھی خدا کی مرضی کے مطابق نہیں تھی۔ اُس نے ابراہم کے ایمان کو آزما کر اپنے حکم کو منسوخ کر دیا۔

دوسرا ابراہم کا ایمان بے شمار اولاد کے وعدہ کے سلسلہ میں ایک سوسل تک آزمایا جاتا رہا۔ بزرگ ۵۷ سال کا تھا جب پہلے پہل اُس سے بیٹے کا وعدہ کیا گیا۔ اُس نے اضحاق کی پیدائش کے لئے ۲۵ سال انتظار کیا۔ اضحاق ۷۰ سال کا تھا جب اُس کی شادی ہوئی اور شادی کے بیس سال بعد اُس کے توام بیٹے پیدا ہوئے۔ جب ابراہم مرنا تو وہ ۵۷ سال کا تھا۔ اُس وقت اُس کی اولاد میں ایک بیٹا (۷۵ سال) اور ۲ پوتے (۱۵ سال) تھے۔ اس کے باوجود بھی اُس نے بے ایمان ہو کر خدا کے وعدہ میں شک نہ کیا بلکہ ایمان میں مضبوط ہو کر خدا کی تجمید کی۔ اور اُس کو کامل اعتقاد ہوا کہ جو کچھ اُس نے وعدہ کیا ہے وہ اُسے پورا کرنے پر بھی قادر ہے“ (رومیوں ۴: ۲۰-۲۱)۔

۲۰: ۱۱۔ بعض لوگوں کے لئے یہ سمجھنا مشکل ہے کہ اضحاق، یعقوب اور یوسف کے ایمان میں کونسی غیر معمولی بات تھی جیسا کہ اگلی تین آیات میں بیان ہوا ہے۔ اضحاق مرد ایمان کی مشہور قبرست میں اس لئے شامل ہوا کہ اُس نے یعقوب اور عیسو کو مستقبل کی برکات دیں۔ لیکن اس میں کون سی خاص بات تھی؟

بچوں کی پیدائش سے پیشتر خدا نے ربقہ کو بتا دیا تھا کہ بچے دو قوموں کے باپ ہوں گے اور بڑا (عیسو) چھوٹے (یعقوب) کی خدمت کرے گا۔ عیسو، اضحاق کا چھوٹا تھا اور دستور کے مطابق بڑا بیٹا ہونے کے باعث وہ قدرتی طور پر اپنے باپ سے بہتر بن حصہ پاتا۔ لیکن ربقہ اور یعقوب

نے استحقاق کو جس کی نظر آبِ بہت کمزور تھی دھوکا دیا اور یعقوب کو برکات کا بہترین حصہ مل گیا۔ جب منصوبہ بظاہر ہوگا تو استحقاقِ شدت سے کانپنے لگا۔ لیکن اُسے خدا کے الفاظ یاد تھے کہ بڑا چھوٹے کی خدمت کرے گا اور عیسو سے محبت کے باوجود وہ اس بات پر قائم رہا کہ خدا کا فیصلہ ضرور ہی قبول کیا جائے۔

۲۱:۱۱۔ اگرچہ یعقوب کی زندگی کے بہت سے ابوابِ افسوس ناک ہیں، تاہم اُسے ایمان کے سوراخوں کے طور پر عزت دی گئی ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ اُس کا کردار بہتر ہوتا گیا اور بالآخر وہ پرجہال ایمان کی حالت میں اس دنیا سے رخصت ہوا۔ جب اُس نے یوسف کے بیٹوں افرائیم اور مٹی کو دُعا دی تو اُس نے اپنے ہاتھ کو بدل دیا تاکہ بڑے بیٹے کی برکت چھوٹے بیٹے افرائیم کو ملے۔ یوسف کے احتجاج کے باوجود یعقوب نے اصرار کیا کہ برکت قائم رہے گی کیونکہ خداوند کی ترتیب یہی تھی۔ اگرچہ اُس کی جسمانی نظر کمزور تھی تاہم اُس کی روحانی بصیرت تیز تھی۔ اپنی زندگی کے آخری منظر میں یعقوب اپنے عصا کے سرے پر سہارا لیکر پرستش کرتا نظر آتا ہے۔

۲۲:۱۱۔ یوسف کا ایمان بھی جب وہ مرنے کے قریب تھا مضبوط تھا۔ وہ خدا کے اس وعدہ پر ایمان رکھتا تھا کہ وہ ”بنی اسرائیل“ کو مصر سے نکالے گا۔ ایمان نے خروج کی پہلے ہی منظر کشی کر دی تھی۔ اُس کے نزدیک یہ بات اتنی یقینی تھی کہ اُس نے اپنے بیٹوں کو اپنی پڑیوں کو دو باں سے نکال کر کنعان میں دفن کرنے کی ہدایت کر دی۔ ولیم نکلن لکھتا ہے: ”یوں جبکہ وہ مصر کی شان و شوکت سے گھرا ہوا تھا اُس کا دل وہاں نہیں تھا بلکہ اپنے لوگوں اور اُن کے ائندہ جلال اور برکات میں۔“

۲۳:۱۱۔ یہاں پر خود موسیٰ کا نہیں بلکہ اُس کے ”ماں باپ“ کا ایمان پیش نظر ہے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ ”بچہ خوبصورت ہے۔“ لیکن یہ خوبصورتی جسمانی خوبصورتی سے کہیں زیادہ تھی۔ اُنہوں نے دیکھا کہ یہ بچہ نصیبوں والا ہے، ایک ایسا بچہ جسے خدا نے خاص کام کے لئے مقرر کیا ہے۔ اُن کے اس ایمان سے کہ خدا کا مقصد پورا ہوگا اُنہیں ”بادشاہ کے حکم کو توڑنے اور بچے کو تین ماہ تک چھپائے رکھنے کے لئے بڑی ہمت اور حوصلہ ملا۔“

۲۴:۱۱۔ ایمان ہی سے موسیٰ نے بہت مرتبہ اچھا انکار کیا۔ اگرچہ موسیٰ مصر کے محل کے آرام و آسائش میں پلا بڑھا تھا اور انسان جس چیز کی خواہش کر سکتا ہے حاصل کر سکتا تھا لیکن اُس نے سیکھا کہ ”جیزوں کو حاصل کرنا نہیں بلکہ اُن کو ترک کرنا آرام کا باعث بنتا ہے“ (جے۔ گریگوری میٹل)۔

سب سے پہلے اُس نے مصر کے باعث جو عزت و ناموری اُسے ملتی اُس سے انکار کیا۔ وہ فرعون کی بیٹی کا لے پاگ بیٹا تھا اس لئے وہ اشراف میں شامل تھا اور ممکن ہے وہ فرعون کا جانشین بھی بن جاتا۔

لیکن وہ خدا کے برگزیدہ لوگوں میں پیدا ہوا تھا۔ وہ مصر کے شاہی مرتبہ کے لئے اس شرف سے بچے نہیں اتر سکتا تھا۔ اپنے جوانی کے دنوں میں اُس نے اپنا چناؤ کیا۔ اُس نے چند سالہ زمینی عزت کے لئے اپنی حقیقی قومیت کو نہیں چھپایا۔ نتیجہ کیا نکلا؟ کسی گناہ مقبرے پر تصویریں تحریر میں چند سطور لکھے جانے کی بجائے اُس کا نام خدا کی ابدی کتاب میں مرقوم ہوا۔ کسی عجائب گھر میں مصری حنوط شدہ لاش کے طور پر رکھے جانے کی بجائے اُس نے مرد خدا کا نام پایا۔

۲۵:۱۱۔ دوسرا، اُس نے مصر کا ”لطف“ اٹھانے سے انکار کیا۔ اپنی اشتہار کو عارضی تسکین دینے کی بجائے اُس کے نزدیک ”خدا کی اُمت“ کے ہمراہ بدسلوکی برداشت کرنے کی زیادہ قدر و قیمت تھی۔ اُس کے نزدیک اپنے لوگوں کی بدسلوکی میں شریک ہونا، فرعون کے دربار کی عیاشی سے کہیں بڑا تھا۔

۲۶:۱۱۔ تیسرا، اُس نے ”مصر کے خزانوں“ کی طرف سے مُنہ پھیر لیا۔ ایمان نے اُسے یہ دیکھنے کے قابل بنادیا تھا کہ مصر کے بے بہا خزانے ابدیت کے مقابلے میں بے قدر ہیں۔ چنانچہ اُس نے اُس ”لعن طعن“ کو اٹھانے کو منتخب کیا جو بعد میں مسیح اٹھانے کو تھا۔ اُس نے فرعون کی کُل دولت کے مقابلے میں خدا کے ساتھ وفاداری اور اپنے لوگوں کے ساتھ محبت کو ترجیح دی۔ وہ جانتا تھا کہ موت کے بعد یہی وہ چیزیں ہیں جو قدر و قیمت رکھتی ہیں۔

۲۷:۱۱۔ پھر اُس نے مصر کے بادشاہ کا انکار کیا۔ ”ایمان“ کے ذریعہ طیر ہونے کے باعث وہ غلامی کے گھر سے نکل کھڑا ہوا اور ”بادشاہ کے خَصْم“ کی پروا نہ کی۔ یہودیائی سیاست سے صاف ناتا توڑتا تھا۔ چونکہ وہ خدا سے زیادہ ڈرتا تھا اس لئے وہ فرعون سے نہیں ڈرتا تھا۔ اُس کی آنکھیں اُس پر لگی ہوئی تھیں جو مبارک اور واحد حاکم۔ بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند ہے۔ بقا صرف اُسی کو ہے اور وہ اُس نور میں رہتا ہے جس تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ نہ اُسے کسی انسان نے دیکھا اور نہ دیکھ سکتا ہے۔ اُس کی عزت اور سلطنت ابد تک رہے۔ آمین (۱۔ تیمتیس ۱۵:۶ - ۱۶)۔

۲۸:۱۱۔ آخری بات، اُس نے مصر کے مذہب کو رد کر دیا۔ اُس نے ”فسح“ کو قائم کرنے اور ”خون چھڑکنے“ سے اپنے آپ کو عیشہ کے لئے مصر کی بُت پرستی سے الگ کر لیا۔ اُس کے نزدیک نجات دیاے نیل کے پانیوں سے نہیں بلکہ بردہ کے خون سے تھی۔ چنانچہ اسرائیل کے پہلو ٹھے چھوڑ دئے

کئے جبکہ مصر کے پہلوٹھوں کو ہلاک کرنے والے نے ہلاک کر دیا۔

۲۹:۱۱۔ پہلے پہل ایسا لگتا ہے کہ بیموہ قلم عبرانی پناہ گزینوں کو ہلاک کر دے گا۔ دشمن

اُن کا تندی سے تعاقب کر رہا تھا اور ایسا لگتا تھا کہ وہ پھنس گئے ہیں۔ لیکن خدا کی تابع فرمانی کرتے ہوئے وہ آگے بڑھے اور پانی ڈھونڈ کر لے گیا: خداوند نے رات بھر تند پوربی آندھی چلا کر اور سمندر کو پیچھے ہٹا کر اُسے خشک زمین بنادیا اور پانی ڈھونڈ لیا (خروج ۲۱:۱۴)۔ جب مصریوں نے اُن کے پیچھے جانے کی کوشش کی تو اُن کے رتھوں کے پیچھے نکل گئے، پانی حسب معمول اپنی جگہ پر آگیا اور فرعون کا سارا لشکر ڈوب گیا۔ یوں بیموہ قلم اسرائیلیوں کے لئے رہائی اور مصریوں کے لئے تباہی کا باعث بنا۔

۳۰:۱۱۔ کنعان کی فتح میں یریموہ کا شہر پہلا فوجی پرف تھا۔ عقل تو یہی دعویٰ کرے گی کہ اس قسم کے ناقابل تسخیر قلعہ کو فتح کرنے کے لئے زیادہ برتر فوج کی ضرورت ہوگی۔ لیکن ایمان کے طریقے مختلف ہیں۔ خدا اپنے مقصد کو پورا کرنے کے لئے ایسے طریقے اختیار کرتا ہے جو آدمیوں کو بے وقوفی نظر آتے ہیں۔ اُس نے لوگوں کو شہر کے گرد سات دن تک چکر لگانے کو کہا۔ ساتویں دن وہ اُس کے گرد سات مرتبہ پھرے۔ کابھنوں نے اپنے منہ سے زور سے پھونکے، عوام نے نعرے مارے اور دیواریں گر پڑیں۔ فوجی ماہرین اس قسم کے طریقہ کو طفلانہ کھیل کہہ کر رد کر دیں گے۔ لیکن دیواریں گر پڑیں۔ روحانی جنگ کے ہتھیار دنیاوی نہیں ہوتے، بلکہ وہ روحانی قوت ہوتی ہے جو قلعوں کو ڈھا دیتی ہے (۲۔ کرنتھیوں ۱۰:۴)۔

۳۱:۱۱۔ ہمیں یہ علم نہیں کہ راجہ فاحشہ کب بیوہ کی پریشانی کرنے لگی۔ لیکن صاف ظاہر ہے کہ وہ کرتی تھی۔ اُس نے کنعان کے جھوٹے مذہب کو ترک کر دیا اور یہودی مذہب کو قبول کر لیا۔ جب جاسوس اُس کے گھر آئے تو اُس کے ایمان کو سخت امتحان سے گزرنا پڑا۔ کیا وہ اپنے ملک اور ہم وطنوں کی وفادار رہے گی یا خداوند کی؟ اُس نے فیصلہ کیا کہ خواہ اس کا مطلب اپنے ملک سے فدااری کیوں نہ ہو وہ خداوند کا انکار نہیں کرے گی۔ جاسوسوں کے ساتھ دوستانہ رویہ اختیار کرنے کے باعث وہ اور اُس کا خاندان بچ گئے جبکہ اُس کے نافرمان پڑوسی ہلاک ہو گئے۔

۳۲:۱۱۔ اس مقام پر مصنف سوال کرتا ہے: اب اور کیا کہوں؟ اُس نے حدائقِ حق کے زمانہ سے

اُن مرد و خواتین کی فہرست پیش کی ہے جنہوں نے ایمان اور برداشت کا مظاہرہ کیا تھا۔ وہ اپنے نکتہ کو واضح کرنے کے لئے کہتے اور نام پیش کرے؟

اُس کے پاس شالوں کی تو کوئی کمی نہیں تھی، تاہم وقت کی کمی تھی۔ تفصیل سے بیان کرنے کے لئے بہت وقت درکار ہوگا اس لئے وہ صرف چند اور لوگوں کے ایمان کی آزمائش اور فتح کی مثالیں ہی دیگا۔ اُن میں ”جدعون“ بھی شامل تھا جس کی فوج کو تیس ۳۲ ہزار سے کم کر کے تین ۳ سو کر دیا گیا۔ پہلے جوئرسان اور ہراساں تھے اُن کو واپس گھر بھیج دیا اور پھر اُن کو جو اپنے آرام کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔ جدعون نے صرف چند ہی سخت جان اور حقیقی شاگردوں کے ساتھ مدیا نیوں کو شکست دی۔

پھر ”برقی“ تھا۔ جب اُسے کنعانیوں کے خلاف اسرائیلیوں کی راہنمائی کرنے کو کہا گیا تو اُس نے اس شرط پر قبول کیا کہ دوبارہ بنیہ اُس کے ساتھ جائے۔ اگرچہ وہ اپنے کردار میں کمزور تھا، تاہم خدا نے اُس میں حقیقی ایمان دیکھا اور اُسے مردِ ایمان کی فہرست میں شامل کر لیا۔

”سمسون“ ایک اور آدمی تھا جس میں بہت کمزوری پائی جاتی تھی۔ اِس کے باوجود بھی خدا نے اُس میں ایمان دیکھا جس کی مدد سے اُس نے ایک جوان شیر کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کیا، اسقلون میں تیس ۳۰ فلسطینی قتل کئے، اگدھے کے جبرٹے سے ایک ہزار فلسطینیوں کو مارا، غزہ کے چھانکوں کو اکھاڑ دیا اور آخر میں دجون دیوتا کے مندر کو ڈبھا دیا اور اپنی موت میں اتنے زیادہ فلسطینیوں کو ہلاک کیا کہ اتنے اُس نے اپنی ساری زندگی میں بھی نہیں مارے تھے۔

اگرچہ ”افتاہ“ کسبی کا بیٹا تھا، تاہم اُس نے اپنے لوگوں کو غمخوئیوں سے رہائی دلائی۔ وہ اِس حقیقت کو ظاہر کرتا ہے کہ ایمان، آدمی کو اُس کی پیدائش اور حالات سے بلند اور خدا کے لئے تاریخ رقم کرنے کے قابل بنا دیتا ہے۔

”داؤد“ کا ایمان جاتی جلیلیت کے ساتھ جنگ، ساؤل کے ساتھ شریفانہ سلوک، صیون کو فتح کرنے اور دیگر بے شمار واقعات میں چمکتا ہے۔ مزامیر میں اُس کا ایمان توبہ، حمد و ثنا اور پیشین گوئیوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ ”سموئیل“ اسرائیلیوں کا آخری قاضی اور پہلا نبی تھا۔ جبکہ کمانت روحانی تمنزل کی نشان دہی ہوئی تھی تو وہ اپنی قوم کے لئے خدا کا بندہ تھا۔ وہ اسرائیل کی تاریخ میں ایک عظیم لیڈر تھا۔

اِس فہرست میں ”نبیوں“ کو بھی شامل کر لیں۔ یہ خدا کے نمائندوں کی شریف جماعت اور ایسے آدمی تھے جن کا ضمیر جاگتا تھا اور جو جھوٹ بولنے کی بجائے موت کو ترجیح دیتے اور جو مجرم ضمیر کے ساتھ زمین پر رہنے کی بجائے اچھے ضمیر کے ساتھ آسمان پر جانا پسند کرتے تھے۔

۱۱:۳۳۔ اب مصنف ایمان کے صورتِ ماؤں کے نام دینے کی بجائے اُن کے کارناموں کو بیان

کرتا ہے۔

انہوں نے ”سلطنتوں کو مغلوب“ کیا۔ یہاں ہمارا ذہن یسوع، قاضیوں (یہ درحقیقت فوجی رہنما تھے) داؤد اور دیگر کی طرف منعطف ہو جاتا ہے۔

انہوں نے ”راست بازی“ کے کام کئے۔ سلاطین مثلاً سلیمان، آسا، یوسفط، یواس، حزقیاہ اور یوسیاہ کے دور حکومت کو اس لئے یاد رکھا جاتا ہے کیونکہ اگرچہ وہ کامل تو نہ تھے، ان کی حکومت ”راست بازی“ پر مبنی تھی۔

انہوں نے ”عدہ کی ہوتی چیزوں کو حاصل کیا“۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ خدا نے ان کے ساتھ عہد باندھا، جیسے کہ ابراہام، موسیٰ، داؤد اور سلیمان کے ساتھ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کے ساتھ خدا کے وعدے پورے ہوئے اور یوں خدا کے کلام کی سچائی ظاہر ہوئی۔

انہوں نے ”شہیروں کے منہ بند کئے“۔ اس سلسلے میں دانی ایل ایک نمایاں مثال ہے (دانی ایل ۲۲:۶) لیکن ہمیں سمسون (قضاتہ ۱۴:۱۵-۶:۱) اور داؤد کو بھی یاد رکھنا چاہئے (سموئل ۱۷:۳۴-۳۵)۔ ۳۴:۱۱۔ انہوں نے ”آگ کی تیزی کو سمجھایا“۔ آگ کی بجٹی اُن تین عبرانی نوجوانوں کی صرف بیڑیوں ہی کو جلانے میں کامیاب ہوئی لیکن انہیں کوئی ضرر نہ پہنچا (دانی ایل ۳:۲۵)۔ یوں وہ ان کے لئے نصیبت میں برکت ثابت ہوئی۔

وہ ”تلوار کی دھار سے بچ نکلے“۔ داؤد، اساول کے کینہ پرورداروں سے بچ گیا (۱-سموئل ۱۹:۹-۱۰)، ایلیاہ ایزبل کی قاتلانہ عداوت سے محفوظ رہا (۱-سلاطین ۱۹:۱۰-۱۳)، اور الیشع شاہ آرام سے بچ گیا (۲-سلاطین ۶:۱۵-۱۶)۔

انہوں نے کمزوری میں ”قوت حاصل کی“۔ ایمان کے واقعات میں کمزوری کے بھٹ سے نشان ملتے ہیں۔ اہود نے جو بن جتھا تھا مواب کے بادشاہ کو قتل کر دیا (قضاتہ ۳:۱۲-۲۱)۔ یاحیل جو صنف نازک کے طبقہ سے متعلق رکھتی تھی، اُس نے منچو سے سیرا کو قتل کر دیا (قضاتہ ۳:۲۱)۔ جہوعون نے مدانیوں کو شکست دینے کے لئے مٹی کے گھڑے استعمال کئے (قضاتہ ۷:۲۰)۔ سمسون نے ایک ہزار فلسطینیوں کو قتل کرنے کے لئے گدھے کا جیڑا استعمال کیا (قضاتہ ۱۵:۱۵)۔ یہ سب اس سچائی کو ظاہر کرتے ہیں کہ خدا نے طاقتور کو شرمندہ کرنے کے لئے کمزور چیزوں کو جُٹا (۱-کرنقیوں ۱:۲۷)۔

وہ ”لڑائی میں بہادر بنے“۔ ایمان آدمیوں کو ان کی فطری طاقت سے کہیں زیادہ قوت دیتا ہے اور انہیں اپنے سے بڑے مخالفین پر غالب آنے کے قابل بنا دیتا ہے۔

انہوں نے ”غیروں کی فوجوں کو بھگا دیا“۔ اگرچہ اسرائیل کی فوجوں کے پاس ناکافی ہتھیار تھے اور

تعداد میں بھی بہت کم تھیں تو بھی انہوں نے اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کر کے انہیں اور دوسروں کو حیران کر دیا۔

۳۵:۱۱ - "عورتوں نے اپنے مردوں کو پھر زندہ پایا۔" یہاں صابریت کی بیوہ (۱- سلاطین ۱۴: ۲۳) اور شوشی عورت (۲- سلاطین ۴: ۳۴) پیش نظر ہیں۔

لیکن ایمان کا ایک دوسرا رخ بھی ہے۔ اُن کے علاوہ جنہوں نے حیران کن کام انجام دیے، ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے بے حد مصیبت اٹھائی۔ خدا اَوَّل الذِّکْرِ کی طرح موثر الذِّکر کی بھی قدر کرتا ہے۔

چونکہ وہ خداوند پر ایمان رکھتے تھے اس لئے انہیں ظالمانہ تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔ اگر وہ بیہواہ کا انکار کر دیتے تو رہا ہو جاتے۔ لیکن اُن کے نزدیک زیادہ اچھا یہ تھا کہ یہاں خدا کے غدار کے طور پر زندگی بسر کرنے کی نسبت موت قبول کریں اور پھر آسمانی جلال کے لئے زندہ کئے جائیں۔ مکابیوں کے زمانہ میں انطاس ایپیفنیس نے یکے بعد دیگرے ایک دوسرے کی آنکھوں کے سامنے ایک ماں اور اُس کے سات بیٹوں کو قتل کر دیا۔ انہوں نے رملی منظور نہ کی تاکہ اُن کو بہتر قیامت نصیب ہو۔ یہ اس زمین پر زندگی بسر کرتے رہنے سے کہیں اچھا ہے۔

۳۶:۱۱ - "بعض" کا تفسیر اُڑایا گیا اور انہیں قید میں ڈالا گیا۔ خدا کے ساتھ وفاداری کے باعث یرمیاہ بھی اسی قسم کی تمام سزاؤں سے گزرا (یرمیاہ ۲۰: ۱- ۶؛ ۳۷: ۱۵)۔ یوسف کو بھی قید میں ڈالا گیا کیونکہ اُس نے گناہ کا مرتکب ہونے کی بجائے دکھ اٹھانا قبول کیا (پیدائش ۲۰: ۳۹)۔

۳۷:۱۱ - "وہ سنگسار کئے گئے۔" یسوع نے فقیہ اور فریسیوں کو یاد دلایا کہ اُن کے باپ دادا نے زکریاہ کو مقدس اور قربان گاہ کے درمیان اسی طریقے سے قتل کیا (متی ۲۳: ۳۵)۔

"وہ آدے سے چیرے گئے۔" روایت کے مطابق منسی نے یسعیاہ کو قتل کرنے کے لئے یہی طریقہ استعمال کیا۔

"وہ آزمائش میں پڑے۔" غالباً یہ تین اُس زبردست دباؤ کو بیان کرتی ہے جو ایمان داروں پر بدنامی سے سمجھوتا کرنے، گناہ کرنے یا اپنے خداوند کا انکار کرنے کے لئے ڈالا گیا۔

"وہ تلوار سے مارے گئے۔" اوریاہ نبی نے یہ یقین بادشاہ کو خدا کا پیغام وفاداری سے پہنچانے کے باعث یہ قیمت ادا کی (یرمیاہ ۲۶: ۲۳)۔ لیکن یہاں قرینۃ الفاظ قتل عام کو ظاہر کرتے ہیں جیسے کہ مکابیوں کے زمانہ میں ہوا۔

”وہ“ بھیڑوں اور بکریوں کی کھال اوڑھے ہوئے محتاجی میں، مصیبت میں، بدسلوکی کی حالت میں مارے مارے پھرے۔“

مورہ ہیڈ رکھتا ہے :

اگر وہ خدا کا انکار کرتے اور کلام کو جھوٹا سمجھتے تو ممکن تھا کہ وہ ریشم اور خواب کا لباس پہنے ہوتے اور بادشاہوں کے محلوں میں عیش کرتے ہوتے۔ لیکن وہ بھیڑوں اور بکریوں کی کھال اوڑھے ادھر ادھر پھرتے رہے۔ انہوں نے اپنے آپ کو بھیڑوں اور بکریوں سے بہتر نہ سمجھا بلکہ وہ ان کی طرح صرف ذبح کئے جانے کے قابل ہیں۔ انہوں نے جھوک، تنہائی اور ایذا رسانی برداشت کی۔

۳۸:۱۱ - ”دنیا نے ان کے ساتھ ایسے سلوک کیا گویا کہ وہ زندہ رہنے کے قابل نہیں ہیں۔ لیکن پاک روح یہاں یہ بتاتا ہے کہ درحقیقت بات اس کے اُلٹ تھی یعنی ”دنیا ان کے لائق نہ تھی۔“

وہ ”جنگلوں اور پہاڑوں اور غاروں اور زمین کے گڑھوں میں آوارہ پھرا کر گئے۔“ انہیں اپنے گھر سے نکلا پڑا، خاندان سے جدا ہوئے، جانوروں کی طرح ان کا پیچھا کیا گیا، سماج سے خارج کئے گئے۔ انہوں نے گرمی اور سردی، اذیت اور مشکلات برداشت کیں، لیکن اپنے خداوند کا انکار نہ کیا۔ ۳۹:۱۱ - ”خدا نے صمد عتیق کے ان سوراؤں کی گواہی دی ہے لیکن اس کے باوجود بھی وہ ”وعدہ“ کی تکمیل سے پہلے وفات پا گئے۔ وہ المسیح کی آمد کو جس کے وہ مدت سے منتظر تھے نہ دیکھ سکے یا ان برکات سے لطف اندوز نہ ہو سکے جو اُس کی خدمت سے بہرہ نکلتی تھیں۔

۴۰:۱۱ - ”خدا“ نے ہمارے لئے ”بہتر چیز“ تجویز کی ہے۔ اُس نے ایسا انتظام کیا ہے کہ وہ ہمارے بغیر کامل نہ کئے جائیں۔“ جہاں تک گناہ کا تعلق ہے وہ کبھی بھی پُر تسکین ضمیر سے لطف اندوز نہیں ہوئے۔ اور وہ اُس وقت تک آسمان میں جلالی جسم سے پورے طور پر لطف اندوز نہیں ہوں گے جب تک کہ ہم سب ہوا میں اُڑ کر اپنے خداوند کا استقبال نہیں کریں گے (۱- تھسلنیکین ۴: ۱۳-۱۸) - ”عہد عتیق کے مقدسین کی روح خداوند کی حضور میں کامل ہے (عبرانیوں ۱۲: ۲۳) لیکن اُن کے جسم مردوں میں سے اُس وقت تک نہیں چلائے جائیں گے جب تک کہ خداوند اپنے لوگوں کو لینے کے لئے نہیں آتا۔ اُس وقت وہ جی اٹھنے کے جلال کی کاملیت سے لطف اندوز ہوں گے۔“

بالفاظ دیگر عہد عتیق کے ایمان داروں کو ہماری طرح مراعات حاصل نہیں تھیں۔ لیکن اس کے

باوجود بھی ذرا اُن کی سنسنی خیز فتوحات اور آزمائشوں پر سوچئے! ذرا اُن کے کارہائے عظیم اور صبر پر بھی غور کیجئے۔ وہ صلیب کے واقعہ سے پہلے زندہ تھے اور ہم اس کے بعد کے زمانے میں رہتے ہیں۔ لیکن اِس کے باوجود بھی کیا ہماری زندگیوں کا اُن کی زندگیوں کے ساتھ مُقابلہ ہو سکتا ہے؟ عبرانیوں باب ۱۱ کا یہی چیلنج ہے۔

ج۔ مسیح میں اُمید کے بارے میں نصیحت (باب ۱۲)

۱۲:۱- یاد رہے کہ عبرانیوں کا خط اُن کے نام لکھا گیا تھا جن کے ساتھ بُرا سلوک کیا جا رہا تھا۔ چونکہ اُنہوں نے مسیح کی خاطر یہودیت کو ترک کر دیا تھا اس لئے اُنہیں سخت مخالفت کا سامنا تھا۔ خطرہ تھا کہ وہ یہ سمجھنے لگیں کہ اُن کے دکھ و مصائب خدا کے ناخوش ہونے کا نشان ہیں۔ امکان تھا کہ وہ ہمت ہار بیٹھیں اور مسیحیت ترک کر دیں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کہیں وہ پھر ہیکل اور اُس کی رسومات کو نہ اپنالیں۔

اُنہیں یہ نہیں سوچنا چاہئے کہ اُن کے دکھ بے مثال تھے۔ باب ۱۱ میں بہت سے گواہ ایسے ہیں جنہیں خداوند کے ساتھ اپنی وفاداری کے باعث بے حد دکھ اٹھانا پڑا، لیکن اِس کے باوجود بھی اُنہوں نے برداشت کیا۔ اگر اُنہوں نے کم مراعات کے ساتھ اس قدر چُختہ صبر کا مظاہرہ کیا تو ہمیں جنہیں مسیحیت کی آمد کے باعث بہتر چیزیں ملی ہیں کس قدر زیادہ کیوں نہیں کرنا چاہئے!

وہ ہمیں ”گواہوں“ کے بڑے ”بادل“ کے طور پر گھیرے ہوئے ہیں۔ اِس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ تماشائی ہیں اور یہ دیکھ رہے ہیں کہ زمین پر کیا ہو رہا ہے۔ اِس کے برعکس وہ ہمارے لئے اپنی ایمان کی زندگی اور صبر سے گواہی پیش کرتے اور ایک اعلیٰ معیار قائم کرتے ہیں تاکہ ہم بھی اُن کے نمونہ پر چلیں۔

اِس آیت سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آسمان میں جو مقدّسین ہیں وہ ہماری زمینی زندگی کو دیکھتے ہیں یا جانتے ہیں کہ کیا ہو رہا ہے؟ صرف اتنا ہی یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ جب کوئی گنہگار نجات پاتا ہے تو وہ جانتے ہیں: ”میں تم سے کہتا ہوں کہ اسی طرح ننانوے راست بازوں کی نسبت جو توبہ کی حاجت نہیں رکھتے ایک توبہ کرنے والے گنہگار کے باعث آسمان پر زیادہ خوشی ہوگی“

(لوقا ۱۵: ۷)

مسیحی زندگی دَور کی مانند ہے جس میں نظم و ضبط اور صبر کی ضرورت ہے۔ ہمیں اُن سب

چیزوں کو جوڑ کاوٹ کا سبب بنتی ہیں دُور کرنا ہے۔ بوجھ شاید بڑا تہ تو بے ضرر ہو لیکن اس کے باوجود بھی ترقی میں رکاوٹ بنتا ہے۔ خاندانی تعلقات، آرام طلبی اور غیر مستقل مزاجی وغیرہ اس طرح کا بوجھ ہو سکتے ہیں۔ اولیٰک کی دُوروں میں اپنے ساتھ کھانا یا مشروب لے جانے کی ممانعت نہیں لیکن اس طرح کوئی بھی دُور نہیں چیت سکتا۔

ہمیں ”ہر اُس گناہ کو جو ہمیں آسانی سے اُلجھالیتا ہے“ دُور کرنا ہے۔ اس کا مطلب کسی بھی صورت میں گناہ ہو سکتا ہے لیکن یہ خاص طور پر بے اعتقادی کا گناہ ہے۔ ہمیں خدا کے وعدوں پر اور کہ ایمان کی زندگی ضرور ہی فتح مند ہوگی مکمل بھروسہ رکھنا ہے۔

ہمیں اس خیال کو دل سے نکال دینا چاہئے کہ دُور آسان ہے اور کہ مسیحی زندگی میں ہر شے چھوٹوں کی سیج ہے۔ ہمیں آزمائشوں کے ہوتے ہوئے صبر سے آگے بڑھتے رہنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔
۲۰:۱۲۔ ہمیں تمام دُور میں دیگر ہر شے سے نظریں ہٹا کر صرف یسوع کو جو سب سے اولین دُورنے والا تھا ملتکتے رہنا ہے۔ اے۔ بی۔ بروس لکھتا ہے:

وہ جو ایمان کے تمام سوراوٹوں پر واضح برتری رکھتا ہے... وہ آدمی جس نے سب سے پہلے ایمان سے زندگی بسر کرنے کے خیال کو کامل طور پر عملی جامہ پہنایا... وہ جس نے بلا خوف صلیب کی اذیت کو برداشت کر لیا اور اُس کی رسوائی کی پروا نہ کی، ایمان کے باعث اُس کی نظریں آئندہ کی خوشی اور جلال پر اس طرح جمی تھیں کہ موجدہ درد اور شرم کا شعور جاتا رہا۔

وہ ان معنوں میں ہمارے ”ایمان کا بانی“ یا پیشوا ہے کہ اُس نے ایمان کی زندگی کا کامل نمونہ پیش کیا ہے۔ وہ ہمارے ایمان کو کامل کرنے والا بھی ہے۔ اُس نے نہ صرف دُور کو شروع کیا بلکہ فتح مندی کے ساتھ ختم بھی کیا۔ دُور کا راستہ آسمان سے بیت لہم اور پھر گتسمنی اور کلوری سے ہوتا ہوا قبر اور پھر واپس آسمان تک پھیلا ہوا ہے۔ وہ کسی موقع پر بھی نہ تو لڑکھڑایا اور نہ مُڑا۔ اُس نے اپنی آنکھیں آئندہ جلال پر لگائی ہوئی تھیں جب تمام نجات یافتہ اُس کے ساتھ جمع کئے جائیں گے۔ اُس کے ایمان نے اُسے اس قابل بنادیا تھا کہ ”شرمندگی“ کی پروا نہ کرے اور دکھ اور موت برداشت کر لے۔ اب وہ خدا کے تخت کی دہنی طرف بیٹھا ہوا ہے۔

۳:۱۲۔ اب منظر دُور سے گناہ کے خلاف جنگ کی طرف مڑتا ہے۔ ہمارا بے باک ودلیہر کپتان خداوند یسوع ہے۔ گمراہیوں کی طرف سے جتنی مخالفت کی برداشت اُس نے کی کسی نے بھی نہیں کی۔

جب کبھی ہم ”بے دل ہو کر جہت“ بار بیٹھیں تو ہم سوچیں کہ اُسے کن کن باتوں سے گزرنا پڑا۔ اگر ہم اُس کی آزمائشوں کا اپنی آزمائشوں کے ساتھ مقابلہ کریں تو معلوم ہوگا کہ وہ بالکل حقیر اور بے وقعت ہیں۔

۱۲:۴- ”ہم گناہ سے“ ختم نہ ہونے والی جنگ کر رہے ہیں۔ تاہم ”ایسا مقابلہ نہیں کیا جس میں خون بہا ہو“ یعنی موت سہی ہو۔ لیکن اُس نے سہی۔

۱۲:۵- اب مسیحیوں کے دکھ اٹھانے کے خیال کو پیش کیا جاتا ہے۔ ایمان داروں کی زندگی میں بے ملوکی، آزمائشیں، بیماریاں، دکھ درد، اور مصیبتیں کیوں آتی ہیں؟ کیا یہ خدا کی ناخوشی یا ناراضی کا نشان ہیں؟ کیا یہ اتفاقاً آتی ہیں؟ ان کے بارے میں ہمارا رد عمل کیا ہونا چاہئے؟

یہ آیات ہمیں یہ سکھاتی ہیں کہ ان چیزوں سے خدا اپنے لوگوں کی تربیت کرتا ہے۔ اگرچہ وہ خدا کی طرف سے نہیں، تاہم وہ اُن کو ہماری بھلائی اور دوسروں کو برکت کے لئے استعمال کرتا ہے۔ مسیحیوں کی زندگی میں کوئی چیز بھی اتفاقاً واقع نہیں ہوتی۔ النک داتعات اپنے میں برکت لئے ہوتے ہیں اور مایوسیائیں اُس کی طرف سے مقرر ہیں۔ خدا مخالف حالات کو ہمیں مسیح کا ہمشکل بنانے کے لئے استعمال کرتا ہے۔

پس ابتدائی عبرانی ایمانداروں کو امثال ۱۱:۳-۱۲ یاد رکھنے کی نصیحت کی گئی ہے جہاں خدا انہیں اپنے ”بیٹے“ کہتا ہے۔ وہاں وہ اُس کی تنبیہ کی حقارت کرنے یا اُس کی ملامت کے باعث مایوس ہونے کے بارے میں ایمان داروں کو خبردار کرتا ہے۔ اگر وہ باغی ہو جائیں یا جہت بار بیٹھیں تو وہ اُن تمام فوائد کو جو اس ملوک کی دیر سے اُسے ملنا تھے گنوا بیٹھیں گے اور اُس کا سبق سیکھنے سے قاصر رہیں گے۔

۱۲:۶- جب ”تم تنبیہ“ کے بارے میں پڑھتے ہیں تو غالباً ہمارا خیال گو شمالی کی طرف جاتا ہے۔ لیکن یہاں اس کا مطلب بچے کی تربیت کرنا یا تعلیم دینا ہے۔ اس میں ہدایت، نظم و ضبط، اصلاح اور خبردار کرنا شامل ہے۔ ان سب کا مقصد مسیحی خوشیاں پیدا کرنا اور برائی کو نکالنا ہے۔ اس حوالہ میں تنبیہ غلط کام کرنے کی سزا نہیں تھی بلکہ دکھوں کے ذریعہ تربیت۔

امثال کی کتاب میں یہ حوالہ صفائی سے بتاتا ہے کہ خدا کی تادیب اُس کی محبت کا ثبوت ہے۔ اور اُس کا کوئی بھی بیٹا اس سے بچ نہیں سکتا۔

۱۲:۷- ”خدا کی تنبیہ“ کے تابع فرمان رہنے کے ذریعہ ہم اُس کی تادیب کو موقع دیتے ہیں کہ ہمیں مسیح کی صورت پر ڈھالے۔ اگر ہم اُس کی تربیت سے بچنے کی کوشش کریں تو ممکن ہے کہ اُسے زیادہ سخت اور زیادہ تکلیف دہ اور زیادہ لمبی تربیت سے ہمیں مطلوبہ سبق سکھانا ہو۔ خدا کے مکتب میں درجہ بندی

ہے اور ترقی صرف اُس وقت ہی ملتی ہے جبکہ ہم اپنے اسباق سیکھ لیتے ہیں۔
پس جب دُکھ تکلیف آئے تو ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ خدا ہم سے ”بیٹوں“ کا سا سلوک کر رہا ہے۔
باپ اپنے ”بیٹے“ کو تربیت دیتا ہے کیونکہ وہ اُسے پیار کرتا ہے اور اُس کی بہتری چاہتا ہے۔ خدا بھی
ہمیں پیار کرتا ہے، وہ چاہتا ہے کہ ہم بڑھیں اور بھلیں چھولیں۔

۸:۱۲۔ روحانی عالم میں جو لوگ خدا کی تادیب کا تجربہ نہیں رکھتے وہ ”حرام زادے“ ہیں نہ کہ حقیقی
”بیٹے“۔ ایک باغبان اُونٹ کٹاروں کو نہیں کاٹتا چھانٹتا بلکہ انگوروں کی بیل کو۔ پس جیسا کہ فطری باتوں
میں ہوتا ہے ویسا ہی روحانی باتوں میں بھی ہوتا ہے۔

۹:۱۲۔ ہم میں سے اکثر لوگوں کو اپنے ”جسمانی باپوں“ کی تادیب کا تجربہ ہے۔ ہم اس کا کبھی یہ
مطلب نہیں لیتے کہ وہ ہم سے نفرت کرتے ہیں۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ وہ ہماری بھلائی میں دلچسپی
رکھتے تھے اور ہم اُن کی تعظیم کرتے رہے۔

تو پھر ہمیں تربیت کے لئے ”رُحوں کے باپ کی اس سے زیادہ“ عزت کرنی چاہئے تاکہ ہم زندہ رہیں۔
خدا اُن سب کا جو رُوح ہیں یا رُوح رکھتے ہیں ”باپ“ ہے۔ آدمی رُوح ہے جو انسانی جسم میں رہتا ہے۔ خدا کے
تابع فرمان ہونے کے باعث، ہم زندگی سے اس کے حقیقی معنوں میں لطف اندوز ہوتے ہیں۔

۱۰:۱۲۔ ہمارے زمینی باپوں کی تنبیہ و تربیت کامل نہیں ہے۔ یہ چند روزہ ہوتی ہے یعنی بچپن
سے لے کر جوانی تک۔ اگر وہ اس سے کامیاب نہیں ہوتے تو وہ اور کچھ نہیں کر سکتے۔ اور وہ یہ اپنی سمجھ
کے موافق کرتے ہیں۔ لیکن بعض اوقات اُن سے اپنی اولاد کی تربیت کرنے میں غلطی بھی ہو جاتی ہے۔
لیکن خدا کی تنبیہ و تربیت ہمیشہ کامل ہوتی ہے۔ اُس کی محنت بے حد اور اُس کی حکمت بے خطا ہے۔
اُس کی تنبیہ مَن کی توجہ کے باعث نہیں ہوتی بلکہ ہمیشہ ہمارے فائدہ کے لئے ہوتی ہے۔ اُس کا مقصد
یہ ہوتا ہے کہ ہم ”اُس کی پاکیزگی میں شامل ہو جائیں“۔ اور خدا پرستی کبھی بھی خدا کے مکتب کے علاوہ
کہیں اور سے حاصل نہیں کی جاسکتی۔ جو ویرٹ لکھتا ہے:

خدا کی تنبیہ کا مقصد سزا دینا نہیں ہے بلکہ تخلیقی ہے۔ وہ اُس لئے تنبیہ کرتا ہے

تاکہ ہم ”اُس کی پاکیزگی میں شامل ہو جائیں“۔ جو آگ روشن ہے وہ دکھاتا ہوا لاؤ نہیں

ہے جو قیمتی اشیاء کو بھسم کر دیتا ہے بلکہ یہ پاک صاف کرنے والی آگ ہے، اور پاک

کرنے والا پاس بیٹھا ہوا ہے اور وہ سختی اور صبر اور نرمی سے، بے پروائی سے پاکیزگی اور

کمزوری سے پائیداری پیدا کر رہا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ فضل کے تاریک ذرائع استعمال

کرتا ہے اُس وقت بھی وہ تخلیق کرتا رہتا ہے۔ وہ مروج کے پھل اور پھول پیدا کر رہا ہے۔ اُس کی محبت ہمیشہ پیاری باتوں کی تلاش میں رہتی ہے۔

۱۱:۱۲۔ اس وقت تو تمام شاگرد تکلیف میں نظر آتے ہیں۔ ”مگر جو اُس کو سہتے سہتے چُختے ہو گئے ہیں اُن کو بعد میں یسین کے ساتھ راست بازی کا پھل بخشا ہی ہے۔“ سی۔ ایچ۔ سپرجن کی گواہی پر حضور کریں:

مجھے ڈر ہے کہ جو فضل میں نے اپنے آرام و آسان اور خوشی کے وقت میں حاصل کیا، ممکن ہے بالکل معمولی ہو۔ لیکن جو اچھائی مجھے اپنے دکھ اور درد اور رنج و غم سے ملی ہے اُس کی قدر و قیمت کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ وہ کون سی شے ہے جو میں نے ہتھوڑے اُپر اور آگ اور ریتی سے حاصل نہیں کی؟ میرے گھر میں دکھ سب سے اچھا فریج ہے۔

۱۲:۱۲۔ ایمان داروں کو زندگی کے مخالف حالات میں خاموش ہو کر نہیں بیٹھ جانا چاہئے کیونکہ ممکن ہے کہ اُن کے ایمان کی کمی دوسروں پر اچھا اثر نہ ڈالے۔ ”وِجیل یا بھٹوں“ کو زندہ مسیح کی خدمت کے لئے مضبوط بنانا چاہئے۔ ”سست گھٹنوں“ کو دھامیں جدوجہد کرنے کے لئے طاقتور ہونا چاہئے۔ ۱۳:۱۲۔ لنگڑے ”پاؤں“ کی مسیحی شاگردی کے ”سیدھے راستے“ پر راہنمائی کرنی چاہئے۔ ولیمز لکھتا ہے:

وہ تمام جو خداوند کی پوری طرح پیروی کرتے ہیں کمزور بھائیوں کے لئے ایمان کا راستہ صاف کرتے ہیں۔ لیکن جو پوری طرح پیروی نہیں کرتے دوسروں کے لئے راستہ مشکل بنا دیتے ہیں اور روحانی لنگڑے پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ جی۔ ایچ۔ لینگ بڑی اچھی منظر کشی کرتا ہے:

ایک تمکھا ماندہ مسافر جو سڑک پر چلتے اور طوفان کے منکے کھانے سے تمکھ گیا ہے مایوس کھڑا ہے۔ اُس کے کندھے جھکے ہوئے، ہاتھ الٹے ہوئے اور خم زدہ اور کانپتے ہوئے گھٹنوں کے ساتھ سفر ترک کرنے اور زمین پر گرنے کو تیار ہے۔ جبرانیوں کے مصیبت کے مطابق خدا کے مسافر کا ایسا ہی حال بن سکتا ہے۔

لیکن اُس کے پاس ایک ایسا شخص آتا ہے جو بڑا پُر اعتماد ہے اور اُسے مسکراتے ہوئے اور مضبوط آواز میں کہتا ہے ”اٹھو، سیدھے کھڑے ہو جاؤ اور جنت باندھو۔ تم اتنی دُور آچکے ہو اور اب تک جو محنت مشقت کر چکے ہو اُسے ضائع مت

ہونے دو۔ سفر کے اختتام پر ایک نہایت اعلیٰ گھر ہے۔ اُس طرف دیکھو۔ سیدھی سڑک وہاں تک جاتی ہے۔ سیدھے چلتے جاؤ۔ اپنے لنگڑے پن کے لئے اُس عظیم حکیم سے شفا حاصل کرو۔۔۔ تمہارا پیش رو اسی ٹوٹی پھوٹی سڑک سے خدا کے محل کو گیا۔ تم سے پہلے بھی کچھ لوگ کامیاب ہوئے اور کچھ لوگ ابھی راستے میں ہیں۔ تم تنہا نہیں ہو۔ سفر جاری رکھو اور تم بھی منزل پر پہنچ جاؤ گے اور انعام حیات لو گے۔ مبارک ہے وہ شخص جو یہ جانتا ہے کہ کلام کے ذریعہ تمکے ماندے کو کیسے تسلی

دی جاتی ہے (یسعیاہ ۵۰: ۴)۔ مبارک ہے وہ آدمی جو نصیحت کو قبول کرتا ہے

(عبرانیوں ۱۳: ۲۲)۔ اور مبارک ہے وہ شخص جس کا ایمان سادہ اور مضبوط ہے

اور جب خداوند کی تادیب سخت ہوتی ہے تو وہ ٹھوکر نہیں کھاتا۔

۱۳: ۱۲۔ مسیحیوں کو ہر وقت ”سب کے ساتھ“ پُر امن تعلقات رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

لیکن اس نصیحت کی خاص صورت ایذا رسانی کے وقت ہوتی ہے جبکہ کچھ لوگ ایمان سے منحرف ہو رہے ہوں اور اعصاب منتشر ہوں۔ ایسے موقعوں پر خطرہ ہے کہ اپنی پریشانی کی وجہ سے اپنے عزیزو اقارب کے لئے مصیبت کا باعث بن جائیں۔ ہمیں پاکیزگی کا بھی طالب رہنا چاہئے ”جس کے بغیر کوئی خداوند کو نہ دیکھے گا“۔ یہاں کس قسم کی ”پاکیزگی“ کی طرف اشارہ ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ہمیں خود کو یاد دلاتے رہنا چاہئے کہ نئے عہد نامہ میں ایمان داروں میں پاکیزگی کو تین طریقوں سے استعمال کیا گیا ہے۔

سب سے پہلے جب کسی کو نجات ملتی ہے تو وہ اپنے مقام یا اپنی حیثیت کے لحاظ سے خدا کی نظر میں پاک ہو جاتا ہے۔ وہ خدا کے لئے موزنا سے الگ ہو جاتا ہے (۱ کرنتھیوں ۱: ۶؛ ۱۱)۔ مسیح کے ساتھ پیوستگی کے باعث وہ ہمیشہ کے لئے پاک کیا گیا ہے۔ جب مادرِ مومن کو تھرنے فرمایا کہ ”میری پاکیزگی آسمان میں ہے“ تو اُس کا یہی مطلب تھا۔ جہاں تک خدا کی نظر میں ہمارے مقام کا تعلق ہے مسیح ہماری پاکیزگی ہے۔

پھر عملی پاکیزگی ہے (۱ تھسلونیکیوں ۴: ۳؛ ۵: ۲۳)۔ یہ وہ ہے جو ہمیں ہر روز ہونا چاہئے۔ ہمیں ہر قسم کی بدی سے الگ رہنا چاہئے۔ یہ پاکیزگی ترقی پذیر ہے، یعنی ہم خداوندِ یسوع کے ہم شکل بنتے جائیں۔

آخر میں کامل پاکیزگی ہے۔ یہ اُس وقت وقوع میں آئے گی جبکہ ایمان دار آسمان پر جائیں گے۔

اُس وقت وہ ہمیشہ کے لئے گناہ سے آزاد ہوں گے۔ اُن کی پرانی فطرت جاتی رہے گی اور اُن کی حالت مکمل طور پر اُن کے مقام کے مطابق ہوگی۔

اب ہمیں کس پاکیزگی کے طالب رہنا ہے؟ ظاہر ہے کہ وہ عملی پاکیزگی ہی ہے۔ ہم اپنے مقام کے لحاظ سے پاکیزگی کی تلاش میں نہیں رہتے۔ یہ مسیح میں اُس وقت ہماری بن گئی ہے جب ہم نے سرے سے پیدا ہوئے۔ اور ہم کامل پاکیزگی کے پیچھے بھی نہیں بھاگتے۔ وہ اُس وقت ہماری بن جائے گی جب ہم اُس کا چہرہ دیکھیں گے۔ لیکن عملی یا بتدریج پاکیزگی ایک ایسی شے ہے جس کا تعلق ہماری فرمانبرداری اور تعاون سے ہے۔ ہمیں اس پاکیزگی کی فکر میں رہنا ہے۔ یہ حقیقت کہ ہمیں اس کو حاصل کرنا ہے اس بات کا ثبوت ہے کہ ہم اسے اس زندگی میں پوری طرح حاصل نہیں کر سکتے۔ (پاکیزگی کے مختلف پہلوؤں کے بارے میں زیادہ تفصیل کے لئے دیکھئے ۲: ۱۱ کی تشریح)۔

لیکن ابھی ایک مشکل باقی ہے۔ کیا یہ سچ ہے کہ ہم خداوند کو عملی پاکیزگی کے بغیر نہیں دیکھ سکتے؟ ہاں ایک لحاظ سے تو یہ درست ہے لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پاکیزہ زندگی بسر کرنے سے ہمیں خداوند کو دیکھنے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ صرف یسوع مسیح ہی کے باعث ہمیں آسمان پر جانے کا شرف حاصل ہوتا ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اپنی نئی زندگی کو ثابت کرنے کے لئے عملی پاکیزگی ضروری ہے۔ اگر کوئی شخص پاکیزگی میں ترقی نہ کرے تو وہ نجات یافتہ نہیں ہے۔ جب پاک روح ایک آدمی میں سکونت کرتا ہے تو وہ اپنی موجودگی کو پاک زندگی بسر کرنے میں ظاہر کرتا ہے۔ یہ عظمت اور معلول کا مسئلہ ہے۔ اگر مسیح کو قبول کیا گیا ہے تو پھر زندہ پانی کی ندیاں ضرور ہی بہنے لگیں گی۔

۱۵: ۱۲۔ ایسا لگتا ہے کہ اگلی دو آیات چار خاص گناہوں سے بچنے کے لئے کہتی ہیں۔ لیکن متن سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ارتداد کے گناہ کے خلاف ایک اور انتباہ ہے اور کہ یہ چاروں گناہ اُس سے تعلق رکھتے ہیں۔ سب سے پہلے ارتداد ”خدا کے فضل“ کو حاصل کرنے سے قاصر رہنا ہے۔ ایک شخص مسیحیوں کیسا نظر آتا ہے اور اُنہی کی طرح گفتگو کرتا اور اپنے آپ کو مسیحی کہتا ہے لیکن وہ کبھی بھی نے سرے سے پیدا نہیں ہوا۔ وہ نجات دہندہ کے نزدیک تو آیا لیکن اُس نے اسے کبھی قبول نہ کیا۔ اتنا نزدیک ہوتے ہوئے بھی اتنا دور رہا۔

ارتداد ”کڑوی جڑ“ ہے۔ آدمی خداوند کا مخالف بن جاتا اور مسیحی ایمان کو ترک کر دیتا ہے۔ اُس کا انحراف مستعدی ہے۔ اُس کی شکایات، شکوک اور انکار سے دوسرے ناپاک ہو جاتے ہیں۔

۱۶: ۱۲۔ ارتداد کا حرام کاری سے بڑا قریبی تعلق ہے۔ نام نہاد مسیحی سنگین اخلاقی گناہ میں گر سکتا ہے۔

اور پھر اپنے گناہ کا اقرار کرنے کی بجائے وہ خداوند پر الزام لگا کر دُور ہو جاتا ہے۔ ۲۔ پطرس ۱: ۱۰، ۱۱، ۱۸ اور یہوداہ ۸، ۱۶، ۱۸ میں ارتداد اور جنسی گناہ میں تعلق کو بیان کیا گیا ہے۔

پھر ارتداد بے دینی ہے جس کی تصویر ”عیسو“ نے پیش کی ہے۔ اُس کے نزدیک پیدائشی حق کی کوئی قدر و قیمت نہیں تھی۔ اُس نے اپنی جھوک کو عارضی طور پر تسکین دینے کی خاطر پہلو ہٹھا ہونے کا حق برمی خوشی سے داؤ پر لگا دیا۔

۱۷: ۱۲۔ بعد میں عیسو کو بڑے بیٹے کا دوگنا حصہ کھودینے کا بہت افسوس ہوا لیکن اب وقت گزر چکا تھا۔ اُس کا باپ برکت کو بدل نہیں سکتا تھا۔

یہی حال ایک مُرتد کا ہے۔ اُس کے نزدیک روحانیت کی کوئی قدر نہیں ہوتی۔ وہ بے عزتی، دکھ یا شہادت سے بچنے کے لئے مسیح کا انکار کر دیتا ہے۔ اسے توبہ کے لئے نیا نہیں بنایا جاسکتا۔ ممکن ہے وہاں افسوس تو ہو لیکن حقیقی توبہ نہیں ہوتی۔

۱۸: ۱۲۔ وہ لوگ جو شریعت کی طرف واپس جانا چاہتے ہیں انہیں اُن خوفناک حالات کو یاد رکھنا چاہئے جو شریعت دیتے وقت ہمیشہ آئے تھے اور اُن سے روحانی سبق سیکھنا چاہئے۔ منظر کو دیکھنا تھا جیسے چھوٹا ممکن تھا اور جو ”آگ“ سے جلتا تھا۔ وہ کالی گھٹاں چھپا ہوا تھا جس کی وجہ سے ہر شے غیر واضح، مبہم اور دُھندلی نظر آتی تھی۔ ایک زبردست طوفان اُس کے چوگرد تھا۔

۱۹: ۱۲۔ ان فطری حالات کے علاوہ، ایک خوفناک فوق الفطرت ماحول بھی تھا۔ ”نرسنگے“ کا بے حد شور تھا اور ایک آواز بڑے زور سے گرجی کہ لوگوں نے اُسے بند کرنے کی درخواست کی۔

۲۰: ۱۲۔ وہ اس الہی فرمان کے باعث سخت گھبرائے کہ اگر کوئی جانور بھی اُس پہلو کو چھوئے تو سنگسار کیا جائے۔ وہ جانتے کہ اگر اس کا مطلب ایک گونگے اور نابینا سمجھ جانور کے لئے موت ہے تو یقیناً اُس کا مطلب اُن کے لئے جو انتباہ کو سمجھتے ہیں کتنی زیادہ موت ہوگا۔

۲۱: ۱۲۔ مکمل منظر ایسا ”ڈراؤنا“ تھا کہ ”موسیٰ“ خود ”کا پتا“ تھا۔ یہ سب برمی فصاحت سے فطرت اور شریعت کی خدمت کے بارے میں بیان کرتا ہے۔ یہ خدا کے راست تقاضوں کا انکشاف اور گناہ کے خلاف اُس کا غضب ہے۔ شریعت کا مقصد نجات کا علم دینا تھا بلکہ گناہ کا علم پیدا کرنا تھا۔ یہ گناہ کے باعث خدا اور انسان کے درمیان فاصلے کو میان کرتی ہے۔ یہ مجرم ٹھہرانے، تادیبی اور اندھیرے کی خدمت ہے۔

۲۲: ۱۲۔ ایمان دار کو یہ سینا کی دہشت کے پاس نہیں آئے جس کے نزدیک جانا منع تھا بلکہ

نفل کے خیر مقدم کے پاس۔

”ہم اٹھوئی طور پر پہلے ہی وہاں آگئے ہیں جہاں درحقیقت ہم ہمیشہ کے لئے ہوں گے۔ ہمارا مستقبل پہلے ہی حال بن چکا ہے۔ ہمارے آج میں ہمارا کل ہے۔ ہم زمین پر آسمان رکھتے ہیں۔“

ہم زمین پر چھوٹنے والے پہاڑ کے پاس نہیں آتے۔ ہمارا حق یہ ہے کہ ہم آسمانی مقدس میں داخل ہوں۔ ہم اقرار، حمد و تعریف اور دعائیں خدا کے پاس جاتے ہیں۔ ہم سال کے ایک دن تک محدود نہیں ہیں بلکہ ہم یہ جانتے ہوئے کسی وقت بھی پاک ترین مقام میں داخل ہو سکتے ہیں کہ ہمیں ہمیشہ خوش آمدید کہا جائے گا۔ خدا اب یہ نہیں کہتا کہ ”دور کھڑے رہو“ بلکہ یہ کہتا ہے کہ ”اعتماد کے ساتھ نزدیک آؤ۔“

شریعت کا کوہ سینا ہے لیکن ایمان کا صیون کا پہاڑ ہے۔ یہ آسمانی پہاڑ، فضل کی برکات کا نشان ہے یعنی یسوع مسیح کے نجات بخش کام کے وسیلہ سے سب کچھ ہمارا ہے۔ شریعت کا زمینی یروشلیم ہے لیکن ایمان کا آسمانی دار الحکومت اوپر ہے۔ ”زندہ خدا کا شہر“ آسمان میں ہے، ایک ایسا شہر جس کی بنیادیں ہیں اور جس کا معمار خدا ہے۔

جب ہم خدا کی حضوری میں داخل ہوتے ہیں تو ہمیں ایک زبردست بھیر گھیر لینی ہے۔ سب سے پہلے لاکھوں ”فرشتے“ ہوتے ہیں جو اگرچہ گناہ سے آلودہ نہیں ہیں، تاہم وہ ہم میں شامل نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ اس خوشی سے آگاہ نہیں ہوتے جو ہماری نجات لاتی ہے۔

۲۲:۱۲۔ پھر ہم ”اُن پہلوٹھوں کی عام جماعت“ کے ساتھ ہوتے ہیں جن کے نام آسمان پر لکھے ہیں۔ یہ ”کلیسیا“ کے ممبر ہیں جو مسیح کا بدن اور دِل ہیں۔ وہ پینٹکسٹ کے وقت سے کمرچکے ہیں اور اب خداوند کی حضوری سے نطف اندوز ہو رہے ہیں۔ وہ اس دن کے انتظار میں ہیں جبکہ اُن کے بدن قبر سے جلالی صورت میں نئی اٹھیں گے اور پھر اپنی رُوحوں کے ساتھ مل جائیں گے۔

ایمان ہی سے ہم ”سب کے مُنصف خدا“ کو دیکھتے ہیں۔ اب تاریکی اور اندھیرا اُسے چھپا ہے جوئے نہیں ہے۔ ایمان کی آنکھ کے نزدیک اُس کا جلال بے حد ہے۔

عمرِ عتیق کے مقدسین یعنی ”کامل کئے ہوئے راست بازوں کی رُوحیں“ وہاں ہیں۔ وہ ایمان سے راست باز ٹھہرے۔ وہ بے عیب پاکیزگی میں کھڑے ہیں کیونکہ مسیح کی راست بازی اُن کو منسوب کی گئی ہے۔ وہ بھی اس انتظار میں ہیں کہ قبر اپنے قیدیوں سے دستبردار ہو جائے اور انہیں بھی جلالی بدن ملے۔

۲۴:۱۲۔ ”یسوع“ وہاں ہے جو ”نئے عہد کا درمیانی“ ہے۔ پُرانے عہد کے درمیانی موسیٰ میں

اور نئے درمیانی یسوع“ میں فرق ہے۔ موسیٰ محض اس لئے درمیانی تھا کہ اُس کو خدا کی طرف سے شریعت ملی اور اُس نے اُسے آگے بنی اسرائیل کو پہنچا دیا۔ وہ درمیانی یا لوگوں کا نمائندہ تھا جس نے قربانیوں کے ذریعہ عہد کی توثیق کی۔

مسیح کہیں زیادہ گہرے معنوں میں ”نئے عہد کا درمیانی“ ہے۔ اس سے پیشتر کہ خدا راستی سے عہد باندھ سکتا، خداوند یسوع کو مرنا پڑا۔ اُسے اپنے ہی خون سے عہد پر مہر کرنی پڑی اور اُس نے اپنے آپ کو بہتیریوں کے فدیہ کے لئے دے دیا (۱- تیمتیس ۶: ۲)۔

اُس نے اپنی موت کے ذریعہ نئے عہد کی برکات کو اپنے لوگوں تک پہنچا دیا۔ وہ اپنی دائمی زندگی سے ان برکات کی ضمانت دیتا ہے۔ اور اب وہ خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھ کر اپنی موجودہ خدمت کے باعث اپنے لوگوں کو ایک مخالف دنیا میں ان برکات سے لطف اندوز ہونے دیتا ہے۔ یہ سب اُس کے درمیانی ہونے کی خدمت میں شامل ہے۔

اب خداوند یسوع نجات دہندہ کے طور پر خدا کے دہنے ہاتھ سرفراز ہے۔
پھر چھڑکاؤ کا وہ خون ہے جو بابل کے خون کی نسبت بہتر باتیں کہتا ہے۔ جب یسوع آسمان پر گیا تو اُس نے خدا کو اُس ”خون“ کو جو اُس نے کلوسی پر بہایا پیش کیا۔ ایسا کوئی ارشاد نہیں ملتا کہ وہ خون کو حقیقتاً آسمان میں لے گیا بلکہ اپنی قربانی کے روحانی فوائد۔
اُس کے قیمتی خون“ کا مقابلہ ”بابل“ کے خون سے کیا گیا ہے۔ خواہ ہم اس خون کو بابل کی قربانی کا خون سمجھیں یا اُس کا اپنا جو قانون نے بہایا تھا، تو بھی یہ درست ہے کہ مسیح کا خون زیادہ پُر فضل طریقے سے بات کرتا ہے۔ بابل کی قربانی کا خون کہتا تھا ”عارضی طور پر ڈھانپ دیا۔“ مسیح کا خون کہتا ہے ”ہمیشہ کے لئے معاف کر دیا۔“ بابل کا اپنا خون پکارتا تھا ”انتقام۔ انتقام۔“ مسیح کا خون کہتا ہے ”مغافی، رحم اور سلامتی۔“

۲۵: ۱۲۔ باب ۱۲ کی اختتامی آیات میں خدا کے کوہ سینا پر مکاشفہ کا مقابلہ مسیح میں اور اُس کے وسیلہ سے مکاشفہ کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مسیحی ایمان کے لائانی حقوق اور جلال کو حقیر نہیں جاننا چاہئے۔ خدا کلام کر رہا، دعوت دے رہا اور اظہارِ محبت کر رہا ہے۔ اس کا ”انکار“ کر کے بچ نہیں سکتے۔

وہ لوگ جو خدا کی آواز کی جس طرح کہ شریعت میں سنائی دیتی تھی فرمانبرداری نہیں کرتے تھے تو ان کو اُس کے مطابق سزا دی جاتی تھی۔ جب حق بڑا ہوتا ہے تو ذمہ داری بھی بڑی

ہوتی ہے۔ خدا نے مسیح میں اپنا بہترین اور آخری مکاشفہ دیا ہے۔ اب وہ لوگ جو اُس کی آواز کو جو خوشخبری میں "آسمان" سے سنائی دیتی ہے رد کرتے ہیں، اُن کی نسبت زیادہ ذمہ دار ہیں جو شریعت کو توڑتے تھے۔ اُن کا "بیچ" نہ کھانا ناممکن ہے۔

۲۶:۱۲۔ کوہ سینا پر خدا کی آواز زلزلہ کا سبب بنی۔ لیکن جب وہ مستقبل میں کلام کرے گا تو اُس کی آواز سے آسمان میں زلزلہ آجائے گا۔ بنیادی طور پر اس کی پیشین گوئی مجس نبی نے کی تھی "میں تھوڑی دیر میں پھر ایک بار آسمان و زمین اور بحر و بر کو ہلا دوں گا" (عجی ۶:۲)۔

یہ ہلا دینا مسیح کے بادلوں پر آنے اور اُس کی بادشاہی کے اقتدار کے درمیانی عرصے میں وقوع میں آئے گا۔ مسیح کے حکومت کرنے کے لئے آنے سے پیشتر زمین پر اور آسمان پر فطرت میں سخت ارتعاش پیدا ہوگا۔ اجرام فلکی اپنے مدار سے ہٹا دئے جائیں گے جس کے سبب سے سمندر میں بھرکتی اور گہر جتنی لہریں اٹھنے لگیں گی۔ پھر مسیح کی ہزار سال حکومت کے آخر میں زمین اور ستاروں بھرا آسمان سخت تپش سے برباد کر دئے جائیں گے (۲۔ پطرس ۱۰:۳-۱۲)۔

۲۷:۱۲۔ جب خدا نے کہا "ایک بار پھر" تو وہ جانتا تھا کہ یہ آسمان اور زمین ہمیشہ کے لئے "نیل" جائیں گے۔ یہ واقعہ اس دم کو ختم کر دے گا کہ جن چیزوں کو دیکھ سکتے، چھو سکتے اور کام میں لا سکتے ہیں وہ حقیقی ہیں جبکہ اندیکھی چیزیں غیر حقیقی ہیں۔ جب خدا چھاننے اور چھٹکنے اور ہلانے کے کام کو ختم کرے گا تو صرف وہی جو حقیقی ہے "قائم" رہے گا۔

۲۸:۱۲۔ وہ لوگ جو یہودیت کی ظاہری اور دیدنی رسومات میں مگن تھے وہ ایسی چیزوں سے چھٹے ہوئے تھے جو ہلا دی جائیں گی۔ حقیقی ایمان داروں کے پاس ایسی "بادشاہی" ہے جو چٹنے کی نہیں۔ یہ ہمیں اور بھی سرگرمی سے عبادت و پرستش کے لئے ابھارتا ہے۔ ہمیں اُس کی حمد و تعریف بڑا نافع "تہذیبی" اور خوف کے ساتھ کرتے رہنا چاہئے۔

۲۹:۱۲۔ وہ لوگ جو خدائی سینے سے اُن کے لئے وہ "بھسم کرنے والی آگ" ہے۔ لیکن جو اُس کے ہیں اُن کے دلوں میں بھی اُس کی عظیم پاکیزگی اور راست بازی سے اُس کی گہری عزت اور احترام پیدا ہونا چاہئے۔

د۔ مختلف مسیحی فضائل کے بارے میں نصیحت (۱۰:۱۳-۱۷)

۱۰:۱۳۔ عبرانیوں کے خط کے عملی حصہ میں اب فضائل کے بارے میں پچھ نصیحتیں آتی ہیں۔ سب

سے پہلی غمخیزی اپنے بھائیوں سے ”محبت“ ہے۔ ہم تمام حقیقی مسیحیوں کے ساتھ ایسے تعلقات رکھیں گویا کہ ایک خاندان ہیں اور اس قریبی تعلق کا اظہار پُر محبت الفاظ اور کاموں سے کریں (۱- یوحنا ۳: ۱۸)۔

۱۳: ۲۔ یہاں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہم غیروں کی بھی جہان داری کریں۔ ممکن ہے اس کا اشارہ بنیادی طور پر اُن ایمان داروں کی طرف ہو جو ایذا رسانی کے باعث بھاگ رہے تھے اور اُنہیں خوراک اور رہائش تلاش کرنے میں سخت مشکلات کا سامنا تھا کیونکہ اگر کوئی اُن کی جہان داری کرتا تو خطرہ مول لیتا۔ ان آیات کو کسی بھی ضرورت مند ایمان دار کی خاطر تو موقع کرنے کے لئے عام حوصلہ افزائی سمجھنا چاہئے۔

پھر اس بات کا بھی سنسنی خیز امکان ہے کہ ایسا کرتے ہوئے ہوسکتا ہے کہ ہم بے خبری میں ”فرشتوں“ کی جہان داری کریں۔ اس کا اشارہ درحقیقت ابراہام کے تجربہ کی طرف ہے جس نے تین آدمیوں کی جو درحقیقت فرشتے تھے خاطر تواضع کی تھی (پیدائش ۱۸: ۱-۱۵)۔ اگر حقیقی فرشتہ نہ بھی ہو تو بھی ایسے لوگ ہو سکتے ہیں جن کی موجودگی برکت کا باعث ہو اور جن کا خدا پرستانہ اثر ہمارے خاندان کے لئے ابدی فوائد کا حامل ہو۔

۱۳: ۳۔ تیسری نصیحت ایمان دار قیدیوں کی خبر گیری کرنے کے بارے میں ہے۔ اس کا یقیناً اشارہ اُن کی طرف ہے جو مسیح کی گواہی دینے کے باعث قید تھے۔ اُن کو خوراک، گرم کپڑوں، لکھنے پڑھنے کے سامان اور حوصلہ افزائی کی ضرورت تھی۔ دوسرے ایمان داروں کے لئے آزمائش تھی کہ وہ اُن قیدیوں کے ساتھ میل جول نہ رکھنے سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش میں خطرے سے محفوظ رہیں۔ اُنہیں ”یاد“ رکھنا چاہئے کہ قیدیوں سے ملاقات کرنا مسیح سے ملاقات کرنا ہے۔

اُن لوگوں سے محبت کا سلوک کرنا چاہئے جن کے ساتھ بدسلوکی کی جاتی ہے۔ اس کا اشارہ پھر مظلوم مسیحیوں کی طرف ہے۔ اس محبت کی وجہ سے جو خطرہ پیدا ہو سکتا ہے، قارئین کو اسے مول لینے کو تیار ہونا چاہئے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ ہم بھی جسم رکھتے ہیں، اس لئے ہم پر بھی ایسی مصیبت آ سکتی ہے۔

۱۳: ۴۔ ”بیابان“ تمام لوگوں میں عزت کی بات سمجھی جائے۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ اس جہان میں گناہ داخل ہونے سے پیشتر خدا نے شادی کو مقرر کیا تھا اور کہ یہ بنی آدم کے لئے خدا کی پاک مرضی ہے۔

لے خیال ہے کہ ان تینوں میں سے ایک اپنے تجسم سے پہلے خداوند کا فرشتہ یعنی المسیح تھا۔

شادی شدہ لوگوں کو اس عہد و پیمان پر قائم رہنا چاہئے جو انہوں نے نکاح کے وقت کیا تھا تاکہ ”بستر بے داغ رہے“۔ حرام کاری ایسا گناہ ہے جس کی ”خُدا ضرور عدالت“ کرے گا۔ کسی بھی قسم کی حرام کاری بچ نہیں سکتی۔ وہ اس کی عدالت جسمانی بیماریوں، خاندانوں میں جدائی، ذہنی اور اعصابی تکلیفوں اور شخصیت میں بگاڑ کے ذریعہ کرتا ہے۔ اگر اس کی معافی مسیح کے خون سے نہ ہو تو اس کی سزا ابدی ہلاکت ہوگی۔

۱۳:۵۔ چھٹی خوبی جو ہم میں چونی چاہئے وہ قناعت ہے۔ یاد رہے کہ یہودیت کے پیروکار ہمیشہ یہ کہتے تھے کہ ”ہمارے پاس خیمہ اجتماع ہے۔ ہمارے پاس کہانت ہے۔ ہمارے پاس قربانیاں ہیں۔ ہمارے پاس خوبصورت رسومات ہیں۔ تمہارے پاس کیا ہے؟“ یہاں مصنف مسیحیوں سے کہتا ہے: ”زر کی دوستی سے خالی رہو اور جو تمہارے پاس ہے اسی پر قناعت کرو“۔ میں یہ کہتا ہوں کہ جو کچھ مسیحیوں کے پاس ہے وہ یہودیت کی بہترین شے سے بھی کہیں قیمتی ہے۔ وہ کیوں نہ ”قناعت“ کریں؟ اُن کے پاس مسیح ہے اور یہ کافی ہے۔

ایمان دار کے لئے زر کی دوستی ایک بڑی رکاوٹ بن سکتی ہے۔ جس طرح ایک چھوٹا سکہ آنکھ کے آگے رکھنے سے وہ سورج اور آنکھ کے درمیان آجاتا ہے، اسی طرح ”زر کی دوستی“ خدا کے ساتھ رفاقت توڑ دیتی ہے اور روحانی ترقی میں رکاوٹ بن جاتی ہے۔

سب سے بڑی دولت مسیح کو حاصل کرنے سے ملتی ہے جس نے وعدہ کیا ہے کہ ”میں تمہارے ہرگز دستبردار نہ ہوں گا اور کبھی تمہے نہ چھوڑوں گا“۔ یونانی میں کسی بات کا سختی سے انکار کرنے کے لئے دو مرتبہ حرف نفی استعمال کیا جاتا ہے۔ اس آیت کے الفاظ بڑے زور دار ہیں۔ اس میں پانچ حرف نفی آئے ہیں جو یہ ظاہر کرتے ہیں کہ مسیح کے لئے اپنوں کو چھوڑنا ناممکن ہے۔

۱۳:۶۔ زبور ۱۱۸:۶ کے الفاظ اُس شخص کا جس کے پاس مسیح ہے پُر اعتماد اقرار ہے: ”مخداوند میرا مددگار ہے۔ میں خوف نہ کروں گا۔ انسان میرا کیا کرے گا؟“ حقیقت یہ ہے کہ ہمیں مسیح میں مکمل تحفظ اور مکمل سلامتی حاصل ہے۔

۱۳:۷۔ قارئین کو ہدایت کی گئی ہے کہ اپنے پیشواؤں کو، اپنے مسیحی اُستادوں کو ”یاد رکھیں کہ جنہوں نے انہیں ”خدا کا کلام“ سنایا تھا۔ اُن کی ”زندگی کا انجام“ کیا نکلا؟ وہ پرانی کہانت کے نظام کی طرف واپس نہیں گئے بلکہ مضبوطی سے آخر تک اپنے اقرار پر قائم رہے۔ ممکن ہے اُن میں سے بعض کو مسیح کی خاطر جام شہادت بھی نوش کرنا پڑا ہو! ہمیں اُن کے ایمان کی پیروی کرنی چاہئے کیونکہ

اُن کا ایمان ایسا ہے جو مسیح اور مسیحی تعلیمات سے چمٹا ہوا ہے اور جو زندگی کے ہر کام میں مسیح کو شامل رکھتا ہے۔ ہم سب کو ایک سہی خدمت کے لئے تو نہیں بلایا گیا لیکن سب کو ایمان کی زندگی کے لئے بلایا گیا ہے۔

۸:۱۳۔ اس آیت کا آیت ۷ سے تعلق صاف نہیں ہے۔ شاید اچھا ہو کہ اُسے اُن پیشواؤں کی تعلیم، منزل اور ایمان کا خلاصہ سمجھا جائے۔ اُن کی تعلیم کا بخوڑ یہ تھا کہ ”یسوع مسیح کل اور آج بلکہ ابد تک یکساں ہے۔“ اُن کی زندگی کی منزل مسیح تھا جو کل اور آج بلکہ ابد تک یکساں ہے۔ اُن کے ایمان کی بنیاد یہ تھی کہ ”یسوع“ ہی ”مسیح“ (المسیح) ہے جو آج اور کل بلکہ ابد تک یکساں ہے۔“

۹:۱۲۔ یہاں شریعت پرستی سے خبردار کیا گیا ہے۔ یہودیت کے پیروکار اصرار کرتے تھے کہ پاکیزگی کا تعلق خارجی باتوں مثلاً روضات اور پاک کھانوں وغیرہ سے ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ پاکیزگی فضل کی پیداوار ہے نہ کہ شریعت کی۔ پاک اور ناپاک کھانوں کی شریعت کا مقصد رسمی پاکیزگی پیدا کرنا تھا۔ لیکن باطنی پاکیزگی اور چیز ہے۔ ایک شخص رسمی طور پر پاک ہونے کے باوجود بھی نفرت اور ریاکاری سے بھرا ہوا ہو سکتا ہے۔ صرف خدا کا فضل ہی ایمان داروں کو پاک زندگی بسر کرنے پر ابھارتا اور قوت دیتا ہے۔ نجات دہندہ کے لئے ہماری محبت ہمیں ترغیب دیتی ہے کہ ہم ”پرہیزگاری اور راست بازی اور دینداری کے ساتھ زندگی گزاریں“ (طس ۱۲:۲)۔ بالآخر کھانے پینے کے بارے میں لاتعداد قواعد نے اُن کے ماننے والوں کو کوئی فائدہ نہیں پہنچایا۔

۱۰:۱۳۔ ”ہماری ایسی قربان گاہ ہے۔“ یہ یہودیت کے پیروکاروں کے طعن کا مسیحیوں کا پورا اعتماد جواب ہیں۔ ہماری ”قربان گاہ“ مسیح ہے، لہذا اس میں وہ تمام برکات شامل ہیں جو ہمیں مسیح میں ملتی ہیں۔ وہ لوگ جن کا کہنا نئی نظام سے تعلق ہے انہیں مسیحیت کی بہتر چیزوں میں سے ”کھانے کا اعتنا نہیں۔“ ضروری ہے کہ وہ پہلے اپنے گناہوں سے توبہ کریں اور یسوع مسیح پر بطور واحد خداوند اور نجات دہندہ ایمان لائیں۔

۱۱:۱۳۔ قربانیوں کے نظام کے تحت خاص ”جانور“ ذبح کئے جاتے اور اُن کا ٹخن ”سرور کار بن پاک مکان میں گناہ“ کی قربانی کے طور پر لے جاتا۔ اور ”اُن کے جسم“ خیمہ گاہ سے دُور لے جا کر جلا دئے جاتے۔ ”خیمہ گاہ کے باہر“ کا مطلب ہے اُس پردے کے باہر جو خیمہ اجتماع کے صحن کا احاطہ کر رہا تھا۔ ۱۲:۱۳۔ وہ جانور جو خیمہ گاہ کے باہر جلائے جاتے تھے وہ مثیل تھے جبکہ خداوند ”یسوع“ اصل تھا۔ ”یسوع“ یروشلیم کے باہر ”مصلوب“ کیا گیا۔ یہ منظم یہودیت کے خیمہ گاہ سے باہر تھا جہاں اُس نے

لوگوں کو اپنے خون سے پاک کیا۔

۱۳:۱۳۔ اس خط کے ابتدائی قارئین کے لئے اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ یہودیت سے قطعی طور پر رشتہ توڑ لیں۔ وہ ہیکل کی قربانیوں کی طرف سے ہمیشہ کے لئے بیٹھ پھیر لیں، اور مسیح کے تکمیل شدہ کام کو وافر قربانی کے طور پر قبول کر لیں۔

آج کل ”خیمہ گاہ“ وہ مذہبی نظام ہے جو یہ سکھاتا ہے کہ نجات کاموں سے، مکرانہ سے، رسومات سے یا مذہبی ضابطوں پر عمل کرنے سے ہے۔ یہ بگڑی ہوئی مسیحیت ہے اور ایک ایسی کلیسیا جس میں مسیح نہیں ہے۔ خداوند یسوع باہر ہے اور ہمیں ”اُس کی ذلت کو اپنے اوپر لئے ہوئے“ اُس کے پاس جانا چاہئے۔

۱۳:۱۴۔ یہروشلیم اُن کو جو ہیکل میں خدمت کرتے تھے بڑا عزیز تھا۔ یہ اُن کے ”خیمہ گاہ“ کا بھڑائی مرکز تھا۔ مسیحیوں کا زمین پر ایسا کوئی شہر نہیں ہے۔ اُن کا دل آسمانی شہر یعنی نئے یہروشلیم پر لگا ہوا ہے جہاں برہ ہی سب کچھ ہے۔

۱۵:۱۳۔ نئے عہد میں تمام ایمان دار کاہن ہیں۔ وہ مقدّس کاہن ہیں جو خدا کی پرستش کے لئے مقدّس میں جاتے ہیں (۱۔ پطرس ۲: ۵) اور وہ شاہی کاہن ہیں جو یسوع کی گواہی دینے کے لئے دنیا میں جاتے ہیں (۱۔ پطرس ۲: ۹)۔ کم از کم تین قربانیاں ایسی ہیں جو ایک ایمان دار کاہن گزارتا ہے۔ پہلی اُس کی اپنی شخصیت کی قربانی ہے (رومیوں ۱۱: ۱۲)۔ پھر یہاں آیت ۱۵ میں دوسری ہے: ”جھک کر قربانی“۔ یہ ”خدا“ کو مسیح خداوند کی وساطت سے پیش کی جاتی ہے۔ ہماری تمام حمد اور دُعائیں مسیح کے وسیلہ سے خدا باپ کے پاس پہنچتی ہیں۔ ہمارا بڑا سردار کاہن اُس میں سے تمام ناپاکی اور ناکامی کو نکال دیتا اور اپنی خوبیاں اُس میں شامل کر دیتا ہے۔

”حمد کی قربانی“ اُن ”ہونٹوں کا پھل“ ہے جو اُس کے نام کا اقرار کرتے ہیں۔ خدا صرف اُسی پرستش کو قبول کرتا ہے جو مخلصی یافتہ ہونٹوں سے نکلتی ہے۔

۱۶:۱۳۔ تیسری، اپنے مال و املاک کی قربانی ہے۔ ہمیں اپنے مادی ذرائع کو ”بھلائی“ اور ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔ ”ایسی زندگی بسر کرنے سے خدا خوش ہوتا ہے“۔ یہ اپنے لئے مال جمع کرنے کے برعکس ہے۔

۱۷:۱۳۔ آیات ۷ اور ۸ میں قارئین کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ اپنے اُن پیشواؤں کو جو گڑبگڑ میں یاد رکھیں۔ اب یہ ہدایت دی جاتی ہے کہ وہ اپنے موجودہ پیشواؤں کے ”فرمانبردار“ رہیں۔

غالباً اس کا اشارہ بنیادی طور پر مقامی کلیسیا کے ایلمنٹوں کی طرف ہے۔ یہ لوگ کلیسیا میں خدا کے نمائندہ کے طور پر خدمت کرتے ہیں۔ اُن کو اختیار دیا گیا ہے اور ایمان دار اُس اختیار کے ”فرمانبردار“ رہیں۔ ایک چوپان کی طرح وہ گٹے کی ”روحوں“ کے فائدے کے لئے ”جاگتے“ رہتے ہیں۔ اس کا اُنہیں آنے والے دن میں ”حساب دینا پڑے گا“۔ اس کا دارومدار اُن کے گٹے کی روحانی ترقی پر ہے کہ وہ یہ حساب خوشی سے دیں گے یا رنجیدہ ہو کر۔ اگر وہ رنجیدہ ہو کر دیں گے تو اس کا مطلب ہے کہ یہ ایمان دار اپنا اجر کھو دیں گے۔

۴۔ اختتامی برکات

(۲۵-۱۸:۱۳)

۱۸:۱۳۔ اب جبکہ مصنف اختتام کی طرف بڑھ رہا ہے تو وہ دعا کے لئے ذاتی اپیل کرتا ہے۔ باقی آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ لوگ اُس پر تنقید کر رہے تھے۔ ہم اندازہ لگا سکتے ہیں یہ کون تھے۔ یہ وہ تھے جو لوگوں کو پُرانے عہد کی کمانت کو دوبارہ اختیار کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ وہ احتجاج کرتا ہے۔ اگرچہ اُس پر الزامات لگائے جا رہے ہیں، تاہم اُس کا ”دل صاف“ ہے اور اُس کی خواہش پاک۔

۱۹:۱۳۔ دعا کی درخواست کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ ”جلد“ اُن کے پاس ”پھرا“ سکے۔ غالباً اس کا اشارہ قید سے رہائی کی طرف ہے۔ اس بات کا ہم صرف اندازہ ہی لگا سکتے ہیں۔ ۲۰:۱۳۔ اس کے بعد وہ نہایت خوبصورت کلمات برکت کا اضافہ کرتا ہے۔ یہ گنتی ۶:۲۴-۲۶؛ ۲-۲ کرنتھیوں ۱۳:۱۴ اور یہوداہ آیات ۲۴، ۲۵ میں بھی موجود ہیں۔ ان میں ”اطمینان“ کے ”خدا“ کو مخاطب کیا گیا ہے۔ جیسے کہ پہلے بتایا گیا ہے، عہد عتیق کے مقدسین کو کبھی بھی مکمل دلی اطمینان حاصل نہ ہوا تھا۔ لیکن نئے عہد کے تحت ہماری خدا کے ساتھ صلح ہے (رومیوں ۱:۵) اور ہمارے پاس خدا کا اطمینان ہے (فلپیوں ۴:۳)۔ آیت یہ بھی بتاتی ہے کہ یہ اطمینان مسیح کے نجات کے کام کا پھل ہے۔ خدا نے ”ہمارے خداوند یسوع کو“ ”مردوں“ میں سے زندہ کیا تاکہ ظاہر ہو کہ صلیب پر اُس کے کام نے گناہ کے سوال کو ہمیشہ کے لئے حل کر دیا ہے۔

مسیح نے ایک اچھے چرواہے کے طور پر اپنی بھیڑوں کے لئے اپنی جان دی (یوحنا ۱۰:۱۱)۔ بڑے چرواہے کے طور پر عظمیٰ کا کام پورا کرنے کے بعد وہ مردوں میں سے بھی اُٹھا (عبرانیوں ۲۰:۱۳)۔ بڑے چرواہے کے طور پر وہ اپنے خادموں کو اجر دینے کے لئے پھر آ رہا ہے

(۱- پطرس ۵: ۳)۔ ہم اُسے زبُور ۲۲ میں اچھے چرواہے، زبُور ۲۳ میں بڑے چرواہے اور زبُور ۲۴ میں سردار چرواہے کے طور پر دیکھتے ہیں۔

ابدی عہد کے مطابق اُسے ”مردوں میں سے زندہ“ کیا گیا۔ دوسٹ اس پر یوں لکھتا ہے:

پڑانے عہد کے مقابلے میں جو عارضی نوعیت کا تھا نئے عہد کو ابدی کہا جاتا ہے۔

یہ ابدی عہد کے دائرے میں آتا ہے کہ مسیح کو گنہگار آدمی کے بدلے میں مرنے کے بعد مردوں میں سے زندہ کیا گیا۔ اگر اُسے مردوں میں سے نہ جلا یا جاتا تو وہ ملکِ صدق کے طریق کا سردار کاہن نہ ہو سکتا۔ گنہگار آدمی کو زندہ کاہن کی ضرورت ہے تاکہ وہ ایمان لانے والے گنہگار کو زندگی دے سکے، نہ کہ مردہ کاہن کی کہ وہ محض اُس کے گناہوں کی قیمت ادا کرے۔ یوں نئے عہد میں مقرر کر دیا گیا کہ وہ کاہن جس نے اپنے آپ کو قربانی کے طور پر پیش کر دیا مردوں میں سے زندہ کیا جائے۔

۲۱: ۱۳- آیت ۲۰ میں دُعا شروع ہوئی تھی کہ مقدسوں کو ”ہر نیک بات میں کاہل“ کیا جائے تاکہ وہ خدا کی مرضی پوری کریں۔ یہاں پر خدا اور انسان کا انوکھا ملاپ ہے۔ خدا ہمیں ہر ”نیک بات“ کے لئے کاہل کرتا ہے۔ خدا ہم میں وہ کام کرتا ہے جو اُس کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ تب ہم اُس کی مرضی پوری کرتے ہیں۔ بالفاظِ دیگر وہ ہم میں خواہش پیدا کرتا ہے اور ہمیں اُسے کرنے کی قوت دیتا ہے۔ تب ہم اُسے کرتے ہیں اور وہ ہمیں اجر دیتا ہے۔

دُعا، اس اقرار کے ساتھ ختم ہوتی ہے کہ مسیح ”ابداً لا تمجدی“ کے لائق ہے۔

۲۲: ۱۳- مصنف، آبِ قارین پر زور دیتا ہے کہ وہ اس خط میں مرقوم ”نصیحت“ پر عمل کریں، رومی مذہب کو ترک کریں اور سچے دل کے ساتھ مسیح سے پلٹے رہیں۔

وہ اپنے خط کو مختصر کہتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شرعی نظام اور اُس کی مسیح میں تکمیل کے بارے میں اور بہت لکھ سکتا تھا۔

۲۳: ۱۳- یہاں اس بات کا انکشاف کہ ”ہمارا بھائی تیمتھیس رہا ہو گیا ہے“ بڑت سے لوگوں کے نزدیک اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ خط پولس رسول نے لکھا۔ پھر اس میں مزید اشارہ یہ ہے کہ مصنف اپنے اس ارادہ کو ظاہر کرتا ہے کہ وہ اُس کے ساتھ سفر کرے گا۔ ہو سکتا ہے کہ یہ پولس کی طرف ہی اشارہ ہو۔ لیکن ہم یہ یقین سے نہیں کہہ سکتے، اس لئے اس سوال کو یوں ہی رہنے دینا چاہئے۔

۲۴:۱۳ - سلام تمام مسیحی لیڈروں اور سب مقدسوں کو بھیجا گیا ہے۔ ہمیں اس خط میں مسیحی آداب کی بہت سی باتیں ملتی ہیں جن کی ہمیں اپنی روزمرہ زندگی میں پیروی کرنا چاہئے۔
مُصنّف کے ساتھ ”اطالیہ“ کے بھی کچھ ایمان دار تھے۔ انہوں نے بھی سلام بھیجے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ خط وہاں کے لوگوں کو یا وہاں سے لکھا گیا۔

۲۵:۱۳ - یہ نمائندگی مناسب ہے کہ نئے عہد کے اس خط کا اختتام فضل کے ساتھ کیا جائے :
”تم سب پر فضل ہوتا رہے“۔ نیا عہد مُقت فضل کا غیر مشروط عہد ہے جو خداوند یسوع مسیح کی قربانی کے ذریعہ غیر مستحق گنہگاروں کے لئے خدا کی بے حد مہربانی کو بیان کرتا ہے۔ آمین۔

آج کے لئے عبرانیوں کے خط کا پیغام

کیا عبرانیوں کے خط میں ہم بیسویں صدی کے لوگوں کے لئے بھی پیغام ہے؟ اگرچہ فی زمانہ یہودیت غالب مذہب نہیں ہے جیسی کہ کلیسیا کے ابتدائی زمانہ میں تھی، تاہم اس کی شریعت پرستانہ روح و نیت مسیحیت میں سرایت کئے ہوئے ہے۔

یہ خط ہمیں اُن تمام مذہبی نظاموں سے الگ ہونے کو کہتا ہے جن میں مسیح کو واحد خداوند اور نجات دہندہ نہیں مانا جاتا اور جو اُس کی ایک ہی بار گزرائی گئی قربانی کو نجات کے لئے کافی و دانی نہیں سمجھتے۔
عبرانیوں کا خط ہمیں سکھاتا ہے کہ عہد عتیق کے نظام کی تمام مثالیں اور سائے ہمارے خداوند میں تکمیل پاتے ہیں۔ وہ ہمارا بڑا سردار کاہن ہے۔ وہ ہماری قربانی ہے۔ وہ ہماری قربان گاہ ہے۔ وہ آسمانی مقدس میں خدمت کرتا ہے اور اُس کی کمانت کبھی ختم نہیں ہوگی۔

یہ سکھاتا ہے کہ تمام ایماندار کاہن ہیں اور کہ وہ ایمان کے وسیلہ سے کسی وقت بھی خدا کی حضوری میں جاسکتے ہیں۔ وہ اپنی شخصیت، اپنی تعریف اور اپنی اُملاک کی قربانی چڑھاتے ہیں۔

عبرانیوں کا خط ہمیں سکھاتا ہے کہ ہمارے پاس بہتر عہد، بہتر درمیانی، بہتر اُمید، بہتر وعدے، بہتر گھر، بہتر کہانت اور بہتر میراث ہے۔ یہ ہمیں یقین دلاتا ہے کہ ہمارے پاس ابدی غلصہ، ابدی نجات، ابدی عہد اور ایک ابدی میراث ہے۔

یہ ہمیں بڑی سنجیدگی سے ارتداد کے گناہ کی طرف سے خبردار کرتا ہے۔ اگر ایک شخص مسیحی ہونے کا اقرار کرتا اور مسیحی کلیسیا میں شامل ہوتا ہے لیکن پھر مسیح سے پھر جاتا اور خداوند کے دشمنوں

سے مل جاتا ہے تو پھر ایسے شخص کو توبہ کے لئے نیا بنانا ناممکن ہے۔

عبرانیوں کا خط حقیقی مسیحیوں کی آنکھوں دیکھ بغیر ایمان سے چلنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے کیونکہ یہ وہ زندگی ہے جو مسیح کو خوش کرتی ہے۔ یہ ہماری دکھوں، آزمائشوں اور ایذا رسانی کو مستقل مزاجی سے برداشت کرنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے تاکہ ہم موعودہ آبر کو پالیں۔

عبرانیوں کا خط سکھاتا ہے کہ چونکہ مسیحیوں کو متعدد دشمنانِ حقوق حاصل ہیں اس لئے ان پر خاص ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے۔ مسیح کی برتری، انہیں دُنیا میں سب سے زیادہ مُراعات یافتہ لوگ بنا دیتی ہے۔ اگر وہ اپنے حقوق کو نظر انداز کرتے ہیں تو خداوند مسیح کے تختِ عدالت کے دن نقصان اٹھائیں گے۔ اُن سے شریعت کے ماتحت لوگوں کی نسبت زیادہ توقع کی جاتی ہے اور اُنے ولے دنوں میں اور بھی زیادہ کی جائیگی۔

”اُو اُس کی ذلت کو اپنے اوپر لے ہوئے خیمہ گاہ سے باہر اُس کے پاس چلیں“

(عبرانیوں ۱۳: ۱۳) -

یعقوب کا عام خط تعارف

”یعقوب ایک ایسا مبلغ ہے جو انبیاء کی طرح کلام کرتا ہے ... وہ ایسی زبان میں کلام کرتا ہے جس کے زور کی ابتدائی مسیحی ادب میں (یسوع مسیح کے سوا) کوئی مثال نہیں ملتی۔“ تھیوڈور ڈاہن

۱۔ فہرستِ مسلمہ میں منفرد مقام

مارٹن لوتھر کا یہ فرمان کہ ”یعقوب کا خط بھوسے کا ہے قطعاً غلط ہے۔ اُس زمانے میں مصلحین کی اُن لوگوں سے زبردست لڑائی ہو رہی تھی جو یہ تعلیم دیتے تھے کہ نجات ایمان اور عمل دونوں سے ہے، چنانچہ لوتھر کو یعقوب کی نیک اعمال کی تعلیم کی وجہ سے غلط فہمی ہوئی۔ اس اولین مسیحی خط کے بارے میں صرف اُسے ہی غلطی نہیں لگی۔ بعض نے اس خط کے متعلق کہا کہ یہ صرف اچھے طریقے سے بیان کردہ چند ایک پیروں کا بے ترتیب مجموعہ ہے جن کا آپس میں کوئی تعلق نہیں ہے۔ لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ چھوٹی کتاب نصیحت، آمیز تحریر کا ایک شاہکار ہے۔ یہ کافی حد تک یہودی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ یہاں تک کہ وہ مسیحی جماعت کے لئے یونانی میں ”سناگوگے“ کا لفظ استعمال کرتا ہے (۲:۲)۔ یونانی میں یہ لفظ جماعت کے لئے استعمال ہوتا تھا لیکن جلد ہی یہ یہودی جماعت کے لئے مخصوص لفظ بن گیا۔

یعقوب اپنے پانچ مختصر ابواب میں روحانی سچائی کو بیان کرنے کے لئے تیس مرتبہ فطرت کی مثال دیتا ہے۔ اس سے ہمارے خداوند کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔

یہ ایک عملی خط ہے۔ اس میں چند غیر مقبول موضوعات پر خیال آرائی کی گئی ہے۔ مثلاً اپنی زبان کو قابو میں رکھنا، دولتمندوں کے سامنے جھکنے کا خطرہ، اور اپنی زندگیوں سے یہ ظاہر کرنے کی ضرورت کہ ہمارا ایمان حقیقی ہے۔

۲۔ مصنف

نام ”یعقوب“ یہودیوں میں بہت مقبول تھا۔ سنے عہد نامہ میں اس نام کے چار شخص ملتے ہیں۔ کسی نہ کسی وقت ان میں سے ہر ایک کے متعلق کہا گیا کہ وہی اس خط کا مصنف ہے۔

۱۔ زبدی کا بیٹا اور یوحنا رسول کا بھائی یعقوب رسول (متی ۲۱: ۴)۔ اگر یعقوب رسول اس خط کا مصنف ہوتا تو اتنے عرصہ تک اسے قبول کرنے کے بارے میں کوئی چپکھا ہٹ نہ ہوتی (بچے دیکھئے)۔ پھر یعقوب کو ۳۳ء میں شہید کر دیا گیا تھا اور اس وقت تک غالباً یہ خط تحریر نہیں ہوا تھا۔

۲۔ حلفی کا بیٹا یعقوب (متی ۱۰: ۳)۔ یہ تقریباً گمنام ہے ماسوائے کہ اس کا نام رسولوں کی فہرست میں ہے۔ یہ حقیقت کہ مصنف نے اپنے آپ کو صرف ”یعقوب“ ظاہر کیا اور اس کے ساتھ کوئی امتیازی لقب نہیں لگاتا، ظاہر کرتی ہے کہ وہ خاصا مشہور آدمی تھا۔

۳۔ یوداہ (اسکریوتی نہیں، لوقا ۶: ۱۶) کا باپ یعقوب۔ یہ شخص اور بھی زیادہ گمنام تھا اس لئے آسانی سے رد کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ خداوند یسوع کا سوتیلہ بھائی یعقوب (متی ۱۳: ۵۵؛ لکٹیوں ۱۹: ۱)۔ غالباً یہی اس خط کا مصنف تھا۔ چونکہ وہ مسیح کے ساتھ اپنی جسمانی رشتے داری کا ذکر نہیں کرتا (یہوداہ کے خط کا تعارف بھی دیکھئے) جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ کافی مشہور لیکن فروتن تھا۔ یہی، یروشلم کی کونسل کا صدر تھا اور اپنی موت تک اسی عہدے پر فائز رہا۔ وہ اپنے طور طریقوں اور طرز زندگی میں بڑا کٹر یہودی مسیحی مانا جاتا تھا۔ اس کا اس قسم کا خط لکھنا اس کے بارے میں تاریخ (یوسیفس) اور مسیحی روایت کی گواہی کے عین مطابق ہے۔

خارجی شہادت

یعقوب کے خط کی خارجی شہادت سب سے کمزور ہے کیونکہ آباء کیلیسیا نے اس کی تعریف تو کی لیکن اس کا کوئی حوالہ نہ دیا۔ پھر یہ متروری فہرستِ مسلمہ (عہدِ جدید) میں بھی شامل نہیں۔ غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ یروشلم سے مشرقی یہودیوں کو لکھا گیا تھا اور بعض کو ایسا نظر آتا تھا کہ وہ ایمان سے راست باز ٹھہرنے پر کوشش کی تردید کرتا تھا۔ تاہم یعقوب کے خط کا حالہ یروشلم کے قورلوس، نزیانز کے گرگوری، اثناسیوس اور جیروم نے دیا ہے۔ یوسیبیوس ہمیں بتاتا ہے کہ بعض مسیحی سمجھتے تھے کہ یہ

خط الہامی نہیں ہے لیکن وہ خود اسے پاک نوشتوں میں شمار کرتا ہے۔

داخلی شہادت

یعقوب کے خط کی داخلی شہادت بڑی مضبوط ہے۔ اعمال اور کلمتوں کے نام خط میں ہمیں جو یعقوب کے بارے میں معلوم ہے اس خط کے اندراجات اس سے میل کھاتے ہیں۔ نیز دیگر ذرائع سے ہم جو پرانگی کی تاریخ کے بارے میں جانتے ہیں یہ اس سے مطابقت رکھتا ہے۔ اس قسم کی کتاب گھڑنے کی کوئی وجہ دکھائی نہیں دیتی۔ اس کی بنیادی تعلیم میں بھی کوئی اضافہ نظر نہیں آتا (جیسے کہ دوسری صدی عیسوی میں جعل سازی کی جاتی تھی)۔ یہودی مورخ یوسفس بتاتا ہے کہ یعقوب، یہودیوں میں شریعت کا بڑا کسٹر پیر و کار مانا جاتا تھا لیکن جب مسیح کی منادی کرنے پر پابندی لگائی گئی تو اسے مسیح کی گواہی دینے کی وجہ سے شہید کر دیا گیا۔ وہ کہتا ہے کہ یعقوب کو سردار کاہن خنیاہ کے حکم سے سنگسار کیا گیا۔ یوسیبس کہتا ہے کہ اسے ہیکل کے کنگرے سے نیچے گرا دیا گیا اور آخر میں ٹنڈوں سے ہلاک کیا گیا۔ یگسپس ان دونوں روایات کی تصدیق کرتا ہے۔

یہ دلیل کہ یعقوب کے خط کا یونانی طرز ایک فلسطینی یہودی کے لئے ناقابل تصور ہے ظاہر کرتی ہے کہ ایسے لوگ خدا کے برگزیدہ لوگوں کی حیران کن ذہانت سے آگاہ نہیں ہیں۔

۳۔ تاریخ تصنیف

یوسفس کہتا ہے کہ یعقوب کو ۶۲ء میں شہید کیا گیا، اس لئے یہ اس سے پہلے کا ہے۔ چونکہ اس خط میں یروشلیم کی کنسل کی میٹنگ کا کوئی ذکر نہیں ملتا (۷۰ء یا ۷۱ء) جس کا صدر خود یعقوب تھا (اعمال باب ۱۵) اور جس میں شریعت کے بارے میں فیصلہ کیا گیا اس لئے اس کی تاریخ تصنیف عام طور پر ۶۵ء اور ۶۸ء کے درمیان مانی جاتی ہے۔

۴۔ پس منظر اور مضامین

مگر یہ نئے عہد نامہ کی پہلی کتاب ہو، چنانچہ اس میں بہت زیادہ یہودی رنگ پایا جاتا ہے۔ ہمیں اس کی تعلیم کو کسی اور زمانہ پر چسپاں نہیں کرنا چاہئے۔ اس کی تعلیم کا اطلاق اس زمانہ میں ہم پر بھی ہوتا ہے اور اس کی سخت ضرورت بھی ہے۔

یعقوب پہاڑی وعظ میں خداوند یسوع کی تعلیمات پر بہت زیادہ انحصار کرتا ہے۔ اس کو درج ذیل موازنہ سے بخوبی دیکھا جاسکتا ہے :

مضمون	یعقوب	پہاڑی وعظ
۱- مصیبت میں پڑنا	۱۰:۵؛ ۱۲:۲:۱	متی ۵:۱-۱۲
۲- دعا	۱۸-۱۳:۵؛ ۳:۳؛ ۵:۱	متی ۶:۱۳-۷:۷؛ ۱۲-۱۳
۳- درست آنکھ	۸:۳؛ ۸:۱	متی ۶:۲۲-۲۳
۴- دولت	۷:۹؛ ۲:۱۱؛ ۱۰:۱	متی ۶:۱۹-۲۴؛ ۲۴-۳۴
۵- غضب	۱:۳؛ ۲۰:۱۹؛ ۱:۱	متی ۵:۲۲
۶- شریعت	۱۳:۱۲؛ ۲:۱۱؛ ۲۵:۱	متی ۵:۱۷-۴۴
۷- محض پیشہ/شغل	۲۷:۲۹؛ ۱	متی ۶:۱-۱۸
۸- شاہی شریعت	۸:۲	متی ۷:۱۲
۹- رحم	۱۳:۲	متی ۷:۵
۱۰- ایمان اور عمل	۲۶-۱۴:۲	متی ۷:۷-۱۵؛ ۲۷
۱۱- جڑ اور پھل	۱۲-۱۱:۳	متی ۷:۷-۱۴؛ ۲۰
۱۲- حقیقی حکمت	۱۳:۳	متی ۷:۷-۲۴
۱۳- صلح کرانے والے	۱۸-۱۷:۳	متی ۵:۹
۱۴- دوسروں پر الزام لگانا	۱۲:۱۱؛ ۴	متی ۷:۱-۵
۱۵- بگڑا مال	۲:۵	متی ۶:۱۹
۱۶- قسم کھانا	۱۲:۵	متی ۵:۳۳-۳۷

اس خط میں شریعت کا بار بار حوالہ دیا گیا ہے۔ اسے ”کامل شریعت“ (۲۵:۱)، ”بادشاہی شریعت“ (۸:۲)، اور ”آزادی کی شریعت“ (۱۲:۲) کہا گیا ہے۔ یعقوب کا خط یہ تعلیم نہیں دیتا کہ اس کے قارئین نجات کے لئے شریعت کے ماتحت ہیں یا شریعت زندگی کا اصول ہے۔ بلکہ وہ لوگ جو فضل کے ماتحت ہیں ان کی ہدایت کے لئے وہ شریعت کے حصوں کو پیش کرتا ہے۔

اس خط میں بہت سی باتیں امثال کی کتاب سے بھی مطابقت رکھتی ہیں۔ امثال کی طرح اس کا طرز بھی کھردرا، شوخ، واضح اور ایسا ہے جس کو بیان کرنا مشکل ہے۔ لفظ ”حکمت“ بار بار استعمال ہوا ہے۔

یَعْقُوب کے خط میں ایک اور کلیدی لفظ ”بھائی“ ہے۔ یہ پندرہ مرتبہ آیا ہے اور یاد دلاتا ہے کہ یَعْقُوب یہ خط ایمان داروں کو لکھ رہا ہے، حالانکہ بعض اوقات ایسا محسوس ہوتا ہے کہ وہ بے ایمانوں سے مخاطب ہے۔

دوسرے مصنفین کی نسبت یَعْقُوب افراط سے ہدایات دیتا ہے۔ ۱۰۸ آیات میں وہ ۵۴ احکامات درج کرتا ہے۔



خاکہ

- ۱- سلام و دُعا (۱:۱)
- ۲- آزمائشیں (۱۷-۲:۱)
- ۳- کلامِ خدا (۲۷-۱۸:۱)
- ۴- طرفدار کی مذمت (۱۳-۱:۲)
- ۵- ایمان اور عمل (۲۶-۱۴:۲)
- ۶- زبان - اس کا درست اور غلط استعمال (۱۲-۱:۳)
- ۷- حکمت: حقیقی اور باطل (۱۸-۱۳:۳)
- ۸- خواہش: اس کی وجہ اور علاج (باب ۴)
- ۹- امیر اور اُن کے آنے والی مصیبت (۶-۱:۵)
- ۱۰- صبر کے لئے نصیحت (۱۲-۷:۵)
- ۱۱- دُعا اور بیماروں کی شفا (۲۰-۱۳:۵)

تفسیر

۱۔ سلام و دعا (۱:۱)

مُصَنِّف اپنے آپ کو یوں متعارف کراتا ہے: ”خُدا کے اور خُداوند یسوع مسیح کے بندہ یعقوب کی طرف سے“۔ اگر مُصَنِّف خُداوند کا سوتیللا بھائی تھا جیسا کہ ہم سمجھتے ہیں تو اُس کی زندگی میں ایک شاندار تبدیلی آگئی تھی۔ ایک وقت تھا کہ وہ خُداوند یسوع پر ایمان نہیں رکھتا تھا (دُوحّا ۷: ۵)۔ ممکن ہے وہ لوگوں کے اس خیال سے اتفاق کرتا ہو کہ وہ بے خود ہے (مرقس ۳: ۲۱)۔ لیکن ہمارا خُداوند صبر سے بیج بوتارہا۔ اگرچہ اس بات کو مقبولیت حاصل نہ تھی تاہم اُس نے خُدا کی بادشاہی کے عظیم اصول سکھائے۔ تب بیج نے یعقوب کی زندگی میں بڑ پکڑی اور اس کا نتیجہ ایک عظیم تبدیلی کی صورت میں نکلا۔ مثلاً ایک خادم بن گیا، اور یہ بتاتے ہوئے وہ شرماتا نہیں تھا۔

اپنے آپ کو یہ کہنے سے کہ وہ ”خُدا کا اور خُداوند یسوع مسیح کا بندہ“ ہے یعقوب درست طریقے سے ”خُدا“ اور ”خُداوند یسوع“ کو ایک ہی سطح پر رکھتا ہے یعنی انہیں مساوی قرار دیتا ہے۔ وہ بیٹے کی ویسے ہی عزت کرتا ہے جیسے کہ باپ کی (یُوحّا ۵: ۲۳)۔ یعقوب جانتا تھا کہ کوئی آدمی دُور مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا (متی ۶: ۲۴)۔ اس کے باوجود بھی وہ اپنے آپ کو خُدا کا اور خُداوند یسوع کا بندہ کہتا ہے۔ اس میں کوئی تضاد نہیں کیونکہ خُدا باپ اور خُدا بیٹا دونوں مساوی ہیں۔ یہ خط ”اُن بارہ قبیلوں کو جو جا بجا رہتے“ تھے لکھا گیا یعنی جو دوسرے ملکوں میں منتشر تھے۔ یہ لوگ پیدائش کے لحاظ سے یہودی تھے اور اسرائیل کے ”بارہ قبیلوں“ سے تعلق رکھتے تھے۔ اسرائیل کے گناہ کی وجہ سے لوگوں کو اپنے آبائی ملک سے نکلنا پڑا اور وہ بحیرہ روم کے ارد گرد کے ملکوں میں پھیل گئے۔ پہلی بار گندگی اُس وقت ہوئی جبکہ شاہ اسور دس قبیلوں کو ۷۲۱ ق م میں اسیر کر کے لے گیا۔ عِزرا اور نحمیاہ کے زمانہ میں کچھ لوگ واپس آگئے تھے لیکن اُن کی تعداد زیادہ نہیں تھی۔ بیشکست کے دن خُدا ترس یہودی اُس وقت کی معلومہ دُنیا سے یروشلم پرستش کے لئے آیا کرتے تھے (اعمال ۲: ۴)۔ اُن کو پہلے یہودی کہنا زیادہ درست ہوگا۔ لیکن بعد میں مسیحی یہودی

بھی پرانگندہ ہوئے۔ اعمال ۸: ۱ کے مطابق ساؤل کی ایذا رسانی کے باعث مُتعدد مسیحی یہودیہ اور سامریہ سے دوسرے ملکوں کو چیلے گئے۔ یہ زیادہ تر یہودی نسل کے تھے۔ اس پرانگندگی کا پھر حوالہ دیا گیا ہے جب ہم پڑھتے ہیں کہ ایمان داروں کو فینیکہ، کپرس اور انطاکیہ کی طرف بھگا دیا گیا۔ پس یعقوب نے جن لوگوں کو یہ خط لکھا وہ یہودی تھے جو مصیبت کے اُن دنوں میں منتشر ہو گئے تھے۔ چونکہ حقیقی ایمان دار اس دنیا میں پرولسی اور مسافر ہیں (فلپیوں ۳: ۲۰-۱؛ پطرس ۱۱: ۲) اس لئے ہم اس خط کا اطلاق اپنے اوپر بھی کر سکتے ہیں حالانکہ یہ ہمیں بلوراست نہیں لکھا گیا۔

ایک زیادہ مشکل سوال یہ ہے کہ کیا یعقوب یہ خط غیر مسیحی یہودیوں کو لکھ رہا تھا یا اُن یہودیوں کو جنہوں نے مسیح کو قبول کر لیا تھا یا دونوں کو؟ ایسا لگتا ہے کہ بنیادی طور پر تو وہ نوزاد اور حقیقی ایمانداروں سے مخاطب ہے (۱۸: ۱)۔ لیکن ایسے مواقع بھی آتے ہیں جبکہ محسوس ہوتا ہے کہ وہ نام نہاد مسیحیوں کو یہاں تک کہ غیر نجات یافتہ لوگوں کو لکھ رہا ہے۔ یہ اس بات کا ایک ثبوت ہے کہ یہ خط بہت پہلے لکھا گیا کیونکہ ابھی مسیحی یہودیوں اور یہودیوں میں کھپاؤ پیدا نہیں ہوا تھا۔

۲۔ آزمائشیں (۱: ۲-۱۷)

۱: ۲، ۳۔ اس حصہ میں یعقوب آزمائشوں کے بارے میں بیان کرتا ہے۔ وہ لفظ آزمائش کو دو مختلف معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ آیات ۲-۱۲ میں وہ آزمائشیں ہیں جنہیں ہم پاک آزمائشیں یا مشکلات کہتے ہیں جو خدا کی طرف سے آتی ہیں اور ہمارے ایمان کی حقیقت کو پرکھتی ہیں اور ہمیں مسیح کا ہمیشہ بناتی ہیں۔ دوسری طرف آیات ۱۳-۱۷ میں موضوع ”ناپاک آزمائشیں“ ہے جو انسان کے اندر سے پیدا ہوتی ہیں اور گناہ کی طرف لے جاتی ہیں۔ مسیحی زندگی مشکلات سے بھری ہوئی ہے۔ وہ بنیادی طور پر آتی ہیں۔ بعض اوقات وہ تنہا آتی ہیں اور بعض اوقات اکٹھی۔ ان سے فرار ممکن نہیں۔ یعقوب یہ نہیں کہتا کہ اگر تم طرح طرح کی آزمائشوں میں پڑو، بلکہ جب تم ہم ان سے کبھی بچ نہیں سکتے۔ سوال یہ ہے کہ ہم ان کے ساتھ کس طرح نپٹیں۔

ہم زندگی کی ”آزمائشوں“ اور امتحانوں کے بارے میں کئی طرح کے رویے اختیار کر سکتے ہیں۔ ہم بغاوت کرتے ہوئے لاف زنی اور مقابلے کی روح اختیار کر کے سمجھ سکتے ہیں کہ ہم اپنی قوت سے جنگ کر کے فتح حاصل کر لیں گے (عبرانیوں ۱۲: ۵)۔ دوسری طرف ہم ہمت ہار سکتے یا دباؤ میں آکر دل چھوڑ کر بیٹھ سکتے ہیں (عبرانیوں ۱۲: ۵)۔ لیکن یہ موت کو دعوت دینا ہے۔ اس سے ہمارے اندر ہمارے

بارے میں خداوند کی فکر مندی کے ضمن میں شک بھی پیدا ہو سکتا ہے۔ پھر ہم اپنی مشکلات کے سلسلے میں بڑبڑا سکتے اور شکوہ شکایت کر سکتے ہیں۔ یہی وہ بات ہے جس کے بارے میں پوسٹل رسول ۱۔
 کرتھیوں ۱۰:۱۰ میں تنبیہ کرتا ہے۔ ایک اور رویت یہ ہو سکتا ہے کہ ہم خود پر دم کھانا شروع کر دیں اور دوسروں کی ہمدردیاں جیتنے کی کوشش کرنے لگیں۔ یا پھر ہم زندگی کی مشکلات اور الجھاؤ کو برداشت کریں (عبرانیوں ۱۲: ۱۱)۔ درحقیقت ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خدا نے اس آزمائش کو مجھ پر آنے دیا ہے۔ اس میں میرے لئے اس کا کوئی نہ کوئی مقصد ہے۔ میں اس مقصد کو تو نہیں جانتا لیکن میں اسے معلوم کرنے کی کوشش کروں گا۔ میں چاہتا ہوں کہ یہ آزمائش میری زندگی میں اپنا مقصد پورا کرے۔ یہ ہے وہ رویت جس کی وکالت یعقوب کر رہا ہے؛ ”اے میرے بھائیو! جب تم طرح طرح کی آزمائشوں میں پڑو۔ تو اس کو یہ جان کر کمال خوشی کی بات سمجھنا“۔ ”ہمت نہ ہاریں۔ بغاوت نہ کریں بلکہ خوش ہوں“۔ یہ مشکلات دشمن نہیں ہیں جو آپ کو تباہ کرنا چاہتی ہیں۔ یہ دوست ہیں جو آپ میں مسیحی کردار پیدا کریں گی۔

خدا اپنے ہر فرزند میں مسیح کی صورت پیدا کرنا چاہتا ہے۔ اس کام میں ضرور ہی مشکلات، پریشانیوں اور الجھاؤ کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ جب ہر چیز پر سورج چمک رہا ہو تو سورج کا پھل پیدا نہیں ہو سکتا۔ ضروری ہے بارش اور سیاہ بادل بھی ہوں۔ آزمائشیں کبھی بھی خوشگوار نہیں ہوتیں۔ وہ بڑی مشکل اور ناموافق نظر آتی ہیں۔ لیکن بعد میں ان لوگوں کے لئے جو ان کو سہتے سہتے بچتے ہو گئے ہیں، چین کے ساتھ راست بازی کا پھل پیدا کرتی ہیں (عبرانیوں ۱۲: ۱۱)۔ کئی مرتبہ ہم نے مسیحیوں کو کسی بڑے المیہ سے گزرنے کے بعد یہ کہتے سنا ہے کہ ”اس کا سامنا کرنا آسان نہیں تھا لیکن میں اس تجربہ کے لئے خدا کا شکریہ گزار ہوں“۔

”تمہارے ایمان کی آزمائشیں صبر پیدا کرتی ہے۔“ وہ ایمان کو ایک قیمتی دھات کے طور پر پیش کرتا ہے جسے جانچنے والا (خدا) یہ دیکھنے کے لئے آزماتا ہے کہ کھوٹی ہے یا کھری! دھات بدسلوکی، بیماریوں، کمزوریوں یا رنج و الم کی آگ سے گزرتی ہے۔ مشکلات کے بغیر ہم میں کبھی صبر پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہاں تک کہ دنیاوی لوگ بھی غصوں کرتے ہیں کہ مشکلات کردار کو مضبوط بناتی ہیں۔ چارلس کیٹرنگ نے جو کہ ایک مشہور صنعت کار تھا ایک مرتبہ کہا ”مشکلات ترقی کی قیمت ہیں۔ میرے پاس سوائے مشکلات کے اور کچھ نہ لاؤ۔ اچھی خبر مجھے کمزور بنا دیتی ہے۔“

۳:۱۔ یعقوب کہتا ہے: ”مہر کو اپنا پورا کام کرنے دو۔“ بعض اوقات جب ہم پر مشکلات آتی ہیں تو ہم پریشان ہو جاتے ہیں اور انہیں کم کرنے کے لئے پوری کوشش سے مختلف ذرائع استعمال

کرنے لگتے ہیں۔ خداوند سے مشورہ کئے بغیر کہ اس سے اُس کا مقصد کیا ہے ہم مثال کے طور پر ڈاکٹر کے پاس بھاگتے ہیں اور اُس آزمائش کو کم کرنے کے لئے ڈھیر ساری دوائیں لیتے ہیں۔ اس طرح کرنے سے درحقیقت ہم اپنی زندگیوں میں خدا کے پروگرام کو روک دیتے ہیں اور یہ عین ممکن ہے کہ خدا کے اُس خاص مقصد کو پورا ہونے کے لئے ہمیں ایک لمبی مدت تک آزمائشوں میں سے گزرنا پڑے۔ اگر ہم خدا سے تعاون کریں تو ہم نجات اور مضبوط مسیحی بن جائیں گے اور ہم میں روح کی نعمتوں کی کمی نہیں ہوگی۔

جب ہم مشکلات میں سے گزر رہے ہوں تو ہمیں پست ہمت اور دل شکستہ نہیں ہونا چاہئے۔ ہمارے باپ کی قدرت سے کوئی بھی مشکل بڑی نہیں ہے۔ زندگی میں بعض مشکلات ایسی ہیں جنہیں کبھی بھی دُور نہیں کیا جاتا۔ ہمیں اس بات کا تجربہ کرنے کے لئے کہ خدا کا فضل کافی ہے انہیں قبول کرنا سیکھنا چاہئے۔ پطرس رسول نے تین مرتبہ خدا سے اپنی جسمانی کمزوری کو دُور کرنے کی درخواست کی۔ لیکن خداوند نے اُسے دُور نہ کیا، البتہ اُسے برداشت کرنے کے لئے اپنا فضل دیا (۲۔ کرنتھیوں ۱۲: ۸-۱۰)۔

جب ہمارا زندگی میں کسی ایسی مشکل سے سابقہ پڑتا ہے جسے خدا بہر حال دُور نہیں کرے گا تو ہمیں اُس کی مرضی کے سامنے تسلیم خم کرنا چاہئے۔ خدا کی تابع فرمانی کرنے ہی سے ہمیں اطمینان ملتا ہے۔ جب ہم زندگی کی بعض مشکلات سے سبق سیکھ لیتے ہیں تو وہ دُور کر دی جاتی ہیں۔ جو نہی دھات صاف کرنے والا لگھلی ہوئی دھات میں اپنی صورت دیکھ لیتا ہے وہ اُسے تیار بنا دیتا ہے۔ ہم میں سے اکثر لوگوں میں حکمت کی کمی ہے، اسی لئے ہم خدا کے نقطہ نظر سے مشکلات کو نہیں دیکھتے۔ ہم کوتاہ بینی سے کام لیتے ہیں، اس لئے ہم مشکل کو حل کرنے میں فوراً مصروف ہو جاتے ہیں۔ ہم بھول جاتے ہیں کہ خدا ہمیں سبق سکھانے میں جلد بازی سے کام نہیں لیتا اور کہ مشکلات کا مقصد یہ ہے کہ ہمیں کشادگی بخشیں (زبور ۱۱۴)۔

۵:۱- ہمیں اپنی حکمت سے زندگی کے مسائل حل کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر آزمائش کے وقت ہم میں روحانی بعیرت کی کمی ہے تو ہمیں خدا کے پاس جا کر اُسے اپنی الجھن اور لاعلمی کے بارے میں بتانا چاہئے۔ ایسے تمام لوگوں کو جو یوں خدا کے مقاصد کو تلاش کرتے ہیں آزمائش کے وقت "فیاضی" سے حکمت دی جائے گی۔ اور پھر انہیں اس بات کی بھی فکر نہیں کرنی چاہئے کہ خدا انہیں ملامت کرے گا۔ جب ہم سیکھنا چاہتے اور تربیت پذیر ہوتے ہیں تو وہ خوش ہوتا ہے۔ ہم سب میں "حکمت" کی کمی ہے۔ بائبل مقدس زندگی کے بے شمار مسائل کا کوئی خاص جواب نہیں دیتی۔ وہ مسائل کا حل الفاظ کی بہتات میں پیش نہیں کرتی، البتہ خدا کا کلام ہمیں عام اصول دیتا ہے۔ جب ہماری روزمرہ کی زندگی میں مسائل ابھرتے ہیں تو ہمیں

اُن پر ان اصولوں کا اطلاق کرنا چاہئے۔ بدین وہ ہمیں حکمت کی ضرورت ہے۔ روزمرہ کے حالات میں ہمارے خداوند کی تعلیم روحانی حکمت کا عملی اطلاق ہے۔

۸:۶-۸۔ ہمیں خدا کے پاس ”ایمان سے“ اور ”شک نہ کرتے“ ہوئے جانا چاہئے۔ ہمیں ایمان رکھنا چاہئے کہ وہ ہمیں پیار کرتا اور ہمارے لئے فکر مند رہتا ہے اور کہ اُس کے لئے کوئی بات بھی ناممکن نہیں ہے۔ اگر ہم اُس کی مہربانی اور اُس کی قدرت پر شک کرتے ہیں تو مصیبت کے وقت ہمیں قیام حاصل نہیں ہوگا۔ ایک وقت تو ہم بڑے اطمینان سے اُس کے وعدوں پر تکیہ کئے ہوں گے لیکن دوسرے وقت ہم محسوس کریں گے کہ خدا مہربان ہونا بھول گیا ہے۔ ہم ”سمندر کی“ لہروں کی مانند ہوں گے جو ایک وقت تو بہت بلند ہوتی ہیں لیکن پھر ساکن ہو جاتی ہیں۔ ”بڑھتی اور اچھلتی“۔ خدا کو ایسے ایمان سے جو اُمید اور مایوسی کے درمیان بدلتا رہتا ہے عزت نہیں ملتی۔ خدا بے قیام اور متذبذب آدمیوں کو روحانی بصیرت نہیں دیتا آیات ۸:۵-۸ میں حکمت کا منبع خدا ہے۔ یہ دعا سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ ہر ایک کے لئے ہے۔ یہ فیاضی سے اور بغیر ملامت کے دی جاتی ہے۔ اہم شرط یہ ہے کہ آدمی ”ایمان سے مانگے اور شک نہ کرے“

۹:۱۔ پہلی نظر میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آیات ۹-۱۱ میں ایک قطعہ نئے موضوع سے متعارف کرایا جا رہا ہے یا یہ جملہ معترضہ ہیں۔ لیکن یعقوب خاص مثالوں کی وساطت سے پاک آزمائشوں کے موضوع کو جاری رکھتا ہے۔ ایک آدمی خواہ امیر ہے یا غریب وہ زندگی کے بحرانوں اور المیوں سے دائمی روحانی فوائد حاصل کر سکتا ہے۔ مثلاً جب ایک ”ادنیٰ بھائی“ کو معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر مطمئن اور مایوس ہے تو وہ اس بات سے خوش ہو سکتا ہے کہ وہ خدا کا وارث اور مسیح یسوع کا ہم میراث ہے۔ وہ اس سچائی میں تسلی پا سکتا ہے کہ تمام چیزیں اُس کی ہیں اور وہ مسیح کا ہے اور مسیح خدا کا ہے۔ ایک ”ادنیٰ بھائی“ کا اپنے کم تر حالات پر غالباً کوئی کنٹرول نہیں ہوتا۔ ضروری نہیں کہ وہ سست یا غافل ہو۔ خدا کو یہ مناسب نظر آیا کہ وہ اُسے کم آمدنی والے حلقے میں رکھے اور کہ وہ وہاں ہمیشہ رہے۔ اگر وہ امیر ہوتا تو شاید وہ خدا کو کبھی قبول نہ کرتا۔ اب جبکہ وہ مسیح میں ہے تو اسے آسمان میں تمام روحانی برکات حاصل ہیں۔ اُسے کیا کرنا چاہئے؟ کیا وہ اپنے حالات سے بغاوت کر دے؟ کیا وہ تلخ سوچ کا شکار ہو کر حسد کرنے لگے؟ نہیں، اُسے تمام حالات کو جو خدا کی طرف سے ہیں اور جن پر اُس کا کنٹرول نہیں قبول کرنا چاہئے اور اپنی روحانی برکات سے نطف اندوز ہونا چاہئے۔

مستعد ایمان دار ایسے ہیں جو اپنی جنس، اپنی عمر، اپنے قد اور یہاں تک کہ خود زندگی کے بارے میں ناخوش ہیں۔ کئی ایک لڑکیاں اپنے دل میں یہ شدید خواہش رکھتی ہیں کہ کاش میں لڑکا ہوتی۔ نوجوان چاہتے

ہیں کہ وہ بڑی عمر کے ہوتے اور بوڑھے جوان ہونا چاہتے ہیں۔ چھوٹے قدر کے لوگ لمبے قد والوں سے حسد کرتے ہیں اور لمبے قد والے چاہتے ہیں کہ اتنے ننہا یاں نہ ہوتے۔ بعض لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ کاش! میں زندہ نہ ہوتا! یہ سب نامعقول باتیں ہیں۔ مسیحی رویت یہ ہے کہ جو کچھ خدا نے ہمارے لئے مقرر کیا ہے اور جسے ہم بدل نہیں سکتے اسے خوشی سے قبول کریں۔ ہمیں اس کو اس کے جلال اور لوگوں کی برکت کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔ ہمیں پوئیس کے ہمزبان ہو کر کہنا چاہئے: ”جو کچھ ہوں خدا کے فضل سے ہوں“ (۱۔ کرنتھیوں ۱۰: ۱۵)۔ جب ہم اپنی کمی کمزوریوں کو بھول کر دوسروں کی خدمت کرنے لگتے ہیں تو روحانی لوگ ہمیں بیمار کرنے لگتے ہیں۔ چاہے ہماری ظاہری شکل و صورت کیسی ہی کیوں نہ ہو۔

۱۰: ۱۱۔ اب یعقوب ”دولت مندوں“ سے مخاطب ہے۔ لیکن یہ تعجب کی بات ہے کہ وہ دولت مندوں سے یہ نہیں کہتا کہ ”دولتمند اپنی دولت میں خوشی منائے“ بلکہ یہ کہتا ہے کہ دولت مند اس بات پر فخر کرے کہ وہ ”آدنی“ کیا گیا ہے۔ وہ ۲۳: ۹-۲۴ سے اتفاق کرتا ہے:

”صاحبِ حکمت اپنی حکمت پر اور نہ قویٰ اپنی قوت پر اور نہ مالدار اپنے مال پر فخر کرے۔ لیکن جو فخر کرتا ہے اس پر فخر کرے کہ وہ سمجھتا اور مجھے جانتا ہے کہ میں ہی خداوند ہوں جو دنیا میں شفقت و عدل اور راست بازی کو عمل میں لاتا ہوں کیونکہ میری خوشنودی ان ہی باتوں میں ہے۔ خداوند فرماتا ہے۔

اگر ایک دولت مند کو اس کے مال و دولت سے محروم کر دیا جائے تو ممکن ہے کہ اسے فخر کرنے کی حقیقی وجہ مل جائے۔ شاید کاروبار میں نقصان اسے خداوند کے پاس لے آئے۔ یا اگر وہ پہلے ہی ایمان دار ہے تو پھر وہ اپنے نقصان کو خوشی سے قبول کرے گا، یہ جانتے ہوئے کہ اس کا آسمان پر ایک بہتر اور پائیدار خزانہ ہے (عبرانیوں ۱۰: ۳۴)۔ زمینی مال و دولت ”گھاس کے پھول کی مانند“ جاتا رہے گا (لیسیا ۴۰: ۶-۷)۔ اگر ایک آدمی کے پاس مایوسانہ مادی دولت اور کچھ نہیں تو اس کے تمام منصوبے قبر پر جا کر ختم ہو جائیں گے۔ یعقوب ایک اہمیر آدمی کی ختم ہونے والی زندگی اور اس کی محدود دولت کو ”گھاس“ سے تشبیہ دیتا ہے۔ ”وہ اپنی راہ پر چلتے چلتے خاک میں مل جائے گا“۔ بلاشبہ انکتہ یہ ہے کہ نہ تو سورج اور نہ ہی تند و تیز ہوا روحانی اقدار پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ ایسی کوئی بھی آزمائش جو ہمیں ملنے والی اشیاء کی محبت سے دُور لے جاتی ہے اور ہمارے دل میں آسمانی چیزوں کے لئے محبت بیدار کرتی ہے مصیبت کے روپ میں برکت ہے۔ چنانچہ وہی فضل جو آدنی کو سرفراز کرتا ہے امیر کو بہت کر دیتا ہے۔ یہ دونوں باتیں خوشی کرنے کے سبب ہیں۔

۱۲:۱- پاک آزمائشوں کی بحث کو ختم کرتے ہوئے یعقوب اُس آدمی کے لئے جو دکھ و تکلیف میں بھی قائم رہتا ہے برکت کا اعلان کرتا ہے۔ جب ایسا شخص آزمائش پر پورا اُترا، یا "مقبول ٹھہرا تو زندگی کا تاج حاصل کرے گا۔" یہاں جس "تاج" کا ذکر ہے وہ بادشاہ کا تاج نہیں ہے بلکہ جیتنے والے کا تاج ہے جو مسیح کے تختِ عدالت پر دیا جائے گا۔ یہاں یہ نہیں کہا گیا کہ ابدی زندگی آزمائشوں کو برداشت کرنے کا اجر ہے بلکہ یہ کہ جو صبر سے برداشت کرتے ہیں انہیں اس قسم کی زندگی دی جائے گی اور آسمان میں گہری ابدی زندگی سے لطف اندوز ہوں گے۔ آسمان میں ہر شخص کا پیالہ لبریز ہوگا لیکن اُن کے پیالوں کی جسامت مختلف ہوگی یعنی اُن کی لطف اندوزی کی مقدار مختلف ہوگی۔ غالباً "زندگی کے تاج" میں جو خیال پایا جاتا ہے یہی ہے۔ یہ آسمانی جلال سے پوری طرح لطف اندوز ہونے کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

جب ہماری زندگی میں آزمائشیں آتی ہیں تو ہمارا ردِ عمل کیا ہوتا ہے؟ کیا ہم زندگی کی بد بختیوں کے خلاف تلخی کا اظہار کرتے ہیں یا ہم اُن پر فخر کرتے اور اُن کے لئے خداوند کے شکر گزار ہوتے ہیں؟ کیا ہم اپنی آزمائشوں کا ڈھنڈورا پیٹتے ہیں یا انہیں خاموشی سے برداشت کر لیتے ہیں؟ کیا ہم مستقبل میں رہتے اور اپنے حالات کے بہتر ہونے کا انتظار کرتے ہیں، یا ہم زمانہء حال میں رہتے ہیں اور جو کچھ ہم پر وارد ہوتا ہے اس میں خدا کا ہاتھ دیکھنے کے متمنی ہوتے ہیں؟ کیا ہم خود پر رحم کھاتے اور دوسروں کی ہمدردیاں جینے کی کوشش کرتے ہیں یا اپنے آپ کو دوسروں کی خدمت کرنے والی زندگی میں غرق کر دیتے ہیں؟

۱۳:۱- اب موضوع ناپاک آزمائشوں کی طرف مڑتا ہے (آیات ۱۳-۱۷)۔ جس طرح پاک آزمائشوں کا مقصد یہ ہے کہ ہماری بہتری ہو، اسی طرح ناپاک آزمائشوں کا مقصد ہم میں خرابی پیدا کرنا ہے۔ ایک بات کو ہمیں صفائی سے سمجھ لینا چاہئے کہ جب ہم پر گناہ کی آزمائش آتی ہے تو یہ خدا کی طرف سے نہیں ہوتی۔ جہاں تک ایمان کا تعلق ہے خدا ہمیں یقیناً آزما تا ہے لیکن وہ ہمیں کسی بھی قسم کی ہدی کے لئے نہیں آزما تا۔ وہ ہدی سے کوئی سروکار نہیں رکھتا اور گناہ کی ترغیب دیتا ہے۔

۱۴:۱- انسان اپنے گناہوں کی ذمہ داری دوسروں پر ڈالنے کے لئے ہمیشہ ہی تیار رہتا ہے۔ اگر وہ خدا کو الزام نہیں دے سکتا تو وہ جدید ماہرینِ نفسیات کا طریقہ اختیار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ گناہ محض ایک بیماری ہے۔ اس طرح وہ عدالت سے بچنے کی اُمید رکھتا ہے۔ لیکن گناہ بیماری نہیں ہے۔ یہ اخلاقی قصور ہے جس کا انسان کو ضرور ہی جواب دینا ہوگا۔ بعض لوگ گناہ کا الزام مادی چیزوں پر لگاتے ہیں۔ لیکن مادی اشیاء بذاتِ بری نہیں ہیں۔ گناہ ان سے پیدا نہیں ہوتا۔ جب یعقوب یہ

کہتا ہے کہ ”ہر شخص اپنی ہی خواہشوں میں کھنچ کر اور پھنس کر آزمایا جاتا ہے“ تو وہ شیروں کی غارتگ ان کے راستے کا کھوج لگا تا ہے۔ گناہ ہمارے اندر سے یعنی پُرانی، بُری، گناہ میں گری ہوئی اور نئی نہ بنائی گئی فطرت سے اُبھرتا ہے۔ یسوع نے کہا ”بڑے خیال، نُون ریزیاں، زنا کاریاں، حرام کاریاں، چوریاں، جھوٹی گواہیاں، بدگوئیاں دل ہی سے نکلتی ہیں“ (متی ۱۵: ۱۹)۔

یعقوب آیت ۱۴ میں لفظ ”خواہشوں“ استعمال کرتا ہے۔ یہ اچھی اور بُری دونوں قسم کی خواہشوں کے لئے استعمال ہو سکتا ہے۔ یہ لفظ اخلاقی طور پر غیر جانبدار ہے۔ لیکن نئے عہد نامہ میں چند مستثنیات کے علاوہ یہ لفظ بُری خواہشات ہی کو بیان کرتا ہے اور یہاں بھی یقیناً ایسا ہی ہے۔ نفسانی خواہش ایک کسی کی مانند ہے جو دوسروں کو ٹھکانے اور اپنے شکار کو پھنسانے کی کوشش کرتی ہے۔ ہم میں سے ہر شخص آزمایا جاتا ہے۔ ہم میں گندالالچ اور ناپاک اشتہا، ہمیں متواتر گناہ پر ابھارتی رہتی ہے۔ کیا ہم اُس وقت جبکہ ”اپنی ہی خواہشوں میں“ پھنس کر آزمائے جاتے ہیں بے بس شکار ہوتے ہیں؟ نہیں، ہم اپنے ذہن سے تمام گناہ آلودہ خیالات کو نکال سکتے اور اپنی توجہ شرافت اور پاک موضوعات پر مرکوز کر سکتے ہیں (فلپیوں ۴: ۸)۔ سخت آزمائش کے لمحات میں ہم خداوند کو چکار سکتے ہیں، یہ یاد رکھتے ہوئے کہ ”خداوند کا نام محکم بُرج ہے۔ صادق اُس میں بھاگ جاتا ہے اور اُمن میں رہتا ہے“ (اشمال ۱۸: ۱۰)۔

۱۵: ۱۔ اگر یہ درست ہے تو پھر ہم سے گناہ کیوں سرزد ہوتا ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ”پھر خواہش حائل ہو کر گناہ کو جنتی ہے“۔ گناہ آلود خیال کو نکالنے کی بجائے ہم اُس کی حوصلہ افزائی کرتے، اُسے تقویت پہنچاتے اور اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ رضامندی کا یہ عمل جماعت کی مانند ہے۔ نفسانی خواہش حائل ہوتی ہے اور ایک گھناؤنے نیچے کو جس کا نام گناہ ہے جنم دیتی ہے۔ ہم اسے ایسے بھی بیان کر سکتے ہیں کہ اگر ہم کسی بُری بات پر کافی دیر تک غور کرتے رہتے ہیں تو بالآخر اُس کے مُرنکب ہو جاتے ہیں۔ خواہش کے حائل ہونے اور گناہ کو جنم دینے کو داؤد اور بت سبچ کا واقعہ بُری صفائی سے بیان کرتا ہے (۲ سموئیل ۱۱: ۱-۲۷)۔

یعقوب کہتا ہے: ”اور گناہ جب بڑھ چکا تو موت پیدا کرتا ہے“۔ گناہ بانجھ نہیں ہوتا۔ وہ اپنی اولاد پیدا کرتا ہے۔ اس بیان کو ”گناہ“ ”موت“ پیدا کرتا ہے مختلف طریقوں سے سمجھا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے تو گناہ آدم اور اُس کی اولاد پر جسمانی موت لایا (پیدائش ۲: ۱۷)۔ لیکن گناہ روحانی اور ابدی موت کا باعث بھی بنتا ہے یعنی خدا سے حتمی جدائی اور برکات سے محرومی (رومیوں ۶: ۲۳)۔ ایک لحاظ سے گناہ ایمان دار کے لئے بھی موت پیدا کرتا ہے۔ مثلاً ۱ تیمتھیس ۶: ۵

میں ہم پڑھتے ہیں کہ ایمان دار یہ وہ جو عیش و عشرت میں زندگی بسر کرتی ہے مُردہ ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی ضائع کر رہی ہے اور جس مقصد کے لئے خدا نے اسے نجات دی اُسے پورا کرنے سے قاصر ہے۔ ایک سچے مسیحی کے لئے خدا سے رفاقت نہ رکھنا ایک طرح سے جیتے جی مَرجا ہے۔

۱۶:۱-۱۷:۱۔ بعض لوگ جو گناہ میں گر جاتے ہیں اپنے آپ کو مُکرم ٹھہرانے کی بجائے خدا کو الزام دینے لگتے ہیں۔ وہ اپنے خالق سے کہتے ہیں "تُو نے مجھے کیوں ایسا بنایا؟" لیکن یہ ایک طرح سے اپنے آپ کو دھوکا دینا ہے۔ خدا سے صرف اچھی بخششیں ہی ملتی ہیں۔ درحقیقت وہ "ہر اچھی بخشش اور ہر کارِ اِنعام" کا منبع ہے۔

یعقوب خدا کو "نوروں کا باپ" بیان کرتا ہے۔ بعض اوقات بائبل میں باپ کا مطلب خالق یا منبع ہے (دیکھئے ایوب ۳۸:۲۸)۔ چنانچہ خدا "نوروں" کا خالق یا منبع ہے۔ لیکن "نوروں" کا کیا مطلب ہے؟ یقیناً اس میں اجرامِ فلکی، سورج، چاند اور ستارے شامل ہیں (پیدائش ۱:۱۳-۱۸، زبور ۱۳۶:۷)۔ لیکن خدا تمام روحانی "نور" کا بھی منبع ہے۔ پس ہمیں یہ خیال کرنا چاہئے کہ وہ کائنات میں ہر قسم کے نور کا منبع ہے۔ اُس میں نہ کوئی تبدیلی ہو سکتی ہے اور نہ گردش کے سبب سے اُس پر سایہ پڑتا ہے۔ خدا اجرامِ فلک کی مانند نہیں ہے جنہیں اُس نے پیدا کیا ہے۔ اُن میں متواتر تبدیلی ہوتی رہتی ہے لیکن اُس میں نہیں ہوتی۔ غالباً یعقوب نہ صرف سورج اور ستاروں کی گھٹتی بڑھتی روشنی کے بارے میں سوچ رہا ہے بلکہ اُن کے گردش کرنے کے باعث زمین کے ساتھ بدلنے والے تعلق کے بارے میں بھی۔ تغیر پذیری سورج، چاند اور ستاروں کا خاصہ ہے۔

"گردش کے سبب سے اُس پر سایہ" کا مطلب وہ "سایہ" جو گردش کے باعث پڑتا ہے ہو سکتا ہے۔ ان سایوں سے مراد وہ سایہ بھی مراد ہو سکتا ہے جو زمین کے سورج کے گرد گھومنے سے زمین پر پڑتا ہے۔ یا ممکن ہے اس کا اشارہ گرہن کی طرف ہو۔ مثلاً سورج گرہن اُس وقت پیدا ہوتا ہے جب چاند کا سایہ زمین پر پڑتا ہے۔ لیکن خدا کے ساتھ معاملہ قطعی مختلف ہے۔ اُس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی، اور نہ گردش کے باعث "سایہ" پڑتا ہے۔ اور اُس کی بخششیں اُس کی مانند کامل ہیں۔ اس لئے یہ سوچا ہی نہیں جاسکتا کہ وہ کبھی آدمیوں کو گناہ کرنے کی ترغیب دے گا۔ آزمائش انسان کی اپنی بُری فطرت کے باعث اُس پر آتی ہے۔

آئیے ہم ناپاک خواہشوں کے موضوع پر اپنے ایمان کو پرکھیں۔ کیا ہم اپنے بُرے خیالات کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں کہ وہ ہمارے دل و دماغ میں چکر کاٹتے رہیں یا انہیں فوراً نکال دیتے ہیں؟

بطور زندہ قربانی اُس کے حضور پیش کرنا چاہئے (رومیوں ۱۲: ۲۱)۔ تیسرا، پہلا پھل "پوری فصل کے آنے کا عہد تھا۔ یعقوب اپنے قارئین کو مسیح کی فصل میں اناج کے پہلے پودوں سے تشبیہ دیتا ہے۔ اُن کے بعد وقت کے ساتھ ساتھ اور لوگ آتے رہیں گے لیکن انہیں مقدسین کے نمونہ کے طور پر رکھا گیا تاکہ وہ نئی مخلوق کے پھلوں کو ظاہر کریں۔ بالآخر خداوند اُن جیسے لوگوں سے تمام زمین کو بھر دے گا (رومیوں ۸: ۱۹-۲۳)۔ پوری فصل اُس وقت ہوگی جب خداوند یسوع مسیح زمین پر حکومت کرنے کے لئے واپس آئے گا۔ دریں اثنا انہیں مسیح کی ویسی ہی فرمانبرداری کرنی ہے جیسے کہ ہزار سالہ حکومت میں تمام دنیا کرے گی۔ اور اگرچہ یہ حصہ بنیادی طور پر پہلی صدی کے مسیحیوں کو لکھا گیا، تاہم اس کا اطلاق ہم میں سے ہر ایک پر بھی ہے جو مسیح کے نام کو عزت دیتے ہیں۔

۱۹: ۱ (الف)۔ اس باب کا باقی حصہ ملی ہدایات پر مشتمل ہے کہ ہم اُس کی مخلوقات میں پہلا پھل کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہاں اُس علی راست بازی کو بیان کیا گیا ہے جو کلام حق کے ذریعہ نئے سرے سے پیدا ہونے والوں کی خصوصیت ہونی چاہئے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہم کلام کے ذریعہ اس لئے پیدا ہوئے کہ خدا کی سچائی کو ظاہر کریں۔ "پس" آئیے ہم اپنی ذمہ داری کو پورا کریں۔

ہمیں "سُننے میں تیز" ہونا چاہئے۔ یہ ایک غیر معمولی حکم ہے اور اس میں تھوڑا سا مزاح بھی پایا جاتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں خدا کے کلام، نیز اُس کی نیک صلاح اور تہنید کو بھی "سُننے" کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ ہمیں پاک رُوح سے سیکھنے کے قابل ہونا چاہئے۔ ہمیں "بولنے میں دھیرا" ہونا چاہئے۔ یہ بڑی حیران کن بات ہے کہ یعقوب ہمارے بولنے کے بارے میں بہت کچھ کہتا ہے۔ وہ ہمیں خبردار کرتا ہے کہ ہم اپنی گفتگو میں محتاط رہیں۔ فطرت بھی ہمیں یہی سکھاتی ہے۔ ایک طیپ نے کافی عرصہ پہلے اس کا مشاہدہ کیا۔ وہ لکھتا ہے "فطرت نے انسان کو ایک زبان اور دو کان دئے ہیں تاکہ ہم دوسروں سے دو مرتبہ سُنیں اور خود ایک مرتبہ بولیں۔" سلیمان یقیناً یعقوب سے خوشی سے اتفاق کرتا، کیونکہ اُس نے خود کہا ہے: "اپنے مُنہ کی نگہبانی کرنے والا اپنی جان کی رِضا کرتا ہے لیکن جو اپنے ہونٹ پُستارتا ہے ہلاک ہوگا" (امثال ۱۳: ۳)۔ اُس نے یہ بھی کہا "کلام کی کثرت خطا سے خالی نہیں لیکن ہونٹوں کو قابو میں رکھنے والا دانا ہے" (امثال ۱۰: ۱۹)۔ بہت بولنے والے بالآخر حد سے بڑھ جاتے ہیں۔

۱۹: ۱ (ب)۔ ۲۰۔ ہمیں "تھر کرنے میں دھیرا" ہونا چاہئے۔ اگر ایک آدمی جلد غصے میں آجاتا ہے تو وہ اُس قسم کی "راست بازی" پیدا نہیں کرتا جس کی "خدا" اپنے بچوں سے توقع رکھتا ہے۔ غصے کے

تیز لوگ مسیحیت کے بارے میں لوگوں پر غلط تاثر چھوڑتے ہیں۔ یہ اب بھی درست ہے کہ جو تہ کرنے میں دھیما ہے پہلوان سے بہتر ہے اور وہ جو اپنی رُوح پر مضابط ہے اُس سے جو شہر کو لے لیتا ہے۔

(امثال ۱۶: ۳۲)۔

۲۱:۱ - ایک اور طریقہ جس سے ہم ظاہر کر سکتے ہیں کہ ہم اُس کی مخلوق میں پہلا پھیل ہیں یہ ہے کہ ہم "ساری نجاست اور بدی کے فضلہ کو دور" کریں۔ یہ بُری باتیں جو کہ گندے کپڑوں کی مانند ہیں ہمیں ہمیشہ کے لئے دور کر دینی چاہئیں۔ "فضلہ" میں ہر قسم کی گندگی آجاتی ہے خواہ وہ روحانی ہے یا ذہنی یا جسمانی۔ ممکن ہے یہاں "ساری نجاست" کا تعلق اُن تمام قسم کی نجاستوں سے ہو جو تبدیل ہونے سے پیشتر ہم میں پائی جاتی تھیں۔ شاید اس کا اشارہ اُن گناہوں کی طرف ہو جو ہماری زندگی سے صادر ہوتے اور دوسروں پر بھی اثر انداز ہوتے تھے۔ خدا کے کلام کی سچائی کو پالینے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اخلاقی طور پر پاک ہوں۔

الہی سچائی کو پالینے کا ایک اور تقاضا "حلیمی" ہے۔ یہ عین ممکن ہے کہ ہم بائبل تو پڑھیں لیکن یہ ہم پر اثر انداز نہ ہو۔ ہم اُس سے اثر لئے بغیر اُسے ایک دُری کتاب کی طرح پڑھ سکتے ہیں۔ ہمارا تکبر، دل کی سختی اور گناہ ہمیں اُسے قبول نہیں کرنے دیتا۔ صرف وہی لوگ جو فروتن اور حلیم ہیں کلام سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ "وہ حلیموں کو انصاف کی ہدایت کرے گا۔ ہاں وہ حلیموں کو اپنی راہ بتائے گا" (زبور ۲۵: ۹)۔ "میں اُس شخص پر نگاہ کروں گا۔ اسی پر جو غریب اور شکستہ دل ہے اور میرے کلام سے کانپ جاتا ہے" (یسعیاہ ۶۶: ۲)۔

یعقوب کلام کے بارے میں کہتا ہے کہ وہ "دل میں بویا گیا اور تمہاری رُوحوں کو نجات دے سکتا ہے"۔ یہاں خیال یہ ہے کہ جب کوئی نئے سرے سے پیدا ہوتا ہے تو کلام اُس کے دل میں ایک مُقدس امانت بن جاتا ہے۔ یہ کلام "رُوحوں کو نجات دے سکتا ہے"۔ بائبل ایک ذریعہ ہے جسے خدا نئی پیدائش کے لئے استعمال کرتا ہے۔ وہ اسے نہ صرف رُوح کو گناہ کی مڑا سے بچانے کے لئے استعمال کرتا ہے بلکہ اُس کی قوت اور تسلط سے بھی۔ وہ اسے نہ صرف ابدیت میں عذاب سے بچانے کے لئے استعمال کرتا ہے بلکہ اس زندگی میں نقصان سے بھی۔ یعقوب آیت ۲۱ میں یقیناً نجات کے اس موجودہ اور جاری رہنے والے پہلو کو بیان کرتا ہے۔

۲۲:۱ - دل میں بویا گیا کلام کافی نہیں ہے۔ ہمیں اُس پر عمل بھی کرنا ہے۔ بائبل لکھنا، یہاں تک کہ اُسے ادب کے طور پر پڑھنا کوئی وقعت نہیں رکھتا۔ ہمارے دلوں میں خدا کو کلام کرتے ہوئے سننے

اور جو کچھ وہ کہتا ہے اس پر بلا حیل و حجت عمل کرنے کی گہری خواہش ہونی چاہئے۔ ہمیں بائبل کو اعمال میں ضرور ہی منتقل کرنا چاہئے۔ کلام کو ہماری زندگیوں میں زندہ بن جانا چاہئے۔ ایسا وقت کبھی نہیں آنا چاہئے کہ ہم کلام تو پڑھیں لیکن اپنی زندگی کو زیادہ بہتر بنانے کے لئے اسے اجازت نہ دیں۔ اگر خدا کے کلام سے محبت ہمیں خداوند یسوع کا زیادہ ہم شکل نہ بنائے تو اس کے مطالعہ کا اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے۔ بائبل کی تابع فرمانی کے بغیر محض اس کا عقلی طور پر علم حاصل کرنا برکت کی بجائے پھندا بن سکتا ہے۔ اگر ہم متواتر یہ سیکھتے رہتے ہیں کہ ہمیں کیا کرنا ہے لیکن کرتے نہیں تو ہم بے دل، مایوس اور بے حس ہو جاتے اور خدا کے سامنے زیادہ جواب دہ بن جاتے ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ہم کلام کو پڑھیں اور اس پر پورے طوع پر عمل کریں۔

۲۳:۱-۲۴: ”جو کوئی کلام“ کو سنتا ہے لیکن اپنا رویہ نہیں بدلتا ”وہ اس شخص کی مانند ہے جو ہر صبح اپنا چہرہ آئینے میں دیکھتا ہے لیکن پتھر قطعی“ مقبول جاتا ہے ”کہ اس نے کیا دیکھا تھا۔ بلاشبہ، ہماری شکل و شباہت میں کچھ باتیں ایسی ہیں جو بدل نہیں سکتیں۔ لیکن کم از کم جو کچھ ہم دیکھتے ہیں اس کے بارے میں ہمیں حلیمی اختیار کرنی چاہئے۔ چنانچہ جب آئینہ کہتا ہے ”مند دھو لو“ یا ”شیو بنا لو“ یا ”بالوں میں گنگھی کر لو“ تو ہمیں وہی کرنا چاہئے جو کہا گیا ہے۔ ورنہ آئینہ ہمارے لئے قطعی فائدہ مند نہیں۔

میں ممکن ہے کہ ہم کبھی کبھار بائبل پڑھیں یا فرض کے طور پر پڑھا کریں لیکن اس سے قطعی متاثر نہ ہوں۔ جیسا ہمیں ہونا چاہئے ویسا ہم دیکھتے تو ہیں لیکن فوراً مقبول جلتے ہیں اور ایسے زندگی بسر کرنے لگتے ہیں گویا کہ ہم میں کوئی نقص نہیں۔ اس قسم کی جھوٹی تسلی روحانی ترقی کو روک دیتی ہے۔

۲۵:۱- ”اس کے مقابلے میں ایسا آدمی بھی ہے جو خدا کے کلام پر غور سے فطرت کرتا ہے“ اور عادتاً اس پر عمل کرتا ہے۔ اس کا اس پر غور و فکر کرنا اس کی زندگی میں عملی نتائج پیدا کرتا ہے۔ اس کے نزدیک بائبل ”آزادی کی کابل شریعت“ ہے۔ اس کی ہدایات اس کے لئے بوجھ نہیں ہیں۔ وہ اسے بالکل وہی کچھ کرنے کو کہتی ہیں جس پر عمل کرنے کے لئے اس کی نئی فطرت بڑی مشتاق ہوتی ہے۔ جب وہ اس پر عمل کرتا ہے تو اسے انسانی روایات اور جسمانی دلائل سے آزادی مل جاتی ہے۔ جو کچھ اس نے پڑھا ہوتا ہے وہ اسے مجھوتا نہیں بلکہ اپنی روزمرہ زندگی میں اس پر عمل کرتا ہے۔ اس کی بچوں جیسی فرمانبرداری بے انداز برکت کا باعث بنتی ہے۔ ایسا شخص جو کچھ وہ کہتا ہے اس میں ”برکت پائے گا“۔

۲۶:۱-۲۷: ”یہاں باطل دینداری“ اور ”خالص اور بے عیب دینداری“ میں مقابلہ ہے۔ یہاں

دینداری کا مطلب کردار کا وہ مظاہرہ ہے جس کا تعلق اُس کے عقیدے سے ہوتا ہے۔ یہ باطنی لوح کی بجائے خارجی طرز عمل کو ظاہر کرتی ہے۔ اس کا مطلب تعلیم اعتقادات کی بجائے پرستش اور خدمت میں ایمان کے خارجی اظہارات ہیں۔

”اگر کوئی اپنے آپ کو دیندار سمجھتا ہے لیکن اپنی زبان کو لگام نہ دے“ تو اُس کی دینداری باطل ہے۔ لیکن وہ مذہب کی تمام رسومات کا پابند ہو جس کی وجہ سے وہ بڑا متقی اور پرہیزگار نظر آتا ہو، لیکن وہ اپنے آپ کو دھوکا دے رہا ہو۔ خدا اُس کی رسومات سے مطمئن نہیں ہے۔ وہ زندگی میں علیٰ خدا پرستی دیکھنا چاہتا ہے۔

بے لگام زبان ”باطل دینداری“ کی صرف ایک مثال ہے۔ ہر ایک روئے جو مسیحی ایمان سے مطابقت نہیں رکھتا باطل ہے۔ یہاں ہم ایک کوندار کی کہانی بیان کرتے ہیں جو اپنے زہد و تقویٰ کی آڑ میں دھوکا دیکر اتنا تھا۔ وہ اپنے سٹور کی بالائی منزل میں رہائش پذیر تھا۔ ہر صبح وہ نیچے اپنے درکار کو آواز دیتا:

”جان!“

”فرمائیے جناب“

”کیا تم نے دودھ میں پانی ملا دیا ہے؟“

”جی ہاں۔“

”کیا پیسی ہوئی سرچوں میں مبراہ ملا دیا ہے؟“

”جی ہاں۔“

”کیا موٹی چینی میں باریک چینی ملا دی ہے؟“

”جی ہاں۔“

”اچھا تو پھر صبح کی دعا بندگی کے لئے اُوپر آ جاؤ۔“

یعقوب کہتا ہے کہ ایسی ”دینداری باطل“ ہے۔

خدا جس بات کا متفق ہے وہ عملی قسم کی خدا پرستی ہے جو دوسروں میں پر محبت دلچسپی لیتی اور اپنی زندگی کو پاک صاف رکھتی ہے۔ ”خالص اور بے عیب دینداری“ کی مثالوں کے طور پر یعقوب اُس آدمی کی تعریف کرتا ہے جو ضرورت مند یتیموں اور یتیموں کی خبر گیری کرتا اور اپنے آپ کو ”دنیا سے بے دار“ رکھتا ہے۔ بالفاظ دیگر نئی پیدائش کا عملی اظہار ایک شخص کے ”پر فضل کاموں

اور دنیا سے علیحدگی کی زندگی بسر کرنے سے ہوتا ہے۔

ہمیں اپنے ایمان کی جانچ مندرجہ ذیل سوالوں سے کرنی چاہئے؛ کیا بائبل کا مطالعہ کرتے وقت میری دلی خواہش ہے کہ خدا مجھے ملامت کرے، تعلیم دے اور تبدیل کرے؟ کیا میں چاہتا ہوں کہ میری زبان کو لگام دی جائے؟ کیا میں اپنے غصے کو حق بجانب قرار دیتا ہوں یا اس پر فتح حاصل کرنا چاہتا ہوں؟ میرا رد عمل کیا ہوتا ہے جب کوئی گنہگار لطیفہ سننے لگتا ہے؟ کیا میرے ایمان کا اظہار ان لوگوں کے ساتھ بھلائی کے کام کرنے سے ہوتا ہے جو مجھے بدلہ نہیں دے سکتے؟

۴۔ طرفداری کی مذمت (۱:۲-۱۳)

دوسرے باب کا پہلا حصہ خاص خاص آدمیوں کو عزت دینے کی مذمت کرتا ہے۔ خداوند کی زندگی یا نئے عہد نامہ کی تعلیم میں طرفداری کی مثال نہیں ملتی۔ مسیحیت میں امارت پرستی یا دیگر خوبیوں کے باعث امتیاز کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے۔

۱:۲- سب سے پہلے اسے واضح طور پر منع کیا گیا ہے۔ دیکھیے اس فہمائش کے مخاطب ایمان دار ہیں۔ یہ "اے میرے بھائیو!" کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے۔ "ہمارے خداوند ذوالجلال یسوع مسیح کا ایمان" کا اشارہ مسیحی ایمان کی طرف ہے۔ اس ایمان کا تعلق مسیح پر بھروسہ یا اس پر انحصار کرنے سے نہیں بلکہ مسیحی تعلیم کے مجموعہ سے ہے۔ ان تمام خیالات کو یکجا کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یعقوب یہ کہہ رہا ہے کہ "اے میرے بھائیو! مسیحی ایمان" کو بروئے کار لاتے وقت "طرفداری" نہ کرو۔ امارت پرستی اور ذات پات کا امتیاز مسیحیت سے قطعی مطابقت نہیں رکھتے۔ جلال کے خداوند کی موجودگی میں انسان کی عظمت کی خوشامد کے لئے جگہ نہیں ہے۔ اگر ہم کسی کو پیدائش، نسل، جنس یا غریبیت کی وجہ سے حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں تو یہ علمی طور پر ایمان کا انکار کرنا ہے۔ یہ حکم کہ حاکموں، مالکوں، بزرگوں اور والدین کی عزت کرو، نئے عہد نامہ کے دیگر حصوں سے متصادم نہیں ہے۔ یقیناً ایسے تعلقات ہیں جنہیں خدا نے مقرر کیا ہے، ان کی ہمیں ضرور عزت کرنی چاہئے (رومیوں ۱۳: ۷)۔ یہاں پر لوگوں کے قیمتی کپڑوں یا دیگر مصنوعی امتیازات کی وجہ سے خوشامد کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

۲:۲-۴- اسکی تصدیق اس واضح مثال سے ہوتی ہے جو یعقوب آیات ۲-۴ میں دیتا ہے۔

منظر مسیحیوں کی مقامی "جماعت" ہے۔ ایک معزز سا آدمی فیشن ایبل کپڑے اور "سُونے کی انگوٹھی" پہنے ابھی ابھی آیا ہے۔ ایک ذمہ دار بھائی اس مشہور آدمی کے سامنے جھکتا ہے اور بے جا کہانے کی قطاریں

ایک نمایاں فرشتہ پر بٹھا دیتا ہے۔ لیکن جو نہی وہ دروازے پر واپس آتا ہے تو اسے ایک آدمی آتا دکھائی دیتا ہے۔ اس مرتبہ ایک خستہ حال "غریب آدمی" آتا ہے ("میلے کچیلے" کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اُس آدمی کے کپڑے دھسلنے والے تھے بلکہ یہ کہ وہ اپنی غربت کے مطابق کپڑے پہنے ہوئے ہے)۔ اس مرتبہ وہ رفتہ وار بھائی جماعت کو پریشانی سے بچانے کے لئے بڑی ہوشیاری سے اسے پیچھے خالی جگہ میں یا دروازہ کے پاس فرش پر بٹھا دیتا ہے۔ یہ بات کہ کبھی کوئی شخص ایسا کر سکتا ہے ناقابل یقین لگتی ہے۔ شاید ہم خیال کر رہے ہوں کہ اس تصویر میں بات کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا گیا ہے لیکن اگر ہم اپنے دل کو ٹٹولیں تو معلوم ہوگا کہ ہم اس قسم کی درجہ بندی کرتے ہیں اور یوں "بدنیت مُنصف" بنتے ہیں۔ لیکن حقیقی مسیحیوں کو الٰہی قوانین کے ساتھ وفادار رہنا چاہئے۔ اُن کا فرض ہے کہ وہ اس بات کا تمام ایمان دار مسیح میں ایک ہیں عملی ثبوت پیش کریں۔

۵:۲-۶ (الف)۔ طرف داری مسیحی ایمان کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی۔ یعقوب اس کا اظہار آیات ۵-۱۳ میں کرتا ہے۔ وہ پانچ ٹھوس وجوہات بیان کرتا ہے کہ یہ ایک ایمان دار کے لئے کیوں نامناسب ہے کہ وہ دولت مندوں کی تو طرف داری کرے اور غریبوں کو حقارت سے دیکھے۔

پہلی وجہ، اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اُس آدمی کی جس کی عزت خدا کرتا ہے عزت نہیں کرتے۔ "خدا نے اس جہان کے غریبوں کو چُن لیا ہے کہ وہ ایمانی میں دولت مند اور اُس بادشاہی کے وارث ہوں جس کا اُس نے اپنے محبت کرنے والوں سے وعدہ کیا ہے۔" غریب آدمی خدا کے برگزیدہ، ممتاز افراد، خدا کے وارث اور خدا کو پیار کرنے والے ہیں۔ کلام مقدس میں ہم بار بار پڑھتے ہیں کہ یہ غریب ہی ہیں نہ کہ امیر جو خدا کے جھنڈے کے گرد جمع ہیں۔ ہمارے خداوند نے خود فرمایا: "غریبوں کو خوشخبری سنائی جاتی ہے" (متی ۱۱:۵)۔ وہ عام لوگ تھے جنہوں نے اُسے خوشی سے سنا نہ کہ دولت مند یا اشراف طبقہ (مقس ۱۲:۳۷)۔ اشراف کو نہیں بلایا گیا بلکہ یہ یوقوزوں، کمزوروں، رذیلوں، حقیقوں اور بے وفاداروں کو (۱ کرنتھیوں ۱:۲۶-۲۹)۔ عام طور پر دولت مند ایمان میں غریب ہوتے ہیں کیونکہ وہ خداوند پر اعتقاد رکھنے کی بجائے دولت پر ایمان رکھتے ہیں۔ دوسری طرف خدا نے غریبوں کو "چُن لیا" کہ ایمان میں دولت مند ہوں۔ اگر آسمان کے شہریوں کا سروے کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان میں اکثریت غریبوں کی ہے۔ خدا کی بادشاہی میں وہ دولت اور جلال سے مالا مال ہوں گے۔ پس ایسے لوگوں کو حقارت کی نظر سے دیکھنا جو ایک دن ہمارے خداوند اور نجات دہندہ کی بادشاہی میں سرفراز کئے جائیں گے سخت بیوقوفی اور خطرناک بات ہے۔

۲: ۶ (ب)۔ دوسری وجہ کہ ”دولتمندوں“ کی طرف داری کرنا کیوں بیوقوفی ہے یہ ہے کہ اکثر یہی وہ لوگ ہیں جو عام طور پر خدا کے لوگوں کو دہاتے ہیں۔ اس موقع پر بحث قدرے پیچیدہ بن جاتی ہے۔ اس سے پیشتر اس باب میں جس امیر آدمی کا ذکر ہے وہ بلاشبہ ایمان دار ہے۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ جن دولت مندوں کا ذکر آیت ۶ میں ہے وہ بھی ایمان دار ہیں۔ جو کچھ یعقوب یہاں کہہ رہا ہے اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ لوگوں کی طرف داری محض اس لئے کیوں کی جائے کہ وہ دولت مند ہیں؟ اگر آپ کرتے ہیں تو یہی وہ لوگ ہیں جو سب سے پہلے آپ کو ڈراتے، دھمکاتے اور پھر ”عالتوں میں گھسیٹ کر“ لے جاتے ہیں۔ کیتون اس نکتے کو یوں بیان کرتا ہے: ”اپنے جلا دوں کی عزت کیوں کرتے ہو؟“

۲: ۷۔ تیسری وجہ یہ ہے کہ اکثر امیر عادتاً مسیح کے نام کا ذکر کرتے وقت سخت یا برے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ یہ وہ ”بزرگ نام“ ہے جس سے مسیح کے پیروکار ”نامزد“ ہیں یعنی وہ مسیح کہلاتے ہیں۔ اگرچہ مسیح کے نام پر کفر کئے کی اجارہ داری صرف امیروں ہی کی نہیں ہے، تاہم یہ سچ ہے کہ اکثر یہی لوگ مسیحیوں کو ستاتے ہیں۔ وہ اکثر سخاوت و چندہ کے خلاف شرمناک زبان استعمال کرتے ہیں۔ پس ایمان دار کیوں کسی شخص کی اس لئے طرف داری کریں کہ وہ امیر ہے۔ امیروں کی عام خصوصیت یہی ہے کہ خداوند یسوع کی عزت نہیں کرتے۔ اس اصطلاح کا کہ ”بزرگ نام“... جس سے تم نامزد ہو“ ترجمہ یوں بھی کیا جاسکتا ہے ”وہ بزرگ نام جس سے تمہیں نامزد کیا گیا ہے۔“ بعض اس میں مسیحی بہتسمہ کا حوالہ دیکھتے ہیں۔ ایمان داروں کو خداوند یسوع کے نام میں بہتسمہ دیا جاتا ہے۔ اور یہی وہ نام ہے جس کے بارے میں دولت مند عادتاً ”کفر“ بکتے ہیں۔

۲: ۸۔ چوتھی وجہ یہ ہے کہ دولت مند کی طرف داری کرنے سے اس ”شریعت“ کو توڑا جاتا ہے کہ تو ”اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ“۔ یہ ”بادشاہی شریعت“ کہلاتی ہے کیونکہ یہ بادشاہ کی ہے اور تمام شریعت کی بادشاہ ہے۔ اگر ہم سچ بچ اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھتے ہیں تو پھر ہم سب کے ساتھ ویسا ہی سلوک کریں گے جیسا کہ ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے ساتھ کیا جائے۔ یہ یقینی بات ہے کہ ہم کبھی یہ نہیں چاہیں گے کہ غریب ہونے کے باعث ہم سے حقارت کی جائے۔ بائبل کی تمام تعلیمات سے یہ محکم کہ ”اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ“ یقیناً سب سے انقلابی ہے۔ ذرا سوچئے! اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم دوسروں کے لئے بھی ویسے ہی فکرمند ہوں جیسے کہ اپنے لئے ہوتے ہیں۔ ہم دوسروں کو جو ہماری طرح خوشحال نہیں ہیں اپنے دنیاوی مال و دولت

میں شریک کرنے پر رضامند ہوں۔ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم اپنی پوری کوشش کریں کہ انہیں بھی مبارک خداوند کو جاننے کا موقع مل جائے۔ اکثر چارے فیصلوں کا انحصار اس بات پر ہوتا ہے کہ ہمیں اُن سے کیا فائدہ ہوتا ہے۔ ہم ”خود غرض“ ہیں۔ ہم امیروں کے ساتھ اچھا سلوک اس لئے کرتے ہیں کیوں کہ ہمیں سماجی یا مادی معاوضہ کی توقع ہوتی ہے۔ ہم غریبوں کو اس لئے نظر انداز کرتے ہیں کیونکہ وہ ہمیں اس قسم کا فائدہ پہنچا نہیں سکتے۔ ”بادشاہی شریعت“ ہمیں دوسروں کو اس طرح استعمال کرنے سے منع کرتی ہے۔ یہ ہمیں سکھاتی ہے کہ ہم اپنے ”پڑوسیوں“ سے اپنی مانند محبت رکھیں۔ اگر ہم یہ معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارا پڑوسی کون ہے تو ہم نیک سامری کی تمثیل (لوقا ۱۰: ۲۹-۳۷) سے سیکھتے ہیں کہ ہر ضرورت مند جس کی ہم مدد کر سکتے ہیں ہمارا پڑوسی ہے۔ ۹: ۲۔ ”طرف داری کرنا“ بادشاہی شریعت کی خلاف ورزی ہے۔ ”یہ گناہ“ اور ”قصور“ دونوں ہے۔ ”گناہ“، خدا کی مرضی سے مطابقت نہ رکھنا یعنی اُس کے معیار پر پورا نہ اُترنا ہے۔ ”قصور“ وہ ہے جہاں ہم معلومہ شریعت کو توڑتے ہیں۔ بعض کام گناہ آلودہ ہیں کیونکہ وہ بنیادی اور پیدائشی طور پر غلط ہیں، لیکن وہ اُس وقت ”قصور“ بنتے ہیں جبکہ کوئی خاص حکم انہیں کرنے سے منع کرتا ہے۔ طرف داری گناہ آلودہ ہے کیونکہ وہ اپنے آپ میں بنیادی طور پر غلط ہے۔ لیکن یہ ”قصور“ بھی ہے کیونکہ اُس کے خلاف حکم دیا گیا ہے۔

۱۰: ۲۔ شریعت کے کسی ”ایک“ حکم کو توڑنا شریعت کی ”سب باتوں میں قصور وار ٹھہرنا“ ہے۔ شریعت دس کڑیوں کی ایک زنجیر کی مانند ہے۔ خدا ہمیں یہ اجازت نہیں دیتا کہ جس حکم کو ہم پسند کریں اُسے تو مانیں اور باقیوں کو توڑ دیں۔

۱۱: ۲۔ ”وہ خدا جس نے ”زنا“ کرنے سے منع کیا، وہی ”خون“ کرنے سے بھی منع کرتا ہے۔ ممکن ہے ایک شخص نے ”زنا“ نہ کیا ہو لیکن وہ ”خون“ کرنے کا مرتکب ہوتا ہے۔ کیا وہ ”شریعت کا عدول کرنے والا“ ہے؟ یقیناً ہے۔ شریعت کی روح یہ ہے کہ ہم اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھیں۔ ”زنا“ یقیناً اس کی خلاف ورزی ہے لیکن اسی طرح ”خون“ کرنا بھی۔ اور یہی حال احساس برتری، خود پسندی اور امتیاز پسندی کا ہے۔ اگر ہم اس میں سے کوئی بھی گناہ کرتے ہیں تو ہم شریعت کے احکام کی پیروی کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

دش احکام

آئیے ذرا ایک بنیادی مشکل پر غور کریں جو یہاں پیدا ہوتی ہے۔ مسئلہ یہ ہے کہ کیا مسیحی شریعت کے ماتحت ہیں یا نہیں؟ ایسا لگ رہا ہے کہ یعقوب مسیحی ایمان داروں پر دش احکام لگا کر رہا ہے۔ وہ خاص طور پر چھٹے اور ساتویں حکم کا حوالہ دیتا ہے جو زنا کاری اور قتل سے منع کرتے ہیں۔ پھر وہ آخری پانچ احکام کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کرتا ہے کہ تو اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھ۔ لیکن اگر ایمانداروں کو شریعت کے ماتحت کیا جائے تو یہ نئے عہد نامہ کے دیگر حصوں سے متصادم ہے۔ مثلاً رومیوں ۱۲:۶ ”تم شریعت کے ماتحت نہیں بلکہ فضل کے ماتحت ہو۔“ رومیوں ۶:۷ ”اب ہم شریعت سے... چھوٹ گئے... ہیں۔“ رومیوں ۴:۷ ”تم بھی مسیح کے بدن کے وسیلہ سے شریعت کے اعتبار سے... مردہ بن گئے“ (مزید دیکھئے گلیتوں ۲:۱۹؛ ۳:۱۳، ۲۴، ۲۵؛ ۱- تیمتھیس ۱:۸، ۹؛ عبرانیوں ۱۹:۷)۔ یہ حقیقت کہ مسیحی دش احکام کے ماتحت نہیں ۲- کرنتھیوں ۷:۱۱ میں صفائی سے بیان کی گئی ہے۔ تو پھر یعقوب کیوں اس فضل کے زمانہ میں ایمان داروں پر شریعت پر عمل کرنے کے لئے زور دیتا ہے؟ پہلی بات یہ ہے کہ بطور ضابطہ حیات وہ شریعت کے ماتحت نہیں ہیں۔ شریعت نہیں، بلکہ مسیح ایمان داروں کی زندگی کی بنیاد ہے۔ جہاں شریعت ہے وہاں سزا بھی ہے۔ شریعت توڑنے کی سزا موت ہے۔ مسیح شریعت کی عہد دہی کی سزا اٹھانے کے لئے ہی سزا۔ چنانچہ وہ لوگ جو مسیح میں ہیں شریعت اور اس کی سزا سے محفوظ ہیں۔ لیکن شریعت کے بعض اصول دائمی نوعیت کے ہیں۔ یہ ہر عمر کے لوگوں کے لئے ہیں۔ بت پرستی، زنا، قتل اور چوریاں بنیادی طور پر غلط ہیں۔ مزید برآں دش میں سے نو۹ کو خطوط میں دہرایا گیا ہے۔ ایک جس کا ذکر نہیں ملتا اس کا تعلق سبت سے ہے۔ مسیحیوں کو کہیں بھی سبت یا ہفتہ کے ساتویں دن کو ماننے کا حکم نہیں دیا گیا کیونکہ یہ رگی نوعیت کا ہے اخلاقی نہیں ہے۔ بنیادی طور پر تو ایک یہودی کے لئے ساتویں دن کام کرنا غلط نہیں تھا۔ یہ صرف اس لئے غلط تھا کہ خدا نے اس دن کو الگ کیا تھا۔

آخری بات یہ ہے کہ تو حکم جن کا اعادہ خطوط میں کیا گیا ہے وہ بطور شریعت نہیں دئے گئے بلکہ خدا کے لوگوں کے لئے راست بازی کے سلسلے میں بطور ہدایات ہیں۔ بالفاظ دیگر خدا مسیحیوں سے یہ نہیں کہتا کہ ”اگر تم چوری کر دگے تو تم موت کے وارث ہو گے۔“ یا ”اگر تم حرام کاری کر دگے تو سبابت سے ہاتھ دھو بیٹھو گے“ بلکہ یہ کہتا ہے ”میں نے تمہیں اپنے فضل سے بچایا ہے۔ اب میں

چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت رکھنے کے سبب سے پاک زندگی بسر کرو۔ اگر تم یہ جاننا چاہتے ہو کہ میں تم سے کیا امید رکھتا ہوں تو یہ تمہیں نے عہد نامہ میں نظر آئے گا۔ وہاں تمہیں نو حکم ملیں گے۔ لیکن اس کے ساتھ تمہیں وہاں خداوند یسوع کی تعلیم بھی ملے گی جو درحقیقت شریعت کے نقض سے کہیں بلند کردار کا تقاضا کرتی ہے۔ پس درحقیقت یعقوب ایمان داروں کو شریعت اور اس کی سزا کے ماتحت نہیں لارہا ہے۔ وہ یہ نہیں کہہ رہا کہ اگر تم آدمیوں کی عزت کرتے ہو تو شریعت کو توڑتے ہو اور یوں موت کے وارث بن جاتے ہو۔

۱۲:۲۔ یعقوب یہ کہہ رہا ہے کہ بطور ایمان دار تم غلامی کی شریعت کے ماتحت نہیں رہے بلکہ آزادی کی شریعت کے ماتحت ہو یعنی ہر درست کام کرنے کی آزادی۔ موسوی شریعت تمہیں اپنے پڑوسی سے محبت کرنے کو کہتی ہے لیکن تمہیں قوت نہیں دیتی اور اگر اس سے قاصر ہو تو سزا کا حکم سناتی ہے۔ فضل کے تحت اپنے پڑوسی سے محبت کرنے کے لئے تمہیں قوت دی جاتی ہے اور جب تم محبت کرتے ہو تو اجر دیا جاتا ہے۔ تم نجات پانے کے لئے محبت نہیں کرتے بلکہ اس لئے کہ نجات یافتہ ہو۔ تم سزا کے خوف کی وجہ سے محبت نہیں کرتے بلکہ مسیح کے ساتھ محبت رکھنے کی وجہ سے جو تمہارے لئے مولا اور پھر جی اٹھا۔ جب تم مسیح کے تختِ عدالت کے سامنے کھڑے ہو گے تو اس معیار کے مطابق اجر ملے گا یا نقصان اٹھاؤ گے۔ وہاں سوال نجات کا نہیں ہوگا بلکہ اجر کا۔ ان لوگوں کی طرح کلام بھی کرو اور کام بھی۔ کلام اور زندگی دونوں میں مطابقت ہونی چاہئے۔ ایمان داروں کو اپنے کام اور کلام میں طرف داری سے احتراز کرنا چاہئے۔ آزادی کی شریعت کی اس قسم کی خلاف ورزی کا مسیح کے تختِ عدالت کے سامنے جواب دینا پڑے گا۔

۱۳:۲۔ آیت ۱۳ کو سیاق و سباق کی روشنی میں سمجھنا چاہئے۔ یعقوب ایمان داروں سے مخاطب ہے۔ یہاں ابدی سزا کا سوال نہیں ہے۔ وہ سزا ایک ہی مرتبہ کلوری کی صلیب پر اٹھائی گئی ہے۔ یہاں پر سوال یہ ہے کہ خدا ہمیں فرزند جان کر ہمارے ساتھ اس دنیا میں کیسا سلوک کرتا ہے۔ اگر ہم دوسروں پر رحم نہیں کرتے تو ہم خدا کے ساتھ رفاقت میں نہیں چل رہے اور ہمیں اس کے نتائج بھگتنے پڑیں گے۔

”رحم انصاف پر غالب آتا ہے“ کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ خدا ہمیں سزا دینے کی بجائے ہم پر رحم کرنا زیادہ پسند کرتا ہے (میکہ ۷: ۱۸)۔ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ہم عدالت کے باوجود خوشی منا سکتے ہیں بشرطیکہ ہم نے دوسروں پر رحم کیا۔ لیکن اگر ہم نے ان پر جنہیں ہم انصافاً

تصور وار ٹھہرا سکتے تھے رحم نہیں کیا تو ہم پر بھی رحم نہ کیا جائے گا۔ ”یا رحم انصاف پر غالب آتا ہے“ کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ رحم ہمیشہ ہی انصاف سے بڑا ہے۔ بہر حال اس فقرے کا عام مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہم دوسروں پر رحم کرتے ہیں تو وہ سزا جو بصورت دیگر ہماری ہوتی رحم میں بدل جائے گی۔

پس آئیے ہم طرف داری کے اہم موضوع پر اپنے آپ کو پرکھیں۔ کیا آپ ان لوگوں کی نسبت جو معمولی شکل و صورت کے یا غیر جاذب نظر ہیں جو بصورت لوگوں سے زیادہ ملتے ہیں؟ کیا آپ غیر معروف لوگوں کے مقابلے میں مشہور لوگوں سے دوستی کرنے کے زیادہ خواہاں رہتے ہیں؟ کیا آپ معزوروں سے بچتے اور صحت مند اور توانا لوگوں سے ہم نشینی کی تلاش میں رہتے ہیں؟ کیا ہم غریبوں کے مقابلہ میں امیروں کی طرف داری کرتے ہیں؟

جب ہم ان سوالوں کا جواب دیں تو یاد رکھیں کہ اگر ہم کسی چھوٹے سے چھوٹے ایماندار کے ساتھ یہ سلوک کرتے ہیں تو ہم اپنے نجات دہندہ کے ساتھ کرتے ہیں (متی ۲۵: ۴۰)۔

۴۔ ایمان اور عمل (۱۴: ۲-۲۶)

غالباً یہ آیات یعقوب کے خط میں سب سے زیادہ متنازع ہیں۔ یہاں تک کہ کلیسیا کے عظیم پیوت ٹوتھر کا خیال تھا کہ یعقوب کے خط میں اعمال کے ذریعہ راستباز ٹھہرائے جانے کی تعلیم اور کپڑوں کے ایمان کے وسیلے سے راستباز ٹھہرائے جانے پر زور دینے میں مصالحت نہیں ہو سکتی۔ ان آیات کو عام طور پر غلط طریقے سے استعمال کرتے ہوئے اس بدعت کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے کہ نجات ایمان + اعمال سے ہے۔ اسے تعاون باہمی کا عقیدہ کہا جاتا ہے۔ بالفاظ دیگر ہمیں مسیح پر بطور نجات دہندہ کے ضروری ایمان رکھنا ہے لیکن یہ کافی نہیں ہے۔ ہمیں اس کے مخلصی کے کام کے ساتھ اپنے نیک کاموں کا بھی ضروری اضافہ کرنا ہوگا۔

ہم اس حصے کا عنوان ”اعمال سے راستباز ٹھہرایا جانا“ رکھ سکتے ہیں، کیونکہ ایک لحاظ سے ہم اپنے کاموں سے راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں۔ راست باز ٹھہرائے جانے کے بارے میں پوری سچائی کو معلوم کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس کے چھ پہلوؤں کو صفائی سے سمجھ لیں۔ ۱۔ ہم فضل سے

راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں (رومیوں ۳: ۲۴)۔ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ ہم راست باز ٹھہرائے جانے کے حق دار نہیں تھے۔ درحقیقت ہم اس کے الٹ کے حقدار تھے۔ ۲۔ ہم ایمان سے راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں (رومیوں ۱۰: ۵)۔ ایمان، خدا کے فضل کا انسانی جواب ہے۔ ایمان سے ہم مفت بخشش کو قبول کرتے ہیں۔ خدا نے جو کچھ ہمارے لئے کیا اُسے قبول کرنا ایمان ہے۔ ۳۔ ہم خونِ راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں (رومیوں ۵: ۹)۔ یہاں خون وہ قیمت ہے جو ادا کی گئی تاکہ ہمیں راست باز ٹھہرایا جاسکے۔ گناہ کا فرض مسیح کے قیمتی خون سے ادا کیا گیا۔ اب خدا گناہگاروں کو راست باز ٹھہرا سکتا ہے کیونکہ ایک راست ادائیگی کی جا چکی ہے۔ ۴۔ خدا ہمیں راست باز ٹھہراتا ہے (رومیوں ۸: ۳۳)۔ جو سچائی یہاں ہے وہ یہ ہے کہ خدا ہی وہ ہے جو ہمیں راست باز ٹھہراتا ہے (رومیوں ۸: ۳۳)۔ ۵۔ ہم قدرت سے راست باز ٹھہرائے گئے (رومیوں ۴: ۲۵)۔ ہمارے راست باز ٹھہرائے جانے کا تعلق اُس قدرت سے ہے جس نے مسیح کو مردوں میں سے جلایا۔ اُس کا جی اٹھنا اس بات کا ثبوت ہے کہ خدا مٹھڑ میں ہے۔ ۶۔ ہم اعمال سے راست باز ٹھہرائے جاتے ہیں (یعقوب ۲: ۲۴)۔ اعمال ایمان کی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔ وہ اُس بات کو جو بصورت دیگر ناویدنی رہتی ظاہر کرتے ہیں۔ اس سے ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص فضل سے، ایمان سے، خون سے، خدا سے، قدرت سے اور اعمال سے راست باز ٹھہرایا جاتا ہے۔ ان چھ باتوں میں قطعی کوئی تضاد نہیں ہے۔ یہ بیانات ایک ہی سچائی کے مختلف پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں فضل وہ اصول ہے جس پر خدا راست باز ٹھہراتا ہے۔ ایمان وہ ذریعہ ہے جس سے آدمی اُسے حاصل کرتا ہے۔ خون وہ قیمت ہے جو نجات دہندہ کو ادا کرنی پڑی۔ خدا راست باز ٹھہرانے والی ہستی ہے۔ قدرت ثبوت ہے اور کام نتیجہ ہیں۔ ۱۴: ۲۔ یعقوب اصرار کرتا ہے کہ ایمان جس کا نتیجہ نیک اعمال کی صورت میں نہیں نکلتا بچا نہیں سکتا۔ یہاں دو کلیدی حلی ہیں جو اس آیت کو سمجھنے میں بڑی مدد دیتی ہیں۔ پہلی یہ کہ یعقوب یہاں یہ نہیں کہتا کہ اگر کسی کے پاس ایمان ہے تو اس کا کیا فائدہ؟ بلکہ وہ یہ کہتا ہے کہ اگر کوئی کئے کے بغیر ایمان دار ہو... تو کیا فائدہ؟ بالفاظِ دیگر یہاں اُس آدمی کا سوال نہیں ہے جس کے پاس سچا ایمان ہے لیکن اس کے باوجود بھی سچا ہوا نہیں ہے۔ یعقوب یہاں ایسے آدمی کا ذکر کر رہا ہے جو نام کا ایمان رکھتا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ میرے پاس ایمان ہے لیکن اُس کی زندگی اس کی تصدیق نہیں کرتی۔ دوسری مفید کلید یہ ہے کہ کیا ایسا ایمان اُسے نجات دے سکتا ہے؟ دوسرے لفظوں میں کیا ایسا ایمان اُسے بچا سکتا ہے؟ اگر یہ پوچھا جائے کہ یعقوب کس قسم کے ایمان کا ذکر

کر رہا ہے تو اس کا جواب آیت کے پہلے حصے میں ملتا ہے۔ یہاں وہ فرضی یا نام نہاد ایمان کا ذکر کر رہا ہے جس کی تصدیق نیک اعمال سے نہیں ہوتی۔ ایسا ایمان بے فائدہ ہے۔ یہ محض لفاظی ہے اور کچھ نہیں۔

۱۵:۲-۱۶- اب یہاں اعمال کے بغیر الفاظ کی بے ثمری کی منظر کشی کی گئی ہے۔ ہم سے دو اشخاص کا تعارف کرایا جاتا ہے۔ ایک وہ جس کے پاس ”روزانہ روٹی“ اور کپڑوں کی کمی ہے، اور دوسرا وہ جس کے پاس یہ دونوں چیزیں ہیں لیکن وہ اُن میں دوسروں کو شریک کرنے پر تیار نہیں۔ بڑا سخی بننے ہوئے وہ اُس غریب بھائی سے کہتا ہے ”جاؤ کپڑے پہنو اور خوب سیر ہو کر کھاؤ۔“ لیکن وہ اُس کی مدد کرنے کے لئے کچھ نہ کرے تو ایسے الفاظ کی کیا حقیقت ہے؟ وہ بے معنی ہیں۔ وہ نہ تو بھوک کو مٹاتے اور نہ ”تن“ کو گرم کرتے ہیں۔

۱۶:۲- ”اسی طرح ایمان بھی اگر اُس کے ساتھ اعمال نہ ہوں تو اپنی ذات میں مُردہ ہے۔“ ایمان جس کے ساتھ ”اعمال“ نہ ہوں حقیقی ایمان نہیں ہوتا۔ وہ صرف الفاظ تک محدود ہے۔ یعقوب یہ نہیں کہہ رہا کہ ہم ایمان + اعمال سے بچتے ہیں۔ ایسا ایمان رکھنا خداوند یسوع مسیح کے تکمیل شدہ کام کی بے حرمتی کرنا ہے۔ اگر ہم ایمان + اعمال سے نجات پائیں تو ہمارے دو نجات دہندہ ہوں گے، ایک یسوع اور دوسرا ہم خود۔ لیکن نیا عہد نامہ بڑی صفائی سے بتاتا ہے کہ صرف یسوع ہی واحد نجات دہندہ ہے۔ یعقوب جس بات پر زور دے رہا ہے وہ یہ ہے کہ ہم محض الفاظ پر مشتمل ایمان سے نہیں بچتے بلکہ اُس ایمان سے جس کا نتیجہ نیک اعمال کی صورت میں نکلتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں اعمال نجات کی جڑ نہیں بلکہ پھل ہیں۔ وہ علت نہیں معلول ہیں۔

۱۸:۲- حقیقی ایمان کو نیک اعمال سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اسے یعقوب دو آدمیوں کے درمیان گفتگو سے دکھاتا ہے۔ پہلا آدمی جو حقیقتاً نجات یافتہ ہے متکلم ہے۔ دوسرا آدمی ایمان کا اقرار تو کرتا ہے لیکن اُس ایمان کو نیک کاموں سے ظاہر نہیں کرتا۔ پہلا آدمی دوسرے کے سامنے چیلنج پیش کرتا ہے جس کا جواب وہ دے نہیں سکتا۔ ہم اس گفتگو کو اپنے لفظوں میں یوں بیان کر سکتے ہیں۔ ہاں، تو کہتا ہے کہ ”تو تو ایمان دار ہے“ لیکن اس کو ظاہر کرنے کے لئے تیرے پاس اعمال نہیں ہیں۔ میرا دعویٰ یہ ہے کہ لازم ہے کہ ایمان نیک اعمال میں اپنا رنگ دکھائے۔ تو اپنے ”ایمان“ کو نیک ”اعمال“ کی زندگی کے بغیر ثابت کر۔ تو یہ نہیں کر سکتا۔ ایمان نادریدنی ہے۔ لوگ صرف اُس وقت ہی تیرے ایمان کو جانیں گے جبکہ تو اس کا اظہار اپنی زندگی

سے کرے۔ ”میں اپنا ایمان اعمال سے جُھکے دکھاؤں گا۔“ اس آیت میں کلیدی لفظ ”دکھا“ ہے۔
اعمال کے بغیر ایمان ”دکھانا“ ناممکن ہے۔

۱۹:۲ - ۲۰ - یہ بحث جاری ہے۔ پہلا آدمی اب بھی متمکم ہے۔ ایک آدمی جس ایمان کا اقرار کرتا ہے وہ محض ذہنی قبولیت ہو سکتا ہے۔ اس قسم کی ذہنی قبولیت میں شخصی ذمہ داری شامل نہیں ہوتی۔ اور نہ ایسا ایمان زندگی کو تبدیل کرتا ہے۔ خدا کی موجودگی پر ایمان رکھنا کافی نہیں ہے۔ بے شک یہ ضروری تو ہے لیکن کافی نہیں ہے۔ ”شیاطین بھی ایمان رکھتے ہیں کہ خدا موجود ہے اور وہ اپنی سزا کے بارے میں جو وہ اُنہیں دے گا سوچ سوچ کر تھر تھراتے ہیں۔“ شیاطین ”حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں“ لیکن وہ اپنے آپ کو اُس کے حوالے نہیں کرتے۔ یہ بچانے والا ایمان نہیں ہے۔ جب کوئی حقیقی طور پر خداوند پر ایمان لاتا ہے تو وہ اپنی روح، جان اور بدن اُس کے حوالے کر دیتا ہے۔ نتیجہ یہ حوالگی اُس کی زندگی تبدیل کر دیتی ہے۔ ”اعمال“ کے بغیر ”ایمان“ ذہن تک محدود ہوتا ہے، اس لئے ”مردہ“ ہے۔

۲۱:۲ - اب عہد عتیق سے دو مثالیں دی جاتی ہیں جن میں ایمان کو کام کرتے دکھایا گیا ہے۔ ایک ”ابراہم“ ہے جو کہ بیہودہ تھا اور دوسری ”راحب“ ہے جو غیر قوم تھی۔ ”ابراہم“ اعمال سے راستباز... ٹھہرا“ کیونکہ اُس نے اپنے بیٹے اِضحاق کو قربان گاہ پر قربان کیا۔“ اس کو اس کے درست پس منظر میں دیکھنے کے لئے پیدائش ۱۵:۶ سے رجوع کریں۔ وہاں ہم پڑھتے ہیں کہ ابراہم خدا پر ایمان لایا اور یہ اُس کے لئے راست بازی گنا گیا۔ وہاں ابراہم ایمان سے راست باز ٹھہرتا ہے لیکن بعد میں باب ۲۲ میں ہی وہ اپنے بیٹے کو قربان کر رہا ہے۔ اُس وقت وہ اعمال سے راست باز ٹھہرا۔ جو بھی وہ خداوند پر ایمان لایا تو وہ خدا کی نظر میں راست باز ٹھہرا۔ لیکن پھر سات ابواب بعد ہم اُسے اپنے بیٹے کو قربان کرتے ہوئے دیکھتے ہیں۔ خدا نے ابراہم کے ایمان کو آزمایا۔ ابراہم نے اپنے بیٹے کو قربان کرنے پر رضامند ہونے سے ظاہر کیا کہ اُس کا ایمان حقیقی ہے۔ اُس کی فرمانبرداری ظاہر کرتی ہے کہ اُس کا ایمان ذہنی ایمان نہیں ہے بلکہ اُس کا تعلق دل سے ہے۔

بعض مرتبہ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ جب ابراہم نے اپنے بیٹے اِضحاق کو قربان کیا تو وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا جس پر وہ اپنے ایمان کی حقیقت کو ثابت کر سکتا۔ لیکن وہ جو ابراہم کے ساتھ گئے تھے دور نہیں تھے۔ وہ ابراہم اور اِضحاق کا پہلا پیر سے واپس آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ پھر اِضحاق وہاں تھا۔ مزید یہ کہ خدا کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنے بیٹے اِضحاق کو

قرآن کرنے کی تفصیل بائبل مقدس میں بھی محفوظ ہے۔ یوں اُس کے ایمان کی حقیقت کا اظہار تمام نسلوں پر ہو گیا۔

۲۲:۲-۲۳- پس یہ صاف ظاہر ہے کہ ابراہام کے ایمان سے اُس کے اعمال کو تحریک ملی اور اعمال سے ایمان کامل ہوا۔ حقیقی ایمان اور اعمال کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔ پہلا، دوسرے کو پیدا کرتا ہے اور دوسرا پہلے کی تصدیق کرتا ہے۔ امتحان کی قربانی میں ہم ابراہام کے ایمان کا عملی اظہار دیکھتے ہیں۔ ”یہ نوشتہ“ کی عملی تکمیل تھی جو یہ کہتا ہے کہ ”ابراہام“ ایمان لانے سے راست باز ٹھہرا۔ اُس کے نیک اعمال سے ظاہر ہوا کہ وہ ”خدا کا دوست“ ہے۔

۲۴:۲- ہم اس سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ”انسان صرف ایمان ہی سے نہیں بلکہ اعمال سے راست باز ٹھہرتا ہے۔“ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ ایمان + اعمال سے راست باز ٹھہرا۔ وہ خدا کے لحاظ سے ایمان سے راست باز ٹھہرا اور اعمال کے لحاظ سے آدمیوں کی نظر میں راست باز ٹھہرا۔ خدا نے اُسے اسی وقت راست باز ٹھہرا دیا جب کہ وہ ایمان لایا۔ انسان کہتا ہے کہ ”مجھے اپنے ایمان کا حقیقی ہونا دکھا۔“ اس کا صرف ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے نیک اعمال۔

۲۵:۲- عبدعزیز کی دوسری مثال ”راحب فاحشہ“ ہے۔ وہ یقیناً اپنے اچھے چال چلن کے ذریعہ سے نہیں بچائی گئی تھی (وہ بازاری عورت تھی)۔ ”وہ اعمال سے... راست باز ٹھہری“ کیونکہ اُس نے قاصدوں (جاسوسوں) کو اپنے گھر میں اُتارا اور دوسری راہ سے رخصت کیا۔ ”راحب کفنا تھی اور یہ سب شہر میں رہائش پذیر تھی۔ اُس نے سنا کہ ایک فتح مند فوج اُس کے شہر کی طرف بڑھ رہی ہے، اور اُس فوج کے مقابلہ میں کوئی بھی اب تک کامیاب نہیں ہوا۔ اس سے اُس نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ عبرانیوں کا خدا سچا خدا ہے اور فیصلہ کیا کہ وہ اُس خدا کو قبول کرے گی خواہ اس کی کتنی ہی بڑی قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے۔ جب جاسوس شہر میں داخل ہوئے تو وہ اُن کی مدد کرنے لگی۔ یہ کرنے سے اُس نے سچے اور زندہ خدا پر اپنے ایمان کو ثابت کیا۔ وہ اس لئے نہیں بچتی کہ اُس نے جاسوسوں کو پناہ دی بلکہ اس لئے کہ اُس کے مہربانی کے اس عمل نے ثابت کر دیا کہ وہ سچی ایمان دار ہے۔

بعض لوگ اس حوالے کو غلط طور پر استعمال کر کے یہ سکھاتے ہیں کہ نجات میں نیک اعمال کا بھی حصہ ہے۔ لیکن ان اعمال سے اُن کی سراد سخاوت کرنا، اپنا قرض ادا کرنا، پیسہ بولنا اور چرچ جانا ہوتا ہے۔ لیکن کیا ابراہام اور راحب کے یہی نیک اعمال تھے؟ یقیناً نہیں۔ ابراہام کے معاملے میں یہ تھا کہ وہ اپنے بیٹے کو قربان کرنے پر رضامند تھا، اور راحب کے معاملے میں غدا تھی۔

اگر ان کاموں سے ایمان کو نکال دیا جائے تو وہ نیک کاموں کی بجائے بُرے کام بن جاتے ہیں۔

۲۶:۲۔ یعقوب اس حوالہ کو اس بیان سے ختم کرتا ہے: ”جیسے بدن بغیر روح کے مُردہ ہے

وَلِیْسَ هٰی اِیْمَانٌ بِغَیْرِ اَعْمَالٍ کے مُردہ ہے۔“ یہاں اس بات کا اختصار بڑی خوبصورتی سے پیش

کر لیا گیا ہے۔ یعقوب ”ایمان“ کا موازنہ انسانی ”بدن“ سے کرتا ہے۔ ”وہ اعمال“ کو ”روح“ سے تشبیہ

دیتا ہے۔ ”بدن بغیر روح کے مُردہ“ بیکار اور بے قدر ہے۔ ”ویسے ہی ایمان بھی بغیر اعمال کے مُردہ“

غیر مؤثر اور بے فائدہ ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ حقیقی ایمان نہیں بلکہ جعلی ہے۔

یعقوب ہمارے ایمان کو مندرجہ ذیل سوالات سے پرکھتا ہے: کیا میں ابراہام کی طرح اپنی زندگی میں

سب سے عزیز شے خدا کو دینے کو تیار ہوں؟ کیا میں راجب کی طرح مسیح کا وفادار رہنے کے لئے دُنیا

کا غدار بننے پر رضامند ہوں؟

۶۔ زبان — اس کا درست اور غلط استعمال

باب ۳ کی پہلی بارہ آیات کا تعلق زبان سے ہے (اس کا ذکر ۱: ۱۹، ۲: ۲۶، ۳: ۱۱، ۵: ۱۲، ۱۱: ۱۷)

بھی ملتا ہے)۔ جس طرح پُرلے زمانہ کے ڈاکٹر بیمار کی زبان دیکھ کر تشخیص کیا کرتے تھے، اسی طرح یعقوب

ایک شخص کی روحانی صحت کا اندازہ اُس کی گفتگو سے لگاتا ہے۔ اپنی تشخیص کی ابتدا باتِ حیثیت کے گناہوں

سے ہوتی ہے۔ یعقوب ایک جدید دانشور سے اتفاق کرے گا جس نے کہا کہ اپنی زبان کی خبر گیری کریں۔

وہ کیلی جگہ میں ہے جہاں سے آسانی سے پھسل سکتی ہے۔“

۱۱:۳۔ وہ موضوع کا تعارف جلد بازی سے خدا کے کلام کا اُستاد بننے کے بارے میں تنبیہ سے کرتا

ہے۔ اگرچہ یہاں پر خاص طور پر زبان کا ذکر تو نہیں ہوا ہے تاہم بین السطور خیال یہ ہے کہ جو اپنی

زبان کو خدا کا کلام سمجھانے کے لئے استعمال کرتا ہے وہ خدا اور انسان کے سامنے زیادہ ذمہ دار

بن جاتا ہے۔ ان الفاظ کو کہ ”تم میں سے بہت سے اُستاد نہ بنیں۔“ اپنے الفاظ میں یوں بیان کر سکتے

ہیں: ”خواہ مخواہ اُستاد بننے کے خواہش مند نہ ہو۔“ اگر کسی کو خدا نے اُستاد بننے کے لئے بلایا ہے تو

اُسے اپنی نعمت کو استعمال کرنے کے خلاف اسے ممانعت نہیں سمجھنا چاہئے۔ یہ ایک سادہ سی

تنبیہ ہے کہ ہمیں اس خدمت کو ہلکا نہیں سمجھنا چاہئے۔ وہ لوگ جو کلام حق کو سکھاتے ہیں اگر خود

اُس پر عمل نہیں کرتے تو وہ زیادہ ”سزا“ پائیں گے۔

بائبل کی تعلیم دینا ایک بہت بڑی ذمہ داری ہے۔ اُستاد کو جو کچھ وہ کلام میں دیکھتا ہے اُس

پر عمل کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔ جہاں تک اُس نے عمل کیا ہے اُس سے آگے وہ دوسروں کو سکھانے کی اُمید نہیں کر سکتا۔ دوسروں پر اُس کے اثر کا اندازہ اس سے لگایا جائے گا کہ اُس نے خود کہاں تک ترقی کی ہے۔ استاد دوسروں کو اپنی صورت پر پیدا کرتا ہے۔ وہ انہیں اپنی شبیہ کی مانند بناتا ہے۔ اگر وہ کلام کے کسی حصے کو ہلکا کر کے پیش کرتا ہے یا درست تشریح نہیں کرتا تو وہ اپنے طلباء کی ترقی میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ اگر وہ کسی قسم کے گناہ کی چشم پوشی کرتا ہے تو ناپاک زندگیوں کی پرورش کرتا ہے۔ جتنا زیادہ دعویٰ نیا عہد نامہ اپنے قارئین کی زندگیوں پر کرتا ہے کوئی اور کتاب نہیں کرتی۔ یہ تقاضا کرتا ہے کہ ہم اپنی زندگی پوری طرح مسیح کی تحویل میں دے دیں۔ وہ اصرار کرتا ہے کہ مسیح کو ایک ایمان دار کی زندگی کے ہر شعبہ کا مالک ہونا چاہئے۔ اس قسم کی کتاب سے تعلیم دینا بڑی سنجیدہ بات ہے۔

۲:۳۔ یعقوب اب تعلیم دینے کی خاص خدمت سے ہٹ کر عام گفتگو کی طرف آتا ہے۔ ہم سب ”اکثر شعبوں میں“ ”خطا کرتے ہیں“ لیکن اگر کوئی اپنی زبان پر کنٹرول کرے تاکہ وہ زبان کے مختلف گناہوں کا مرکب نہ ہو تو ایسا شخص واقعی ایمان میں پختہ اور منضبط ہے۔ اگر ایک شخص اپنی گفتگو کو کنٹرول کر سکتا ہے تو پھر اسے اپنی زندگی کے دیگر شعبوں میں اپنے آپ کو کنٹرول کرنے میں مشکل پیش نہیں آتی چاہئے۔ بلاشبہ، صرف خداوند یسوع مسیح ہی ایک ایسی ہستی ہے جس نے اس پر مکمل عمل کیا، لیکن ایک لحاظ سے ہم بھی ”کابل“ یعنی پختہ، اور خوب منضبط بن سکتے ہیں۔

۳:۳۔ یہاں پر زبان کو پانچ چیزوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ سب سے پہلے اس کا لگام سے موازنہ کیا گیا ہے۔ ”لگام“ گھوڑے کا ایک ساز ہے جو اُس کے سر کے دونوں طرف سے گزرتا ہے اور جس کے ساتھ کچلی یا دھاتی دمانہ بٹرا ہوتا ہے۔ اُسے گھوڑے کے منہ میں رکھا ہوا ہوتا ہے۔ اگرچہ کچلی لوہے کا چھوٹا سا ٹکڑا ہوتا ہے، تاہم اُس سے گھوڑے کے روئیہ کو کنٹرول کیا جاسکتا ہے۔ اسی طرح زبان زندگی کی راہنمائی کرتی ہے۔ خواہ نیکی کے لئے، خواہ بدی کے لئے۔

۴:۳۔ دوسری تصویر ”پتوار“ کی ہے۔ ”پتوار“ جہاز کے مقابلے میں ”نہایت چھوٹی“ ہوتی ہے۔ اس کا وزن جہاز کے وزن سے سینکڑوں گنا کم ہوتا ہے۔ مثلاً کوئین الزبتھ جہاز کا وزن ۶۷۳، ۸۳ ٹن تھا جبکہ پتوار کا وزن صرف ۱۴۰ ٹن تھا۔ یوں وہ کل وزن سے تقریباً چھ سو گنا کم تھی۔ اس کے باوجود بھی جب ”پتوار“ کو گھمایا جاتا ہے تو وہ جہاز کی سمت کو کنٹرول کرتی ہے۔ یہ بات ناقابل یقین ہے کہ ایک آدمی اتنے عظیم الجثہ جہاز کو اتنے چھوٹے پیرزے سے کنٹرول کرے

لیکن حقیقت یہی ہے۔ نہیں ہمیں بھی زبان کے حجم سے اس کا غلط اندازہ نہیں لگانا چاہئے۔ اگرچہ زبان بدن کا بہت ہی چھوٹا حصہ ہے اور مقابلتا پرورشیدہ بھی ہے تاہم وہ بڑے اچھے اور نہایت بُرے کام کر سکتی ہے۔

۳: ۵، ۶۔ زبان کو تیسری تشبیہ آگ سے دی گئی ہے۔ بے پروائی سے پھینکن گئی ایک جلتی ہوئی ماہیس کی تیلی جھاڑی کو آگ لگا سکتی ہے۔ پھر اُس سے ”جھگن“ میں آگ لگ جاتی ہے اور اپنے پیچھے عظیم تباہی و بربادی پھوٹ جاتی ہے۔ ایک چھوٹی سی تیلی سے تباہی و بربادی کے کتنے امکانات ہوتے ہیں! تاریخ کا ایک عظیم المیہ ۱۸۱۱ء کی شکاگو کی آگ تھا۔ روایت کے مطابق آگ اُس وقت لگی جبکہ مسز اوئیری کی گائے نے اُس کی لالٹین کو لات ماری۔ خواہ یہ روایت درست ہے یا نہیں، آگ تین دن تک بجھ سکتی رہی یہاں تک کہ اُس نے شہر کا آدھا مربع میل علاقہ جلا کر خاکستر کر دیا۔ ۲۵۰ آدمی ہلاک اور دس ہزار بے گھر ہوئے اور کل شہر کوڑے پیاس لاکھ ڈالر کی جائیداد تباہ ہو گئی۔ زبان بھی ماہیس کی ایک جلتی ہوئی چھوٹی تیلی یا ایک روشن لالٹین کی مانند ہے جو گر کر اُلٹ گئی ہو۔ اس کی ہدی کی اہلیت بے حد ہے۔ یعقوب اُسے ”ہمارے اعضاء میں شرارت کا ایک عالم“ کہتا ہے۔ یہاں پر لفظ ”عالم“ وسعت کو بیان کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے۔ ہم بھی بعض اوقات اسے انہی معنوں میں استعمال کرتے ہیں مثلاً وہاں پر تماشا دیکھنے کے لئے ایک عالم جمع تھا۔ اس کا مطلب بے انتہا لوگ ہے۔ اگرچہ زبان ایک چھوٹا سا عضو ہے تاہم یہ بے انداز شرارت پیدا کر سکتی ہے۔

”زبان... سارے جسم کو“ ناپاک کرتی ہے۔ آدمی، اپنی تمام شخصیت کو چغلی، گالی، جھوٹ، کفر کوئی اور قسمیں کھانے سے بگاڑ سکتا ہے۔ چھپل لکھتا ہے:

منکھتہ چین اپنے آپ کو زخمی کرتا ہے... کیچڑ اچھالنے والا اپنے دلپسند شغل میں اپنے پر بھی کیچڑ اچھالے بغیر مصروف نہیں رہ سکتا۔ وہ کیچڑ جو وہ دوسروں پر اچھالتا ہے اُس سے اُس کے اپنے ہاتھ اور دل بھی آلودہ ہو جاتے ہیں۔ ہمیں اکثر مرتبہ آلودگی کے احساس کا تجربہ ہوتا ہے، تاہم جارا اللہ ہرگز یہ نہیں ہوتا۔ ہم دوسروں پر کیچڑ اچھالنے سے یہ بے فائدہ اُمید رکھتے ہیں کہ اس طرح ہم لوگوں کو زیادہ صاف ستھرے نظر آئیں گے۔ ایسا اعتقاد رکھنا کہ دوسروں کو گرہ لگوانا خود کو تعمیر کریں گے بیوقوفی ہے۔ اگر ہم یہ خیال کرتے ہیں کہ اپنے پڑوسی کے گھر کی بنیادوں میں ڈانٹا مائٹ رکھنے سے ہم اپنی بنیادوں کو مضبوط کریں گے تو یہ صریحاً اندھا پن ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوتا۔ ممکن ہے کہ ہم دوسروں کو زخمی کرنے

میں کامیاب ہو جائیں لیکن ہم اس سے کہیں زیادہ گہرے زخم خود اپنے آپ کو لگاتے ہیں۔
 زبان، ”دائرہ دنیا کو آگ لگا دیتی ہے۔“ یہ پہلیہ پیدائش سے گردش کرنے لگتا ہے۔ گندی زبان
 آدمی کی نہ صرف شخصی زندگی کو آلودہ کرتی ہے بلکہ اُس کی تمام سرگرمیوں کو بھی۔ ایک شرارتی زبان ”جہنم کی
 آگ سے جلتی رہتی ہے۔“ تمام بُری باتوں کا منبع وہاں ہی ہے۔ یہ اپنے کردار میں جہنمی ہے۔

۳:۷۔ چوتھی تصویر میں زبان کو جنگلی اور ناقابل تربیت جانوروں سے تشبیہ دی گئی ہے۔ تمام
 قسم کے حیوانوں، پرندوں، سانپوں اور آبی جانوروں کو تربیت دی جاسکتی ہے۔ ہم عام طور پر
 پالتو ہاتھی، شیر، شکاری پرندے، سانپ اور یہاں تک کہ مچھلیاں دیکھتے ہیں۔ پلیسی ایسے جانوروں کی
 فرست پیش کرتا ہے جنہیں اُس کے زمانہ میں آدمیوں نے تربیت دی۔ مثلاً ہاتھی، شیر، شیربہر، عقاب
 افعی اور دیگر سانپ، مگر مچھ اور مختلف مچھلیاں۔ اب یہ کمنا کہ ہر قسم کے جانور کو حقیقتاً تربیت نہیں
 دی گئی، یعقوب کی بحث کے نکتے سے صرف نظر کرنا ہے۔ ہمیں اس بات کا یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ
 نظر نہیں آتی کہ اگر آدمی کو وقت اور استقلال میسر ہو تو وہ ہر ایک جانور کو تربیت دے سکتا ہے۔
 رابرٹ لی نے اسے بڑے شاندار طریقے سے بیان کیا ہے :

انسان نے بھاری بھر کم ہاتھیوں کے ساتھ کیا کیا؟ اُس نے اُن کے جنگلوں
 پر حملہ کیا، سینکڑوں کو پکڑا اور انہیں شہیروں کو اٹھا کرے جانے، بھری چوڑی وزنی دیگنوں
 کو دھکیلے اور ہر قسم کی محنت مشقت کرنے کی تربیت دی۔ انسان نے سبز آنکھوں والے
 بنگال کے شیر کے ساتھ کیا کیا؟ اُس نے انہیں پکڑا، تربیت دی اور اپنے ساتھ کھیلنے والا
 بنالیا۔ انسان نے تَنہ خُور اور طائور افریقی شیربہروں کے ساتھ کیا کیا؟ اُس نے لاتعداد
 کو پکڑا اور انہیں جب آدمی چاہے مارے ہوئے انہیں حکم دے تو اُس کا حکم مانتے ہوئے
 آگ کے دائرہ میں سے کو دے، گھوڑے کی پشت پر سوار ہونے، اونچے استولوں پر بیٹھنے،
 جب بھوکے ہوں تو اُس گوشت کو جو اُن کے سامنے رکھا گیا منہ نہ لگانے، لیٹنے، کھڑے ہونے،
 دوڑنے، اور گر جھنے کی تربیت دی۔ ایک مرتبہ میں نے سرکس میں ایک شیر کو بھوکوں کی طرح
 اپنا غار نمائندہ کھولتے اور اُس میں اُس کے تربیت دینے والے کو اپنا سر ڈالتے ہوئے
 دیکھا۔ اُس نے اپنا سر اُس کے منہ کے اندر پورے ایک منٹ رکھا۔

انسان نے اژدہا کے ساتھ جو اپنے شکار کو جکڑ کر مار دیتا ہے کیا کیا؟ کسی سرکس
 میں جا کر دیکھیں کہ ایک نرم و نازک چھوٹی لڑکی بلا خوف ایک خوفناک اژدہا کو اپنے جسم کے

ارد گرد لپیٹے کھڑی ہے۔ کسی جانوروں کے شو میں جا کر دیکھیں کہ انسان نے کس طرح داغدار چیتے اور خونخوار جیگوار کو بے ضرر اور گونگا بنا دیا ہے۔ کسی شو میں جا کر تربیت یافتہ بھوکے گیدڑ کو برے کے ساتھ لیٹے ہوئے، افاتہ اور عقاب کو ایک ہی گھونسلے میں بیٹھے ہوئے اور خرگوش اور بھیڑے کو ایک ساتھ کھیلتے ہوئے دیکھیں۔

۸:۳۔ لیکن جنگلی جانوروں کے سلسلے میں انسان کی کامیابی اُس کی اپنی زبان کا احاطہ نہ کر سکی۔ اگر ہم دیانت دار ہیں تو ہمیں ماننا پڑے گا کہ ہماری زندگی کا بھی یہی حال ہے۔ گناہ میں گرنے کے باعث ہم گوشت کے اس چھوٹے سے ٹکڑے پر اختیار کھو بیٹھے ہیں۔ انسانی فطرت میں اتنی قوت یا قابلیت نہیں کہ بدن کے اس چھوٹے سے عضو پر قابو پاسکے۔ صرف خدا ہی اسے کنٹرول کر سکتا ہے۔

پھر یعقوب زبان کو "ایک بلا" کہتا ہے جو کبھی رکتی ہی نہیں۔ پھر وہ اسے "زہر قابض" کے نام سے یاد کرتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ اس وقت یعقوب کے ذہن میں نہایت زہریلا سانپ ہے جس کے زہر کا ایک یا دو بوندیں موت کا سبب بن سکتی ہیں۔ بعینہ زبان، اذنان کو زہریلا اور کردار کو قتل کر سکتی ہے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ دوسروں کے بارے میں گپ بازی کتنی آسان ہے۔ کتنی ہی مرتبہ ہم دوسروں پر کیچڑ اچھالنے لگتے ہیں تاکہ اُن کی کسی فرضی زیادتی کا حساب بچکا دیا جائے۔ اور اکثر اوقات ہم بلا وجہ دوسروں کو برے الفاظ سے یاد کرتے، اُن پر نکتہ چینی کرتے اور اُن کا مرتبہ گھٹانے لگتے ہیں۔ کون اُس نقصان کا، بہائے گئے آنسوؤں کا اور شکستہ دلی اور بے عزتی کا اندازہ لگا سکتا ہے؟ اور کون اُس پریشانی کو ناپ سکتا ہے جو اس سے ہمیں اور ہمارے خاندانوں کو ہوئی؟ ہمارے دلوں میں کڑواہٹ پیدا ہوئی، ہمیں معافی مانگنے کی شرمندگی اٹھانا پڑی اور ہماری صحت پر برا اثر پڑا۔ وہ والدین جو اپنے ساتھی ایمان داروں پر نکتہ چینی کرتے رہے انہوں نے بعد میں دیکھا کہ اُن کے بچوں میں بھی وہی نکتہ چینی کی رُوخ پیدا ہو گئی جس کے باعث وہ کلیسیائی رفاقت سے دور ہوتے گئے۔ ہمیں اپنی بے قابو زبان کی جو قیمت ادا کرنی پڑتی ہے وہ بے حد ہے۔

اس کا علاج کیا ہے؟ ہر روز دُعا کریں کہ خداوند ہمیں گپ بازی، عیب جوئی اور سخت گفتگو سے بچائے۔ کسی کے خلاف باتیں نہ کریں۔ محبت، بہت سے گناہوں پر پردہ ڈال دیتی ہے (۱ پطرس ۸:۴)۔ اگر ہمیں کسی سے شکایت ہے تو ہم براہِ راست اُس کے پاس جائیں، اُس سے محبت میں اس کے بارے میں گفتگو کریں اور مل کر دُعا کریں (متی ۱۵:۱۸؛ لوقا ۱۷:۳)۔ آئیے ہم اپنے بھائیوں میں کمزوریاں تلاش کرنے کی بجائے اُس میں مسیح کو دیکھنے کی کوشش کریں۔ اگر ہم کوئی سخت یا بے فائدہ بات کہنے لگے

ہیں تو پہچ میں ہی رک جائیں کیونکہ یہ ترقی کا باعث نہیں ہوگی۔ بعض باتوں کو مکمل کے بغیر ہی چھوڑ دینا بہتر ہوتا ہے۔

۳: ۹-۱۰۔ زبان کو نیک اور بد دونوں مقاصد کے لئے استعمال کرنا بے میل اور بے جوڑ بات ہے۔ یہ قطعاً غیر فطری ہے۔ فطرت میں ایسی کوئی مثال نہیں ملتی۔ ایک لمحہ تو وہ اپنی زبان سے خدا کو مبارک کہتا ہے لیکن اگلے ہی لمحہ وہ اُن کو جو ”خدا“ کی صورت پر پیدا ہوئے ”بددعا دیتا ہے۔ یہ کتنی بے محل اور بے جوڑ بات ہے کہ ایک ہی منبع سے دو متضاد نتائج نکلیں! ایسی حالت کو قائم نہیں رہنا چاہئے۔ وہ زبان جو خدا کو مبارک کہتی ہے اُسے دوسروں کو نقصان پہنچانے کی بجائے مدد کا باعث بننا چاہئے۔ جو کچھ ہم کہتے ہیں اُسے ہماری کسوٹی پر پورا اُترنا چاہئے؛ کیا یہ سچ ہے؟ کیا یہ پُر محبت ہے؟ کیا یہ ضروری ہے؟ ہمیں خداوند سے متواتر درخواست کرتے رہنا چاہئے کہ وہ ہمارے ہونٹوں پر پہرہ بٹھائے (زبور ۱۴۱: ۳)۔ ہم دعا کریں کہ ہمارے مُنہ کا کلام اور دل کے خیال اُس کی نظر میں جو ہماری قوت اور نجات دہندہ ہے مقبول ٹھہریں (زبور ۱۹: ۱۴)۔ ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ رومیوں ۱۲: ۱ میں ہمارے جس بدن کا ذکر ہے اُس میں ہماری زبان بھی شامل ہے۔

۳: ۱۱۔ ”کسی بھی چشمہ“ میں بیک وقت ”میٹھا اور کھاری پانی“ نہیں نکلتا۔ پس زبان کو بھی ایسا نہیں ہونا چاہئے۔ مُنہ سے جو بات بھی نکلے اُسے یکساں طور پر اچھا ہونا چاہئے۔ ۳: ۱۲۔ چشمے کا پانی تازگی کا باعث ہوتا ہے اور ”انجیر کے درخت کا پھل تقویت بخش ہے۔“ ”انجیر کے درخت میں“ ”زیتون“ نہیں لگتے اور نہ ”انگور“ میں ”انجیر“ پیدا ہوتے ہیں۔ فطرت میں ایک درخت صرف ایک ہی قسم کا پھل پیدا کرتا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ زبان دو قسم کے یعنی اچھے اور بُرے پھل پیدا کرے؟

”کسی بھی چشمہ“ سے بیک وقت ”کھاری“ اور ”میٹھا“ پانی نہیں نکل سکتا۔ وہ یا تو میٹھا ہوگا یا کھاری۔ فطرت کی مثال ہمیں یہ سکھاتی ہے کہ ہماری گفتگو متواتر اچھی ہونی چاہئے۔

یوں یعقوب ہمیں جہاں تک ہماری گفتگو کا تعلق ہے کسوٹی پر رکھ دیتا ہے۔ اس حصہ کو ختم کرنے سے پیشتر آئیے ہم خود سے درج ذیل سوال پوچھیں۔ کیا میں دوسروں کو ایسی باتیں سکھاتا ہوں جن پر خود عمل نہیں کرتا؟ کیا میں دوسروں کی پیٹھ پیچھے اُن پر کلمہ چلینی کرتا ہوں؟ کیا میری گفتگو ہمیشہ ہی صاف ستھری اور مہربان ہوتی اور ترقی کا باعث بنتی ہے؟ کیا میں خدا کا نام بے فائدہ لیتا ہوں؟ سنجیدہ میڈنگ کے بعد کیا میں غیر سنجیدہ گفتگو یا سپورٹس مثلاً

ارکٹ پیچ کے بارے میں باتیں کرنے لگتا ہوں؟ کیا میں کلام کا مزاحیہ استعمال کرتا ہوں؟ کمافی بیان کرتے وقت کیا میں لوگوں کو متاثر کرنے کے لئے اسے بڑھا پڑھا کر بیان کرتا ہوں؟ کیا میں حادثاً ہیچ بولتا ہوں، خواہ اس کی وجہ سے مجھے شرمندگی کیوں نہ اٹھانی پڑے یا دوستوں کو چھوڑنا پڑے یا مالی نقصان اٹھانا پڑے؟

۱۔ حکمت: حقیقی یا باطل (۱۸-۱۳:۳)

اب یعقوب حقیقی اور جھوٹی حکمت کے فرق پر بحث کرتا ہے۔ جب وہ حکمت کے بارے میں بیان کرتا ہے تو وہ یہ نہیں سوچ رہا کہ ایک آدمی کے پاس کتنا علم ہے۔ اس کی کتنی تعلیم ہے بلکہ یہ کہ وہ اپنی روزمرہ کی زندگی کیسے بسر کرتا ہے۔ سوال علم رکھنے کا نہیں ہے بلکہ اس کے درست استعمال کا۔ یہاں پر ہمیں صحیح معنوں میں عقلمند آدمی کی تصویر ملتی ہے۔ بنیادی طور پر تو یہ شخص خداوند یسوع مسیح ہے۔ وہ حکمت کا مجسمہ ہے (متی ۱۱: ۱۹؛ ۱- کرنتھیوں ۱: ۳۰)۔ لیکن وہ بھی عقلمند آدمی ہے جس سے مسیح کی زندگی ظاہر ہوتی ہے اور جس میں روح کا پھل پیدا ہوتا ہے (گلتیوں ۵: ۲۲، ۲۳)۔

یہاں ایک دنیاوی طور سے عقلمند آدمی کی بھی تصویر ملتی ہے۔ وہ اس دنیا کے اصولوں کے مطابق کام کرتا ہے۔ وہ اس میں اُن تمام خصوصیتوں کو شامل کرتا ہے جن سے آدمیوں کو جلال ملتا ہے۔ اس کے طور طریقوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس میں الٰہی زندگی نہیں ہے۔

۱۳: ۳۔ اگر ایک شخص ”دانا اور فہیم“ ہے تو اس کا اظہار ”نیک چال چلن“ سے مع حلیم روح کے ساتھ جو حکمت سے پیدا ہوتی ہے کرے گا۔ خداوند یسوع جس میں حقیقی حکمت تھی متکبر اور خود پسند نہیں تھا۔ وہ دل کا حلیم اور فروتن تھا (متی ۱۱: ۲۹)۔ چنانچہ وہ لوگ جو حقیقتاً فہیم ہیں اُن میں حقیقی فروتنی کا نشان پایا جائے گا۔

۱۴: ۳۔ دنیاوی طور سے عقلمند آدمی کی خصوصیت یہ ہے کہ اُس کے دل میں ”سخت حسد“ اور خود غرضانہ خواہشات پائی جاتی ہیں۔ اُس کی زندگی میں ایک ہی خواہش ہوتی ہے کہ صرف اپنے فائدے کو آگے بڑھائے۔ وہ مقابلہ کرنے والے ہر شخص سے حسد کرتا اور اُن کے ساتھ ظالمانہ سلوک کرتا ہے۔ وہ اپنی اُس حکمت پر جس کے ذریعہ اُسے کامیابی ملی فخر کرتا ہے۔ لیکن یعقوب کہتا ہے کہ یہ قطعاً حکمت نہیں ہے۔ اس قسم کی شیخی باطل ہوتی ہے۔ یہ اس ”حق“ کا عملی انکار ہے کہ وہ آدمی جو حقیقتاً فہیم ہے حقیقتاً حلیم ہوگا۔

۱۵: ۳۔ یہاں تک کہ مسیحی خدمت میں بھی دوسرے کارندوں سے سخت حسد کرنا اور اپنے

لئے امتیازی مقام کی تلاش میں رہنا ممکن ہے۔ یہ خطرہ ہمیشہ موجود رہتا ہے کہ دنیاوی طور سے عقلمند آدمی کو کلیسیا میں قیادت سونپ دی جائے۔ ہمیں ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہیے کہ مبادا ہم روحانی مُعاملات میں دُنیوی اصولوں کی پیروی کریں۔ یعقوب باطل حکمت کو دُنیوی اور نفسانی اور شیطانی کہتا ہے۔ ”دُنیوی“ کا مطلب یہ ہے کہ یہ آسمان سے نہیں بلکہ زمین سے ہے۔ ”نفسانی“ کا مطلب یہ ہے کہ یہ رُوح القدس کا پھل نہیں بلکہ انسان کی کمتر فطرت سے ہے۔ ”شیطانی“ کا مطلب یہ ہے کہ یہ ایسی ذلیل حرکتیں کرتی ہے جو انسان کی بجائے شیطان کے رویے سے ملتی جلتی ہوتی ہیں۔

۱۶:۳۔ جہاں آپ کو ”حسد اور تفرقہ“ ملے گا وہاں آپ کو ”فساد“، ناانفاقی اور ”ہر بھرا کام“ بھی ملے گا۔ یہ کتنا بڑا ہے! آج کل دنیا میں جو اضطراب اور بے چینی پائی جاتی ہے اس کے متعلق سوچیں۔ یہ سب اس لئے ہے کہ انسان حقیقی حکمت کو رد کرتا اور اپنی فُضنی ہوشیاری پر عمل کرتا ہے۔

۱۷:۳۔ ”جو حکمت“ خدا کی طرف سے آتی ہے ”اول تو وہ پاک“ ہوتی ہے۔ وہ خیالات، کام اور کلام میں پاک ہوتی ہے۔ وہ رُوح اور بدن، تعلیم اور عمل، ایمان اور اخلاق میں آلودہ نہیں ہوتی۔ پھر ”مُتسار“ ہوتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک فہیم آدمی امن و سلامتی سے محبت کرتا ہے اور وہ پاکیزگی کو قربان کچھ بغیر پوری کوشش سے امن قائم رکھے گا۔ یہ نوتھر کی ڈو بکریوں کی کمافی سے ظاہر ہوتی ہے جو گھر سے پانی کے اوپر ایک تنگ پیل پر ملی تھیں۔ وہ نہ تو واپس جاسکتی تھیں اور نہ مُردہ سکتی تھیں۔ تھوڑی دیر تک گفت و شنید کے بعد ایک بیٹھ گئی اور دوسری اُس کے اوپر سے گزر گئی اور یوں کوئی نقصان نہ ہوا۔ نوتھر کہتا ہے ”اُس سے جو اخلاقی سبق ملتا ہے بڑا آسان ہے؛ اگر ایک آدمی امن کی خاطر آپ کے اوپر سے، میں پھر کہتا ہوں آپ کی شخصیت سے ضمیر سے نہیں گزر جاتا ہے تو مکمل نہیں رہیں۔“ حقیقی حکمت ”علیم“ ہے۔ یہ برداشت کرتی ہے نہ کہ دباتی ہے۔ یہ خوش خلق ہے نہ کہ بداخلاق۔ فہیم آدمی شریف ہوتا ہے اور دُوسروں کے احساسات کا احترام کرتا ہے۔

ایک اور خصوصیت ”تربیت پذیر“ ہونا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ جب سچائی تقاضا کرے تو وہ صلح ہو، قابلِ رسائی، سُسنے کے لئے تیار اور قبول کرنے والا ہو۔ یہ سخت اور ضدی طبیعت کے اُلٹ ہے۔ حکمت جو اوپر سے ملتی ہے وہ ”رحم اور اچھے پھلوں سے لدی ہوئی“ ہوتی ہے۔ یہ ان کے لئے جو غلطی پر ہوتے ہیں ”رحم“ سے بھری ہوتی اور اُن کی درست طریقے سے مدد کرنے کے لئے تیار رہتی ہے۔ یہ پُر محبت اور مہربان ہے۔ یہ انتقام پرور نہیں ہوتی بلکہ یہ بد تمیزی کا بدلہ فیض رسانی سے دیتی ہے۔ یہ ”بے طرف دار“ بھی ہوتی ہے یعنی کسی کی طرف داری نہیں کرتی۔

یہ دوسروں کے ساتھ سلوک میں غیر جانب دار ہوتی ہے۔ آخری بات یہ ہے کہ یہ بے ریا ہوتی ہے۔ یہ سنجیدہ اور کھری ہوتی ہے۔ یہ غلط تاثر نہیں دیتی بلکہ جو کچھ ہے وہی کچھ ظاہر کرتی ہے۔

آئیے ہم ان تمام خیالات کو یکجا کر کے ان ڈو آدمیوں یعنی ایک حقیقی فہم اور دوسرے باطل حکمت والے کی تصویر بنائیں۔ وہ شخص جو حقیقتاً فہم ہے وہ سچ سچ فروتن ہوتا ہے۔ وہ دوسروں کو اپنے سے بہتر خیال کرتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو بڑا بنا کر پیش نہیں کرتا بلکہ دوسروں کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اُس کا رویہ اپنے ارد گرد کی دنیا کا سامنا نہیں ہوتا بلکہ اگلے جہان کا سا۔ وہ جسم کے لئے زندہ نہیں رہتا بلکہ رُوح کے لئے۔ وہ اپنے کام اور کلام سے آپ کو خداوندِ مسیح کے بارے میں سوچنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ اُس کی زندگی پاک ہوتی ہے۔ وہ روحانی اور اخلاقی طور پر صاف ستھرا ہوتا ہے۔ اور پھر وہ پُر امن بھی ہے۔ وہ اپنی بے عزتی اور جھوٹی تہمت کو برداشت کرتا ہے اور مڑ کر جواب نہیں دیتا اور نہ خود کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ شریف، نیک اطوار اور نرم دل ہوتا ہے۔ اُس کے ساتھ آسانی سے بات کی جاسکتی ہے اور وہ دوسرے آدمی کے نقطہ نظر کو سمجھنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ جھگڑاؤں میں ہوتا بلکہ اپنے ساتھ زیادتی کرنے والے کو معاف کرنے کے لئے ہمیشہ تیار رہتا ہے۔ اور صرف یہی نہیں بلکہ عادتاً دوسروں کے ساتھ مہربانی سے پیش آتا ہے، خاص طور پر اُن کے ساتھ جو اس کے حق دار نہیں ہوتے۔ وہ سب کے ساتھ یکساں سلوک کرتا ہے۔ کسی کی طرف داری نہیں کرتا۔ وہ غریبوں کے ساتھ بھی وہی سلوک کرتا ہے جو امیروں کے ساتھ۔ وہ بڑے لوگوں کو عام لوگوں پر ترجیح نہیں دیتا۔ وہ ریا کار نہیں ہوتا۔ وہ ایک بات کہہ کر دوسری نہیں کرتا۔ آپ اُسے کسی کی خوش مار کرتے نہیں سنیں گے۔ وہ ہمیشہ سچ بولتا ہے اور نقاب نہیں پہنتا۔ دنیاوی طور سے عقلمند آدمی ایسا نہیں ہوتا۔ اُس کا دل حسد اور جھگڑے سے بھرا ہوتا ہے۔ دولت مند بننے کی خواہش کے باعث اپنے مخالف یا مقابلہ کرنے والے کو برداشت نہیں کرتا۔ اُس کے رویہ میں کوئی شریفانہ بات نہیں ہوتی۔ وہ زمین کی سطح سے اوپر نہیں اُٹھتا۔ وہ حیوانات کی طرح اپنی جہلی اشتہا کو مٹانے کے لئے زندہ رہتا ہے اور اُس کا طریقہ بڑا ظالمانہ، پُر فرب اور شیطانی ہوتا ہے۔ اُس کے اچھے اور قیمتی کپڑوں کے نیچے ناپاک زندگی چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ اُس کے خیالات آلودہ، اُس کا اخلاق گرا ہوا اور اُس کی گفتگو گندی ہوتی ہے۔ وہ اپنے سے اتفاق نہ کرنے یا بات کاٹنے والوں سے لڑتا جھگڑتا ہے۔ وہ گھر پر، کام پر، اور سماجی زندگی میں متواتر محبت کرتا رہتا ہے۔ اور وہ سخت اور برداشت نہ کرنے والا، منکبہ اور ظالم ہوتا ہے۔ لوگ اُسے آسانی سے نہیں بل سکتے۔ وہ

انہیں ایک ہاتھ دُور ہی رکھتا ہے۔ اُسے خاموشی سے سمجھنا تقریباً ناممکن ہے۔ اُس نے پہلے ہی اپنا ذہن بنالیا ہوتا ہے اور اُس کے خیالات کو تبدیل کرنا ممکن نہیں ہوتا۔ وہ مُعاف نہ کرنے والا اور کینہ پرور ہوتا ہے۔ جب وہ کسی کو کسی غلطی میں پکڑ لیتا ہے تو بالکل رحم نہیں کرتا۔ اس کے برعکس وہ اُسے گالیاں دیتا، بدتمیزی اور کینگی کا مظاہرہ کرتا ہے۔ وہ لوگوں کی قدر اُس نفع کے مطابق کرتا ہے جو اُسے اُن سے حاصل ہو سکتا ہے۔ جب وہ یہ دیکھتا ہے کہ اب وہ اُس کے استعمال کے قابل نہیں رہے یعنی اب اُن سے مزید کسی نفع کی اُمید نہیں رہی تو وہ اُن میں مزید دلچسپی نہیں لیتا۔ آخری بات یہ کہ اُس کے دُور چہرے ہوتے ہیں اور وہ غیر مُخلص ہوتا ہے۔ آپ اُس کے متعلق یا اُس کے الفاظ اور کاموں کے بارے میں یقین سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔

۱۸:۲- یعقوب اس باب کو ان الفاظ کے ساتھ ختم کرتا ہے: ”اور مُصلح کرانے والوں کے لئے راست بازی کا پھل مُصلح کے ساتھ بویا جاتا ہے۔“ یہ آیت جس بات پر ہم بحث کرتے آئے ہیں اور جو کچھ بعد میں آتا ہے اُن کے درمیان بطور رابطہ ہے۔ ہم نے ابھی سیکھا کہ حقیقی حکمت مُصلح پسند ہے۔ لیکن اگلے باب میں ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ خدا کے لوگ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ یہاں ہمیں یاد دلایا جاتا ہے کہ زندگی کا شتکاری کے عمل کی مانند ہے۔ یہاں کا شتکار ہے (عقل مند آدمی جو مُصلح کرنا ہے)، آب و ہوا ہے (”مُصلح“) اور فصل ہے (”راست بازی“)۔ کا شتکار، راست بازی کی فصل پیدا کرنا چاہتا ہے، لیکن کیا لڑائی جھگڑوں اور معمولی معمولی باتوں میں اُجھنے کے ماحول میں کا شت کی جاسکتی ہے؟ نہیں۔ نیچے پُر امن ماحول میں بویا جاتا ہے۔ پھر اسے وہی لوگ بوئے ہیں جو خود مُصلح پسند ہوتے ہیں۔ راست بازی کی فصل خود اُن کی زندگیوں میں پیدا ہوتی ہے اور اُن کی بھی جن کے درمیان وہ خدمت کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ پھر یعقوب ہمارے ایمان کو کسوٹی پر رکھ دیتا ہے۔ اس مرتبہ اُس حکمت کے سلسلے میں جس کا مظاہرہ ہم ہر روز اپنی زندگی میں کرتے ہیں۔ ہمیں خود سے سوال کرنا چاہئے: کیا میں خداوند یسوع میں ایک اَدنیٰ ایمان دار کی نسبت دنیاوی مُتکبر آدمی کو زیادہ عزت دیتا ہوں؟ کیا میں خداوند کی خدمت اس بات سے صرف نظر کرتے ہوئے کرتا ہوں کہ فائدہ کس کو پہنچتا ہے؟ یا کیا بعض اوقات میں اچھے نتائج حاصل کرنے کے لئے قابلِ اعتراض ذرائع استعمال کرتا ہوں؟ کیا میں اپنے دل میں حسد اور آزر دلی کو جگہ دیتا ہوں؟ کیا میں طنز اور نامہربان فقرے بازی کرتا ہوں؟ کیا میں خیالات، گفتگو اور اخلاقیات میں پاک ہوں؟

۸۔ حرص اور لالچ؛ اسکی وجہ اور علاج (باب ۴)

یعقوب نے بتایا ہے کہ فہم شخص صلح جو آدمی ہوتا ہے۔ اب وہ افسوس ناک لڑائی جھگڑوں کو یاد کرتا ہے جو خدا کے لوگوں میں پائے جاتے ہیں۔ ان سب کی وجہ کیا ہے؟ کیوں بہت سے گھروں میں خوش نہیں پائی جاتی اور کیوں بہت سی یکسیائیں تفرقوں کے باعث ٹوٹ چھوٹ گئی ہیں؟ کیوں ایمان داروں میں اس قدر تلخ جھگڑے پائے جاتے ہیں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اپنی خواہشات کو پورا کرنے کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔

۱:۴۲ (الف) - افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ مسیحوں میں ”لڑائیاں اور جھگڑے“ ہیں۔ اب یہ

کنا کہ اس پیراگراف کا اطلاق ایمان داروں پر نہیں ہوتا درست نہیں ہے۔ اس طرح یہ ہمیں اس حوالہ میں ہمارے لئے جو قیمتی خزانہ ہے اُس سے محروم کر دیتا ہے۔ ان لڑائی جھگڑوں کا سبب کیا ہے؟ اس کی وجہ وہ زبردست ”خواہشیں“ ہیں جو ہمارے دلوں میں پیدا ہوتی رہتی ہیں اور جو متواتر پورا ہونے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں۔ ان میں سے ایک دنیاوی مال و دولت جمع کرنے کی خواہش ہے۔ پھر عزت و وقار حاصل کرنے کی خواہش ہے۔ اور پھر جسمانی بھوکوں کو مطمئن کرنے کے لئے ”عیش و عشرت“ کی طلب ہے۔ یہ زبردست قوتیں ہمارے دلوں میں کام کرتی رہتی ہیں۔ ہم کبھی مطمئن نہیں ہوتے۔ ہم ہمیشہ زیادہ سے زیادہ چاہتے ہیں۔ اس کے باوجود بھی ایسا لگتا ہے کہ جو کچھ ہم چاہتے ہیں وہ ہمیں نہیں ملتا۔ غیر تکمیل شدہ خواہش اتنی طاقتور بن جاتی ہے کہ ہم اُن کو جو اس ترقی میں حائل نظر آتے ہیں روندنا اور کچلنا شروع کر دیتے ہیں۔ یعقوب کہتا ہے: ”مُ خُون... کرتے ہو۔ یہاں وہ اسے زیادہ تر تشبیہی معنوں میں استعمال کرتا ہے۔ ہم سچ بچ تو کسی کو قتل نہیں کرتے، لیکن غصہ، حسد اور ظلم جو قتل کے محرک ہیں ہمارے دل میں ہوتے ہیں۔“

۲:۴۲ (ب) ۳۶ - ”مُ حسد کرتے ہو اور کچھ حاصل نہیں کر سکتے۔“ ہم دوسرے لوگوں سے زیادہ اور اچھی چیزیں چاہتے ہیں۔ اور اس کوشش میں لڑتے جھگڑتے اور ایک دوسرے کو تباہ کر دیتے ہیں۔ رشید اور نجمہ کی چند ماہ پیشتر شادی ہوئی۔ رشید کا کام اچھا تھا اور اُسے معقول تنخواہ ملتی تھی۔ نجمہ چاہتی تھی کہ کلیسیا میں دوسرے نوجوان جوڑوں کی طرح اُس کے پاس بھی خوبصورت گھر ہو۔ رشید نے ماڈل کی کار خریدنا چاہتا تھا۔ نجمہ اچھے فرنیچر اور اچھی کراڑی کی خواہش مند تھی۔ ان میں سے کچھ چیزیں تو انہیں قسطوں پر مل سکتی تھیں۔ لیکن رشید کی تنخواہ اس وجہ کو مشکل ہی اٹھا سکتی تھی۔ پھر خاندان میں ایک بچے کا بھی اضافہ ہو گیا جس کا مطلب اخراجات میں مزید اضافہ اور

بجٹ کا غیر متوازن ہونا تھا۔ جوں جوں منجھ کا تقاضا بڑھ گیا، ارشید اور زیادہ بددماغ اور چڑچڑا ہوتا گیا۔ منجھ نے اس کا جواب غیبت گوئی اور آنسوؤں سے دیا۔ جلد ہی گھر کے دروید ارچلے اور جوانی حملے سے کانپنے لگے۔ مادہ پرستی گھر کو تباہ کر رہی تھی۔

دوسری طرف اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ منجھ حسد کرتی تھی۔ وہ محسوس کرتی تھی کہ جاوید اور پروین کو کلیسیا میں ان کی نسبت زیادہ عزت و مقام حاصل ہے۔ چنانچہ منجھ نے پروین کے خلاف توہین آمیز باتیں کرنی شروع کر دیں۔ اور جب طرفین میں لڑائی کی شدت بڑھی تو ارشید اور جاوید بھی اس میں شامل ہو گئے۔ پھر دوسرے ممبران بھی دونوں میں سے ایک کی طرف داری کرنے لگے اور جماعت دو حصوں میں بٹ گئی۔ یہ ایک شخص کے اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی خواہش کی وجہ سے ہوا۔

پس یہاں ایمان داروں کے آپس میں معمولی معمولی باتوں پر جھگڑے کی وجہ معلوم ہوتی ہے۔ یہ زیادہ سے زیادہ حاصل کرنے کی خواہش اور ایک دوسرے سے حسد کرنے کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ ہم اس رویہ کو زیادہ صحیح طریقے سے لایچ، جرم اور حسد بھی کہہ سکتے ہیں۔ خواہش اس قدر زور آور بن جاتی ہے کہ لوگ اپنی خواہش کی تسکین کے لئے ہر بات کرنے پر تیار ہو جاتے ہیں۔ وہ یہ سیکھنے میں بڑے مست ہوتے ہیں کہ حقیقی خوشی اس طرح حاصل نہیں ہوتی بلکہ اگر ہمارے پاس کھانے پینے کو ہے تو اُسی پر قناعت کرنے سے (۱- تیمتیس ۴: ۸)۔

اس مسئلے کا درست حل دُعا ہے۔ بحث نہ کریں۔ لڑیں نہ بلکہ دُعا کریں۔ بعقوب کہتا ہے ”تمہیں اس لئے نہیں ملتا کہ مانگتے نہیں“۔ ان باتوں کو دُعا میں خداوند کے پاس لے جانے کی بجائے ہم جو کچھ چاہتے ہیں اُسے اپنی مساعی سے حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اگر ہم کوئی ایسی چیز چاہتے ہیں جو ہمارے پاس نہیں تو ہمیں اُسے خدا سے مانگنا چاہئے۔ اگر ہم مانگیں اور نہ ملے تو اس کا کیا مطلب ہوگا؟ اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہماری ”نیٹ“ درست نہیں تھی۔ ہم نے وہ شے خدا کے جلال یا اپنے جھمنس انسانوں کی بہتری کے لئے نہیں مانگی تھی۔ ہم اُسے صرف اپنی خود غرضانہ لطف اندوزی کے لئے چاہتے تھے۔ خدا اس قسم کی دُعاؤں کا جواب دینے کا وعدہ نہیں کرتا۔

ان پہلی تین آیات میں ہمیں کتنا گہرا نفسیاتی سبق ملتا ہے! اگر آدمی جو کچھ خدا نے انہیں دیا ہے اُس پر مطمئن رہیں تو وہ کہتے ہی بدحواس کرنے والے لڑائی جھگڑوں اور بے چینی سے بچ سکتے ہیں۔ اگر

ہم اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھتے اور حاصل کرنے کی بجائے انہیں حصہ دار بنانے میں دلچسپی لیتے ہیں تو اس کا نتیجہ کتنا صلح سلامتی کی صورت میں نکلے گا! اگر ہم اپنے نجات دہندہ کے جُح کرنے کی بجائے پھوڑنے اور زمین پر جمع کرنے کی بجائے آسمان پر جمع کرنے کے حکم پر عمل کریں تو بہت سے لڑائی جھگڑے ختم ہو جائیں گے۔

۴:۴۔ یعقوب مادی اشیا سے بہت زیادہ محبت کی مذمت کرتا بلکہ اُسے روحانی زنا کاری کہتا ہے۔
خدا چاہتا ہے کہ ہم سب سے زیادہ اور سب سے پہلے اُسے پیار کریں۔ جب ہم اس دُنیا کی فانی چیزوں سے محبت رکھتے ہیں تو ہم اُس کے ساتھ مخلص اور وفادار نہیں ہوتے۔

لاپنج ایک طرح کی بُت پرستی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جو خدا انہیں چاہتا کہ ہمارے پاس ہو ہم اُس کی شدید خواہش رکھتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم نے اپنے دلوں میں بُت قائم کر رکھے ہیں۔ ہم خدا کی مرضی پر مادی اشیا کو ترجیح دیتے ہیں۔ پس لاپنج بُت پرستی ہے اور بُت پرستی خدا کے ساتھ بے وفائی ہے۔

دُنیا داری بھی ”خدا سے دشمنی کرنا ہے“۔ ”دُنیا کا مطلب وہ کڑہ نہیں ہے جس پر ہم رہتے ہیں۔ اس سے مراد وہ سسٹم ہے جو آدمیوں نے اپنے لئے وضع کر رکھا ہے تاکہ آنکھوں کی خواہش، جسم کی خواہش اور زندگی کی شیخی کو مطمئن کر سکیں۔ اس سسٹم میں خدا یا اُس کے بیٹے کے لئے جگہ نہیں ہے۔ یہ آرٹ، کلچر، تعلیم، سائنس یا یہاں تک کہ مذہب بھی ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ ایسا دائرہ ہے جس میں مسیح کا نام لینا، ماسوا خالی خولی طریقے سے منع ہے۔ المختصر، حقیقی کلیسیا سے باہر آدمیوں کی دُنیا ہے۔ اس سسٹم سے ”دوستی خدا سے دشمنی کرنا ہے“۔ یہی وہ دُنیا ہے جس نے زندگی اور جلال کے مالک کو مصلوب کیا تھا۔ درحقیقت وہ مذہبی دُنیا تھی جس نے اُسے موت کے گھاٹ اتارا تھا۔ یہ کتنی ناقابلِ قیاس بات ہے کہ ایمان دار اُس دُنیا کے ہاتھ میں ہاتھ ڈال کر چلیں جس نے اُن کے نجات دہندہ کو قتل کیا تھا!

۵:۴۔ اس خط میں سب سے مشکل آیت ۵ ہے۔ ”کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ کتاب مقدس بے فائدہ کہتی ہے؟ جس روح کو اُس نے ہمارے اندر بسایا ہے کیا وہ ایسی آرزو کرتی ہے جس کا انجام حسد ہو؟“

پہلی مشکل یہ ہے کہ ایسا لگتا ہے کہ یعقوب پرانے عہد نامہ سے حوالہ دے رہا ہے لیکن یہ نہ تو پرانے عہد نامہ میں ملتا ہے اور نہ اِپاکر لیا کی کتابوں میں ہی۔ اس کی دو تشریحیں ہو سکتی ہیں۔

پہلی یہ کہ اگرچہ یہ الفاظ بعینہ پلانے حمدنامہ میں نہیں ملتے تاہم یعقوب انہیں کلام کی عام تعلیم کے طور پر پیش کر رہا ہے۔ دوسری یہ کہ جیسے اس کا حل اردو ترجمہ میں پیش کیا گیا ہے۔ یہاں اس آیت کو دو سوالوں میں توڑا گیا ہے: کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ کتاب مقدس بے فائدہ کتنی ہے؟ جس روح کو اُس نے ہمارے اندر بسایا ہے کیا وہ ایسی آندو کرتی ہے جس کا انجام حسد ہو؟ یہاں یہ خیال کار فرما ہے کہ دنیاوی روح کی مذمت کرنے میں بائبل الفاظ کو ضائع نہیں کر رہی ہے۔

آیت ۵ میں دوسری بڑی مشکل آیت کے دوسرے حصے کا مطلب ہے۔ مشکل یہ ہے کہ کیا یہاں روح سے مراد پاک روح ہے یا حسد کے جذبہ سے سرشار روح۔ اگر اس کا مطلب اول الذکر ہے تو پھر خیال یہ ہے کہ روح القدس جو ہمارے دلوں میں سکونت کرتا ہے وہ لالچ اور حسد کو جو جھگڑے کا سبب بنتے ہیں پیدا نہیں کرتا، بلکہ وہ ہمارے دلوں میں مسیح کی پرستش کے لئے "اردو" پیدا کرتا ہے۔ لیکن اگر اس سے موخر الذکر مراد ہے تو پھر اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ روح جو ہم میں سکونت کرتی ہے یعنی حسد اور لالچ کی روح وہ ہم میں خدا کے ساتھ بے وفائی کو پیدا کرتی ہے۔

۶:۴ - "وہ تو زیادہ توفیق بخشتا ہے"۔ پہلی پانچ آیات میں ہم نے دیکھا کہ ایمان دار کی پرانی فطرت کتنی بدکار ہو سکتی ہے۔ لیکن اب ہم یہ سیکھتے ہیں کہ ہمیں اپنی قوت میں جہانی لالچوں سے بچنے کے لئے تنہا نہیں چھوڑا گیا ہے۔ خدا کا شکر ہو کہ ضرورت کے وقت وہ ہمیں "زیادہ توفیق" بخشتا ہے (عبرانیوں ۴: ۱۶)۔ اُس نے وعدہ کیا ہے "جیسے تیرے دن ویسی ہی تیری قوت ہو" (استثنا ۳۳: ۲۵)۔

یہ ثابت کرنے کے لئے کہ ضرورت کے وقت خدا ہمیں توفیق بخشتا ہے یعقوب امثال ۳: ۴ کا حوالہ دیتا ہے لیکن یہاں یہ اضافہ ہے کہ اس "توفیق" کا وعدہ "فروتوں" سے ہے نہ کہ متکبروں سے۔ "خدا مغروروں کا مقابلہ کرتا ہے" لیکن شکستہ روح کا نہیں۔

۷: ۴ - آیات ۷-۱۰ میں ہیں دشمن اقدام ملتے ہیں۔ جہاں سچی توبہ ہے وہاں ان کی پیروی لازمی ہے۔ یعقوب مقدسوں کے گنہگاروں کے خلاف چلتا رہا ہے۔ اُس کے الفاظ نے ہمارے دلوں کو چھید دیا ہے۔ ہم محسوس کرتے ہیں کہ خدا ہم سے ہمکلام ہوتا رہا ہے۔ ہمارے دل اُس کے کلام کے اثر تلے جھکے ہوئے ہیں۔ لیکن اب سوال یہ ہے کہ "ہم کیا کریں؟"

پہلی بات یہ ہے کہ ہم "خدا کے تابع ہو جائیں"۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم اُس کی بات سنیں اور فرمانبرداری کریں۔ ضروری ہے کہ ہم نرم اور شکستہ دل ہوں نہ کہ متکبر اور اکڑی گردن والے۔

پھر ضروری ہے کہ ہم "ایسے کام مقابلہ کریں"۔ یہ ہم آزمائشوں کی طرف سے اپنا دل اور کان بند کرنے کے ذریعہ کر سکتے ہیں۔ نیز یہ ہم کلام کو بطور روح کی تلوار استعمال کرتے ہوئے اسے پسپا کر سکتے ہیں۔ اگر ہم اس کا مقابلہ کریں گے تو وہ "بھاگ جائے گا"۔

۸:۴۔ پھر ہمیں "خدا کے نزدیک" جانا چاہئے۔ یہ ہم دعائیں کر سکتے ہیں۔ ہمیں ایمان کی روح میں دعا کرتے ہوئے اس کے پاس آنا چاہئے اور جو کچھ ہمارے دل میں ہے وہ سب اسے بتا دینا چاہئے۔ جب ہم اس طرح اس کے پاس آئیں گے تو وہ بھی ہمارے "نزدیک" آئے گا۔ ہم سوچتے ہوں گے کہ وہ ہماری جسمانیّت اور دنیا پرستی کے باعث ہم سے دور ہے لیکن جب ہم اس کے "نزدیک" جاتے ہیں تو وہ ہمیں معاف کر دیتا اور بحال کرتا ہے۔ چوتھا قدم ہے: "اپنے ہاتھوں کو صاف کرو اور اسے دو دو! اپنے دلوں کو پاک کرو۔" ہاتھ ہمارے کاموں کو بیان کرتے ہیں اور ہمارے "دل" ہماری نیت اور خواہشوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ہم اپنے گناہوں کا اقرار اور انہیں ترک کرنے کے ذریعہ خواہ وہ باطنی ہیں یا ظاہری "اپنے ہاتھوں کو صاف" اور "اپنے دلوں کو پاک" کرتے ہیں۔ بطور گنہگار ہمیں اپنے بُرے کاموں کا اقرار کرنے کی ضرورت ہے اور "دو دو" ہونے کے باعث اپنی ملی جلی ریتوں کا اقرار کرنا ہے۔

۹:۴۔ اقرار کے ساتھ ہمیں گناہ کا گہرا افسوس بھی ہونا چاہئے۔ "افسوس اور ماتم کرو اور رو رو گے تمہاری مہنسی ماتم سے بدل جائے اور تمہاری خوشی اُداسی سے"۔ جب خدا ہمیں گناہ کے بارے میں قابل کرتا ہے تو ہمیں اس کے حضور مُنہ کے بل کر کر اپنی گنہگاری، بے طاقتی، سردہری اور بانجھ پن پر ماتم کرنا چاہئے۔ ہمیں اپنی مادہ پرستی، دنیا داری اور رسم پرستی پر رونا چاہئے۔ ہمیں باطنی اور ظاہری دونوں صورتوں میں توبہ کا پھل دکھانا چاہئے۔

۱۰:۴۔ آخر میں، ہمیں "خداوند کے سامنے" اپنے آپ کو "فروتن" بنانا چاہئے۔ اگر ہم دیانت داری سے اس کے قدموں میں خاک میں بیٹھیں تو وہ ہمیں وقت پر سر بلند کرے گا۔

پس جب خدا ہم پر ہماری حالت ظاہر کرے تو ہمیں اس طریقہ سے جواب دینا چاہئے۔ لیکن اکثر ایسا نہیں ہوتا۔ مثال کے طور پر بعض اوقات جب خدا ہمارے دلوں سے ہم کلام ہوتا ہے تو ہم کسی میٹنگ میں ہوتے ہیں۔ ہم ایک لمحہ کے لئے ہوش سے بھر جاتے ہیں اور اچھا ارادہ کرتے ہیں لیکن جب میٹنگ ختم ہوتی ہے تو لوگ پُر لطف اور ہلکی پھلکی گفتگو کرنے لگتے ہیں۔ تب عبادت کی تمام فضا ختم ہو جاتی ہے، قوت غائب ہو جاتی ہے اور خدا کا روح مجھ جاتا ہے۔

۱۱:۱۲- اب یعقوب خوف گیری کے گناہ یا اپنے بھائی کی بدگوئی کرنے پر بحث کرتا ہے۔
 کسی کا فرمان ہے کہ ہمیں دوسروں پر نکتہ چینی کرنے سے پہلے تین سوالوں کا جواب دینا چاہئے۔
 اس سے آپ کے بھائی کو کیا فائدہ ہوگا؟ اس سے خود آپ کو کیا فائدہ ہوگا؟ اس میں خدا کے جلال کے لئے کیا ہے؟

محبت کی شاہی "شریعت" یہ کہتی ہے کہ ہمیں اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت کرنی چاہئے۔
 پس اگر کوئی "بھائی" کی بدگوئی کرتا ہے یا اس کی نیت پر شک کرتا ہے تو گویا وہ "شریعت" کے خلاف بولتا ہے اور اسے بے فائدہ قرار دیتا ہے۔ شریعت کو دیدہ دانستہ توڑنا، اس کی بے حرمتی کرنا ہے۔ یہ ایسے ہی کمنا ہے کہ شریعت اچھی نہیں اور نہ اس قابل ہے کہ اس کی فرمانبرداری کی جائے۔ وہ جو فرمانبرداری سے انکار کرتا ہے درحقیقت یہ کہتا ہے کہ یہ شریعت نہیں ہے۔ اب یہ اسے جو اپنے "بھائی" کی بدگوئی کرتا ہے ایک عجیب حالت سے دوچار کر دیتی ہے یعنی یہ کہ ملزم بننے کی بجائے "اُس پر حاکم بن جاتا ہے۔ وہ شریعت کے ماتحت آنے کی بجائے اپنے آپ کو اُس سے بڑا بنالیتا ہے۔ لیکن صرف خدا ہی ہے جو شریعت سے بڑا ہے۔ وہ، وہ ہے جس نے اُسے دیا اور اُس کے ذریعے عدالت کرتا ہے۔ پس تو "گون" ہے جو خدا کی جگہ غصب کرتا اور دوسرے پر "الزام" لگاتا ہے۔

۱۳:۴- دوسرا گناہ جس کی یعقوب مذمت کرتا ہے وہ خدا کو نظر انداز کرتے ہوئے خود پر اعتماد کرنا اور شیخی سے منصوبہ بنانا ہے (آیات ۱۳-۱۶)۔ وہ یہاں ایک ایسے تاجر کی منظر کشی کرتا ہے جو مستقبل کے لئے منصوبہ بناتا ہے۔ ذرا تفصیلات پر غور کریں۔ وہ وقت (آج یا کل)، اشخاص (ہم)، جگہ (فلان شہر)، عرصہ (ایک برس) سرگرمیوں (سوداگری کیے) اور اندازہ لگانے (تفح اٹھائیں گے) کے متعلق سوچتا ہے۔ اس تصویر میں کون سی بات غائب ہے؟ وہ ایک بار بھی اپنے کاروبار میں خدا کو شامل نہیں کرتا۔ مستقبل کے لئے منصوبہ بندی کرنا ضروری تو ہے لیکن خدا سے ماوراء اپنی مرضی سے منصوبہ بنانا گناہ ہے۔ یہ کہنا کہ "ہم" یا "میں" یہ کروں گا گناہ کا پتھر ہے۔ مثلاً یسعیاہ ۱۴:۱۳ میں نو مسیفر کی "میں کروں گا" کو دیکھیے: "تو تو اپنے دل میں کہتا تھا کہ میں آسمان پر چڑھ جاؤں گا۔ میں اپنے تخت کو خدا کے ستاروں سے بھی اونچا کروں گا اور میں شمالی اطراف میں جماعت کے پہاڑ پر بیٹھوں گا۔ میں بادلوں سے بھی اوپر چڑھ جاؤں گا۔ میں خدا تعالیٰ کی مانند ہوں گا۔"

۱۴:۴- کل کے لئے منصوبہ بنانا گویا کہ کل ضرور ہی آئے گا غلط ہے۔... یہ نہ کہنا

آب جا۔ پھر آنا۔ میں تجھے کل دس گاہ“ (امثال ۳: ۲۸)۔ ہم نہیں جانتے کہ کل کیا ہوگا۔ ہماری زندگیوں اس کمزور اور ناقابل پیشین گوئی ہیں کہ گویا ”سبحرات“ ہیں۔

۱۵: ۴۔ ہمیں اپنے تمام منصوبوں میں خدا سے مشورہ کرنا اور انہیں اُس کی مرضی کے مطابق بنانا چاہئے۔ ہم جب بھی بات کریں تو ہمیں احساس ہونا چاہئے کہ ہماری عاقبت اُس کے کنٹرول میں ہے۔ ہمیں کتنا چاہئے ”اگر خداوند چاہے تو ہم زندہ بھی رہیں گے اور یہ یادہ کام بھی کریں گے۔“ پوئیس رسول بھی اعمال کی کتاب میں اسی طرح کہتا ہے ”اگر خدا نے چاہا تو پھر تمہارے پاس آؤں گا“ (اعمال ۱۸: ۲۱)۔ اور ۱۔ کرنتھیوں ۱۹: ۴ میں لکھتا ہے: ”خداوند نے چاہا تو میں تمہارے پاس جلد آؤں گا۔“ بعض اوقات مسیحی اپنے خطوط میں خداوند پر اپنے انحصار کرنے کو انگریزی حروف D.V. سے ظاہر کرتے ہیں۔ یہ لاطینی الفاظ Deo volente کا مخفف ہے جس کا مطلب ہے اگر خدا نے چاہا۔

۱۶: ۴۔ یعقوب لکھتا ہے: ”آب تم اپنی شیخی پر فخر کرتے ہو۔ ایمان دار اپنے مستقبل کے منصوبوں کے بارے میں شیخی مارتے تھے۔ انہیں اعتماد تھا کہ کوئی ٹھیکے اُن کے منصوبہ میں مداخلت نہیں کرے گی۔ ایسا لگ رہا تھا کہ گویا وہ اپنی قسمت کے خود مالک ہوں“ ایسا سب فخر بُرا ہے کیونکہ اس میں خدا کے لئے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

۱۷: ۴۔ ”پس جو کوئی بھلائی کرنا جانتا ہے اور نہیں کرتا اُس کے لئے یہ گناہ ہے۔“ اس متن میں ”بھلائی کرنے“ کا مطلب اپنی زندگی کے ہر شعبہ میں خدا کو شامل کرنا اور لمحہ بہ لمحہ اُس پر انحصار کرتے رہنا ہے۔ اگر ہم یہ جانتے ہوئے نہیں کرتے تو ہم گناہ کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ بلاشبہ اس کا اطلاق بڑا وسیع ہے۔ زندگی کے کسی شعبہ میں بھی اگر بھلائی کرنے کا موقع ہے تو ہماری ذمہ داری ہے کہ کریں۔ اگر ہم جانتے ہیں کہ درست کیا ہے تو اس کی روشنی میں زندگی بسر کرنے کے ذمہ دار بن جاتے ہیں۔ اگر ہم ویسا ”نہیں کرتے“ تو یہ خدا، اپنے پڑوسی اور خود اپنے خلاف ”گناہ ہے۔“

باب ۴ میں یعقوب ہمیں لاپرواہی، جھگڑے، بدگوئی اور خداوند سے مشورہ کے بغیر منصوبہ بندی کرنے کے بارے میں آزماتا ہے۔ پس آئیے ہم اپنے آپ سے حسب ذیل سوال کریں: کیا میں متواتر زیادہ سے زیادہ حاصل کرنا چاہتا ہوں یا جو کچھ میرے پاس ہے اس پر قناعت کرتا ہوں؟ کیا میں اُن سے جن کے پاس مجھ سے زیادہ ہے حسد کرتا ہوں؟ کیا میں خریداری سے پہلے دُعا کرتا ہوں؟ جب خدا مجھ سے ہمکلام ہوتا ہے تو کیا میں اُس کی بات مانتا ہوں یا انکار کر دیتا ہوں؟ کیا میں اپنے بھائیوں کے خلاف باتیں کرتا ہوں؟ کیا میں خداوند سے مشورہ کیے بغیر منصوبہ بندی کرتا ہوں؟

۹۔ دولتمند اور اُن پر آنے والی مصیبتیں (۵: ۱-۶)

یہ یعقوب کے اس خط کی سب سے سنجیدہ عبارت ہے۔ اس میں وہ دولتمندوں کے گناہ کی مذمت کرتا ہے۔ اس کے الفاظ ہتھوڑے کی ضرب کی طرح شدید ہیں جن سے بچنا محال ہے۔ درحقیقت یہ مذمت اتنی سخت ہے کہ ان آیات پر بہت کم وعظ کیا جاتا ہے۔

یعقوب، یہاں پر ایک سماجی انصاف کے نبی کا کردار کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ دولتمندوں کے خلاف آواز بلند کرتا ہے جو اپنے ہم جنس انسانوں کی ضروریات کے ضمن میں بے حس ہیں۔ وہ اُن کی ذرا اپنے مزدوروں کا استحصال کرنے سے دولت مند بن گئے ہیں مذمت کرتا ہے۔ وہ اُن کو اپنی دولت کو اپنی عیش و عشرت پر خرچ کرنے کے لئے ڈانٹتا ہے۔ آخر میں وہ دولتمندوں کو راست بازوں پر سخت ظلم کرنے والا دکھاتا ہے۔

۵: ۱- سب سے پہلے وہ ”دولت مند“ کو ”رونے اور واویلا“ کرنے کو کہتا ہے کیونکہ اُن پر جلد ہی ”مصیبتیں“ آنے والی ہیں۔ خدا بہت جلد اُن سے ملاقات کرے گا۔ تب اُنہیں سخت ندامت اور شرمندگی اٹھانی پڑے گی، اور وہ پہچانیں گے کہ وہ بے وفا مختار رہے تھے۔ اُنہوں نے جو مواقع گنوائے وہ اُس پر واویلا کریں گے۔ وہ اپنے لالچ اور خود غرضی پر ماتم کریں گے۔ اُنہوں نے جو غلط کام کئے وہ اُن کو مان لیں گے۔ وہ اپنے اُس گناہ کو دیکھیں گے کہ اُنہوں نے خداوند کی بجائے مادی اشیاء میں تحفظ تلاش کیا۔ اور جس طرح اُنہوں نے زندگی بسر کی اُس پر وہ آنسو بہائیں گے۔ یہاں یعقوب دولتمندوں کے چار بڑے گناہوں کا ذکر کرتا ہے، اُن میں سے پہلا دولت جمع کرنے کا گناہ ہے۔

۵: ۲- یعقوب کہتا ہے ”تمہاری قیمتی اشیاء تباہ ہو گئی ہیں۔ تمہارے کپڑوں کے ذخیروں کو کٹرا کھا گیا ہے اور تمہارے سونے چاندی کی چمک ختم ہو گئی ہے۔ ہاں، اُن کی چمک کا ختم ہونا تم پر گواہی دے گا کہ تم بُدی کے ساتھ ذخیروں کو فروخت کرتے رہے ہو اور تم اُن سے ایسے مبالغہ گے جیسے دیکتے ہوئے انگاروں سے۔“

بائبل یہ کبھی نہیں کہتی کہ دولت مند ہونا گناہ ہے۔ مثلاً ایک شخص کو ایک ہی رات میں وراثت میں دولت مل سکتی ہے اور یوں امیر بننے میں اُس نے یقیناً کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ لیکن بائبل یہ تعلیم ضرور دیتی ہے کہ دولت جمع کرنا گناہ ہے۔ خداوند یسوع خاص طور پر دولت جمع

کرنے سے منع کرتا ہے۔ اُس نے کہا ”اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کھڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں۔ بلکہ اپنے لئے آسمان پر مال جمع کرو جہاں نہ کھڑا خراب کرتا ہے نہ زنگ اور نہ وہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں۔ کیونکہ جہاں تیرا مال ہے وہیں تیرا دل بھی لگا رہے گا“ (منیٰ ۶: ۱۹-۲۱)۔

یعقوب دولت کو چار صورتوں میں بیان کرتا ہے: ”مال“، ”پوشاک“، سونا اور چاندی۔ جب یعقوب یہ کہتا ہے کہ تمہارا مال بگڑ گیا“ تو غالباً اُس کا مطلب ہے کہ تمہارے غلے کو کھڑا لگ گیا اور تمہاری باتیں بدبودار ہو گئی ہیں۔ نکتہ یہ ہے کہ یہ چیزیں اتنی زیادہ جمع کر لی گئیں کہ وہ خراب ہو گئیں۔ ایک وقت تھا کہ اُنہیں بھوکوں کو سیر کرنے کے لئے استعمال کیا جاسکتا تھا مگر اب وہ بیکار ہو گئی ہیں۔ وہ کہتا ہے ”تمہاری پوشاکوں کو کھڑا لگ گیا“۔ اگر کپڑوں کو متواتر استعمال کیا جائے تو ایسا نہیں ہوتا۔ لیکن اگر ہماری پوشاکوں سے بھری ہوئی ہو تو اُنہیں بہت کم استعمال کیا جاتا ہے اور وہ آسانی سے کپڑوں کا شکار بن جاتی ہیں۔ یعقوب کے نزدیک اس طرح کپڑے جمع کرنا اخلاقی طور پر غلط ہے جبکہ دنیا میں ایسے بہت سے لوگ ہیں جنہیں ان کی سخت ضرورت ہے۔

۳: ۵۔ وہ اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہتا ہے: ”تمہارے سونے چاندی کو زنگ لگ گیا اور وہ زنگ تم پر گواہی دے گا اور آگ کی طرح تمہارا گوشت کھائے گا۔“ ”سونے اور چاندی کو زنگ نہیں لگتا لیکن اُن کی چمک مدھم پڑ جاتی ہے اور وہ بد رنگ ہو جاتے ہیں۔ اور اگر اُنہیں نامناسب حالت میں جمع کیا جائے تو وہ گھل یا گھسن سکتے ہیں۔ اپنے روپے کو گردش میں لانے، بھوکوں کو خوراک مہیا کرنے، بے سہاروں کو کپڑے پہنانے، بیماروں کو دوا دینا کرنے اور انجیل کو پھیلانے میں استعمال کرنے کی بجائے وہ کسی اڑے وقت کے لئے رکھ چھوڑتے ہیں۔ اُس سے کسی کو فائدہ نہیں پہنچتا اور بالآخر خراب ہو جاتا ہے۔

”زنگ لگ گیا“ استعمال نہ کرنے اور بگڑنے کی طرف اشارہ ہے اور وہ سزا کے لئے امیروں کے خلاف گواہی دے گا۔ اگر یہ یعقوب کے دُشمنوں میں دولت مندوں کے بارے میں درست تھا تو یہ ہمارے زمانہ میں اُن کے متعلق کتنا زیادہ درست کیوں نہ ہوگا؟ اگر ہمارے پاس انجیل کو پھیلانے کے ذرائع ہیں لیکن ہم اُنہیں استعمال نہیں کرتے یا جب ہم مادی اشیاء جمع کرتے جبکہ اُنہیں لوگوں کی نجات کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے تو ہماری سزا کیا ہوگی؟ ”زنگ... آگ کی طرح تمہارا گوشت کھائے گا“ کا مطلب ہے کہ اُن کا اپنے مال کو دوسروں کی بھلائی کے لئے

استعمال نہ کرنا اُن کے دکھ اور مصیبت کا باعث بنے گا۔ جب اُن کی آنکھیں اپنی خود غرضی اور لالچ (بیش قیمت زیورات، قیمتی کپڑوں، شاد رنگھروں، قیمتی کاروں) کے ظلم کے لئے کھل جائیں گی تو یہ اُن کے لئے ایک نہایت تکلیف دہ اور دکھ بھرا تجربہ ہوگا۔

۴:۵۔ دوسرا گناہ جس پر یعقوب حملہ کرتا ہے وہ مزدور کو اُس کی مزدوری ادا نہ کر کے دولت جمع کرنا ہے۔ ”جن مزدوروں نے تمہارے کھیت کاٹے“ اُن کو اُن کی مزدوری سے محروم رکھا گیا۔ اگر یہ مزدور احتجاج تو کر سکتے ہیں لیکن وہ اپنی شکایت کا مداوا کرنے میں بالکل بے بس ہیں۔ زمین پر کوئی مشخص ایسا نہ تھا جو کامیابی سے اُن کی وکالت کرتا۔ تاہم ”خداوند رب الافواج“ نے اُن کی ”فریاد“ سنی۔ وہ جو آسمان کی فوجوں پر اختیار رکھتا ہے وہ زمین کے مظلوم لوگوں کی پشت پناہی کرتا ہے۔ قادیان خُداوند خُدا اُن کی مدد کرے گا اور اُن کو بدلہ دے گا۔ یوں بائبل نہ صرف مال جمع کرنے کی مذمت کرتی ہے بلکہ بددیانتی سے روپیہ جمع کرنے کی بھی۔ پوئری مزدوری نہ دینے کے ساتھ یعقوب انکم ٹیکس میں دھوکا دہی، ناپ تول میں کمی، حکام کو رشوت دینے، جھوٹی اشتہار بازی اور حساب کتاب میں گھسلا کرنے کا ذکر بھی کر سکتا تھا۔

۵:۵۔ پھر یعقوب دولت مندوں کی عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنے کی بھی مذمت کرتا ہے۔ وہ اپنے لئے بیش قیمت زیورات، قیمتی پوشاکوں، لذیذ اور مرقع خوراک اور عالی شان گھروں پر اپنی دولت کیسے خرچ کر سکتے ہیں جبکہ بيشمار لوگ ایسے ہیں جو بے حد ضرورت مند ہیں؟ یا اسے اپنی سطح پر لاتے ہوئے، ہم اپنی یکسیواؤں اور مسیحیوں کی دولت مندی کو کیسے جائز قرار دے سکتے ہیں؟ ہم ایسی دُنیا میں رہتے ہیں جبکہ ہر روز ہزاروں بھوک سے مر جاتے ہیں۔ دُنیا کی آدھی سے زیادہ آبادی نے خُداوند یسوع مسیح کے بارے میں کبھی نہیں سنا ہے۔ اس قسم کی دُنیا میں ہم قیمتی اشیاء کیسے خرید سکتے ہیں؟ ہم خُداوند کے پیسے کو اپنی تن پروری پر کیسے خرچ کر سکتے ہیں؟ کلام کی صاف تعلیم، دُنیا کی ہولناک ضرورت، نجات دہندہ کا نمونہ اور محبت کی سادہ سی جبلت ہمیں بتاتی ہے کہ جب تک اس دُنیا میں ایک بھی رُوح ایسی ہے جس نے خوشخبری کو نہیں سنا تو اُس وقت تک آرام دہ اور عیش و عشرت کی زندگی بسر کرنا غلط ہے۔

وہ لوگ جو ”عیش و عشرت“ کی زندگی بسر کر کے ”مرنے“ اڑاتے ہیں اُن کا اُن لوگوں سے تعلق ہے جنہوں نے ”اپنے دلوں کو ذبح کے دن موٹا تازہ کیا“۔ جانوروں کی مانند جو ذبح ہونے سے پیشتر اپنے آپ کو قربہ کرتے ہیں یا اُن سپاہیوں کی طرح جو اپنا وقت لوٹ مار میں صرف کرتے ہیں جبکہ

اُن کے ارد گرد دوسرے تباہ ہو رہے ہوتے ہیں۔

۶:۵ - دولت مندوں پر آخری الزام یہ ہے کہ وہ ”راست باز شخص کو قصور وار ٹھہراتے اور قتل“ کرتے ہیں جبکہ وہ اُن کا ”مقابلہ نہیں کرتا“۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ راست باز یسوع مسیح ہے۔ لیکن اُس کی موت کے ذمہ دار مذہبی لوگ تھے نہ کہ دولت مند۔ مناسب یہ ہے کہ یہاں عام بے قصور لوگوں کو ”راست باز“ سمجھا جائے۔ یعقوب، اُن ظالمانہ طریقوں کے بارے میں سوچ رہا ہے جو دولت مندوں کی خصوصیت ہے اور جو وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ سلوک میں اختیار کرتے ہیں۔ وہ اُن کو چھوٹے الزامات، سخت زبان اور دھمکیوں کے ذریعہ قصور وار ٹھہراتے ہیں۔ اُنہوں نے اُن کو قتل کیا، غالباً براہ راست نہیں بلکہ زیادہ کام لینے اور پوری مزدوری نہ دینے سے۔ ان معصوموں نے مقابلہ نہ کیا۔ اور اگر وہ احتجاج کرتے تو انہیں مزید ظلم کا نشانہ بنایا جاتا یا ملازمت سے ہاتھ دھوئے پڑتے۔

۱۰۔ صبر کی نصیحت (۷:۱-۱۲)

۷:۱ - یعقوب اب اُن ایمان داروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے جو تکلیف اٹھا رہے تھے۔ وہ صبر کرنے کے لئے اُن کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ صبر کرنے کی وجہ ”خداوند کی آمد“ ہے۔ اس کا اشارہ یا تو خداوند کا بادلوں پر آنا ہے یا مسیح کی حکومت کرنے کے لئے آمد۔ ان دونوں کو نئے عہد نامہ میں صبر سے برداشت کرنے کا محرک بتایا گیا ہے۔

”کسان“ کی مثال صبر کی ضرورت کو ظاہر کرتی ہے۔ وہ جس دن بیج بوتا ہے اسی دن فصل نہیں کاٹ لیتا۔ اس کے برعکس وہ کئی ماہ تک انتظار کرتا ہے۔ پھلے وہ ”پچھلے مینہ“ کا انتظار کرتا ہے تاکہ بیج اُگنے لگے۔ پھر موسم کے آخر میں ”پچھلے مینہ“ کا تاکہ فصل غریب ہو سکے۔ بعض لوگ ”پھلے اور پچھلے مینہ“ میں ایک وعدہ دیکھتے ہیں کہ کلیسیا کے ابتدائی دور میں جو بے شکست کی برکت ملی اس کو پھر خداوند کی آمد ثانی سے پیشتر دہرایا جائے گا۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ نئے عہد نامہ کی مجموعی تعلیم اس قسم کی امید کی حوصلہ افزائی نہیں کرتی۔

۸:۵ - جب خداوند واپس آئے گا تو زمین پر کی تمام بے انصافیوں کا ازالہ کیا جائے گا پس اُس کے لوگوں کو ”صبر“ کرنا چاہئے جیسے کسان کرتا ہے۔ اُن کے ”دلوں“ کو اس بات پر قائم رہنا چاہئے کہ خداوند بالیقین آئے گا۔

۹:۵ - ایذا رسانی اور پریشانی کے دوران مظلوموں کا ایک دوسرے کے خلاف ہو جانا ایک

عام بات ہے۔ یہ انسانی فطرت کا ایک عجیب پہلو ہے کہ شدید دباؤ کے موقع پر ہم بعض اوقات انہی سے غصے ہو جاتے ہیں جنہیں سب سے زیادہ پیار کرتے ہیں۔ چنانچہ ہمیں تنبیہ کی جاتی ہے کہ اے بھائیو! ایک دوسرے کی شکایت نہ کرو تاکہ تم سزا نہ پاؤ۔ اس آیت میں خداوند کے اُن خادموں کے لئے نصیحت پائی جاتی ہے جو مشکلات کے زمانہ میں بل کر خدمت کرتے ہیں۔ ہم میں ایک دوسرے کے لئے آزر و گنج نہیں پائی جانی چاہئے، کیونکہ ”مُنْصِف“ پہلے ہی ”دروازہ پر کھڑا ہے“۔ وہ جانتا ہے کہ ہم کیا سوچ رہے ہیں۔ ہمیں جلد ہی حساب دینے کے لئے میرج کے تحت عدالت کے سامنے کھڑا ہونا پڑے گا۔ آئیے ہم دوسروں کی عدالت نہ کریں مبادا ہماری عدالت بھی ہو۔

۱۰: ۵۔ یہاں عہدِ عتیق کے نبیوں کا ذکر ہے جنہیں ہمیں ”دکھ اٹھانے اور صبر کرنے کا نمونہ سمجھنا چاہئے۔“ مصیبت سے صبر پیدا ہوتا ہے (رومیوں ۵: ۳)۔ جیسے کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے نئے عہد نامہ میں صبر کا مطلب برداشت یا ثابت قدمی ہے۔ چونکہ انبیا بڑی وفاداری سے خداوند کے کلام کی منادی کرتے تھے اس لئے انہیں بڑی بے رحمی سے ستایا جاتا تھا۔ اس کے باوجود بھی وہ اندیکھے کو گویا دیکھ کر ثابت قدم رہے (عبرانیوں ۱۱: ۲۷، ۳۲-۴۰)۔

۱۱: ۵۔ ہم قدیم انبیا مثلاً ایلیاہ، یرمیاہ اور دانی ایل کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ ہم اُن کی زندگیوں میں جوش اور جاں نثاری کی قدر کرتے ہیں۔ ان معنوں میں ہم انہیں ”مبارک“ کہتے ہیں۔ ہم اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ وہ درست تھے اور دنیا غلط تھی۔ لیکن ہمیں یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ وہ بڑی آزمائشوں اور دکھوں سے گزرے اور انہوں نے انہیں بڑے صبر سے برداشت کیا۔ اگر ہم بھی مبارک کہلانا چاہتے ہیں تو مناسب یہی ہے کہ ہم بھی انہی کی طرح کریں۔

”ایوب“، ”صبر“ یا ثابت قدمی کی بڑی عمدہ مثال ہے۔ دنیا کی تاریخ میں ”ایوب“ کی طرح شاید ہی کسی نے اتنے کم وقت میں اتنا زیادہ نقصان اٹھایا ہو۔ اس کے باوجود بھی اُس نے نہ تو کبھی خدا پر لعنت کی اور نہ اُس سے پھرا۔ خدا نے اپنے آپ کو ویسا ہی ظاہر کیا جیسا وہ ہمیشہ کرتا ہے کہ وہ ترس اور رحم سے بھرا ہوا ہے۔

اگر ہم اُسے جیسے یعقوب ”اُس کا انجام ہوا“ (آخری نتیجہ جو ”خداوند“ ظاہر کرتا ہے) کہتا ہے نہیں جانتے تو خطرہ ہے ہم بدوں پر رشک کرنے لگیں۔ اُس نے جب بدکاروں کو خوشحال دیکھا تو اُن پر رشک کرنے لگا (زبور ۳۷: ۳-۱۷)۔ وہ جتنا زیادہ اُس پر سوچتا اتنا ہی زیادہ پریشان ہوتا۔ تب وہ خدا کے مقدس میں گیا اور اُسے اُن کا انجام معلوم ہوا۔ اس

سے اُس کا رشک کا فور ہو گیا۔ واؤد کو بھی یہی تجربہ ہوا۔ زبور ۱۵: ۱ میں وہ ایمان داروں کا حصہ
آئندہ زندگی میں بتاتا ہے۔ اس کے پیش نظر ایمانداروں کو ضرورتاً ثابت قدم رہنا ہے۔ ایوب کے
معاملے میں ”اس کا انجام“ یہ ہوا کہ خدا نے اسے جو کچھ پہلے اُس کے پاس تھا اُس سے بھی دوگنا
دیا (ایوب ۴۲: ۱۰-۱۵)۔

۱۲: ۵۔ آزمائش کے وقت بے صبری قسم کھانے سے بھی ظاہر ہوتی ہے۔ یہاں عدالت
میں حلف اٹھانے سے منع نہیں کیا گیا، بلکہ جس بات سے منع کیا گیا ہے وہ اپنی بات کو سچا ثابت
کرنے کے لئے خدا کا یا کسی اور کا نام بلا سوچے سمجھے لینا ہے۔ ایمان دار کو کسی بھی چیز کی
”جو آسمان“ میں یا ”زمین“ پر ہے قسم کھانے کی ضرورت ”نہیں“ ہونی چاہئے۔ وہ جو اُسے
جانتے ہیں اُن کو اس بات کی ضرورت ہونی چاہئے کہ اُن کی ”ہاں“ کا مطلب ”ہاں“ ہو اور
”نہیں“ ”نہیں“۔

اس حوالہ کا اطلاق اس قسم کی اصطلاحات مثلاً ”خدا“ یا ”خدا کے واسطے“ یا ”تمہاری
قسم“ وغیرہ پر بھی کیا جانا چاہئے۔
”نیک سزا کے لائق نہ ٹھہرو“۔ غالباً یہ یعقوب تیسرے حکم کے پیش نظر کہتا ہے کہ ”تو خداوند اپنے خدا کا
نام بے فائدہ نہ لیتا کیونکہ جو اُس کا نام بے فائدہ لیتا ہے خداوند اُسے بے گناہ نہ ٹھہرائے گا“ (خروج ۲۰: ۷)۔

۱۱۔ دُعا اور بیماروں کی شفا (۵: ۱۳-۲۰)

اس خط کی آخری آیات کا مضمون دُعا ہے۔ یہ لفظ اسم یا فعل کی صورت میں سات مرتبہ استعمال
ہوا ہے۔

۱۳: ۵۔ ہمیں اپنی زندگی کے تمام حالات میں خداوند کے پاس دُعا میں جانا چاہئے۔ جب ہم
مُصیبت میں ہوں تو ہمیں اُس کے پاس بڑی سنجیدہ التماس کے ساتھ حاضر ہونا چاہئے اور خوشی کے
وقت ہمیں اپنے پورے دل سے خدا کی حمد و ثنا کرنی چاہئے۔ وہ چاہتا ہے کہ ہم اُسے اپنی زندگی کے
تمام بدلتے ہوئے حالات میں جگہ دیں۔

جو کچھ ہماری زندگی میں واقع ہوتا ہے اُس میں ہمیں خدا کو پہلا بڑا سبب دیکھنا چاہئے۔ اگر
ہم حالات سے مغلوب ہو جاتے یا اپنے حالات کی تبدیلی کا انتظار کرتے ہیں تو یہ شکست ہے۔ اپنے
حالات میں ہمیں صرف خدا کا ہاتھ دیکھنا چاہئے۔

اس خط کا اور غالباً تمام نئے عہد نامہ کا یہ حصہ سب سے زیادہ متنازع ہے۔ یہ فی زمانہ ایمان دار کی زندگی میں الہی شفا کا مضمون ہے۔
ان آیات پر تفصیل سے غور کرنے سے بیشتر اچھا ہوگا کہ ہم پہلے یہ دیکھیں کہ بائبل بیماری اور شفا کے بارے میں کیا تعلیم دیتی ہے۔

الہی شفا

- ۱۔ تمام مسیحی اس بات سے متفق ہیں کہ عام معنوں میں تمام بیماریاں اس دنیا میں گناہ کی موجودگی کا نتیجہ ہیں۔ اگر گناہ دنیا میں داخل نہ ہوتا تو پھر بیماریاں بھی نہ ہوتیں۔
- ۲۔ بعض اوقات ایک شخص کی زندگی میں بیماری براہ راست گناہ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ ۱۔ کرنتھیوں ۱۱:۳۰ میں ہم بعض کرنتھیوں کے بارے میں پڑھتے ہیں کہ وہ بیمار تھے کیونکہ وہ عشاءے ربانی میں اپنے آپ کو جانچے بغیر یعنی اپنی زندگیوں میں موجود گناہوں کا اقرار اور انہیں ترک کئے بغیر شامل ہوتے تھے۔
- ۳۔ ایک شخص کی زندگی میں تمام بیماریاں براہ راست گناہ کا نتیجہ نہیں ہوتیں۔ ایوب اس حقیقت کے باوجود کہ وہ کامل اور راست باز آدمی تھا (۸:۱) بیمار تھا۔ جنم کا اندھا اپنے گناہوں کے باعث دکھ نہیں اٹھا رہا تھا (یوحنا ۹:۱-۳)۔ ایفرودتس اس لئے بیمار تھا کہ وہ خداوند کی خدمت میں بے حد مصروف رہتا تھا (فلیپیوں ۲:۳۰)۔
- ۴۔ بعض اوقات بیماریاں شیطانی سرگرمیوں کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ یہ شیطان ہی تھا جس نے ایوب کے جسم پر پھوڑے نکالے تھے (ایوب ۲:۷)۔ نوفا ۱۰:۱۳-۱۷ میں شیطان ہی نے عورت کو کبڑا رکھا تھا۔ چنانچہ وہ جھک کر چلتی تھی اور سیدھی نہیں ہو سکتی تھی۔ اس عورت کو شیطان نے اٹھا رکھا اور اس سے باندھ رکھا تھا (۱۶:۱۳)۔ شیطان نے پوائس کے جسم میں بھی نقص پیدا کیا تھا جسے وہ جسم میں کاٹا کہتا تھا یعنی شیطان کا قاصد تاکہ... میں پھول نہ جاؤں (۲۔ کرنتھیوں ۱۲:۷)۔
- ۵۔ خدا شفا دے سکتا اور دیتا ہے۔ حقیقی معنوں میں تو تمام طرح کی شفا خدا کی طرف سے ہے۔ عہد عتیق میں خدا کا ایک نام ”یہوواہ رفیکہ“ ہے: ”میں خداوند تیرا شافی ہوں“ (خروج ۱۵:۲۶)۔ ہمیں اقرار کرنا چاہئے کہ ہر شفا میں خدا کا ہاتھ ہوتا ہے۔
- بائبل سے یہ صاف نظر آتا ہے کہ خدا شفا دینے کے لئے مختلف طریقے استعمال کرتا ہے۔ بعض اوقات وہ جسمانی عمل کے فطری طریقے سے شفا دیتا ہے۔ خدا نے انسانی جسم میں بحالی کی

بے پناہ محبت رکھی ہے۔ بعض اوقات وہ دوا کے ذریعہ شفا دیتا ہے۔ مثلاً پوکس تیتھیس کو نصیحت کرتا ہے کہ ”آئندہ کو صرف پانی ہی نہ پیا کر بلکہ اپنے معدہ اور اکثر کمزور رہنے کی وجہ سے ذرا سی سنے بھی کام میں لایا کر“ (۱- تیمتھیس ۵: ۲۳)۔ بعض اوقات وہ دل میں موجود خوف، آزر دگی، خود بینی اور مجرم ضمیر سے خلاصی دلا کر شفا دیتا ہے۔ بعض اوقات وہ ڈاکٹروں اور سرجنوں کے ذریعہ شفا دیتا ہے۔ لیون نے صاف طور سے لکھا کہ بیماروں کو طبیب کی ضرورت ہے (متی ۹: ۱۲)۔ پوکس ٹونا کو ”پیارا طبیب“ کہتا ہے (ملکیوں ۴: ۱۴)۔ اس سے یقیناً ظاہر ہوتا ہے کہ ایمانداروں کو طبیب کی ضرورت ہے۔ خدا، شفا دینے کی خدمت میں ڈاکٹروں کو استعمال کرتا ہے۔ ایک مشہور فرانسیسی سرجن نے فرمایا ”سرجن رقم کو باندھتا ہے۔ خدا اُسے بھرتا ہے۔“

۶۔ خدا معجزانہ طور پر بھی شفا دیتا ہے۔ اناجیل میں اس کی کئی ایک مثالیں ملتی ہیں۔ یہ کہنا غلط ہوگا کہ خدا عام طور پر اس طرح شفا دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ہمیں یہ بھی کہنا چاہئے کہ وہ اس طرح کبھی شفا نہیں دیتا۔ بائبل میں ایسی کوئی بات نہیں جس کی بنا پر ہم یہ خیال کریں کہ خدا آج معجزانہ طور پر شفا نہیں دے سکتا۔

۷۔ لیکن یہ بات بھی صاف ہے کہ خدا ہمیشہ ہی شفا نہیں دیتا۔ پوکس نے ترفس کو میلیٹس میں بیمار چھوڑ دیا (۲- تیمتھیس ۴: ۲۰)۔ خدا نے پوکس کو اُس کے بدن میں کانٹے سے شفا نہیں دی (۲- کرنتھیوں ۱۳: ۷-۱۰)۔ اگر خدا کی مرضی ہمیشہ ہی شفا دینے کی ہو تو پھر بعض کبھی بوڑھے نہ ہوں گے اور نہ مریں گے۔

۸۔ چونکہ خدا نے یہ وعدہ نہیں کیا ہے کہ وہ ہر ایک بیمار کو شفا دے گا، اس لئے شفا کوئی ایسی شے نہیں ہے کہ ہم اُس سے ہمیشہ ہی اس کا تقاضا کر سکیں۔ فلپیوں ۲: ۲۷ میں شفا کو ”رہم“ بتایا گیا ہے نہ کہ ایسی چیز جس کی امید کا ہم حق رکھتے ہوں۔

۹۔ عام معنوں میں تو یہ درست ہے کہ شفا ”کفارہ“ میں شامل ہے لیکن اس کے باوجود بھی خدا نے کفارہ میں شامل تمام برکات ہمیں نہیں دی ہیں۔ مثلاً بدن کی مخلصی ہمارے لئے مسیح کے کام میں شامل تھی لیکن یہ ہمیں اُس وقت تک نہیں ملے گی جب تک کہ مسیح اپنے مقدسوں کو لینے نہیں آئے گا (رومیوں ۸: ۲۳)۔ اُس وقت ہم مکمل طور پر تمام بیماریوں سے بھی شفا پالیں گے۔

۱۰۔ یہ سچ نہیں ہے کہ شفا کا نہ ملنا ایمان کی کمی کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ بعض سدا زندہ رہیں گے لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ پوکس اور ترفس کو شفا نہیں ملی

لیکن اس کے باوجود بھی اُن کا ایمان پُر زور اور سرگرم تھا۔

۵: ۱۱۴، ۱۵۔ اب ہم پھر باب ۵ کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ باقی ماندہ بائبل جو کچھ شفا کے

متعلق تعلیم دیتی ہے، یہ اُس کے ساتھ پوری مصلحت رکھتا ہے۔

”اگر تم میں کوئی بیمار ہو تو کلیسیا کے بزرگوں کو بلائے اور وہ خداوند کے نام

سے اُس کو تیل مل کر اُس کے لئے دعا کریں۔ جو دعا ایمان کے ساتھ ہوگی اُس کے باعث

بیمار بچ جائے گا اور خداوند اُسے اٹھا کھڑا کرے گا اور اگر اُس نے گناہ کئے ہوں

تو اُن کی بھی معافی ہو جائے گی۔“

اگر بائبل میں شفا کے موضوع پر صرف یہی آیات ہوتیں تو ہم یہ قیاس کر سکتے کہ زندگی میں جو بیماریاں

ایک ایماندار پر آتی ہیں وہ اُن سے یقیناً بچ سکتا ہے بشرطیکہ وہ اُن شرائط کو جو یہاں دی گئی ہیں

پورا کرے۔ لیکن ہم نے کلام کے دوسرے حصوں سے یہ دیکھا ہے کہ خدا کی ہیشہ ہی یہ مرضی نہیں

ہوتی کہ بیمار کو شفا ملے۔ پس ہمیں مجبوراً یہ نتیجہ نکالنا پڑتا ہے کہ یعقوب یہاں ہر قسم کی بیماریوں

کے متعلق نہیں کہہ رہا بلکہ کسی خاص بیماری کے بارے میں جو خاص حالات کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس

حوالہ کو سمجھنے کی کلید ان الفاظ میں ملتی ہے ”اگر اُس نے گناہ کئے ہوں تو اُن کی بھی معافی مل جائے گی۔“

اس حصے میں شفا کا تعلق گناہوں کی معافی سے ہے۔

یہاں ایک آدمی ہے جو کسی گناہ کا مرتکب ہوا، جس سے غالباً مقامی کلیسیا کی گواہی پر بھی دھتکا

لگا۔ اس کے تھوڑے عرصہ بعد اسے بیماری نے آدھوجا۔ اُس نے محسوس کیا کہ یہ بیماری اُس گناہ کا

براہِ راست نتیجہ ہے۔ خدا اسے تنبیہ کر رہا ہے تاکہ اسے پھر واپس رفاقت میں لے آئے۔ وہ

اپنے گناہ سے توبہ کرتا اور اُس کا خدا کے سامنے اقرار کرتا ہے۔ لیکن چونکہ اس سے تمام جماعت

کی تمام گواہی پر بھی داغ لگا تھا، اس لئے وہ ”کلیسیا کے بزرگوں“ کو بلاتا ہے اور وہ اُن کے

سامنے بھی اقرار کرتا ہے۔ وہ ”خداوند کے نام سے اُس کو تیل مل کر اُس کے لئے دعا“ کرتے ہیں۔

”ایمان کے ساتھ“ اس ”دعا“ سے بیمار ”بچ“ جاتا ہے اور خداوند اُسے اٹھا کھڑا کرتا ہے۔ خداوند

کا یہ حتمی وعدہ ہے کہ جہاں بیماری گناہ کا براہِ راست نتیجہ ہے اور جہاں گناہ کا مندرجہ بالا طریقہ

سے اقرار کیا جاتا اور اسے ترک کیا جاتا ہے وہاں خدا شفا دے گا۔

کوئی کہہ سکتا ہے کہ ”آپ کیسے جانتے ہیں کہ اُس آدمی نے گناہ کئے اور اُس کی توبہ اور

اقرار تک نوبت پہنچی؟“ جواب یہ ہے کہ آیت ۱۵ کا آخری حصہ اُس کے ”گناہوں“ کی ”معافی“

کے بارے میں بتاتا ہے۔ اور ہم جانتے ہیں کہ گناہ صرف اقرار کے نتیجے ہی میں مُعاف ہوتے ہیں۔ کوئی اور اعتراض کر سکتا ہے کہ یہاں یہ نہیں بتایا گیا ہے کہ اُس نے گناہ کئے ہیں بلکہ یہ کہ اگر اُس نے گناہ کئے ہوں۔ یہ درست ہے لیکن کل متن کا تعلق گناہوں کے اقرار اور ایک برگشتہ کی بحالی سے ہے۔ درج ذیل پر غور کیجئے: ایک دوسرے سے اپنے گناہوں کا اقرار کرو اور ایک دوسرے کے لئے دُعا کرو تاکہ شفا پاؤ۔ آیات ۱۸، ۱۷ میں جس مُشک سالی کا ذکر ہے وہ بنی اسرائیل کے گناہ پر خدا کی عدالت کا نتیجہ تھی۔ یہ اُس وقت ختم ہوئی جب وہ خداوند کی طرف دوبارہ پھرے اور اُسے سچے خدا کے طور پر قبول کیا (۱۔ سلطین ۱۸: ۳۹)۔ آیات ۲۰، ۱۹ صاف طور پر برگشتہ کی بحالی کے متعلق بتاتی ہیں جیسے کہ ہم دیکھیں گے۔

یعقوب ۵: ۱۳-۲۰ کے کل متن کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے جس شفا کا وعدہ کیا وہ اُس شخص کے لئے ہے جس کی بیماری گناہ کا نتیجہ ہے اور جو اپنے گناہ کا اقرار ”بزرگوں“ کے سامنے کرتا ہے۔ ”بزرگوں“ کی فہم داری یہ ہے کہ وہ اُس کو تیل مل کر اُس کے لئے دُعا کریں۔ بعض لوگ ”تیل“ کی تشریح یہ کرتے ہیں کہ یہ دوا کے استعمال کو ظاہر کرتا ہے کیونکہ جس وقت یعقوب نے خط لکھا اُس زمانہ میں تیل دوا ہی کی ایک قسم تھی (لوقا ۱۰: ۳۴)۔ ایک اور نظریہ یہ ہے کہ یہاں تیل کا مطلب اُس کا رسمی طور پر استعمال ہے۔ اِس نظریہ کو ان الفاظ سے ”خداوند کے نام سے“ تقویت ملتی ہے۔ بالفاظ دیگر تیل اُس کے اختیار سے اور اُس کے کلام کی فرمانبرداری کرتے ہوئے ملا جائے۔ بعض اوقات رسولوں نے بھی معجزانہ شفا دیتے وقت تیل کو استعمال کیا (مرقس ۶: ۱۳)۔ تیل میں شفا کی قوت نہیں تھی لیکن تیل اُس کی شفا کی خدمت میں رُوح القدس کا نشان ہے (۱۔ کرنتھیوں ۱۲: ۹)۔

بعض اعتراض کرتے ہیں کہ تیل کا رسمی استعمال فضل کے زمانہ سے مطابقت نہیں رکھتا کیونکہ وہ رسموں کو ترک کرنے کو کہتا ہے۔ لیکن ہم عشاء ربانی میں مسیح کے بدن اور خون کے نشان کے طور پر روٹی اور سے کو اور ہیتمہ میں پانی کو استعمال کرتے ہیں۔ پھر خواتین بھی مردوں کی اطاعت کے طور پر جماعت میں سر کو ڈھانپتی ہیں۔ تو پھر ہم تیل کے رسمی استعمال پر اعتراض کیونکر کر سکتے ہیں؟

”ایمان کے ساتھ“ مانگی گئی دُعا کے جواب میں خدا بیمار کو شفا دے گا۔ یہ ایمان کے ساتھ دُعا ہے کیونکہ اُس کی بنیاد خدا کے کلام کے وعدے پر ہے۔ یہاں بزرگوں کے ایمان کا یا بیمار کتنا ایمان رکھتا ہے کا سوال نہیں ہے۔ بزرگ مکمل ایمان کے ساتھ دُعا کر سکتے ہیں کیونکہ خدا نے وعدہ کیا ہے

کہ وہ بیمار کو اٹھا کھڑا کرے گا بشرطیکہ جو شرائط بیان ہوئی ہیں پوری کی جائیں۔

المختصر ایم ایمان رکھتے ہیں کہ آیات ۵۱۱۳ کا اطلاق ایسے شخص پر ہوتا ہے جس کی بیماری کسی گناہ کا براہ راست نتیجہ ہے۔ جب وہ اس بات کو محسوس کرنا اور توبہ کرتا ہے تو وہ کلیسیا کے بزرگوں کو بلائے اور ان کے سامنے اپنے گناہ کا مکمل اقرار کرے۔ پھر وہ خداوند کے نام سے اس کو قتلِ مَل کر اس کے لئے دعا کریں۔ وہ ایمان میں اس کے لئے دعا کر سکتے ہیں کیونکہ یہاں خدا نے اسے شفا دینے کا وعدہ کیا ہے۔

۱۶:۵ (الف) - ایک دوسرے سے اپنے اپنے گناہوں کا اقرار کرو اور ایک دوسرے کے لئے دعا کرو تاکہ شفا پاؤ۔ اس بیان کو سرسری نظر سے پڑھنے سے یہ تاثر مل سکتا ہے کہ ہمیں دوسروں کو اپنے پریشیدہ گناہوں کے بارے میں بھی بتانا چاہئے۔ لیکن یہاں یہ خیال نہیں ہے۔ مینادی طور پر یعقوب کا مطلب یہ ہے کہ جب ہم کسی بھائی کے خلاف گناہ کرتے ہیں تو ہمیں فوراً اس بھائی کے پاس جا کر اپنے گناہ کا اقرار کرنا چاہئے۔

پھر ہمیں ایک دوسرے کے لئے دعا بھی کرنی چاہئے۔ دل میں ایک دوسرے کے بارے میں تکلفی رکھنے اور آزر دگی کو بڑھانے کی اجازت دینے کی بجائے ہمیں اقرار اور دعا کے باعث ان سے رفاقت کو قائم رکھنا چاہئے۔

جسمانی شفا کا تعلق روحانی بحالی کے ساتھ ہے۔ دیکھئے کہ کس طرح یعقوب اقرار، دعا اور شفا کو ایک دوسرے سے منسلک کرتا ہے۔ یہ ایک صاف اشارہ ہے کہ جسم اور روح میں بڑا اہم تعلق ہے۔ انسان تین حصوں پر مشتمل ہے۔ روح، جسم اور جان (۱- تبسلیٹیکوں ۵: ۲۳)۔ تینوں میں سے ایک پر پڑنے والا اثر دوسرے دو کو بھی متاثر کرتا ہے۔ عہدِ عتیق میں کاہنِ طبیب بھی ہوتا تھا۔ یہ وہی تھا جو کوڑھ کی تشخیص کیا کرتا اور اس کے صحت مند ہونے کی تصدیق کرتا تھا۔ یوں کاہن اور ڈاکٹر کے کام کو ایک شخص میں یکجا کرنے سے خداوند نے روح اور جسم میں قریبی تعلق کو ظاہر کر دیا۔ جسمانی طب اس تعلق کو نامتی ہے اور ان شخصی مسائل کو تلاش کرتی ہے جو جسمانی تکالیف کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن طبِ جدید میں گناہ کا علاج نہیں ہے۔ مجرمِ ضمیر، آلودگی اور گناہ کی سزا سے رہائی صرف مسیح کے خون کی بنیاد پر اور خدا اور انسان دونوں کے سامنے اقرار کرنے سے ملتی ہے۔ ہم ماننے کو توتیار نہیں لیکن متعدد بیماریاں گناہ کی وجہ سے آتی ہیں، مثلاً پسارِ خوری، نگرہ مندی، غصہ، مقاف نہ کرنے والی روح، بے اعتدالی، حسد، خود غرضی اور تکبر۔ گناہ بیماری لاتا ہے اور بعض اوقات موت بھی (۱- کرنتھیوں ۱۱: ۳۰)۔ مجنوبی ہمیں اپنی زندگی میں گناہ کا علم ہوا، ہمیں فوراً اس کا اقرار کرنا اور اسے ترک کرنا

چاہئے۔ ہمیں تمام گناہوں کا خدا کے سامنے اقرار کرنا چاہئے۔ اور مزید یہ کہ ہم نے جو گناہ دوسروں کے خلاف کئے ہیں ان کا اقرار ان کے سامنے بھی کرنا چاہئے۔ یہ ہماری روحانی صحت کے لئے اہم اور جسمانی صحت کے لئے فائدہ مند ہے۔

۱۶: ۵ (ب) - ۱۸ -

ایک نیک آدمی کی سنجیدگی سے مانگی گئی دُعائیں بے انتہا قوت ہوتی ہے۔ کیا آپ کو ایلیاہ یاد ہے؟ وہ ہماری طرح کا انسان تھا۔ اُس نے بڑے غصے والے دل سے دُعا کی کہ میں نہ پڑے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ ساڑھے تین سال تک مُلک میں ایک بُوند بھی نہ گری۔ پھر اُس نے دوبارہ دُعا کی۔ خُدا نے مینہ برسایا اور پچھلے کی طرح سبزی اُگائی (جے۔ بی۔ پی)۔

یہ واقعہ ۱۔ سلاطین ۱۵: ۱۹ - ۱۰ میں مرقوم ہے۔ اُس وقت اسرائیل کا بادشاہ اخیاب تھا۔ اپنی بیوی یزہیل کی وجہ سے وہ بعل کا بچاری بن گیا اور اپنے لوگوں کو سخت بُت پرستی میں مبتلا کر دیا۔ ”اخیاب نے اسرائیل کے سب بادشاہوں سے زیادہ جو اُس سے پہلے ہوئے تھے خُداوند اسرائیل کے خُدا کو غصہ دلانے کے کام کئے“ (۱۶: ۲۲)۔ یہ اس گناہ کا براہ راست نتیجہ تھا کہ اسرائیل ساڑھے تین سال خشک سالی کی پٹی میں رہا۔

تب ایلیاہ کا کوہ کرمل پر بعل کے پجاریوں کے ساتھ مشہور زمانہ مقابلہ ہوا۔ جب خُداوند کی آگ نازل ہوئی اور اُس نے سوختی قربانی، مذبح اور پانی کو بھسم کر دیا تو لوگ قائل ہو گئے اور خُداوند کی طرف پھرے۔ ایلیاہ نے پھر ”دُعا کی“ اور خشک سالی ختم ہو گئی۔ ”ایلیاہ“ کی مثال ہماری حوصلہ افزائی کے لئے دی گئی ہے تاکہ ہم اُن کے لئے جنہوں نے گناہ کیا اور خُدا کی رفاقت سے دور ہو گئے ہیں دُعا کریں۔ مبادا کہ ہم یہ خیال کرنے لگیں کہ ایسا آدمی ہم سے افضل مخلوق ہے۔ یعقوب ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ایلیاہ ”ہمارا ہم طبیعت انسان تھا“۔ وہ محض بشر تھا جس میں دوسرے آدمیوں کی طرح کمزوریاں پائی جاتی تھیں۔

۱۹: ۵ - ۲۰ - گزشتہ آیات میں ہم نے دیکھا کہ گناہ کے مرتکب مقتدسین کی بھائی کے لئے عیسیا کے بزرگوں کو استعمال کیا گیا۔ اور ہم نے یہ بھی دیکھا کہ خُدا نے ایک برگشتہ قوم کی بھائی (بُزدی اور عارضی) کے لئے ایلیاہ کو استعمال کیا۔ اور اب ہمیں نصیحت کی گئی ہے کہ ہم اس دُور رس نتائج کی حامل خدمت کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیں۔

آیت ۱۹ میں ایک مسیحی بھائی کے متعلق بیان کیا گیا ہے جو شاید تعلیمی لحاظ سے یا عمل کے

لحاظ سے ”راہِ حق“ سے گمراہ ہو گیا تھا۔ ایک دوسرا بھائی اس بات کو جانفشانی اور ایمان سے دُعا کا موضوع بنالیتا ہے، اور یوں اُسے پیار کے ساتھ مسیح میں اُس کے بہن بھائیوں اور خدا کے ساتھ رفاقت میں ”پھیر لاتا“ ہے۔ اس خدمت کی زبردست اہمیت ہے۔ پہلی بات یہ کہ وہ اُس کو خدا کے ہاتھ کے نیچے وقت مقررہ سے پیشتر مرنے سے بچالیتا ہے۔ پھر وہ ”مہبت“ سے گناہوں پر پردہ ڈالے گا۔ خدا نے انہیں معاف اور فراموش کر دیا ہے۔ پھر اُس کے ساتھی ایمان داروں نے بھی معاف کر دیئے ہیں اور پھر وہ باہر کی دنیا کی گہری نظروں سے بھی پوشیدہ ہو گئے ہیں۔ آج ہمیں بھی اس خدمت کی ضرورت ہے۔ شاید گمراہوں کو مسیح کے پاس لانے کے جوش میں ہم مسیح کی اُن بھیڑوں پر زیادہ توجہ نہیں دیتے جو گھر سے بھٹک گئی ہیں۔

ایک مرتبہ پھر یعقوب ہمارے منیر کو مسیحی زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں پوچھ پڑتا ہے۔ مثلاً وہ ہم سے دریافت کرتا ہے: کیا آپ زمین پر مال جمع کر رہے ہیں؟ کیا آپ کے بزنس کرنے کے طریقے مطلقاً دیانتدارانہ ہیں؟ مثلاً اپنے انکم ٹیکس کے حساب کتاب میں؟ کیا آپ عیش و عشرت کی زندگی بسر کرتے ہیں یا قربانی کی تاکہ دوسرے مسیح کے پاس آسکیں؟ جب آپ کسی دوسرے شخص کے گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں تو کیا آپ اُس کے پاس جا کر اُس سے معافی مانگنے کو تیار رہتے ہیں؟ جب آپ بیمار ہوتے ہیں تو سب سے پہلے کس سے رابطہ قائم کرتے ہیں؟ ڈاکٹر سے یا خدا سے؟ جب آپ کسی بھائی کو گرتے دیکھتے ہیں تو کیا آپ اُس پر نکتہ چینی کرتے ہیں یا اُسے بحال کرنے کی کوشش کرتے ہیں؟

اب ہم اس مختصر عملی خط کے اختتام تک پہنچ گئے ہیں۔ ہم نے دیکھا کہ ایمان کی آزمائش زندگی کی مشکلات سے، ناپاک آزمائشوں سے، اور خدا کے کلام کی فرمانبرداری کرنے سے کی گئی۔ ایک شخص جو یہ کہتا ہے کہ وہ ایمان رکھتا ہے اُسے اس کو طرف داری نہ کرنے اور نیک زندگی بسر کرنے سے ثابت کرنے کو کہا گیا ہے۔ ایک شخص کے ایمان کو اُس کی گفتگو میں دیکھا جاسکتا ہے۔ ایمان دار اپنی زبان کو مسیح کے کنٹرول میں دینا سیکھ لیتا ہے۔ حقیقی ایمان کا ساتھی حقیقی حکمت ہوتی ہے اور حسد اور جھگڑے کی زندگی خدا پرستی میں بدل جاتی ہے۔

ایمان، باہمی جھگڑوں اور کشاکش سے بچتا ہے جو لالچ اور دنیاوی خواہشات سے پیدا ہوتے ہیں۔ وہ مکثہ چین کی مدح سے بھی دور رہتا ہے۔ وہ اُس خود انحصاری سے جو زندگی کے منصوبوں سے خدا کو نکال دیتی ہے دور بھاگتا ہے۔ جس طریقے سے ہم پیسہ کماتے اور خرچ کرتے ہیں اُس

سے بھی ایمان کی آزمائش ہوتی ہے۔ ایمان طرظلم و تشدد کے باوجود بھی، خداوند کی آمدنی کے پیش نظر صبر اور برداشت کا مظاہرہ کرتا ہے۔ اُس کی گفتگو دیانت دارانہ ہوتی ہے اور اُسے سچ ثابت کرنے کے لئے قسم کھانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ ایمان، زندگی کے بدلتے ہوئے حالات میں خدا سے رجوع کرتا ہے۔ بیماری میں وہ اُس کی روحانی وجوہات کی طرف دیکھتا ہے، اور اُن ممکنہ وجوہات کو خدا کے اور جن کا قصور کیا اُن کے سامنے اقرار کرنے سے دور کر دیتا ہے۔ پھر ایمان پیار اور محبت میں اُن کے پاس جاتا ہے جو برگشتہ ہو گئے ہیں۔

میرا اور آپ کا ایمان ہر روز آزمایا جاتا ہے۔ منصف کا فیصلہ کیا ہے؟

پطرس کا پہلا عام خط

تعارف

اگر ہمیں علم نہ ہوتا کہ یہ خط کس نے لکھا ہے تو ہمیں کہنا پڑتا: جس نے بھی یہ خط لکھا وہ چٹان کی طرح مضبوط ہے، اُس کی رُوح چٹانی بنیاد پر ٹکی ہوئی ہے اور وہ اپنی زبردست گواہی سے دوسروں کی رُوحوں کو بڑھتے ہوئے دکھوں کے طوفانوں سے محفوظ بنانا اور انہیں حقیقی چٹان کی بنیاد پر قائم کرنا چاہتا ہے۔ (روڈنگر)

۱۔ فہرست مسئلہ میں لاثانی مقام

مسیحیوں کو غیر مسیحی ممالک میں اکثر دباؤ، تعصب اور یہاں تک کہ ایذا رسانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور وہ تقریباً ہر وقت اس کی توقع کرتے رہتے ہیں۔ یہ خط اس بات کو قبول کرنے میں اُن کی بے حد مدد کرتا ہے کہ اُن کے دکھ خداوند کی اجازت سے اُن پر آتے ہیں اور کہ وہ اُن میں بعض مفید خوبیاں جیسے کہ استقلال پیدا کرتے ہیں۔

۲۔ مُصنّف

خارجی شہادت

عالمگیر سطح پر یہ بات مانی جاتی ہے کہ پطرس نے یہ خط بہت پہلے لکھا ہے۔ یہودی مؤرخ یوسیبس ۱۔ پطرس کو اُن کتب میں شامل کرتا ہے جنہیں تمام ایمان داروں نے قبول کیا تھا۔ پاکارپ اور سکندریہ کے کلیمنس نے اس کتاب کو قبول کیا۔ اس حقیقت کو کہ مرقیونی فہرست مسئلہ میں ۱۔ پطرس شامل نہیں ہمارے لئے متشوشی کا باعث نہیں بننا چاہئے کیونکہ اُس میں صرف پطرس رسول کے خطوط ہی شامل ہیں۔ مرقوری فہرست میں بھی ۱۔ پطرس شامل نہیں۔

لیکن اس کی وجہ اس فہرست کی نامکمل نوعیت ہو سکتی ہے۔
عین ممکن ہے کہ ۲۔ پطرس ۱:۳ میں ۱۔ پطرس کی تصدیق پائی جاتی ہو۔

داخلی شہادت

داخلی شہادت جو پطرس کے مُصنّف ہونے کے بارے میں شک پیدا کرتی ہے وہ اس خط میں مستعمل اعلیٰ درجے کی یونانی ہے۔ کیا ایک گلیلی ماہی گیر اتنی فصیح یونانی لکھ سکتا ہے؟ متعدد لوگ کہتے ہیں کہ نہیں۔ لیکن ہمارے اپنے زمانے میں ایسی کئی مثالیں ملتی ہیں کہ لوگ اطفال کے استعمال اور تقریر میں فطری مہارت رکھتے ہیں حالانکہ اعلیٰ تعلیم یا سیمینری کی تربیت سے مستفیض نہ ہوئے۔ پاک رُوح کی تحریک اور خط لکھنے میں سلوانس کی امکانی مدد سے قطع نظر پطرس کو منادی کا تیس سال کا تجربہ تھا۔ جب اعمال ۴: ۱۳ یہ کہتا ہے کہ وہ اُن بڑھ اور ناواقف آدمی ہیں تو اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اُنہوں نے ربیوں کے مدرسہ سے تربیت حاصل نہیں کی تھی۔

۱۔ پطرس میں پطرس کی زندگی اور خدمت کے بارے میں کافی مواد ملتا ہے جیسے کہ درج ذیل چُنیدہ تفصیل ظاہر کرے گی۔

مُصنّف ۸:۱ میں کہتا ہے کہ اُس کے قارئین نے یسوع کو ویسے نہیں دیکھا ہے جس طرح اُس نے دیکھا ہے۔ وہ کہتا ہے: ”اُس سے تم بے دیکھے محبت رکھتے ہو اور اگرچہ اس وقت اُس کو نہیں دیکھتے۔“ ہم دوسرے حوالوں میں دیکھیں گے کہ مُصنّف خداوند کے ساتھ رہا تھا۔

دوسرے باب کی پہلی دس آیات مسیح کو کونے کے سرے کا پتھر بتاتی ہیں اور یوں ہمیں وہ قیصری فلپتی کے واقعہ کی طرف لے جاتی ہیں (متی ۱۶: ۱۳-۲۰)۔ جب پطرس نے یسوع کے بارے میں اقرار کیا کہ وہ زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے تو یسوع نے اعلان کیا کہ وہ اس بنیاد پر اپنی کلیسیا تعمیر کرے گا یعنی اس سچائی پر کہ وہ زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے۔ وہ (یسوع) کلیسیا کے کونے کے سرے کا پتھر اور بنیاد ہے۔

۱۔ پطرس ۵: ۲ میں جو زندہ پتھروں کا ذکر ہے اُس کا اشارہ یوحنا ۴: ۲۱ میں مرقوم واقعہ کی طرف ہے جہاں شمعون کا نام تبدیل کر کے کیفا (ارامی) یا پطرس (یونانی) رکھا گیا۔

ان دونوں کا مطلب پتھر ہی ہے۔ مسیح پر ایمان رکھنے سے پطرس زندہ پتھر بن گیا۔ پس اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ اُس نے باب ۲ میں پتھروں کے متعلق بہت کچھ بیان کیا ہے۔ ۷:۲ میں وہ زبور ۱۱۸:۲۲ سے اقتباس کرتا ہے: ”جس پتھر کو معماروں نے رد کیا وہی کونے کے سرے کا پتھر ہو گیا۔“ یہ وہی حوالہ ہے جو پطرس نے سرداروں، بزرگوں اور فقیہوں کے سامنے یروشلیم میں اپنی جوابدہی کے سلسلے میں پیش کیا تھا (اعمال ۴: ۱۱)۔

جب پطرس رسول اپنے قارئین کو حاکموں کے تابع رہنے کو کہتا ہے (۲: ۱۳-۱۷) تو ہم اُس وقت کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں جبکہ وہ خود اُن کے تابع نہ ہوا بلکہ سردار کاہن کے نوکر کا کان کاٹ دیا (یوحنا ۱۸: ۱۰)۔ پس اُس کی اس نصیحت کے پس پشت اُس کا عملی تجربہ بھی ہے۔

ایسا لگتا ہے کہ ۲: ۲۱-۲۴، یسوع کے مقدمہ اور موت کے بارے میں براہ راست علم کو ظاہر کرتا ہے۔ پطرس، نجات دہندہ کے علم کے ساتھ صبر کرنے اور خاموشی سے دکھ اٹھانے کو بھی نہیں بھول سکتا تھا۔ ۲: ۲۴ میں ہمیں نجات دہندہ کی موت کے طریقے یعنی صلیب موت کا اشارہ ملتا ہے۔ یہ پطرس کے اعمال ۳۰: ۵ اور ۳۹: ۱۰ میں الفاظ کی بازگشت لگتی ہے۔

جب پطرس اپنے قارئین کے بارے میں یہ کہتا ہے کہ ”تم اپنی رُوحوں کے نگہ بان اور نگہبان کے پاس پھر آ گئے ہو“ (۲: ۲۵) تو غالباً وہ اپنی بھائی کے بارے میں سوچ رہا تھا جو خداوند کا انکار کرنے کے بعد وقوع میں آئی تھی (یوحنا ۲۱: ۱۵-۱۹)۔

یہ یاد دہانی کہ محبت بہت سے گناہوں پر سپردہ ڈال دیتی ہے“ (۴: ۸) شاید پطرس کے اس سوال کی طرف اشارہ ہے کہ ”اے خداوند، اگر میرا بھائی میرا گناہ کرتا رہے تو میں کتنی دفعہ اُسے معاف کروں؟ کیا سات بار تک؟“ یسوع نے جواب دیا ”میں تجھ سے یہ نہیں کہتا کہ سات بار بلکہ سات دفعہ کے شتر بار تک“ (متی ۱۸: ۲۱، ۲۲)۔ بالفاظ دیگر لاتعداد مرتبہ۔

۱۶: ۴ میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ ”اگر مسیحی ہونے کے باعث کوئی شخص کوکھ پائے تو شرمائے نہیں بلکہ اس نام کے سبب سے خدا کی تعجید کرے۔“ اس کا مقابلہ اعمال ۵: ۴۰-۴۲ سے کریں جب پطرس اور دیگر رسول کوڑے کھانے کے بعد عدالت سے اُس بات پر خوش ہو کر چلے گئے کہ ہم اُس نام کی خاطر بے عزت ہونے کے لائق تو ٹھہرے۔“

اس خط کا مصنف اپنے آپ کو ان گواہوں میں شمار کرتا ہے جنہوں نے مسیح کو دکھ اٹھاتے دیکھا تھا (۵: ۱)۔ ممکن ہے یہ الفاظ کہ ظاہر ہونے والے جلال میں شریک مسیح کی

صوبت تبدیل ہونے کی طرف اشارہ ہوں۔ پطرس دونوں موقعوں پر موجود تھا۔

پاسانی کے بارے میں نصیحت کہ ”خدا کے اُس کلمہ کی نگہ بانی کرو جو تم میں ہے“ نجات دہندہ کے وہ الفاظ یاد دلاتی ہے جو اُس نے پطرس سے کہے تھے کہ ”تو میرے برے چرا... تو میری بھیڑوں کی نگہ بانی کر... تو میری بھیڑیں چرا“ (یوحنا ۲۱: ۱۵-۱۷)۔

۵: ۵ کہ ”ایک دوسرے کی خدمت کے لئے فروتنی سے کمر بستہ رہو“ اُس واقعہ کی یاد دلاتا ہے جو یوحنا باب ۱۳ میں درج ہے جب یسوع نے اپنے کپڑے اتار کر غلاموں کی طرح اپنی کمر سے رومال باندھا اور اپنے شاگردوں کے پاؤں دھوئے۔ درحقیقت غرور اور فروتنی پر پورا سیکشن (۵: ۶۱) اور بھی پرمطلب بن جاتا ہے جب ہم پطرس کا وہ بلند بانگ دعویٰ یاد کرتے ہیں کہ میں خداوند کا کبھی انکار نہ کروں گا (مرقس ۱۴: ۲۹-۳۱) اور پھر اُس کے بعد تین بار انکار کر دیا (مرقس ۱۴: ۶۷-۷۲)۔

آخری حوالہ جس کا تعلق پطرس کے تجزیہ سے ہو سکتا ہے ۵: ۸ میں ملتا ہے: ”تمہارا مخالف ابلیس گرجنے والے شیر ببر کی طرح ڈھونڈتا پھرتا ہے کہ کس کو پھاڑ کھائے“۔ جب پطرس نے یہ لکھا تو ممکن ہے وہ اُس وقت کے متعلق سوچ رہا ہو جبکہ خداوند نے اُسے کہا تھا ”شمعون! شمعون! دیکھ شیطان نے تم لوگوں کو مانگ لیا تاکہ گئیہوں کی طرح پھٹکے“ (لوقا ۲۲: ۳۱)۔

۳۔ تاریخ تصنیف

پطرس کی یہ تعلیم کہ حکومت عام طور پر اُن کی مددگار ہوتی ہے جو نیک کام کرتے ہیں (۱)۔ پطرس ۲: ۱۳-۱۷، بعض لوگ اس سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ یہ خط نیرو کی مسیحیوں کے خلاف شدید ایذا رسانی شروع ہونے کے بعد لکھا گیا تھا (۶۴ء)۔ بہر حال اس خط کو اس عرصہ سے یعنی ۶۵ء یا ۶۶ء سے بہت بعد کا نہیں کہا جاسکتا۔

۴۔ پس منظر اور مضمون

جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے پطرس یہاں مسیحی زندگی میں دکھوں کو بیان کر رہا ہے۔ اب تک اُس کے قارئین کو مسیح کی خاطر بے عزتی اور ملامت کا سامنا کرنا پڑا ہے (۴: ۱۴، ۱۵)۔ ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ بہتیروں کی قسمت میں اب بھی مستقبل میں قید، جائیداد کی ضبطی اور ظالمانہ

موت لکھی ہوئی ہے۔ لیکن اس عظیم خط کا مضمون صرف دکھ ہی نہیں ہے۔ اس میں خوشخبری کو قبول کرنے سے برکات کا وارث ہونا، ایمان داروں کے، دنیا کے، حکومت کے، خاندان کے، اور کلیسیا کے ساتھ تعلقات اور بزرگوں اور نظم و ضبط کے بارے میں ہدایات بھی شامل ہیں۔

رسول یہ خط اُس علاقے کے مشرقی صوبوں کو لکھتا ہے جسے اب ترکی کہا جاتا ہے۔ یہ اُس نے ”بابل“ سے لکھا جو دریائے فرات پر واقع ہے اور جہاں یہودی آباد تھے یا روحانی بابل یعنی روم سے جو دریائے ٹائگر پر واقع ہے۔

خاکہ

۱۔ ایمان دار کے حقوق اور فرائض (۱: ۱-۲: ۱۰)

۱۔ سلام و دعا (۲: ۱۰-۱)

ب۔ ایمان دار کا مرتبہ (۱: ۳-۱۲)

ج۔ اُس کے مرتبے کی روشنی میں ایمان دار کا چال چلن (۱: ۱۳-۲: ۳)

د۔ نئے گھر اور کہانت میں ایمان دار کے حقوق (۲: ۴-۱۰)

۲۔ ایمان دار کے تعلقات (۲: ۱۱-۴: ۴)

۱۔ دُنیا کے ساتھ تعلقات (۲: ۱۱-۱۲)

ب۔ حکومت کے ساتھ تعلقات (۲: ۱۳-۱۷)

ج۔ نوکر کے اپنے مالک کے ساتھ تعلقات (۲: ۱۸-۲۵)

د۔ بیوی کے اپنے خاوند کے ساتھ تعلقات (۳: ۱-۶)

۴۔ خاوند کے بیوی کے ساتھ تعلقات (۳: ۷-۱۱)

و۔ جماعت کے ساتھ تعلقات (۳: ۱۲-۱۷)

ز۔ مظلوم کے ظالم کے ساتھ تعلقات (۳: ۱۸-۴: ۱)

۳۔ ایمان دار کی خدمت اور دُکھ (۴: ۲-۵: ۱۴)

۱۔ آخری دنوں کے متعلق ضروری تاکید (۴: ۷-۱۱)

ب۔ دُکھوں کے بارے میں نصیحت اور تشریحات (۴: ۱۲-۱۹)

ج۔ نصیحت اور سلام و دعا (۵: ۱-۱۴)

تفسیر

۱- ایمان دار کے حقوق اور فرائض (۱:۱-۱:۲)

۱- سلام و دعا (۲:۱-۱:۲)

۱:۱- پیارا اماہی گیر اپنے آپ کو یوں متعارف کرتا ہے: ”پطرس... جو یسوع مسیح کا رسول ہے۔“ اُسے خداوند یسوع مسیح نے بارہ رسولوں میں مقرر کیا تھا، جنہیں ایک جلالی پیغام سنانے کو کہا گیا تھا۔ الٰہی بلاوے کو قبول کرنے کی وجہ سے وہ آدم گیر بن گیا تھا۔

تمام ایمان داروں کو کہا گیا ہے کہ وہ زمین پر مسیح کی نمائندگی کریں۔ ہم سب، خواہ گھر میں ہوں یا کسی دوسرے ملک میں مشنری ہیں۔ مسیح کے پیروکار کے طور پر ہماری زندگی کا مرکزی مقصد یہی ہے۔ باقی سب ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ خط ”مسافروں“ یا پردیسیوں کو لکھا گیا ہے جو پطرس، انگلیہ، کپدگیہ، آسیہ اور بختنیہ میں پھیلے ہوئے تھے۔ یہ جلاوطن لوگ کون تھے؟

پطرس ”جا بجا رہتے ہیں“ کے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ اس سے یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید وہ یہودی ایمان دار تھے کیونکہ یعقوب بھی اسرائیل کے بارہ قبیلوں سے ایمانداروں کے بارے میں یہی الفاظ استعمال کرتا ہے (یعقوب ۱:۱)۔ پھر یہی الفاظ یوحنا ۳:۵ میں ان یہودیوں سے متعلق ہیں جو غیر قوموں میں پراگندہ تھے۔

لیکن زیادہ قرین قیاس ہے کہ پطرس ان غیر قوم ایمان داروں کو لکھ رہا ہو جو ایذا رسانی کے باعث ارد گرد کی قوموں میں جا بسے تھے۔ ایسا کرتے ہوئے وہ بہت سے ناموں کو لیتا ہے جو پہلے خدا کے زمینی لوگوں کو دئے گئے تھے اور ان کا اطلاق خدا کی نئی امت یعنی کلیسیا پر کرتا ہے۔ وہ انہیں خدا کے ”برگزیدہ“ (۲:۱) اور ”شہی کاہنوں کا فرقہ“، مقدس قوم اور ایسی امت کہتا ہے جو خدا کی خاص ملکیت ہے“ (۹:۲)۔ تین اور اشاروں سے ظاہر ہے کہ وہ یہ خط غیر قوم ایمان داروں کو لکھ رہا ہے۔ وہ زندگی کے خالی خولی طریقوں کے بارے میں

بات کرتا ہے جو انہیں اپنے آباؤ اجداد سے ربطے ہیں (۱: ۱۴، ۱۸)۔ وہ اُن کے مُستَعلِق کُتّاب ہے کہ وہ پہلے کوئی اُمت نہ تھے (۲: ۱۰)۔ اور ۳: ۴ میں وہ کُتّاب ہے کہ وہ پہلے وقتوں میں غیر قوموں کی طرح زندگی گزارتے رہے ہیں۔ پس صاف ظاہر ہے کہ جس پرانگی کے بارے میں پطرس لکھ رہا ہے وہ مسیحی کلیسیا کی تھی جو زیادہ تر غیر قوم مسیحیوں پر مشتمل تھی۔ اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ پطرس بنیادی طور پر یہودیوں کا رسول تھا تو اس سے اُس کی غیر قوموں میں خدمت خارج نہیں ہو جاتی۔ پولس رسول نے بھی جو یقیناً غیر قوموں کا رسول تھا یہودیوں میں بھی خدمت کی تھی۔

۲: ۱۔ سَط کے مخاطبین کی، اُن کی نجات کی جو ہری ترقی کے ذریعہ مزید نشاندہی کی گئی ہے۔ اُس میں تبلیث کے تینوں اَقانیم کا حصہ ہے۔

پہلی یہ کہ وہ ”باپ کے علم سابق کے موافق۔۔۔ برگزیدہ ہوئے ہیں۔“ اس کا مطلب یہ ہے کہ خُدا نے اُنہیں اپنا بنانے کے لئے اُزل سے ہی چُن رکھا تھا۔ الٰہی برگزیدگی کی تعلیم ہمیشہ ہی مقبول نہیں ہوتی لیکن اِس کی اپنی خوبیاں ہیں یعنی یہ خُدا کو خُدا ہونے دیتی ہے۔ اگر ہم اِسے آدمیوں کے لئے خوشگوار بنانے کی کوشش کریں تو اس کا نتیجہ صرف خُدا کے حاکم کل ہونے پر سے توہر ہٹانے کی صورت میں نکلے گا۔ خُدا کے چُناؤ اور اِنسان کی ذمہ داری میں تطابقی میں اگر کوئی مشکل ہے تو وہ اِنسانی ذہن میں پائی جاتی ہے نہ کہ خُدا کے۔ بائبل مُقدس دونوں تعلیمات سکھاتی ہے اور ہمیں دونوں پر ایمان رکھنا چاہئے۔ سچائی دونوں انتہاؤں میں پائی جاتی ہے نہ کہ دونوں کے درمیان۔

کہا جاتا ہے کہ خُدا کا چُناؤ اُس کے ”علم سابق“ کے مطابق ہے۔ بعض اِس سے یہ سمجھتے ہیں کہ خُدا نے اُن لوگوں کو چُنا جن کے مُستَعلِق وہ جانتا تھا کہ وہ نجات دہندہ پر ایمان لائیں گے۔ دیگر یہ کہتے ہیں کہ کوئی بھی گنہگار اپنی طاقت سے نجات دہندہ پر ایمان نہیں لاسکے گا اِس لئے اُس نے چند ایک کو اپنے فضل کی فتح یابی کا نشان بنا لیا۔ اگرچہ خُدا کے چُناؤ میں گمراہی پیدا جاتا ہے، تاہم ہمیں یقین رکھنا چاہئے کہ اِس میں نا انصافی کی کوئی بات نہیں ہے۔ نجات میں دوسرا قدم ”روح“ کی تقدیس ہے۔ تقدیس کا یہ پہلو تبدیلی سے پہلے وقوع میں آتا ہے۔ یہ پاک ”روح“ کی خدمت ہے جس کے ذریعہ وہ لوگوں کو خُدا کی ملکیت ہونے

لے دوسری قسم کی پاکیزگی بھی ہے جو بعد میں وقوع میں آتی ہیں۔ جب کوئی شخص نئے سرے سے

کے لئے الگ کر دیتا ہے (۲- تفسلیکیوں ۱۳: ۲)۔ اس کا منطقی نتیجہ خدا باپ کے پُناؤ کی صورت میں نکلتا ہے۔
خُدا ازل سے جانتا تھا اور اُس نے آدمیوں کو چُنا۔ اور پھر وقت آنے پر پاک رُوح اُس پُناؤ کو حقیقی بنانے
کے لئے مُتعلقہ لوگوں کی زندگیوں میں کام کرتا ہے۔

نجات انسانی میں تیسرا قدم پاک رُوح کے کام کے سلسلے میں گنہگار کا ردِ عمل ہے۔ اسے
”یسوع مسیح“ کا فرمانبردار ہونا بتایا گیا ہے۔ اس کا مطلب خوشخبری کی فرمانبرداری کرتے ہوئے
اپنے گناہوں سے توبہ کرنا اور مسیح کو بطور نجات دہندہ قبول کرنا ہے۔ خوشخبری کی فرمانبرداری کا خیال
ایک ایسی چیز ہے جو نئے عہد نامہ میں عام ہے (دیکھئے رومیوں ۸: ۲؛ ۲- تفسلیکیوں ۸: ۱)۔
پُرتھی بات، اُن پر اُس کا ”خون چھڑکا“ جانا ہے۔ ہمیں اسے قطعاً لفظی طور پر نہیں لینا
چاہئے اور نہ یہ اصرار کرنا چاہئے کہ جب ایک شخص بچ جاتا ہے تو درحقیقت اُس پر یسوع
کا خون چھڑکا جاتا ہے۔ یہ تشبیہی زبان ہے۔ جو کچھ یہاں کہا گیا ہے اُس کا مطلب یہ ہے کہ جو وہی
ایک شخص خوشخبری کی فرمانبرداری کرتا ہے تو اُسے وہ تمام فوائد حاصل ہو جاتے ہیں جو کٹوری پر بہائے
گئے مسیح کے خون سے صادر ہوتے ہیں۔ نجات دہندہ کا خون تقریباً دو ہزار سال پیشتر ایک ہی
مترتب بہایا گیا۔ اب وہ پھر کبھی نہیں بہایا جائے گا۔

قارئین کی روحانی پیدائش میں چار اقدام کا کھوج لگانے کے بعد پطرس چاہتا ہے کہ انہیں
”فضل اور اطمینان“ حاصل ہو۔ انہیں نجات میں پہلے ہی خدا کے فضل اور اُس کے نتیجہ میں خدا کے
ساتھ صلح کا تجربہ حاصل ہے۔ لیکن انہیں اپنی مسیحی زندگی میں ہر روز ”فضل“ یا قوت اور اس پر یقین
دُنیا میں ”اطمینان“ کی ضرورت ہوگی۔ یہ وہ بات ہے جو رسول یہاں اُن کے لئے پوری بُنات
سے چاہتا ہے۔ جے۔ ڈینی کہتا ہے کہ ”فضل خوشخبری کا پہلا اور آخری لفظ ہے اور اطمینان
مکمل روحانی تسکین — فضل کا تکمیل شدہ کام ہے۔“

پیدا ہوتا ہے تو وہ اپنی حیثیت کے لحاظ سے پاک ہے کیونکہ وہ مسیح میں ہے (عبرانیوں ۱۰: ۱۰)۔
۱۳۔ اپنی تمام مسیحی زندگی میں اُسے عملی پاکیزگی کا تجربہ ہونا چاہئے یعنی زیادہ سے زیادہ
مسیح کے ہم شکل بننے جانا (۱- پطرس ۱: ۱۵)۔ آسمان میں اُسے کامل پاکیزگی ملے
گی کیونکہ وہ پھر کبھی گناہ کا مرتکب نہیں ہوگا

ب۔ ایماندار کا مرتبہ (۱: ۳-۱۲)

۱: ۳۔ آیات ۳-۱۲ میں پطرس ہماری نجات کی لاثانی عظمت کو بیان کرتا ہے۔ وہ اس کی ابتدا نجات کے بانی — خداوند یسوع مسیح کے خدا اور باپ کی حمد کرنے سے کرتا ہے۔ یہ عنوان خدا کو خداوند یسوع کے ساتھ دوسرے تعلق میں پیش کرتا ہے۔ خداوند یسوع مسیح کے خدا، یہ الفاظ ہمارے نجات دہندہ کی بشریت پر زور دیتے ہیں جبکہ نام باپ خدا کے بیٹے کی الوہیت کی نشاندہی کرتا ہے۔ بیٹے کا پورا نام دیا گیا ہے :

”خداوند“ — جس کے پاس دلوں اور زندگیوں پر راج کرنے کا واحد حق ہے۔

”یسوع“ — وہ جو اپنے لوگوں کو ان کے گناہوں سے بچاتا ہے۔

”مسیح“ — خدا کا مسوح جسے بلند ترین آسمانی مقام پر سرفراز کیا گیا۔

یہ خدا کی ”بڑی رحمت سے ہے کہ اُس نے ہمیں زندہ امید کے لئے نئے میرے سے پیدا کیا ہے۔ اس نجات کا سرچشمہ خدا ہے۔ اُس کی بڑی رحمت اس کی وجہ اور سبب ہے۔ نئی پیدائش اس کی نوعیت ہے۔ نئی امید اس کا موجودہ اجر ہے۔ یسوع مسیح کا مُردوں میں سے جی اٹھنا ہماری نجات کی اور ”زندہ امید“ کی راست بنیاد ہے۔

بطور گنہگار ہماری امید قبر سے اُگے نہیں ہے۔ اس سے آگے ہمارے لئے ماسوا یقینی عدالت اور اُگ کے کچھ نہیں ہے۔ پہلی تخلیق کے رُکن ہونے ہوئے ہم موت کی سزا کے ماتحت تھے۔ لیکن مسیح کے مخلصی کے کام میں ایک ایسی بنیاد مل گئی جس پر خدا گنہگاروں کو بچا سکتا اور پھر بھی عادل رہ سکتا ہے۔ مسیح نے ہمارے گناہوں کی سزا اُٹھالی ہے۔ پوری ادائیگی کر دی گئی ہے۔ عدل کا تقاضا پورا ہو گیا ہے اور اب رحمت اُن پر ہو سکتی ہے جو خوشخبری کی فرمانبرداری کرتے ہیں۔ مسیح کے جی اٹھنے میں خدا نے اپنے بیٹے کی قربانی پر پورے اطمینان کا اظہار کر دیا ہے۔ مسیح کا جی اُٹھنا، خداوند کی اس پکار کے جواب میں کہ ”پورا ہوا“ باپ کی آمین ہے۔ پھر مزید یہ کہ مسیح کا جی اُٹھنا ایک عہد ہے کہ وہ سب جو مسیح میں مرتے ہیں مُردوں میں سے جی اُٹھیں گے۔ یہ ہماری زندہ امید ہے یعنی یہ امید کہ ہم مسیح کے ساتھ رہنے کے لئے اپنے آسمانی گھر جائیں گے اور ہمیشہ کے لئے اُس کی مانند ہوں گے۔ ایف۔ بی۔ میسر ”زندہ امید“ کو ”حال اور مستقبل میں کڑی“ کہتے ہیں۔

۴:۱- آیات ۴ اور ۵ نجات کے اس مستقبل کے پہلو کو بیان کرتی ہیں۔ جب ہم نئے سرے سے پیدا ہوئے تو ہمیں "آسمان" میں "میراث" کی یقینی اُمید ہے۔ اس "میراث" میں وہ سب کچھ شامل ہے جس سے ایماندار آسمان میں اب تک لطف اندوز ہوں گے اور وہ سب مسیح کے وسیلے سے اُن کا ہوگا (زبور ۱۶: ۵)۔ یہ میراث "غیر فانی اور بے داغ" اور "لا زوال" ہے۔ (۱) "غیر فانی" کا مطلب ہے جو گھسٹی نہیں اور نہ خراب ہو سکتی ہے۔ اُس پر موت کا اثر نہیں ہوتا۔ (۲) "بے داغ" کا مطلب ہے کہ میراث بذاتہ مکمل حالت میں ہے۔ کوئی داغ یا دھبہ اُس کے خالص پن کو متہم نہیں کر سکتا۔ یہ نگاہ سے متاثر نہیں ہوتی۔ (۳) وہ "لا زوال" ہے یعنی اُس کی قدر و قیمت جلال یا خوبصورتی میں کبھی کمی نہیں ہو سکتی۔ اُس پر وقت اور زمانے کا اثر نہیں ہوتا۔

زمینی میراث غیر یقینی ہوتی ہے۔ بعض اوقات مارکیٹ میں مندرے کا رُحمان ہونے کے باعث جائیداد کی قیمت تیزی سے گر جاتی ہے۔ بعض اوقات وہ لوگ جن کا نام وصیت میں نہیں ہوتا کامیابی سے مقابلہ کرتے ہیں۔ بعض اوقات لوگ کسی قانونی رستم کی وجہ سے وصیت سے محروم رہ جاتے ہیں۔ لیکن اس آسمانی میراث پر وقت اور زمانہ کی تبدیلی کا کوئی اثر نہیں پڑتا اور نہ ایمان داروں کو دئے جانے میں کوئی رکاوٹ حائل ہو سکتی ہے۔ یہ خدا کے فرزند کے لئے آسمانی خزانہ میں محفوظ ہے۔

۵:۱- نہ صرف ایمان داروں کے لئے میراث کی حفاظت کی جاتی ہے بلکہ اس کے لئے ایمان داروں کی بھی "حفاظت" کی جاتی ہے۔ اس زندگی میں یہ ممکن ہے کہ میراث کے تقسیم ہونے سے پیشتر ایک وارث وفات پا جائے۔ لیکن وہی فضل جو ہمارے لئے ہماری آسمانی میراث کو محفوظ رکھتا ہے وہ ہمیں بھی اُس سے لطف اندوز ہونے کے لئے بطور وارث محفوظ رکھتا ہے۔ خدا کے اپنے لوگوں کے چناؤ کو کبھی بھی شکست نہیں ہوتی۔ وہ جنہیں اذلیت میں چنا گیا تھا اس زمانہ میں بھی محفوظ ہیں اور ابدیت کے لئے بھی اُن کی حفاظت کی جائے گی۔ مسیح میں ایمان دار ہمیشہ کے لئے محفوظ ہیں۔

لیکن ابدی حفاظت کا ایک انسانی پہلو بھی ہے اور الہی پہلو بھی۔ ہم "خدا کی قدرت سے... حفاظت کئے جاتے" ہیں۔ یہ الہی پہلو ہے۔ لیکن یہ "ایمان کے وسیلے سے" ہے اور یہ انسانی پہلو ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ایک شخص صرف اُس وقت تک ہی بچا رہتا ہے جب تک اُس کا ایمان مضبوط ہو۔ جہاں سچا "ایمان" ہے وہاں وہ جاری بھی رہے گا۔

خُدا کے فرزند کی ”خُدا کی قُدّت سے ایمان کے وسیلہ سے اُس نجات کے لئے جو آخری وقت میں ظاہر ہونے کو تیار ہے حفاظت“ کی جاتی ہے۔ یہاں نجات کو صیغہ مُستقبل میں بیان کیا گیا ہے۔ اکثر کہا جاتا ہے کہ نجات کے تین پہلوئیں۔ (۱) ایمان دار اُس وقت بچا تھا جبکہ وہ پہلی مرتبہ نجات درجہ پر ایمان لایا تھا (افسیوں ۸:۲)۔ (۲) وہ ہر روز گناہ کی قوت اور تسلط سے بچایا جاتا ہے جب وہ نجات درجہ کو اجازت دیتا ہے کہ وہ اُس کے وسیلہ سے اپنی زندگی بسر کرے (رومیوں ۱:۵)۔ (۳) وہ آسمان پر اُٹھائے جاتے وقت گناہ کی موجودگی سے بچے گا (عبرانیوں ۲۸:۹)۔ اُس کا بدن تبدیل ہو کر جلالی بن جائے گا اور ہمیشہ کے لئے گناہ، بیماری اور موت سے محفوظ ہو جائے گا۔ نجات کے اس مُستقبل کے صیغہ میں وہ وقت بھی شامل ہے جب مُقدسین مسیح کے ساتھ زمین پر واپس آئیں گے اور صاف طور پر ظاہر ہو جائے گا کہ وہ خُدا کے فرزند ہیں (۱۔ یوحنا ۲:۳)۔

۹:۱۔ بدن کی اِس مخلصی کی اُمید اور جلالی میراث کی وجہ سے ایمان دار اپنی ”آزمائشوں“ کے درمیان بھی ”خوشی“ منا سکتے ہیں۔ پطرس نے جن مسیحیوں کو یہ خط لکھا وہ مسیح کی گواہی دینے کے باعث بُرت دکھ اٹھا رہے تھے۔ پطرس انہیں مسیحیت کی بظاہر مُتضاد بات یاد دلاتا ہے یعنی دُکھوں کے درمیان خوشی۔ ایک طرف وہ محفوظ لوگوں کے لئے محفوظ میراث کے خیال میں ”خوشی“ منا سکتے ہیں، اور دوسری طرف وہ اِس علم میں خوشی منا سکتے ہیں کہ ”طرح کی آزمائشیں“ تھوڑے عرصہ کے لئے ہیں جبکہ جلال ہمیشہ کے لئے ہوگا (دیکھئے ۲۔ کرنتھیوں ۱۷:۴)۔

۱۰:۱۔ دُکھ اٹھانے والے مُقدسین کے لئے مزید تسلی کی بات یہ ہے کہ اُن کے دُکھ بے مقصد اور بے پھل نہیں ہیں۔ غیر ایمان داروں کے دُکھ، جہنم کی ٹیسوں کا پھل سے مزہ چکھنا ہے جو وہ ابد تک برداشت کریں گے۔ لیکن ایمان داروں کا معاملہ اِس کے برعکس ہے۔ خُدا کے فرزند کے لئے دُکھوں کے متعدد مفید مقاصد میں سے ایک یہ ہے کہ اِس کے ”ایمان“ کو ”آزایا“ جائے۔ پطرس ہمارے ایمان کا موازنہ ”سوئے“ سے کرتا ہے۔ انسان جن دھاتوں سے واقف ہے اُن میں سونا ایک ایسی دھات ہے جو برباد نہیں ہوتی۔ یہ بُرت زیادہ تپش برداشت کر سکتی ہے اور ایسا لگتا ہے کہ تباہ نہیں کی جاسکتی۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ سونا بھی ”ٹالتی“ ہے اور استعمال، دباؤ اور آگ سے ختم ہو جاتا ہے۔

لیکن حقیقی ”ایمان“ کو برباد نہیں کیا جاسکتا۔ ممکن ہے ایمان دار کو سخت آزمائشوں میں سے

گزرنا پڑے لیکن اُس کے ایمان کو برباد کرنے کی بجائے وہ ایمان کی پرورش کرتی ہیں۔ دنیا کی تاریخ میں ایوب ایک ایسا شخص تھا جسے غالباً ایک ہی دن میں سب سے زیادہ نقصان اٹھانا پڑا لیکن اُس کے باوجود بھی وہ خدا پر ایمان رکھتا رہا۔ بائبل کی آگ کی جلتی بھٹی میں تین اشخاص کو واقعاً ”آگ سے آزمایا“ گیا۔ آگ نے ثابت کیا کہ اُن کا ایمان حقیقی ہے۔ پھر اُس نے اُن رسیوں کو بھی جلا کر انہیں آزاد کر دیا (دانی ایل ۳: ۱۲-۳۰)۔ اور جب وہ آگ کے شعلوں کی اذیت سے آزمائے جا رہے تھے تو اُن کے ساتھ وہ آیل جس کی صورت ”الزادہ کی سی“ تھی۔ ”ایمان“ کے کھرے ہونے کو صرف ”آگ سے“ آزمایا جاسکتا ہے۔ جب حالات موافق ہوں تو مسیحی ہونا آسان ہوتا ہے۔ لیکن جب مسیح کا اقرار دکھ اور ایذا رسانی کا سبب بنتا ہے تو پکٹے پیر و کار بھٹک جاتے اور مجمع میں گم ہو جاتے ہیں۔ اگر دھرم کی قیمت ادا نہیں کرنی پڑتی تو اُس کی کوئی وقعت نہیں۔ وہ ایمان جو قیمت ادا کرنے سے انکار کرتا ہے مصنوعی ہے۔ وہ برائے نام ایمان ہے جس کی یعقوب مذمت کرتا ہے۔

جب ”یسوع مسیح“ کا ظہور ہو گا تو حقیقی ”ایمان“ کا نتیجہ ”تعریف اور جلال اور عزت“ کی صورت میں نکلے گا۔ اس کا مطلب محض اتنا ہے کہ خدا ایمان کے ہر اُس موقع کا اجر دے گا جبکہ وہ آزمائش پر پورا اُترا۔ وہ اُن کی جو مُصیبتوں میں گھرے ہونے کے باوجود خوشی مناتے ہیں ”تعریف“ کرے گا۔ وہ آزمائے جانے اور دکھ اٹھانے والے اُن ایمان داروں کو ”جلال اور عزت“ دے گا جو یہ سمجھتے ہیں کہ اُن کی مُصیبتیں خدا کی طرف سے اُن پر اعتماد کا دوڑ ہے۔

اس کا اظہار اُس وقت ہو گا جب یسوع مسیح بطور بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند اس زمین پر حکومت کرنے کے لئے آئے گا اور وہ سب جنہیں دنیا رد کرتی ہے صفائی سے خدا کے بیٹے ظاہر کئے جائیں گے۔ مختلف آیات کا مقابلہ کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آجروں کا اعلان مسیح کے بادلوں پر آنے کے بعد آسمان میں مسیح کے تختِ عدالت کے سامنے کیا جائے گا۔ لیکن ان آجروں کا علانیہ اظہار مسیح کی دوسری آمد کے وقت ہوگا۔

۸:۱۔ اب پطرس ہماری نجات کی موجودہ کُلف اندوزی کو بیان کرتا ہے۔ اگرچہ

ہم نے اسے اپنی آنکھوں سے نہیں ”دیکھا“، ہم اُس سے ”محبت“ رکھتے ہیں۔ ”اگرچہ اُس وقت ہم اُس کو نہیں دیکھتے تو بھی“ اُس پر ایمان رکھتے ہیں۔ یہ وہ طریقہ ہے جس سے ہم اُس مبارک حالی میں داخل ہوتے ہیں جس کا ذکر اُس نے نو ما سے کیا تھا: ”تو مجھے دیکھ کر ایمان لایا ہے۔“

مبارک وہ ہیں جو بغیر دیکھے ایمان لائے (یوحنا ۲۰: ۲۹)۔

اُس پر ”ایمان لاکر“ ہم ”ایسی خوشی مناتے“ ہیں جو بیان سے باہر اور جلال سے بھری ہے۔ اُس کے ساتھ ایمان کے ذریعہ ہیوست ہونے کا مطلب پاک ”خوشی“ کے چشمہ کے ساتھ مسلسل اور ابدی تعلق رکھنا ہے۔ مسیحیوں کی خوشی کا انحصار زمینی حالات پر نہیں بلکہ خدا کے دہنے ہاتھ سرفراز جی اٹھے مسیح پر۔ جس طرح مسیح کو اُس کے جلالی مقام سے محروم نہیں کیا جاسکتا، اُسی طرح ایک مقدس کو اُس کی خوشی سے محروم کرنا ممکن نہیں ہے۔ دونوں کا ایک دوسرے کے ساتھ چولی دامن کا ساتھ ہے۔

۹:۱۔ یہاں پطرس نجات کے موجودہ نتیجہ کو بیان کرتا ہے۔ — رُوحوں کی ”نجات“۔ بدن کی نجات ہنوز مستقبل میں ہے۔ یہ اُس وقت وقوع میں آئے گی جب مسیح اپنے مقدسوں کو لینے آئے گا۔ لیکن جو نہی ہم مسیح پر ایمان لاتے ہیں وہیں ہماری ”رُوحوں کی نجات“ مل جاتی ہے۔ یہاں یہ لفظ آدمی کے غیر مادی حصے کی طرف اشارہ کر رہا ہے یعنی آدمی کے جسم سے جدا اُس کی شخصیت کی طرف۔ یہ رُوح ہے جو موت کے وقت بدن سے جدا ہوتی ہے۔ اس حوالہ میں رُوح کا ذکر ہے جس سے ہم خدا کا شعور رکھتے ہیں۔ رُوح نئی پیدائش کے وقت پڑج جاتی ہے۔ ۱۰:۱۔ یہی ”نجات“ عہدِ عتیق کے اکثر ”نبیوں“ کا معنوں تھا۔ خدا کے قدیم ترجمانوں نے پیشین گوئی کی تھی کہ ہم پر ایسی شفقت ہوگی جس کے ہم حق دار نہیں ہوں گے۔ لیکن جو کچھ وہ لکھ رہے تھے اُسے پوری طرح سمجھتے نہیں تھے (دیکھئے دانیل ۱۲: ۸)۔

۱۱:۱۔ ظاہر ہے کہ وہ اسے سمجھتے نہیں تھے کہ (۱) وہ کون ہوگا جو بطور المسیح آئے گا! (۲) اُس کی آمد کا وقت کیا ہوگا؟ اُنہیں، خدا کے رُوح نے المسیح کے ”دکھوں“ اور ”اُن کے بعد کے جلال“ کے بارے میں پیشگی بتانے کی تحریک بخشی تھی۔ لیکن وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ ان دونوں واقعات میں کم از کم دو ہزار سال کا وقفہ ہوگا۔ جیسے کہ اکثر منظر کشی کی جاتی ہے اُنہوں نے دو پہاڑی پوٹیوں کو دیکھا تھا، ایک کنواری جہاں مسیح نے دکھ اٹھا یا اور دوسری کو وہ زیتون جہاں وہ اپنے جلال میں واپس آئے گا۔ لیکن اُنہوں نے ان کے درمیان وادی کو نہیں دیکھا یعنی موجودہ فضل کے زمانہ کو۔ چونکہ ہم اُس زمانہ میں زندگی بسر کر رہے ہیں اس لئے دونوں واقعات یعنی گزشتہ اور جو ہنوز مستقبل ہے کو اُن کی نسبت زیادہ صفائی سے دیکھنے کے قابل ہیں۔

۱۲:۱۔ ”اُن پر“ خدا کے رُوح نے بڑے پُر اسرار طریقے سے ”ظاہر“ کیا کہ وہ ایسی نسل کی خدمت کر رہے ہیں جو ابھی پیدا نہیں ہوئی ہے۔ بے شک انبیاء کے کلام کا اُن کی اپنی نسل پر اطلاق تھا، لیکن وہ جانتے تھے کہ اُس کی پوری تکمیل اُن کے اپنے زمانہ کے واقعات سے نہیں ہوئی۔

اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا عہد عتیق کے انبیاء ایمان کے ذریعہ راست باز ٹھہرنے کی صداقت سے آگاہ نہیں تھے؟ وہ ہماری نجات کے کس پہلو کو نہیں سمجھتے تھے؟ وہ کن معنوں میں ”اپنی“ بجائے ”ہماری“ خدمت کرتے تھے؟

ولیم لیکن کہتا ہے :

خدا کا پورا فضل اُس وقت تک ظاہر نہ ہوا جب تک کہ مسیح نہ آیا۔ اگر خدا چاہتا تو وہ گنہگاروں کو بچا سکتا اور اُنہیں آسمان پر لے جاسکتا تھا اور اُس نے ایسا کیا بھی جیسا کہ پچھلے اُس نے حنوک کے ساتھ کیا۔ لیکن مسیح کے ساتھ یگانگت اور پیوستگی کی برکات کا تجربہ اُس وقت تک نہیں کیا جاسکتا تھا جب تک کہ مسیح نہ مڑا اور پھر جی نہ اٹھتا۔

وہ باتیں جو انبیاء سے پوشیدہ مقبیل اب صاف ہو جاتی ہیں۔ پینتیسٹ کے دن پاک رُوح آسمان سے نازل ہوا۔ اُس نے رسولوں کو یہ خوشخبری سنانے کی قوت بخشی کہ تہصرہ کا یسوع ہی وہ المسیح ہے جس کے بارے میں پیشین گوئی کی گئی تھی اور کہ وہ آدمیوں کے گنہگاروں کی خاطر مڑا، دفن ہوا اور تیسرے دن جی اٹھا۔ اُنہوں نے اعلان کیا کہ نجات بذریعہ مسیح پر ایمان مہفت بخشش کے طور پر پیش کی جاتی ہے۔ اُنہوں نے بیان کیا کہ اس زمانہ میں خدا کا مقصد اپنے نام کے لئے ایک اُمت جمع کرنا ہے اور کہ خداوند یسوع ایک دن زمین پر واپس آئے گا تاکہ عالمگیر حکومت قائم کرے۔

اس زمانہ میں ایمان داروں کا بے حد استحقاق نہ صرف اس میں نظر آتا ہے کہ جو باتیں انبیاء سے پوشیدہ رکھی گئیں وہ اُنہیں صفائی سے دیکھتے ہیں بلکہ اس حقیقت میں بھی کہ ”فرشتے بھی“ نجات کی سچائیوں پر نظر کرنے کے مستحق ہیں۔ ”فرشتے“ نے اور پُرانے دونوں عہد ناموں میں بڑا نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کا ذکر مسیح کی پیدائش، اُس کی آزمائشوں، گتسمنی میں جاں کنی اور اُس کے جی اٹھنے کے سلسلے میں ہوا ہے۔ لیکن جہاں تک ہمیں علم ہے آسمان سے گرائے گئے فرشتوں کے لئے نجات نہیں ہے۔ خداوند مسیح فرشتوں کی نجات کے لئے نہیں آیا بلکہ ابراہام کی

نسل کا ساتھ دینے کے لئے (عزرائیوں ۱۶:۲)۔ کلیسیا فرشتوں کے لئے عملی سبق ہے تاکہ انہیں خدا کی طرح طرح کی حکمت معلوم ہو جائے (افسیوں ۱۰:۳)۔ لیکن جو خوشی ہماری نجات لاتی ہے اُس کو جاننا اُن کے بس کی بات نہیں ہے۔

ج۔ اُس کے مرتبے کی روشنی میں ایمان دار کا چال چلن

(۱۳:۱ - ۳:۲)

۱۳:۱۔ یہاں پر زور میں تبدیلی ہے۔ اس سے پیشتر پطرس ہماری نجات کی برکات کو بیان کرتا رہا ہے۔ اس موقع پر وہ متعدد نصیحتیں کرتا ہے جن کی بنیاد اُس کے سابقہ بیان پر ہے۔ سب سے پہلے پطرس مقدسین پر زور دیتا ہے کہ وہ اپنی ”عقل“ کی کمر باندھیں۔ اپنی ”عقل“ کی کمر باندھنا بڑا دلچسپ طرزِ بیان ہے۔ پُرانے زمانے میں لوگ لمبے چوغے پہنتے تھے۔ جب وہ تیز چلنا یا کم سے کم رُکاوٹ چاہتے تھے تو وہ اپنے چوغے کو بیلٹ کے ساتھ اپنی کمر سے باندھ لیتے تھے (دیکھئے مرقس ۱۱:۱۲)۔ اس طریقے سے وہ اپنی کمریں باندھتے تھے۔ لیکن پطرس رسول کا اپنی عقل کی کمر باندھ کر کا کیا مطلب ہے؟ جب ایمان دار مخالف دُنیا میں جاتے ہیں تو بدحواسی اور پریشانی سے بچیں۔ ایذا رسانی کے زمانہ میں لوگ بڑبڑاتے لگتے اور پریشان ہو جاتے ہیں۔ کمر کسی ہوئی عقل وہ ہے جو مضبوط، منظم، ٹھنڈی اور فوری قدم اٹھانے کے لئے تیار ہوتی ہے۔ انسانی خوف یا ایذا رسانی کی پریشانی اور گھبراہٹ اُسے روک نہیں سکتے۔

ذہنی مضبوطی کی اس حالت کی مزید موصلاً افزائی لفظ ”ہوشیار ہو کر“ سے کی گئی ہے۔ اس کا مطلب جذباتی ہیجان کے مقابلے میں خود مضبوطی ہے۔ ہوشیار رُوح متوازن اور ثابت قدم ہوتی ہے۔

پھر ایمان داروں پر زور دیا گیا ہے کہ پُر اُمید ذہن رکھیں: ”اُس فضل کی کامل اُمید رکھو جو یسوع مسیح کے ظہور کے وقت تم پر ہونے والا ہے۔“۔ یسوع مسیح کی آمد کا یقین ایک ایسا محرک ہے جو ہمیں زندگی کے طوفانوں اور دُکھوں کو برداشت کرنے کے قابل بنادیتا ہے۔ ”یسوع مسیح کے ظہور“ کو عام طور پر اُس کے زمین پر اپنے جاہ و جلال کے ساتھ واپس آنے سے منسوب کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا اشارہ مسیح کا اپنے مقدسوں کو لینے کے لئے بادلوں پر

آنے کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔

۱۴:۱- آیات ۱۳-۱۶ کا موضوع ”فرمانبردار“ ذہن ہے۔ ”فرمانبردار فرزند“ کو اپنی پُرانی زندگی کے گناہوں کا مرتکب نہیں ہونا چاہئے۔ اب چونکہ وہ مسیحی ہیں اس لئے اُن کو اپنی زندگی اُس کے نمونہ پر ڈھالنا چاہئے جس کے نام سے وہ کہلاتے ہیں۔ اگر وہ بے دین دنیا کے سے کام کرتے ہیں تو وہ اپنے آسمانی مرتبے کا انکار کرتے ہیں۔ جو کام اُنہوں نے اپنی ”جہالت کے زمانہ“ میں کئے، اب انہیں ترک کر دینا چاہئے کیونکہ اُن کے ذہن و قلب پاک رُوح سے مُنور ہو گئے ہیں۔ ”پُرانی خواہشوں“ سے مُراد وہ گناہ ہیں جن کے وہ اپنی جہالت کے زمانہ میں مُرتکب ہوتے رہے ہیں۔

۱۵:۱- بے دین دنیا کے فیشن اور دستوروں کی نقل کرنے کی بجائے ہماری زندگیوں سے اُس کا ”پاک“ کردار ظاہر ہونا چاہئے جس نے ہمیں بُلایا ہے۔ خدا پرست ہونے کا مطلب خدا جیسا بننا ہے۔ خدا اپنی تمام راہوں میں پاک ہے۔ اگر ہم اُس جیسا بننا چاہیں تو ہمیں جو کچھ ہم کہتے اور کرتے ہیں اُس سب میں ”پاک“ ہونا چاہئے۔ اس زندگی میں ہم اُس جتنے پاک تو نہیں ہو سکتے لیکن ہم اس لئے پاک ہوں گے کیونکہ وہ پاک ہے۔

۱۶:۱- پطرس رسول اس بات کو ثابت کرنے کے لئے کہ خدا ہم سے اپنے جیسا بننے کی توقع رکھتا ہے پُرانے عہد نامہ کا حوالہ دیتا ہے۔ احبار ۱۱:۴۴ میں خدا نے فرمایا: ”اپنے آپ کو مُقدس کرنا اور پاک ہونا کیونکہ میں قدّوس ہوں“۔ مسیحیوں کو دل میں سکونت کرنے والے پاک رُوح کے ذریعہ یہ قوت دی گئی ہے کہ وہ پاک زندگی بسر کر سکیں۔ عہدِ عتیق کے مُقتدین کو یہ برکت اور مدد حاصل نہیں تھی۔ لیکن چونکہ ہمیں زیادہ مراعات ملی ہیں اس لئے ہم زیادہ ذمہ دار بھی ہیں۔ پطرس نے احبار سے جس آیت کا حوالہ دیا ہے وہ نئے عہد میں اور بھی زیادہ گہرا مطلب رکھتی ہے۔ پُرانے عہد میں پاکیزگی خدا کا معیار (اسٹینڈیل) تھا۔ لیکن سچائی کے رُوح کی آمد سے یہ روزمرہ کی خصوصیت بن گئی ہے۔

۱۷:۱- ہمیں نہ صرف پاکیزگی کی نصیحت کی گئی ہے بلکہ ایسے خوف کی بھی جس میں احترام اور اس بات کی گہری قدر شناسی شامل ہو کہ خدا کون ہے۔ اس کا خاص طور پر مطلب یہ احساس بھی ہے کہ وہ جسے ہم ”باپ“ کہہ کر پکارتے ہیں وہی ہے جو اپنے بچوں کا ”انصاف“ بغیر طرف داری کے اُن کے کاموں کے مطابق کرے گا۔ جب ہمیں اُس کے علم اور اُس کے انصاف کی صحت کا احساس ہو جاتا ہے تو ہمیں اُسے ناراض نہ کرنے کے خوف میں زندگی بسر کرنی چاہئے۔

”باپ“ اس زندگی میں اپنوں کا ”انصاف“ کرتا ہے۔ اُس نے گنہگاروں کی عدالت کا کام خداوند یسوع کے سپرد کیا ہے (یوحنا ۵: ۲۲)۔

ہمیں اس زمین پر اپنا زمانہ ”خوف کے ساتھ“ گزارنا چاہئے۔ ہم آسمان سے جلا وطن ہیں اور غیر ملک میں رہ رہے ہیں۔ ہمیں یہاں ایسے نہیں بیٹھ رہنا چاہئے گویا کہ یہ ہمارا مستقل گھر ہے۔ اور نہ ہمیں اس زمین کے رہنے والوں کے طرزِ عمل کی نقل کرنی چاہئے۔ ہمیں ہمیشہ اپنی آسمانی منزل کو یاد رکھنا چاہئے اور ہمارا رویہ ایسا ہو جیسے کہ آسمان کے شہریوں کا ہوتا ہے۔

۱۸:۱۔ اپنی تبدیلی سے پہلے ایمان دار باقی دنیا سے مختلف نہیں تھے۔ اُن کے کام اور کلام اپنے ارد گرد کے لوگوں جیسے ہی تھے۔ اُن کے تبدیلی سے پہلے کے دنوں کو ”نکما چال چلن“ بتایا گیا ہے جو باپ دادا سے چلا آتا تھا۔ لیکن اُن کی اُس بے فائدہ زندگی کی قیمت ایک زبردست نقصان سے ادا کر دی گئی ہے۔ انہیں دنیا کے ہم شکل ہونے کی غلامی سے ایک لامحدود ذریعہ دے کر بچایا گیا ہے۔ کیا انہیں ”سونا اور چاندی“ دیکر آزاد کر لیا گیا ہے؟ (دیکھئے خروج ۳۰: ۱۵)۔ ۱۹:۱۔ نہیں، بلکہ ایک بے داغ اور بے عیب ”برے“ کے خون کی مانند ”مسیح کے بیش قیمت خون“ سے۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ باطنی اور ظاہری دونوں طرح مکمل طور پر کامل تھا۔ اگر ایک ایمان دار پر کبھی دنیا کی عیش و عشرت کی طرف پھرنے، دنیا کے طور طریقہ اختیار کرنے اور دنیا کی باطل راہوں میں دنیا کی مانند بننے کی آزمائش آتی ہے تو اُسے یاد رکھنا چاہئے کہ مسیح نے اُسے اس قسم کی زندگی سے چھڑانے کے لئے ہی اپنا ”خون“ بہایا ہے۔ دنیا کی طرف پھرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اُس بڑی خلیج کو جس پر ایک حیرت انگیز قیمت ادا کر کے پل باندھا گیا تھا دوبارہ عبور کرتے ہیں۔ لیکن اس سے بڑھ کر یہ کہ یہ نجات دہندہ کے ساتھ واضح بے وفائی ہے۔

اس بات پر غور کریں کہ جتنا بڑا گناہ تھا قربانی بھی اتنی ہی بڑی دی گئی۔ پھر اُس سب کو چھوڑنے کا ارادہ کریں جس کے لئے مسیح نے اپنی بیش قیمت جان دی ہے۔

۲۰:۱۔ مسیح نے ہمارے لئے جو کام کیا، وہ خدا کا بعد کا خیال نہیں تھا۔ مسیح کو ”بنائے

عالم سے پیشتر“ ہی ہمارے لئے مرنے کے واسطے مقرر کر دیا گیا تھا۔ ”مگر“ ”انہیں زمانہ“ میں یعنی شریعت کے زمانہ کے آخر میں وہ ہمیں ہماری زندگی کی پرکائی راہوں سے بچانے کے لئے آسمان سے ظاہر ہوا۔

پطرس ان باتوں کا اس لئے ذکر کرتا ہے تاکہ ہم دنیا کے طور طریقوں سے قطعی طور پر ناتا توڑ لیں جن سے رہائی دلانے کے لئے مسیح نے اپنی جان دی۔ ہم دنیا میں تو ہیں لیکن دنیا کے نہیں ہیں۔ ہم غیر نجات یافتہ لوگوں سے بالکل ہی لاتعلق نہ ہو جائیں بلکہ اُن تک خوشخبری کو پہنچائیں۔ لیکن جہاں تک ہمارے تعلقات اور لین دین کا تعلق ہے ہم اُن میں شریک نہ ہوں اور نہ اُن کے گناہوں سے چشم پوش کریں۔ ہمیں اپنی زندگی سے دکھانا ہے کہ ہم خدا کے فرزند ہیں۔ جو بھی ہم دنیا کے ہم شکل بن جاتے ہیں ہماری گولہی کمزور پڑ جاتی ہے۔ اگر دنیا داروں کو ہماری زندگی میں کوئی فرق نظر نہیں آتا یعنی وہ اُنہیں پہلے سے بہتر نظر نہیں آتی تو اُن کے لئے مسیحیت میں کوئی کشش نہیں ہوگی۔

۲۱:۱- یہ حقیقت کہ ”اُس کے وسیلہ سے خدا پر ایمان لائے“ خداوند یسوع کے ساتھ ہماری وفاداری کا مزید تقاضا کرتی ہے۔ وہ، وہ ہے جس نے باپ کے دل کو ہم پر ظاہر کیا ہے۔ پنی۔ والسن کتاب ہے ”ہم خدا کو نہ تو تخلیق سے، نہ پروردگاری سے اور نہ شریعت سے جانتے ہیں بلکہ مسیح کے وسیلے سے“۔ باپ نے مسیح کے خلعی کے کام پر اُس کو مردوں میں سے، جلا کر اور آسمان پر سرفراز کر کے اپنے مکمل اطمینان کا اظہار کیا۔ اس سب کا نتیجہ یہ نکلا کہ ”ہمارا ایمان اور اُمید خدا پر ہے“۔ ہم اس موجودہ بُرے جہان میں نہیں بلکہ اُس میں رہتے اور چلتے پھرتے ہیں۔

۲۲:۱- اب پطرس رسول اپنے قارئین کو محبت سے بھرپور ذہن رکھنے کو کہتا ہے (۲۲:۲-۳)۔ سب سے پہلے وہ نئی پیدائش کو بیان کرتا ہے کہ اس سے جو تبدیلی ہم میں آئی وہ اپنے ”بھائیوں“ کے لئے ”محبت“ ہے (۲۲:۱ الف)۔ پھر وہ محبت رکھنے پر زور دیتا ہے (۲۲:۱ ب)۔ اس کے بعد وہ دوبارہ نئی پیدائش کی طرف آتا ہے اور خاص طور پر اُس تخم یعنی خدا کے کلام (۲۳:۱-۲۵) کی طرف جس سے یہ زندگی نکلی۔ ایک مرتبہ پھر وہ اُن کی جنہوں نے کلام کو قبول کیا و تمہاریوں پر زور دیتا ہے (۱:۲-۳)۔

۲۲:۱ الف) میں پطرس پہلے نئی پیدائش کو بیان کرتا ہے۔ ”چونکہ تم نے... اپنے دلوں کو پاک کیا ہے“۔ بے شک ہم جانتے ہیں کہ جب ہم نجات پاتے ہیں تو یہ خدا ہے جو ہماری رُوحوں کو پاک کرتا ہے۔ حقیقی معنوں میں تو ہمارے پاس شخصی پاکیزگی کی قوت ہی نہیں ہے۔ لیکن اس طرز بیان کے مطابق ہمیں جنہیں پاکیزگی کا تجربہ ہوا ہے وہ ہیں جنہوں نے اسے اُس وقت حاصل کیا

جب اُس پر ایمان لائے۔

اس پاکیزگی میں جس ذریعہ سے کام لیا گیا وہ ”حق کی تابعداری“ ہے۔ یہ دوسرا موقع ہے کہ پطرس نجات بخش ایمان کو فرمانبرداری کا فعل کہتا ہے (دیکھئے ۱: ۲)۔ پطرس رومیوں کے خط میں ”ایمان کی تابعداری“ کی ترکیب کو دو مرتبہ استعمال کرتا ہے۔ ہمیں بھی ایمان اور فرمانبرداری کو الگ کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔ سچا ایمان، فرمانبرداری کرنے والا ایمان ہوتا ہے۔ یہ صرف پاک رُوح کے وسیلہ ہی سے رونا ہوسکتا ہے۔

نئی پیدائش کا ایک مقصد ”بھائیوں کی بے ریا محبت“ ہے۔ ایک لحاظ سے ہم اس لئے بچے ہیں تاکہ اپنے ساتھی مسیحیوں سے محبت رکھیں۔ اس ”محبت“ سے ہم جلتے ہیں کہ موت سے نکل کر زندگی میں داخل ہو گئے ہیں (۱- یوحنا ۳: ۱۴)، اور اس سے دُنیا بھی جاننے لگتی ہے کہ ہم خداوند یسوع کے شاگرد ہیں (یوحنا ۱۳: ۳۵)۔

”دل و جان سے آپس میں بہت محبت رکھو“۔ یہ نئے عہد نامہ میں بہت سی مثالوں میں سے ایک ہے جہاں ایک توضیحی بیان لازمی بن جاتا ہے۔ اعلان یہ ہے ”چونکہ تم نے... اپنے دلوں کو پاک کیا ہے... جس سے بے ریا محبت پیدا ہوئی“۔ پھر حکم ہے ”اس لئے دل و جان سے آپس میں بہت محبت رکھو“۔ موقف عمل کے لئے بنیاد فراہم کرتا ہے۔ ہماری محبت کو گرم، پورے دل سے، پوری قوت سے، سنجیدہ، ختم نہ ہونے والی اور ”پاک“ ہونا چاہئے۔

”آپس میں محبت رکھنے“ کی نصیحت خاص طور پر اُن لوگوں کے لئے جنہیں ستایا جا رہا ہے بر وقت ہے کیونکہ سب جانتے ہیں کہ مشکل حالات میں معمولی سا اختلاف بھی بہت بڑا بن جاتا ہے۔

۲۳: ۱۔ ایک مرتبہ پطرس اپنے قارئین کو اُن کی نئی پیدائش کی طرف لے جاتا ہے اور اس بار اُس پیدائش کے تخم ”خدا کے کلام“ کی طرف۔ ۲: ۱-۳ کی نصیحت کی بنیاد اسی پر ہے۔ نئی پیدائش کسی ”فانی تخم“ سے ظہور پذیر ”نہیں“ ہوتی یعنی یہ جسمانی پیدائش کے طریقے سے وجود میں نہیں آتی۔ انسانی زندگی اُس تخم کے ذریعہ وجود میں آتی ہے جو زوال پذیر ہے اور جسمانی موت کے قانون کے تابع ہے۔ اس طرح جو جسمانی زندگی پیدا ہوتی ہے اُس میں اُسی تخم کی خصوصیات پائی جاتی ہیں جس سے وہ نکلتی ہے۔ وہ عارضی نوعیت کا ہوتا ہے۔ نئی پیدائش ”کلام کے وسیلہ سے“ وجود میں آتی ہے۔ جب لوگ بائبل کو پڑھتے یا سنتے

ہیں وہ اپنے گنہگاروں سے قابل ہو جاتے اور انہیں یقین ہو جاتا ہے کہ مسیح ہی واحد و کافی نجات دہندہ ہے تو ان کی نئی پیدائش ہو جاتی ہے۔ کوئی بھی خدا کے غیر فانی کلام کے بغیر بچ نہیں سکتا۔ وہ اُس میں کسی نہ کسی طرح ضرور کام کرتا ہے۔

سموئیل رڈ آؤٹ یوں اظہار خیال کرتا ہے :

... پہلے باب میں تین 'غیر فانی' چیزیں ہیں — ایک غیر فانی میراث

(آیت ۴)، ایک غیر فانی غلطی (آیات ۱۹، ۱۸) اور ایک غیر فانی کلام جس سے ہم پیدا ہوتے ہیں (آیت ۲۳)۔ یوں ہمارے پاس ایک ایسی وفرت ہے جو بے داغ ہے، جو بے داغ میراث سے لطف اندوز ہونے کے لئے مناسب ہے اور جس کی بنیاد وہ غلطی ہے جو اپنی قدر و قیمت کبھی کبھو نہیں سکتی۔ ان سب پر ابدی کمالیت کی گھر ہے اور ان کا ساتھی بھی جو کہ غیر فانی، حلیم اور پرسکون روح ہے کتنا موزوں و مناسب ہے (۳ : ۴)۔

کلام "زندہ اور قائم ہے"۔ گو آسمان اور زمین ٹل جائیں مگر وہ کبھی نہیں ٹلے گا۔ اور جو زندگی وہ پیدا کرتا ہے وہ بھی ابدی ہے۔ وہ لوگ جو کلام کے وسیلہ سے نئے سرے سے پیدا ہوتے ہیں ان میں بھی کلام کے ابدی ہونے کی خصوصیت آجاتی ہے۔

انسانی پیدائش میں نطفہ میں جس سے بچہ پیدا ہوتا ہے جرثومہ کی صورت میں بچے کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ جو کچھ بچہ بالآخر بنے گا اس کا اندازہ نطفہ سے لگایا جاسکتا ہے۔ ہمارے موجودہ مقصد کے لئے اتنا ہی دیکھنا کافی ہے کہ جس طرح نطفہ فانی ہے اُسی طرح جو انسانی زندگی اُس سے پیدا ہوتی ہے وہ بھی فانی ہے۔

۲۴:۱۔ انسانی فطرت کی عارضی نوعیت پر یسعیاہ ۴۰ : ۶، ۷ سے اقتباس کے ذریعہ زور دیا گیا ہے۔ انسانی زندگی ویسے ہی عارضی ہے جیسے کہ "گھاس"۔ مادی شان و شوکت اتنی ہی دیر تک قائم رہتی ہے جتنی دیر پھول "گھاس سوکھ جاتی ہے" اور پھول گر جاتا اور مر جاتا ہے۔

۲۵:۱۔ اس کے مقابلے میں "خدا کا کلام ابد تک قائم رہے گا" (یسعیاہ ۴۰ : ۸)۔ چنانچہ ایمان دار کی نئی زندگی بھی اُسی طرح غیر فانی ہے۔ یہ غیر فانی کلام اُس خوشخبری کا پیغام ہے جو پطرس کے قارئین کو سنایا گیا تھا اور جس سے وہ نئے سرے سے پیدا ہوئے تھے۔ یہ

اُن کی ابدی زندگی کا منبع تھا۔

۱:۲- چونکہ وہ الہی زندگی میں شریک ہیں اس لئے مسیحیوں کو درج ذیل کاموں کو ہمیشہ

کے لئے ترک کر دینا چاہئے :

”بدخواہی“: دوسرے شخص کے خلاف اپنے ذہن میں بُرے خیالات کو جگہ دینا۔ بدخواہی عناد کی پرورش کرتی، بغض کو تعمیر کرتی اور یہ خواہش رکھتی ہے کہ اُسے نقصان پہنچے یا کوئی حادثہ پیش آجائے۔ جارج واشنگٹن کا دور کو ایک یونیورسٹی میں اس بنا پر داخلہ سے انکار کر دیا گیا کہ وہ نیگرو یعنی کالا تھا۔ بہت سالوں بعد کسی نے اُس سے اُس یونیورسٹی کا نام دریافت کیا۔ اُس نے جواب دیا ”کوئی بات نہیں۔ اب اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“ اُس نے بدخواہی کو اپنے دل میں جگہ نہ دی۔

”فریب“: کسی بھی قسم کی بددیانتی اور چالاکي (اس کی بہت سی قسمیں ہیں)۔ ”فریب“ انکم ٹیکس میں غلط بیانی کرنا ہے، امتحانوں میں دھوکا دینا ہے، عہد کے بارے میں جھوٹ بولنا ہے، حاکموں کو رشوت دینا ہے اور بزنس میں بے ایمانی کرنا ہے۔

”ریاکاری“: دوزنگی، تصنع اور بھیس بدنا۔ ریاکار ایک اداکار ہے جو اپنے آپ کو وہ ظاہر کرتا ہے جو وہ نہیں ہوتا۔ وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُس کی ازدواجی زندگی بڑی پُرسرت اور پُر امن ہے جبکہ اُس کا گھر میدانِ جنگ بنا ہوتا ہے۔ وہ اولاد کو اپنے آپ کو بڑا روحانی ظاہر کرتا ہے جبکہ ہفتہ کے دیگر دنوں میں حیوانوں کی طرح زندگی گزارتا ہے۔ وہ دوسروں میں دلچسپی ظاہر کرتا ہے لیکن اُس کی نیت خود غرضانہ ہوتی ہے۔

”حسد“: جلا۔ واٹن اس کی تشریح یوں کرتا ہے کہ ناخوشی کے وہ احساسات جو دوسروں کی ترقی اور فائدے کو دیکھ کر دل میں پیدا ہوتے ہیں۔ یہ ”حسد“ ہی تھا جس نے سردار کاہن کو یسوع کو پکڑوانے اور پیلطس کے حوالہ کرنے کے لئے اکسایا تھا (متی ۲۷: ۱۸)۔ ”حسد“ اب بھی قتل کرتا ہے۔ عورتیں جب دوسروں کے اچھے گھروں، باغیچوں، خوبصورت کپڑوں اور اچھے کھانوں کو دیکھتی ہیں تو جل جھن جاتی ہیں۔ آدمی، اپنے ساتھی کی نئی کار دیکھ کر اُس کی تعریف کر سکتا ہے لیکن وہ اپنے دل میں سوچ رہا ہوتا ہے کہ میں اُسے دکھاؤں گا۔ میں اُس سے بہتر کار خریدوں گا۔

”بدگوئی“: کسی کی پیٹھ پیچھے مچھلی، بُری نیت سے گپ بازی، جوابی الزام۔ بدگوئی ایک ایسی

کو برشش ہے جس میں آدمی دوسرے پر کیچڑ اچھال کر خود کو پاک و صاف ظاہر کرتا ہے۔ یہ بڑی عیارانہ شکل اختیار کر سکتی ہے۔ مثلاً ہاں، وہ بڑی پیاری ہے لیکن اس میں یہ نقص... پایا جاتا ہے اور یوں وہ اس کی پشت میں خنجر گھونپ دیتی ہے۔ یا لیکن ہے یہ مذہبی شکل اختیار کرے: ”میں اس کا ذکر صرف اس لئے کر رہا ہوں تاکہ آپ اس کے لئے دعا کر سکیں، لیکن کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ...“ اور پھر اس کا کردار تباہ کہہ کے رکھ دیا جاتا ہے۔

یہ تمام گناہ اس بنیادی حکم کی کہ اپنے پڑوسی سے اپنی مانند محبت رکھو، خلاف ورزی ہے۔ چنانچہ اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ پطرس ہمیں ان کو حقیقی طور پر ترک کرنے کو کہتا ہے۔

۲:۲- ہم پر نئی پیدائش سے دوسری ذمہ داری یہ عائد ہوتی ہے کہ ہم کلام کے ”خالص“ روحانی دودھ کے بے حد مشتاق رہیں۔ پچھلی آیت میں جن گناہوں کا ذکر ہوا ہے وہ روحانی ترقی کو روک دیتے ہیں جبکہ خدا کا اچھا کلام روحانی ترقی کو تقویت پہنچاتا ہے۔

”نوزاد بچوں کی مانند“ کی ترکیب کا یہ مطلب نہیں ہے کہ پطرس کے قارئین نوزاد مسیحی تھے۔ یہ ممکن ہے کہ وہ کئی سالوں سے مسیحی ہوں۔ لیکن اب خواہ وہ ایمان میں نوجوان ہیں یا بوڑھے، انہیں کلام کا ایسا ہی پیاسا ہونا چاہئے جیسے کہ نوزاد بچہ ”دودھ“ کے لئے چلاتا ہے۔ جس جارحانہ انداز میں ایک صحت مند بچہ بے صبری سے دودھ چوسنا اور نگلتا ہے اس سے ہم پیاس کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ ”خالص روحانی دودھ“ سے ایک ایمان دار روحانی طور پر ترقی کرتا ہے۔ وہ آخری نشان جس کی طرف اس زندگی میں تمام روحانی ترقی برپا ہوتی ہے وہ اپنے خداوند یسوع مسیح کے ہم شکل بننا ہے۔

۳:۲- ”اگر تم نے خداوند کے مہربان ہونے کا مزہ چکھا ہے“۔ یہ خالص روحانی دودھ کے پیاسے ہونے کے لئے کتنی زبردست تحریک ہے! یہاں ”اگر“ کا مطلب شک ظاہر کرنا نہیں ہے۔ ہم نے چکھا اور دیکھا ہے کہ خداوند بڑا مہربان ہے (زبور ۳۴: ۸)۔ اس کی ہمارے لئے قربانی ایک ناقابل بیان مہربانی ہے (طیس ۳: ۴)۔ اس کی مہربانی کا جو مزہ ہم پہلے ہی چکھ چکے ہیں اسے ہمیں اس سے زیادہ سے زیادہ خوراک حاصل کرنے کے لئے اور بھی زیادہ ابھارنا چاہئے۔ اس کی نزدیکی کا شیریں مزہ ہمیں اس سے دور ہو جانے سے روکے گا۔

د۔ نئے گھر اور کمانت میں ایمان دار کے حقوق

(۱۰ - ۴۰ - ۲)

۴۰۲۔ نصیحت کرنے کے بعد اب پطرس ایمان داروں کے نئے گھر (کلیسیا) اور نئی کمانت میں حقوق پر غور کرتا ہے۔

نئے نظام میں مرکز مسیح ہے اس لئے ہم اُس کے پاس آتے ہیں۔ چونکہ پطرس عمارت اور عمارتی سامان کی مدد سے روحانی سچائیوں کی وضاحت کرتا ہے اس لئے اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ وہ مسیح کو بطور پتھر پیش کرتا ہے۔ وہ زندہ پتھر ہے۔ وہ بے جس یا مُردہ پتھر نہیں ہے بلکہ وہ غیر فانی زندگی کی قوت میں زندہ ہے (مزمراں ۱۶: ۷)۔

اگرچہ یہ ایران کن بات ہے تاہم سچ ہے کہ آدمیوں نے اُسے ”رُو“ کر دیا۔ کوتاہ نظر آدمیوں نے اپنی زندگی کے احمقانہ اور خود غرضانہ مقاصد میں اپنے خالق اور نجات دہندہ کے لئے کوئی جگہ نہیں رکھی۔ جس طرح سرائے میں اُس کے لئے جگہ نہیں تھی اُسی طرح اُن کی زندگی کے منصوبہ میں اُس کے لئے جگہ نہیں ہے۔

لیکن آدمیوں کے خیال کو کچھ حیثیت حاصل نہیں۔ خدا کی نظر میں خداوند یسوع ”چُنا ہوا“ اور قیمتی ہے۔ اُسے نہ صرف مناسب پتھر کے طور پر چُنا گیا ہے بلکہ ناگزیر پتھر کے طور پر بھی۔ خدا کے نزدیک اُس کی قیمت بے قیاس ہے۔ وہ اتنا قیمتی ہے کہ اُس کا تخمینہ نہیں لگایا جاسکتا۔

اگر ہم خدا کے عمارتی پروگرام میں استعمال ہونا چاہیں تو ہمیں مسیح کے پاس آنا ہوگا۔ ہمارا عمارتی سامان کے طور پر مفید ہونے کا اندازہ صرف مسیح کے ساتھ ہمارے تعلق ہی سے لگایا جائے گا۔ ہم صرف اُس وقت ہی اہم ہیں جب ہم اُس کے ”جلال“ کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔

۵: ۲۔ ”روحانی گھر“ مسیح میں تمام ایمان داروں سے بنتا جاتا ہے، اس لئے اس سے مُراد کلیسیا ہے۔ کلیسیا میں اور عہد عتیق کی ہیکل میں یہی ایک بات مشترک ہے کہ یہ زمین پر خدا کی سکونت گاہ ہے (۱۔ سلاطین ۱۱: ۶ - ۱۳؛ افسیوں ۲: ۲۲)۔ لیکن یہ ہیکل سے فرق بھی ہے کیونکہ وہ مادی اور ٹھوس عمارت تھی جو خوبصورت لیکن بے جان اور فانی سامان سے بنی ہوئی تھی۔ لیکن کلیسیا ایک ایسی عمارت ہے جو ”زندہ پتھروں“ سے تعمیر ہوئی ہے۔

اب منظر تیزی سے تبدیل ہوتا ہے۔ ”روحانی گھر کی جگہ کاہنوں کا مقدس فرقہ لے لیتا ہے جن کے کام کا تعلق بھی گھر ہی سے ہے۔ ایمان دار نہ صرف گھر میں ”زندہ“ پتھر ہیں بلکہ مقدس کاہن بھی۔ موسوی شریعت میں کمانت صرف لاوسی کے قبیلے اور ہارون کے خاندان تک محدود تھی۔ اور یہاں تک کہ جو کاہن تھے انہیں بھی خدا کی حضوری میں جانا منع تھا۔ بلکہ سردار کاہن ہی خدا کی حضوری میں جاسکتا تھا اور وہ بھی صرف کفدرہ کے دن (یوم کپور) اور صرف اُس طریقہ کے مطابق جو خداوند نے اُس موقع کے لئے مقرر کر رکھا تھا۔

نئے عہد میں تمام ایمان دار کاہن ہیں اور وہ فوری طور پر رات یا دن کسی وقت بھی بادشاہوں کے بادشاہ کی حضوری میں جاسکتے ہیں۔ موسوی شریعت میں پرندوں، جانوروں اور خوراک کی قربانی گزرائی جاتی تھی، نئے عہد میں ایمان داروں کا کام ”روحانی قربانیاں چڑھانا“ ہے۔ نئے عہد نامہ کی روحانی قربانیاں حسب ذیل ہیں :

- ۱- اپنے بدن ایسی قربانی ہونے کے لئے نذر کرنا جو زندہ اور پاک اور خدا کو پسندیدہ ہے۔ یہ روحانی پرستش کا ایک عمل ہے (رومیوں ۱۲: ۱)۔
- ۲- محمد کی قربانی۔ یعنی اُن ہونٹوں کا پھل جو اُس کے نام کا اقرار کرتے ہیں۔

(عبرانیوں ۱۳: ۱۵)۔

- ۳- نیک کاموں کی قربانی۔ ”بھلائی“۔ کرنا نہ بھولو۔ اس قربانی سے بھی خدا خوش ہوتا ہے (عبرانیوں ۱۳: ۱۶)۔

- ۴- مال و دولت کی قربانی۔ سخاوت کرنا نہ بھولو۔ اس قربانی سے بھی خدا خوش ہوتا ہے (عبرانیوں ۱۳: ۱۶)۔

- ۵- خدمت کی قربانی۔ پولس رسول غیر قوموں میں اپنی خدمت کو کاہنوں کی قربانی کہتا ہے (رومیوں ۱۵: ۱۶)۔

یہ قربانیاں ”یسوع مسیح کے وسیلہ سے خدا کے نزدیک مقبول ہوتی ہیں“۔ صرف ”یسوع مسیح کے وسیلہ سے“ جو ہمارا درمیانی ہے ہم خدا کے پاس جاسکتے ہیں اور صرف اسی کے وسیلہ سے ہماری قربانیاں خدا کو مقبول ہوتی ہیں۔ جو کچھ ہم کرتے ہیں۔ ہماری پرستش اور ہماری خدمت۔ ناکامل ہے اور گناہ کے سبب سے ناقص ہے۔ لیکن اس سے پیشتر کہ وہ خدا کے پاس پہنچے وہ مسیح کے پاس سے ہو کر گزرتا ہے۔ وہ ان قربانیوں

میں سے گناہ کو نکال دیتا ہے اور جب وہ خدا کے پاس پہنچتی ہیں تو کامل ہوتی ہیں۔
 پُرانے عہد میں سردار کاہن اپنی پگڑی پر سامنے خالص سونے کا پتھر باندھتا تھا جس پر
 لکھا ہوتا تھا کہ ”خداوند کے لئے مقدس“ (خروج ۲۸: ۳۶)۔ یہ ہر اُس گناہ کے لئے تھا جو لوگوں
 کی اُن قربانیوں میں ہوتا تھا (خروج ۲۸: ۳۸)۔ بعینہ ہمارا سردار کاہن بھی انسانی خاکی کے لئے جو
 ہماری قربانیوں میں ہوتی ہے عمامہ پہننے ہوئے ہے۔

تمام ایمان داروں کی کمانت ایک حقیقت ہے جسے ہر ایک مسیحی کو سمجھنا، اُس پر ایمان
 رکھنا اور اُس پر عمل کرنا چاہئے۔ لیکن ساتھ ہی اس کو غلط طور پر استعمال بھی نہیں کرنا چاہئے۔
 اگرچہ تمام ایمان دار کاہن ہیں لیکن ہر ایک کاہن کو جماعت میں منادی کرنے یا تعلیم دینے کا حق حاصل نہیں
 ہے۔ کچھ ایسی پابندیاں ہیں جنہیں ضرور ہی پیش نظر رکھنا چاہئے:

۱۔ عورتوں کو تعلیم دینے یا آدمیوں پر اختیار رکھنے سے منع کیا گیا ہے۔ وہ جماعت میں خاموش
 رہیں (۱ تیمتھیس ۲: ۱۲)۔

۲۔ جو آدمی بولے وہ ایسے بولے گویا خدا کا کلام پیش کر رہا ہے (۱۔ پطرس ۴: ۱۱)۔ اس
 کا مطلب یہ ہے کہ اُسے پوری تسلی ہونی چاہئے کہ وہ اس وقت وہ کلام پیش کر رہا ہے
 جو اس خاص موقع پر خدا کرتا۔

۳۔ جس طرح انسانی جسم کے ہر ایک عضو کا کوئی نہ کوئی کام ہے اُسی طرح تمام ایمان داروں کو
 بھی کوئی نہ کوئی نعمت ملی ہے (رومیوں ۱۲: ۶)۔ لیکن تمام نعمتوں
 میں منادی کرنا شامل نہیں ہے۔ اور نہ سب کو مبشر، پاسٹر یا استاد کی خاص نعمت
 دی گئی ہے (۱ تیمتھیس ۴: ۱۱)۔

۴۔ ایک نوجوان کو اپنی نعمت کو چمکانا چاہئے (۲ تیمتھیس ۱: ۶)۔ اگر اُس نعمت میں منادی
 کرنا تعلیم دینا یا کسی اور طریقہ سے لوگوں کے ساتھ کلام کرنے کی نعمت شامل ہے تو اُسے
 جماعت میں ضرور استعمال کرنا چاہئے۔

۵۔ ایمان داروں کی کمانت کے ایک پہلو کو ۱۔ کرنتھیوں ۱۴: ۲۶ میں دکھایا گیا ہے۔
 ”پس اے بھائیو! کیا کرنا چاہئے؟ جب تم جمع ہوتے ہو تو ہر ایک کے دل میں مزمور
 یا تعلیم یا مکاشفہ یا بیگانہ زبان یا ترجمہ ہوتا ہے۔ سب کچھ روحانی ترقی کے لئے
 ہونا چاہئے۔“

اسی باب میں آدر بھی پابندیاں ہیں جو جماعت میں امن قائم رکھنے اور ترقی کے لئے نعمتوں کے عام استعمال کو محدود بناتی ہیں۔ ہمیں ہر مسیحی کے کاہن ہونے کو مقامی کلیسیا میں غلط رویے کو درست ثابت کرنے کے لئے آڑ نہیں بنانا چاہئے۔

۶:۲۔ پطرس ابھی تک عمارت کے متعلق سوچ رہا تھا، لہذا وہ خاص طور پر مسیح کے کونے کے برے

کا پتھر ہونے کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ وہ یسعیاہ ۲۸:۱۶ سے اقتباس کر کے یہ دکھاتا ہے کہ مسیح کے کونے کے برے کے پتھر کی حیثیت کے بارے میں کلام میں پھلے ہی بتا دیا گیا تھا۔ وہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ خدا نے ارادہ کر رکھا ہے کہ وہ مسیح کو یہ لاثانی مرتبہ دے کہ وہ ”چٹا ہوا“ اور ”قیمتی پتھر“ ہے، اور کہ وہ مکمل طور پر قابل اعتماد ہے۔ اگر کوئی شخص اس پر ایمان لائے تو اسے یابوس نہیں ہوگی۔ اس حوالے میں ”کونے کے برے کا پتھر“ کے تین مطلب ہو سکتے ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک کا اطلاق خداوند یسوع پر ہوتا ہے۔

۱۔ جدید بن تعمیر میں ”کونے کے برے کا پتھر“ بنیاد کے ایک کونے پر رکھا جاتا ہے جہاں وہ دو دیواروں کو جوڑتا ہے۔ مسیح ”کونے کے برے کا پتھر“ یعنی حقیقی بنیاد ہے (۱۔ کرنتھیوں ۳: ۱۱، ۱۰)۔ جس طرح دو دیواریں ایک عمارت میں جڑی ہوتی ہیں، اسی طرح اس نے ایمان لانے والے یہودیوں اور غیر قوموں کو ایک نئے انسان میں جوڑ دیا ہے (افسیوں ۲: ۱۳-۱۴)۔

۲۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ یہ پتھر محراب میں ”مرکزی پتھر“ ہوتا ہے جو محراب کو مکمل کرتا اور باقی عمارت کو تھامے رکھتا ہے۔ یہ تشریح بھی ہمارے خداوند پر یقیناً صادق آتی ہے۔ وہ محراب میں سب سے اہم پتھر ہے اور اس کے بغیر عمارت میں کوئی قوت یا یکسوئی نہیں ہوگی۔

۳۔ تیسرا نظریہ یہ ہے کہ یہ پتھر مخروطی مینار میں چوٹی کا پتھر ہے جو سارے ڈھانچے میں سب سے بلند پتھر ہوتا ہے۔ سارے ڈھانچے میں صرف یہی پتھر ہے جو مخروطی مینار کی شکل کا ہوتا ہے۔ یہ آخری پتھر ہے جسے اس کی جگہ پر رکھا جاتا ہے۔ اسی طرح مسیح کلیسیا میں چوٹی کا پتھر ہے جو حقیقتاً لاثانی پتھر ہے۔ کلیسیا اس سے اپنا کردار حاصل کرتی ہے۔ جب وہ واپس آئے گا تو عمارت مکمل ہوگی۔

وہ ”چٹا ہوا“ اور ”قیمتی پتھر“ ہے۔ وہ ان معنوں میں چٹا ہوا ہے کہ خدا نے اسے سب

سے بڑی عزت دینے کے لئے چُنا ہے۔ اور وہ قیمتی ہے کیونکہ کوئی اس جیسا نہیں ہے۔
”جو اُس پر ایمان لائے گا ہرگز شرمندہ نہ ہوگا۔“ یسعیاہ ۲۸: ۱۶ میں جہاں سے یہ حوالہ لیا گیا
 اس کا ترجمہ یوں ہے: ”جو کوئی ایمان لاتا ہے قائم رہے گا۔ اگر ان دونوں کو اکٹھا کر دیا جائے تو
 ایک شاندار وعدہ ملتا ہے کہ وہ جن کے پاس مسیح بطور کونے کے سرے کا پتھر ہے وہ پریشان کن
 تذلیل سے بچ گئے ہیں اور قائم ہیں۔“

۱۲: ۷۔ اس سے پہلے کی آیات میں خداوند یسوع کو زندہ پتھر، رد کیا ہوا پتھر، قیمتی پتھر اور
 کونے کے سرے کا پتھر بتایا گیا ہے۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کس کوئی کون استعمال کے بغیر پطرس
 مسیح کو کسوٹی کے طور پر پیش کرتا ہے۔ کسوٹی وہ پتھر ہے جس پر سونے کو رگڑ کر دیکھا جاتا ہے کہ
 اصلی ہے یا نقلی۔

جب لوگوں کا نجات دہندہ کے ساتھ رابطہ قائم ہوتا ہے تو انہیں دکھایا جاتا ہے کہ درحقیقت
 وہ کیا ہیں۔ جس قسم کا وہ اُس کے بارے میں روئے اختیار کرتے ہیں اُس سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ اُن کی
 حالت کیا ہے۔ حقیقی ایمان داروں کے لئے وہ قیمتی ہے لیکن غیر ایمان دار اُسے رد کر دیتے ہیں۔
 زمین خشیوں کا مقابلہ ”ایک لمحہ کے لئے بھی مسیح سے بھرپور زندگی کے ساتھ نہیں کیا جاسکتا۔ وہ
 دُش ہزاروں میں ممتاز ہے“ اور ”انہیں شیریں ہے“ (غزل الفلزات ۵: ۱۰، ۱۶)۔

لیکن ”ایمان نہ لانے والوں کے لئے“ کیا رہا؟ زبور نویس زبور ۱۱۸ میں پیش گوئی کرتا ہے کہ
 اس قیمتی پتھر کو معمار رد کر دیں گے لیکن بعد میں وہ کونے کے سرے کا پتھر ہو جائے گا۔

خداوند یسوع نے اپنی پہلی آمد کے وقت اپنے آپ کو بنی اسرائیل کے سامنے پیش
 کیا۔ لیکن لوگوں اور خاص طور پر سرداروں کے دل میں اُس کے لئے جگہ نہیں تھی۔ انہوں نے
 اُسے رد کر دیا اور مصلوب ہونے کے لئے حوالہ کر دیا۔

لیکن خدا نے اُسے مردوں میں سے زندہ کیا اور آسمان پر اپنے داہنے ہاتھ بٹھایا۔ جب
 وہ رد کیا گیا دوبارہ زمین پر آئے گا تو وہ بطور بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند
 آئے گا۔ اُس وقت علی الاعلان ظاہر کیا جائے گا کہ وہ کونے کے سرے کا پتھر ہے۔

۱۲: ۸۔ اب منظر کسوٹی اور کونے کے سرے کے پتھر سے ”ٹھیس لگنے کا پتھر“ میں تبدیل
 ہوتا ہے۔ یسعیاہ نبی نے پیشین گوئی کی تھی کہ وہ ایک ایسا پتھر ہو گا جس سے لوگوں کو ٹھوکر لگے
 گی اور گریں گے (یسعیاہ ۸: ۱۴)۔

یہ اسرائیلی قوم کی تاریخ میں لفظ پُورا ہوا۔ جب اُن کا مسیح آیا تو یہودیوں کو اُس کی پیدائش اور اُس کی سادہ زندگی سے ٹھوکر لگی۔ انہیں ایک سیاسی ہر دل عزیز لیڈر اور فوجی مرد آہن کی ضرورت تھی۔ انہوں نے مدلل اثبات کے باوجود اُسے رد کر دیا اور موقوفہ المسیح قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

لیکن اِس کا اطلاق صرف بنی اسرائیل پر ہی نہیں ہوتا۔ وہ لوگ جو یسوع پر ایمان نہیں لاتے وہ اُن کے لئے ٹھیس لگنے کا پتھر اور ٹھوکر کھانے کی چٹان بن جاتا ہے۔ لوگ یا تو توبہ اور نجات کے لئے ایمان کے ساتھ اُسے سجدہ کرتے ہیں، یا پھر اُس سے ٹھوکر کھا کر دوزخ میں گر جاتے ہیں۔ ”وہ جو اُن کی نجات کا باعث بن سکتا تھا اب اُن کے لئے سزا کا سبب بن جاتا ہے۔“ وہ غیر جانبدار نہیں رہ سکتا۔ ضروری ہے کہ وہ ہمارا نجات دہندہ بنے یا پھر مُنصِف۔

”نافرمان ہو کر کلام سے ٹھوکر کھاتے ہیں۔“ وہ کیوں ٹھوکر کھاتے ہیں؟ اِس لئے نہیں کہ انہیں کوئی عقلی مشکلات پیش ہیں یا خداوند یسوع کے بارے میں کوئی ایسی بات ہے جو اُن کا اُس پر ایمان لانا ناممکن بنا دیتی ہے۔ وہ اِس لئے ٹھوکر کھاتے ہیں کیونکہ وہ دیدہ دانستہ کلام کی نافرمانی کرتے ہیں۔ مسئلہ انسانی ارادہ اور مرضی کا ہے۔ لوگ نجات کیوں نہیں پاتے اِس لئے کہ وہ نجات پانا ہی نہیں چاہتے (یوحنا ۵: ۴۰)۔

آیت ۸ کا آخری حصہ کہ ”وہ اِسی کے لئے مقرر بھی ہوئے“ ایسا کہتا ہوا نظر آتا ہے گویا وہ کلام کی نافرمانی کرنے ہی کے لئے مقرر ہوئے تھے۔ کیا اِس کا یہی مطلب ہے؟ نہیں۔ یہ آیت یہ رکھاتی ہے کہ وہ جو اپنی مرضی سے کلام کو رد کرتے ہیں وہ ٹھوکر کھانے کے لئے مقرر ہوئے ہیں۔ یہ الفاظ کہ ”اِسی کیلئے مقرر بھی ہوئے“ اِس آیت کے پہلے تمام الفاظ کی طرف اشارہ ہے یعنی یہ کہ ”وہ نافرمان ہو کر کلام سے ٹھوکر کھاتے ہیں۔“ خدا نے یہ حکم دے رکھا ہے کہ وہ جو خداوند یسوع کو نہیں مانتے ٹھوکر کھائیں گے۔ اگر ایک آدمی اپنی بے ایمانی پر قائم رہتا ہے تو پھر وہ ٹھوکر کھانے کے لئے ہی مقرر ہوا ہے۔ فرمانبرداری کے لئے رضا مند نہ ہونا ٹھوکر کھانے کو لازمی نتیجہ بنا دیتا ہے (جے۔ بی۔ فلیس)۔

۹:۲۔ پطرس ایک مرتبہ پھر ایمان داروں کے استحقاق اور مرتبے کا ذکر کرتا ہے۔ وہ ایک برگزیدہ نسل، شاہی کاہنوں کا فرقہ، مقدس قوم اور خدا کی خاص ملکیت ہیں۔ خدا نے

بنی اسرائیل سے وعدہ کیا کہ اگر وہ اُس کی فرمانبرداری کریں گے تو یہ اعزاز اُن کو ملیں گے :

”اگر تم میری بات مانو اور میرے عہد پر چلو تو سب قوموں میں سے تم ہی

میری خاص ملکیت ٹھہرو گے کیونکہ ساری زمین میری ہے۔ اور تم میرے لئے

کاہنوں کی ایک مملکت اور مقدس قوم ہو گے“ (خروج ۱۹: ۶، ۵ الف)۔

چونکہ بنی اسرائیل خدا پر ایمان رکھنے سے قاصر رہے اس لئے وہ خدا کی قوم بننے کے اعزاز سے محروم ہو گئے۔ اس فضل کے زمانہ میں کلیسیا اس مقبولیت کے مقام پر فائز ہے جو بنی اسرائیل نے اپنی نافرمانی کے سبب سے کھو دیا تھا۔

اس زمانہ میں ایمان دار خدا کی ”برگزیدہ نسل“ ہیں۔ خدا نے انہیں مسیح کی ملکیت ہونے کے لئے بنائے عالم سے پیشتر چن لیا (افسیوں ۱: ۴)۔ لیکن مشترکہ حسب نسب اور نمایاں جسمانی خصوصیات کی بنا پر زمینی نسل ہونے کی بجائے مسیحی الہی ولایت اور روحانی مشابہت کی بنا پر آسمانی لوگ ہیں۔

ایمان دار شاہی کاہنوں کا فرقہ بھی ہیں۔ یہ دوسری کمالت ہے جس کا ذکر اس باب میں آیا ہے۔ آیت ۵ میں ایمان داروں کو مقدس کاہن بنایا گیا ہے جو روحانی قربانیاں گزارتے ہیں۔ اب انہیں ”شاہی“ کاہن کہا گیا ہے جو خدا کی خوبیاں بیان کرتے ہیں۔ بطور مقدس کاہن وہ پرستش کے لئے بذریعہ ایمان آسمانی مقدس میں داخل ہوتے ہیں اور بطور شاہی کاہن وہ گواہی دینے کے لئے دنیا میں جاتے ہیں۔ کمالت میں اس فرق کی منظر کشی پائس اور سیلاس کی قید کے مددگار کی گئی ہے۔ بطور مقدس کاہن وہ آدھی رات کو خدا کی حمد و تعریف کرتے تھے اور بطور ”شاہی“ کاہن انہوں نے جیل کے دار و فر کے سامنے منادی کی (اعمال ۱۶: ۲۵، ۲۶)۔

ایمان دار ایک ”مقدس قوم“ ہیں۔ خدا کا ارادہ تھا کہ بنی اسرائیل ایک ایسی امت ہو جو اپنی پاکیزگی سے پہچانی جائے۔ لیکن اسرائیلیوں نے اپنے غیر قوم پڑوسیوں کے گناہ آلودہ کاموں کی پیروی شروع کر دی۔ پس خدا نے عارضی طور پر انہیں ایک طرف کر دیا اور اب کلیسیا خدا کی ”مقدس قوم“ ہے۔

آخری نکتہ یہ ہے کہ مسیحی ایک ایسی ”امت“ ہیں جو خدا کی خاص ملکیت ہیں۔ وہ ایک لائق طریقہ سے اُس کے ہیں اور اُس کی نظر میں اُن کی ”خاص“ قدر ہے۔

آیت ۹ کا آخری حصہ اُن لوگوں کی جو نئی نسل، ”کاہن، قوم“ اور ”امت“ ہیں ذمہ داریوں کو

بیان کرتا ہے۔ ہم اُس کی جس نے ہمیں ”تاریکی سے اپنی عجیب روشنی میں بلایا ہے“ خوبیاں بیان کریں گے۔ ایک وقت تھا جبکہ ہم گمناہ کی تاریکی اور شر مندگی میں بھٹک رہے تھے۔ لیکن ایک عجیب غلصہ کے ذریعہ اُس کے پیادے بیٹے کی بادشاہی میں داخل ہو گئے۔ روشنی اتنی صاف اور چمکدار ہے جتنی کہ تاریکی شدید تھی۔ ہمیں اُس کی جس نے ہمارے لئے یہ سب کچھ کیا ہے کتنی حمد و تعریف کرنی چاہئے!

۱۰:۲۔ پطرس اس جھٹے کو ہوسیع کی کتب سے حوالہ دے کر ختم کرتا ہے۔ نبی کی اپنی المناک خانہ دانی زندگی کو ایک عملی سبق کے طور پر استعمال کرتے ہوئے، خدا اسرائیلی قوم پر سزا کا اعلان کرتا ہے۔ چونکہ وہ اُس کے وفادار نہ رہے تھے، اس لئے اُس نے کہا کہ وہ اُن پر مزید رحم نہیں کرے گا اور وہ اُس کے لوگ نہیں ہوں گے (ہوسیع ۶: ۱۰)۔ لیکن اسرائیل کو ایک طرف ہٹانا آخری بات نہیں تھی، کیونکہ خداوند نے یہ وعدہ بھی کر رکھا تھا کہ اسرائیل کو بحال کیا جائے گا! ”میں... (اُس) پر رحم کروں گا اور... کموں گا تم میرے لوگ ہو اور وہ کہیں گے اے ہمارے خداوند!“ (ہوسیع ۲: ۲۳)۔

پطرس جن لوگوں کو یہ خط لکھ رہا ہے اُن میں سے بعض اسرائیلی قوم کا حصہ تھے۔ لیکن اب وہ کلیسیا کے ممبر تھے۔ مسیح پر ایمان لانے کے باعث وہ خدا کے لوگ بن گئے تھے جبکہ ایمان نہ لانے والے یہودی ابھی تک الگ تھے۔

پس پطرس اپنے ہمعصر تبدیل شدہ یہودیوں کی حالت میں ہوسیع ۲: ۲۳ کی جزوی تکمیل دیکھتا ہے۔ مسیح میں وہ خدا کے نئے لوگ بن گئے تھے اور مسیح میں اُن پر ”رحمت ہوئی“۔ خدا نے ہوسیع نبی کی معرفت جن برکات کا اسرائیل سے وعدہ کیا تھا اُس سے یہ مُتممی بھر یہودی اسرائیلی قوم کے اُن سے لطف اندوز ہونے سے پہلے ہی خط اٹھا رہے تھے۔

پطرس کے خط میں اس حوالہ سے کسی کو یہ نتیجہ اخذ نہیں کرنا چاہئے کہ چونکہ اب کلیسیا خدا کے لوگ ہیں اس لئے خدا نے اسرائیل کو بطور قوم رد کر دیا ہے۔ اور نہ کسی کو یہ فرض کر لینا چاہئے کہ اب کلیسیا خدا کا اسرائیل ہے یا یہ کہ خدا نے جو وعدے اسرائیل سے کئے اُن کا اطلاق اب کلیسیا پر ہوتا ہے۔ اسرائیل اور کلیسیا دو الگ الگ اور فرق وجود رکھتے ہیں۔ اس فرق کو سمجھ لینا نبوتی کلام کی تشریح کرنے میں ایک اہم کلید ہے۔

ابراہام کی بلا ہٹ سے المسیح کی آمد تک بنی اسرائیل خدا کے چنے ہوئے زمیني لوگ ہیں۔

اس قوم کی بغاوت اور بے وفائی اُس وقت اپنی معراج کو پہنچی جب مسیح کو صلیب پر کیلوں سے بٹا اگیا۔ اس عظیم گناہ کی وجہ سے خدا نے بنی اسرائیل کو عارضی طور پر ایک طرف کر دیا۔ اگرچہ وہ اب بھی اُس کے قدیم ترین زمینی لوگ ہیں، تاہم وہ اُس کے چُنے ہوئے لوگ نہیں ہیں۔

موجودہ زمانہ میں خدا کے نئے لوگ کلیسا ہے۔ کلیسیائی زمانہ خدا کے بنی اسرائیل کے ساتھ سلوک میں گویا جملہ معترضہ کے طور پر ہے۔ جب یہ جملہ معترضہ ختم ہو جائے گا یعنی کلیسیا آسمان پر اٹھ لی جائے گی تو خدا اسرائیل کے ساتھ پھر معاہدہ شروع کر دے گا۔ اُس وقت اسرائیل کا ایمان لانے والا حصہ پھر خدا کے لوگ بن جائیں گے۔

ہوینس نبی کی پیشین گوئی کی حتمی تکمیل ہنوز مستقبل ہے۔ یہ مسیح کی دوسری آمد پر وقوع پذیر ہوگی۔ جس قوم نے مسیح کو رد کیا تھا وہ اُس پر ”جس کو انہوں نے چھیدا ہے نظر کریں گے اور اُس کے لئے ماتم کریں گے جیسا کوئی اپنے اکلوتے کے لئے کرتا ہے“ (زکریا ۱۲: ۱۰)۔ تب نائب اور ایمان لانے والے اسرائیل پر رحمت ہوگی اور ایک مرتبہ پھر وہ خدا کی اُمت بن جائیں گے۔

جس نکتہ کو پطرس آیت ۱۰ میں بیان کر رہا ہے یہ ہے کہ فی زمانہ ایمان لانے والے یہودی ہوسیع نبی کی پیشین گوئی سے پیشگی محفوظ ہو رہے ہیں جبکہ ایمان نہ لانے والے یہودی ابھی تک خدا سے جدا ہیں۔ مکمل اور آخری تکمیل اُس وقت ہوگی جبکہ ”چھڑانے والا صیون سے نکلے گا اور بے دینی کو یعقوب سے دفع کرے گا“ (۲۶: ۱۱)۔

۲۔ ایمان دار کے تعلقات

۱۔ دُنیا کے ساتھ تعلقات

۱۱: ۲۔ باقی خط زیادہ تر اس بات کو بیان کرتا ہے کہ مسیحیوں کا زندگی کے مختلف شعبوں میں رویہ کیسا ہونا چاہئے۔ پطرس، ایمان داروں کو یاد دلاتا ہے کہ وہ دُنیا میں ”پر دیسی اور مُسافر“ ہیں اور اس کی مُعران کے تمام طرز عمل پر ہونی چاہئے۔ وہ ان معنوں میں ”پر دیسی“ ہیں کہ وہ ایک غیر ملک میں قیام پذیر ہیں جس میں انہیں شہری حقوق حاصل نہیں۔ وہ مُسافر اس لحاظ سے ہیں کہ انہیں تھوڑے عرصہ کے لئے ایک جگہ قیام کرنا ہوتا ہے جو ان کا مستقل

گھر نہیں ہوتا۔

جب ہم اس نصیحت کو پڑھتے ہیں کہ ”جسمانی خواہشوں سے پرہیز کرو“ تو ہمارے ذہن میں فوراً جنسی گناہ آتے ہیں۔ لیکن اس کا اطلاق اس سے کہیں وسیع ہے۔ اس کا اشارہ کسی بھی زبردست خواہش کی طرف ہے جو خدا کی مرضی کے مطابق نہیں ہوتی۔ اس میں حد سے زیادہ کھانا پینا، زیادہ سونا، زیادہ سے زیادہ مادی اشیاء جمع کرنے کے پیچھے بھاگنا یا دنیاوی عیش و عشرت کے لئے بے قرار رہنا شامل ہیں۔ یہ تمام چیزیں ہماری روحانی صحت سے ختم نہ ہونے والی جنگ شروع کر دیتی ہیں۔ یہ ہماری خدا کے ساتھ رفاقت میں رکاوٹ بنتی ہیں۔ یہ ہماری روحانی ترقی روک دیتی ہیں۔

۱۲:۲۔ ہمیں نہ صرف جسمانی کاموں میں نظم و ضبط کا مظاہرہ کرنا چاہئے بلکہ ”غیر قوتوں میں اپنا چال چلن نیک“ رکھیں یعنی غیر مسیحیوں میں۔ اس زمانہ میں ہمیں دنیا کے مطابق اپنے آپ کو نہیں دکھانا چاہئے۔ ہمیں دھول کی ایک مختلف تال پر قدم بڑھانا چاہئے۔ خواہ کچھ بھی ہو ہم پر ضرور نکتہ چینی ہوگی۔ اُر ڈمیں رکھتا ہے کہ جس وقت پطرس نے یہ خط لکھا تو

”... مسیحیوں پر الزام لگایا جاتا تھا کہ وہ بے دین ہیں کیونکہ وہ بت پرستوں کے دیوتاؤں کی پرستش نہیں کرتے، وہ پس ماندہ ذہن اور تبارک اللہ ہیں کیونکہ وہ مقبول عام بتائیوں سے دور بھاگتے ہیں، وہ حکومت کے خدا میں کیونکہ وہ ایک آسمانی بادشاہ کے ساتھ وفاداری کا دعویٰ کرتے ہیں۔“

اس قسم کی نکتہ چینی سے محفوظ نہیں رہا جاسکتا۔ لیکن ایمان داروں کو کسی حالت میں بھی ان الزامات کا دفاع نہیں کرنا چاہئے۔ ان کا انکار صرف مسلسل نیک کام کرتے رہنے سے کرنا چاہئے۔ تب الزام لگانے والا ”ملاحظہ کے دن خدا کی تعجید“ کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ ”ملاحظہ کے دن“ وہ ہے جبکہ خداوند کسی کے پاس آتا ہے، خواہ یہ آمد فضل میں ہو خواہ سزا دینے کے لئے۔ یہ ترکیب گوتھا ۱۹:۴۱-۴۴ میں استعمال ہوتی ہے۔ یسوع، یروشلیم پر رو کیا کیونکہ اُس نے ملاحظہ کے دن کو نہ پہچانا تھا یعنی یروشلیم نے یہ محسوس نہ کیا کہ المسیح، محبت اور رحمت میں اچکا ہے۔ یہاں اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے: (۱) وہ دن جبکہ خدا کا فضل نکتہ چینیوں کے پاس آئے گا اور وہ بچ جائیں گے یا (۲) عدالت کا وہ دن جبکہ

غیر نجات یافتہ خدا کے حضور کھڑے ہوں گے۔

تشریس کا ساؤل پہلی تشریح کی مثال ہے۔ وہ ستنفس پر الزام لگانے والوں میں شامل تھا لیکن ستنفس کے نیک کام مخالفت پر غالب آئے۔ جب دمشق کی راہ پر خدا اپنی رحمت میں اس کے پاس آیا تو نائب فریسی نے خدا کو جلال دیا اور ستنفس کی طرح آگے بڑھا اور مسیح سے معذور زندگی سے دوسروں پر اثر انداز ہوا۔ جوڑٹ کہتا ہے :

خوبصورت زندگی جلالی خداوند کی تعظیم کرنے کے لئے آدمیوں کو ابھارتی ہے۔ جب وہ خدا کو انسانی زندگی میں موجود دیکھتے ہیں تو وہ بھی آسمانی رفاقت میں شامل ہونے کی کوشش کرتے ہیں۔ وہ ہماری خوش بیانی سے مرعوب نہیں ہوتے بلکہ ہمارے رویہ کی تابانی سے۔ جب ہم نیک زندگی بسر کرتے ہیں تو نادان آدمیوں کی جہالت کی باتوں کو بند کر دیتے ہیں اور ان کی یہ خاموشی ان کے لئے زندگی میں بلند نظر تقدیس کی پہلی سیج ہوتی ہے۔

دوسری تشریح میں یہ خیال پایا جاتا ہے کہ غیر نجات یافتہ لوگ عدالت کے دن خدا کی تعجید کرنے پر مجبور ہو جائیں گے۔ ان کے پاس کوئی عُذر نہیں ہوگا کیونکہ انہوں نے نہ صرف خوشخبری کو مستنہی تھا بلکہ اپنے مسیحی رشتہ داروں، دوستوں اور پڑوسیوں کی زندگی میں دیکھا بھی تھا۔ تب خدا اپنے فرزندوں کے بے عیب کردار سے ظاہر ہوگا۔

ب۔ حکومت کے ساتھ تعلقات (۲: ۱۳-۱۷)

۱۳: ۲۔ اگلی پانچ آیات مسیحیوں کے حکومت کے ساتھ تعلقات کے بارے میں ہیں۔ یہاں کلیدی لفظ ”تابع رہو“ ہے۔ درحقیقت اس خط میں تابع رہنے کے بارے میں حکم چار مرتبہ آیا ہے۔

شہری اپنی حکومت کے ”تابع“ رہیں (۱۳: ۲)۔

غلام اپنے آقاؤں کے ”تابع“ رہیں (۱۸: ۲)۔

بیویاں اپنے خاوندوں کے ”تابع“ رہیں (۱: ۳)۔

جوان ایمان دار، بزرگوں کے ”تابع“ رہیں (۵: ۵)۔

لائل کہتا ہے :

مسیحیوں کا اپنے ستانے والوں، بدنام کرنے والوں اور نکتہ چینی کرنے والوں کو آخری جواب یہ ہے کہ اُن کی زندگی بے عیب ہو، وہ الزام لگنے سے ماورا ہوں اور لپٹے شہری ہوں۔ تابع رہنا، مسیح جیسی ایک بہت بڑی خوبی ہے۔

انسانی حکومتیں خدا مقرر کرتا ہے (رومیوں ۱۳: ۱)۔ حاکم خدا کے خادم ہیں (رومیوں ۱۳: ۴)۔ اگر حاکم ایمان دار نہ بھی ہوں تو بھی وہ سرکاری طور پر خدا کا آدمی ہے۔ اگر وہ ڈکٹیٹر اور جابر ہیں تو بھی اُن کی حکومت، حکومت نہ ہونے سے بہتر ہے۔ قانون کا نہ ہونا لافانونیت ہے اور کوئی بھی سماج قانون کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ پس کسی بھی حکومت کا ہونا حکومت کے نہ ہونے سے بہتر ہے۔ ضابطہ اور قانون افراتفری سے بہتر ہیں۔ ایمان داروں کو ”خداوند کی خاطر“ ہر ایک انسانی حکومت کے ”تابع“ ہونا چاہئے۔ یہ کرنے سے وہ اُس کی مرضی پوری کرتے ہیں اور ایک ایسا کام کر رہے ہوتے ہیں جس سے وہ خوش ہوتا ہے۔ ان ہدایات کا اطلاق کسی شہنشاہ پر ہوتا ہے یا اُس پر جو سب سے بڑا حاکم ہے۔ اگر اتفاقاً نیرو تخت پر بیٹھا ہو تو عام نصیحت یہی ہے کہ اُس کی بھی تابعداری کی جائے۔

۱۴: ۲۔ تابعداری کے حکم کا اطلاق چھوٹے ”حاکموں“ مثلاً گورنر پر بھی ہوتا ہے۔ خدا نے انہیں مجرموں کو ”سزا“ دینے اور اُن کی جو قانون کی پابندی کرتے ہیں ”تعریف“ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ درحقیقت، سرکاری افسروں کے پاس کسی کی تعریف کرنے کے لئے وقت یا مہمان ہی نہیں ہوتا، لیکن اس سے مسیحی کی تابع فرمانی کرنے کی ذمہ داری ختم نہیں ہو جاتی!

لیکن اس میں استثنا اور چھوٹ بھی پائی جاتی ہے۔ کبھی ایسا وقت بھی آسکتا ہے جبکہ تابع فرمانی کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر کوئی حکومت ایک ایمان دار کو خدا کی ظاہر شدہ مرضی کے خلاف کام کرنے کو کہے تو اسے اس حکم کو ہرگز نہیں ماننا چاہئے۔ اُس وقت اسے انسان کی بجائے خدا کی تابعداری کرنی چاہئے (اعمال ۵: ۲۹)۔ اگر اُسے اس نافرمانی کی سزا دی جاتی ہے تو بہادری سے برداشت کرنا چاہئے۔ اُسے کسی صورت میں حکومت کے خلاف کام کرنے یا اُس کا تختہ الٹنے کی کوشش نہیں کرنی چاہئے۔

ایک لحاظ سے وہ لوگ جو ایسے ملکوں میں بائبل سمگل کرتے ہیں جہاں بائبل کا داخلہ ممنوع ہے قانون کو توڑتے ہیں۔ لیکن وہ ایک ایسے قانون کی فرامینداری کرتے ہیں جو انسانی قانون سے افضل ہے یعنی اِس حکم کی کہ تمام ملکوں میں خوشخبری کو پھیلاؤ۔ پس اُن کی کلام کی بنیاد پر مذمت

نہیں کی جاسکتی۔

فضلاً حکومت ایک مسیحی کو فوج میں بھرتی ہونے کا حکم دیتی ہے۔ کیا اسے یہ حکم ماننا اور ہتھیار اٹھانا چاہئے؟ اگر وہ محسوس کرتا ہے کہ یہ خدا کے کلام کی براہ راست مخالفت ہے تو پہلے اسے غیر لڑاکا شعبہ میں بھرتی ہونے کی درخواست کرنی چاہئے۔ اگر یہ کوشش بارور نہ ہو تو پھر اسے حکم عدولیٰ کرنی ہوگی اور اس کا نتیجہ بھی سمجھنا ہوگا۔

متعدد ایمان دار یہ سمجھتے ہیں کہ فوج میں خدمت کرنا درست نہیں۔ یہ ایک ایسا معاملہ ہے جس میں ہر ایک کو اپنے طور پر قابل ہونا چاہئے اور دوسروں کو بھی اس سے اتفاق نہ کرنے کی پوری آزادی ملنی چاہئے۔

یہ سوال کہ مسیحیوں کو وورٹ دینا اور سیاست میں حصہ لینا چاہئے ایک مختلف نوعیت کا ہے۔ حکومت اس کا مطالبہ نہیں کرتی، اس لئے یہاں تابع فرمانی یا نافرمانی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہر ایک کو بائبل میں شہریت کے بارے میں جو اصول دئے گئے ہیں ان کی روشنی میں فیصلہ کرنا چاہئے۔ یہاں بھی ہمیں دوسروں کو مختلف نظریہ رکھنے کی آزادی دینی چاہئے اور یہ اصرار نہیں کرنا چاہئے کہ وہ ضرور ہی ہم سے اتفاق کریں۔

۱۵:۲۔ خدا کی ”مرضی“ یہ ہے کہ اس کے لوگ ایسی باعزت اور بے عیب زندگی بسر کریں کہ بے ایمانوں کے پاس ان پر الزام لگانے کی کوئی جائز بنیاد نہ ہو۔ مثالی چال چلن کی زندگی بسر کرنے کے ذریعہ مسیحیوں کو ”نادانوں“ کے مسیحیت پر لگائے گئے الزاموں کی ”جہالت“ کا پردہ فاش کرنا چاہئے۔

مسیحیوں اور مسیحی ایمان پر ”نادان“ آدمی اپنی ”جہالت“ میں لگاتار بمباری کرتے رہتے ہیں۔ یہ یونیورسٹی کے کلاس روم میں، سائنس کی لیبارٹری میں یا پلٹ سے ہو سکتی ہے۔ پطرس کہتا ہے کہ اس قسم کی بمباری کا بہترین جواب پاک زندگی ہے۔

۱۶:۲۔ اپنے آپ کو ”آزاد“ جانیں۔ ہم رسول حکام کے قلام نہیں ہیں۔ ہمیں غلامی یا خوف میں زندگی بسر نہیں کرنی ہے۔ ہم خداوند کے آزاد بندے ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم گناہ کرنے کے لئے بھی آزاد ہیں۔ ”آزادی“ کا مطلب گناہ کرنے کا کھلا لائسنس نہیں ہے۔ اور نہ آزادی میں لاقانونیت ہی شامل ہے۔ چنانچہ ہمیں اپنی آزادی کو بری کرنے کے لئے آزمائشیں بنانا چاہئے۔ بری کو کبھی بھی جعلی روحانی بہانوں کے ذریعہ درست قرار نہیں دینا چاہئے۔ مسیح کے

کام کو کبھی بھی مذہب کے لبادے میں بدمی کے ذریعہ آگے نہیں بڑھایا جاسکتا۔
 اگر ہم خدا کے بندوں کے طور پر زندگی بسر کرتے ہیں تو محکام کے ساتھ ہمارے تعلقات خود بخود درست ہو جائیں گے۔ ہم اُس کی حضور کی روشنی میں کام کرتے، تمام باتوں میں اُس کی فرمانبرداری کرتے اور سب کچھ اُس کے جلال کے لئے کرتے ہیں۔ ایمان دار جو خداوند کے بندے کے طور پر زندگی بسر کرتا ہے سب سے اچھا شہری ہوتا ہے۔ بد قسمتی سے کوئی بھی حکومت یہ محسوس نہیں کرتی کہ وہ ایمان داروں کی جو بائبل پر ایمان رکھتے اور اُس کی تابع فرمانی کرتے ہیں کتنی زیادہ مفروضی ہے۔

۱۴:۲۔ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں ہے جو مسیحی ذمہ داری کے دائرہ میں نہ آتا ہو۔ پطرس یہاں چارٹ چھوٹے چھوٹے حکم دیتا ہے :

”سب کی عزت کرو“۔ ہم ہر وقت اُن کے الفاظ یا روئے کی ”عزت“ نہیں کر سکتے لیکن ہم یہ یاد رکھ سکتے ہیں کہ ایک زندگی کل دنیا سے کہیں زیادہ قدر و قیمت رکھتی ہے۔ ہمیں معلوم ہونا چاہئے کہ ہر ایک شخص خدا کی صورت اور شبیہ پر پیدا ہوا ہے۔ پھر ہمیں یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ خداوند یسوع نے سب سے نا اہل شخص کے لئے بھی اپنا خون بہایا ہے۔

”برادری سے محبت رکھو“۔ ہمیں سب سے محبت رکھنی ہے لیکن ہمارا خاص فرض یہ ہے کہ اپنے روحانی خاندان کے ممبروں سے محبت رکھیں۔ یہ محبت ویسی ہی ہے جیسی خدا ہم سے رکھتا ہے۔ ہم اُس کے مقدار نہیں۔ وہ محبت سے محروم لوگوں تک پہنچتی ہے اور موت سے زیادہ طاقتور ہے۔

”خدا سے ڈرو“۔ ہم اُس سے اُس وقت ڈرتے ہیں جب کہ اُس کا بطور سب سے بڑا خداوند احترام کرتے ہیں۔ چنانچہ اُس کو جلال دینا ہماری اولین ترجیح بن جاتی ہے۔ ہم ہر وہ کام کرنے سے ڈرتے گتے ہیں جس سے وہ ناخوش ہوتا ہے۔ ہم اُسے لوگوں کے سامنے غلط انداز سے پیش کرنے سے ڈرتے ہیں۔

”بادشاہ کی عزت کرو“۔ پطرس پھر انسانی حاکموں کے موضوع کی طرف آتا ہے۔ ہمیں اپنے حاکموں کی بطور ایسے عمدہ دار عزت کرنی چاہئے جنہیں خدا نے مقرر کیا ہے کہ وہ ایک شاہستہ سوسائٹی قائم کریں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس کو خراج چاہئے خراج دو۔ جس کو محصول چاہئے محصول دو۔ جس سے ڈرنا چاہئے اُس سے ڈرو (رومیوں ۱۳: ۷)۔ عام طور پر مسیحی کسی بھی

قسم کی حکومت کے ماتحت رہ سکتے ہیں۔ انہیں صرف اُس وقت ہی نافرمانی کرنی چاہئے جبکہ انہیں خداوند یسوع کی نافرمانی کرنے کو کہا جائے۔

ج۔ نوکر کے اپنے مالک کے ساتھ تعلقات (۲: ۱۸-۲۵)

۱۸:۲۔ یہ بڑی اہم بات ہے کہ نئے عہد نامہ میں بادشاہوں کی نسبت ”نوکروں“ کو زیادہ ہدایات دی گئی ہیں۔ اولین مسیحیوں میں اکثریت ”نوکروں“ کی تھی۔ وہ سوسائٹی میں درمیانے یا نیچے درجے کے لوگ تھے (متی ۱۱: ۵؛ مرقس ۱۲: ۱۲؛ ۱۴: ۳۷-۱ کرنتھیوں ۱: ۲۶-۲۹)۔

اس حوالے میں گھریلو ”نوکروں“ کو مخاطب کیا گیا ہے لیکن یہاں دئے گئے اصولوں کا اطلاق ہر قسم کے ملازمین پر ہوتا ہے۔ بنیادی ایبل یہ ہے کہ اپنے مالکوں کی پوری عزت کے ساتھ فرمانبرداری کرو۔ یہ زندگی کی ایک مانی ہوئی حقیقت ہے کہ کسی بھی سماج یا تنظیم میں اختیار ایک کے پاس ہوتا ہے اور دوسروں سے اُس اختیار کی تابعداری کرنے کی امید کی جاتی ہے۔ یہ نوکروں کے اپنے حق میں اچھا ہے کہ وہ اپنے مالکوں کا حکم مانیں ورنہ انہیں ملازمت نہیں ملے گی۔ لیکن مسیحیوں کا اس سے کہیں زیادہ فرض ہے کہ وہ اپنے مالکوں کی فرمانبرداری کریں۔ اس کا تعلق اُس کی تنخواہ سے نہیں ہے بلکہ اس پر اُس کی گواہی کا انحصار ہے۔

فرمانبرداری کو مالک کے مزاج کے مطابق بدلتے نہیں رہنا چاہئے۔ اگر مالک ”نیک اور حلیم“ ہیں تو ہر شخص اُس کی فرمانبرداری کر سکتا ہے۔ ایمان داروں کو اس سے آگے بڑھنے کو کہا گیا ہے۔ انہیں ”بد مزاج“ اور ناقابلِ برداشت مالکوں کی بھی عزت اور تابع فرمانی کرنی چاہئے۔ یہ مسیحیوں کا نمایاں اور امتیازی رویہ ہے۔

۱۹: ۲۔ جب ہم ”بے انصافی“ سے ناحق دکھ اٹھاتے ہیں تو خدا ہمارے رویہ کی تصدیق کرتا ہے۔ جب ہم اپنے آپ کو سچا ثابت کئے یا اپنا ردِ عمل ظاہر کئے بغیر ناحق دکھ برداشت کرتے ہیں تو خدا خوش ہوتا ہے۔ جب ہم حلیمی کے ساتھ ناواقف سلوک کو برداشت کر لیتے ہیں تو ہم مسیح کو ظاہر کرتے ہیں اور اس مافوق الفطرت زندگی پر خدا ہمیں ”شایاش“ کہتا ہے۔ ۲۰: ۲۔ اپنے بُرے کاموں کے باعث صبر سے دکھ اٹھانا کوئی خوبی نہیں ہے۔ نیز

اس سے یقیناً خدا کو جلال نہیں ملتا۔ اس قسم کے دکھ ہمیں کبھی بھی مسیحی ظاہر نہیں کرتے اور نہ دوسرے یہ دیکھ کر مسیح کے پاس آنا چاہیں گے۔ لیکن اچھے کاموں کے باعث ”صبر“ سے

دکھ اٹھانے کی بڑی قدر ہے۔ یہ اتنی غیر فطری بات ہے کہ اسے دیکھ کر لوگ اپنے گناہ کے قائل ہو کر نجات کے اُمیدوار بن جاتے ہیں۔

۲۱:۲- ایمان داروں کے ”نیکی کر کے دکھ پانے“ کے خیال سے ہمارا ذہن خود بخود خداوند یسوع کے عظیم ”نمونہ“ کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اُس کے ساتھ جتنا نا واجب سُنوک ہوا کسی کے ساتھ بھی نہیں ہوا اور نہ کبھی کسی نے اتنے صبر سے برداشت ہی کیا ہے۔

ہمیں کہا گیا ہے کہ ہم بھی اُسی طرح کریں جیسے اُس نے کیا یعنی دُوسروں کی غلطیوں کے لئے دکھ اٹھائیں۔ یہاں لفظ ”نمونہ“ میں ہو بہو نقل کرنے کا خیال پایا جاتا ہے۔ طالب علم کسی تصویر کو ہو بہو نقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ جب وہ احتیاط سے تصویر کی نقل کرتے ہیں تو اُن کی تصویر اچھی بنتی ہے۔ لیکن جب وہ اُس سے دُور ہٹ جاتے ہیں تو نقل خراب ہو جاتی ہے۔ ہماری حفاظت اِسی میں ہے کہ اصل کے قریب رہیں۔

۲۲:۲- ہمارے خداوند نے اپنے گناہوں کے لئے دکھ نہیں اٹھایا کیونکہ اُس میں کوئی گناہ تھا ہی نہیں۔ وہ ”گناہ سے واقف نہ تھا“ (۲- کزتیوں ۵: ۲۱)۔ ”نہ اُس نے گناہ کیا“ (۱- پطرس ۲: ۲۲)۔ ”اُس کی ذات میں گناہ نہیں“ (۱- یوحنا ۳: ۵)۔

اُس کی باتوں میں ”مکر“ نہیں تھا۔ اُس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا، اور نہ کبھی سچائی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ اس پر غور و فکر کیجئے! اس کو اَرْض پر ایک ایسا آدمی بھی تھا جو سو فیصد دیانت دار اور چالاکی یا ”مکر“ سے قطعی پاک تھا۔

۲۳:۲- وہ اشتعال انگیزی کے وقت بھی صبر سے کام لیتا تھا۔ ”وہ گالیاں کھا کر گالی“ نہیں ”دیتا تھا“۔ جب اُس پر الزام لگائے جاتے تو وہ پلٹ کر جواب نہیں دیتا تھا اور نہ اپنا دفاع کرتا تھا۔ وہ ایک عجیب طریقے سے اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کی خواہش سے دُور رہتا تھا۔ ایک نامعلوم مُصنّف لکھتا ہے :

”جب لوگ ہمیں بلا وجہ ملزم ٹھہراتے ہیں اور ہم خاموش رہتے ہیں تو یہ ایک گہری اور سچی فردوسی کا نشان ہے۔ بے عزتی اور زیادتی کے وقت خاموش رہنا ہمارے خداوند کی ایک اچھی نقل ہے۔ جب ہم اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کی کوشش کرتے اور عذر پیش کرتے ہیں تو کیا ہمیں یاد ہوتا ہے کہ مسیح نے مختلف طریقوں سے دکھ اٹھایا جن کا وہ حقدار نہ تھا؟“

”نہ دکھ پا کر کسی کو دھمکاتا تھا۔“ اُس کی خاموش زبان سے کبھی کوئی سخت اور دھمکی آمیز لفظ نہیں نکلا۔ غالباً اُس کے قاتلوں نے اُس کی خاموشی کو کمزوری سمجھا۔ اگر وہ گہری نظر سے دیکھتے تو انہیں علم ہو جاتا کہ وہ کمزوری نہیں تھی بلکہ فوق الفطرت قوت!

اس قسم کی بدسلوکی برداشت کرنے کے لئے اُس کے پوشیدہ ذرائع کیا تھے؟ خدا پر بھروسہ جو ”سچا انصاف کرنے والا“ ہے۔ اور ہمیں بھی یہی سمجھ کرنے کو کہا گیا ہے :

”اے عزیزو! اپنا انتقام نہ لو بلکہ غضب کو موقع دو کیونکہ یہ لکھا ہے کہ خداوند فرماتا ہے انتقام لینا میرا کام ہے۔ بدلہ میں ہی دوں گا۔ بلکہ اگر تیرا دشمن جھوکا ہو تو اُس کو کھانا کھلا۔ اگر پیاسا ہو تو اُسے پانی پلا کیونکہ ایسا کرنے سے تو اُس کے سر پر آگ کے انگاروں کا ڈھیر لگائے گا۔ بدی سے مغلوب نہ ہو بلکہ نیکی کے ذریعہ سے بدی پر غالب آؤ“ (رومیوں ۱۲: ۱۹-۲۱)۔

۲۳: ۲۔ نجات دہندہ کے دکھ نہ صرف مثالی تھے بلکہ تلافی کا باعث بھی تھے۔ اس سلسلے میں ہم اُس کے دکھوں کی نقل نہیں کر سکتے اور نہ پطرس ہمیں ایسا کرنے کو کہتا ہے۔ اس کے برعکس بحث پُچھ یوں ہے : نجات دہندہ کے دکھ اُس کے گناہوں کی وجہ سے اُس پر نہیں آئے کیونکہ وہ بے گناہ تھا۔ وہ ”ہمارے گناہوں“ کے بدلے مصلوب ہوا۔ چونکہ اُس نے ”ہمارے گناہوں“ کے لئے ہمیشہ کے لئے دکھ اٹھالیا ہے، اس لئے ہمیں اپنے آپ کو اُس حالت میں نہیں ڈالنا چاہئے جہاں ہمیں اُن کے لئے دکھ اٹھانا پڑے۔ یہ حقیقت کہ وہ اُن کے لئے مرا ہمیں بھی اُن کی طرف سے مرنے کے لئے ابھارے۔ ہم نہ صرف گناہ کی طرف سے مریں، بلکہ ”راست بازی کے اعتبار سے جہیں“ بھی۔

”اُس کے مار کھانے سے تم نے شفا پائی۔“ جبکہ ہماری شفا یابی کے لئے نجات دہندہ کو اتنا دکھ اٹھانا پڑا تو گناہ کے بارے میں ہمارا رویہ کیا ہونا چاہئے؟ تھیمو ڈورٹ تبصرہ کرتا ہے :

”یہ شفا کا ایک عجیب اور نیا طریقہ ہے۔ ڈاکٹر کو دکھ اٹھانا پڑا تو مریض کو شفا مل گئی۔“

۲۵: ۲۔ اپنی تبدیلی سے پہلے ہم ”بھیتروں کی طرح بھٹکتے پھرتے تھے۔“ مگر آہ، زخمی، خون ریں رہا تھا۔ بھٹکی بھیتروں کے بارے میں پطرس کے یہ چھٹا حوالہ یسعیاہ باب ۵۳ کے آخری حصہ میں ہیں :

آیت ۲۱۔ ”مسح بھی تمہارے واسطے دکھ اٹھا کر۔۔۔“ (قب یسعیاہ ۵۳: ۵۴)۔

آیت ۲۲ ”نہ اُس نے گناہ کیا اور نہ اُس کے مُنہ سے کوئی بُمکر کی بات نکلے“

(قب یسعیاہ ۵۳: ۹)۔

آیت ۲۳ ”نہ وہ گالیاں کھا کر گالی دیتا تھا“ (قب یسعیاہ ۵۳: ۷)۔

آیت ۲۴ ”وہ آپ ہمارے گناہوں کو اپنے بدن پر لئے ہوئے صلیب پر چڑھ گیا“

(قب یسعیاہ ۵۳: ۱۱، ۴)۔

آیت ۲۴ ”اُسی کے مار کھانے سے تم نے شفا پائی“ (قب یسعیاہ ۵۳: ۵)۔

آیت ۲۵ ”پہلے تم بھیڑوں کی طرح بھٹکتے پھرتے تھے“ (قب یسعیاہ ۵۳: ۶)۔

جب ہم بچ جاتے ہیں تو چرواہے کے پاس آجاتے ہیں — اچھا چرواہا جس نے اپنی جان اپنی بھیڑوں کے لئے دی (یوحنا ۱۰: ۱۱)، بڑا چرواہا ”جو اپنے اُس گئے کسی جس کے لئے اُس نے اپنا خون بہایا بڑی محنت مشقت اور تھکے بغیر خبر گیری کرتا ہے“، اور سردار گلہ بان جو جلد ہی واپس آئے گا تاکہ اپنی بھیڑوں کو آسمان پر ہری ہری چراگاہوں میں لے جائے جہاں سے وہ کبھی نہ بھٹکیں گی۔

نجات کا مطلب ”اپنی رُوحوں“ کے گلہ بان کے پاس واپس آنا ہے۔ ہم اُس کی مخلوق ہیں لیکن گناہ کی وجہ سے گمراہ ہو گئے۔ اب ہم پھر اُس کی حفاظت میں آگئے اور ہمیشہ کے لئے محفوظ ہیں۔

د۔ بیوی کے اپنے خاوند کے ساتھ تعلقات

(۱: ۳-۶)

۱: ۳-۲۔ پطرس نے اس بات پر زور دیا کہ مسیحیوں کا فرض ہے کہ وہ انسانی حکومت اور اپنے مالکوں کی فرمانبرداری کریں۔ اب وہ ”بیویوں“ کے اپنے ”شوہروں“ کے تابع رہنے کے بارے میں بیان کرتا ہے۔

ہر ایک بیوی کو اپنے خاوند کے خواہ وہ ایمان دار ہے یا نہیں ”تابع“ رہنا چاہئے۔ خدا نے آدمی کو سربراہ مقرر کیا ہے اور اس کی مرضی ہے کہ بیوی اپنے خاوند کے اختیار کو مانے۔ خاوند اور بیوی کے درمیان تعلقات مسیح اور کلیسیا کے درمیان تعلقات کی تصویر ہیں۔ بیوی کو اپنے خاوند کی اُسی طرح تابع فرمانی کرنی چاہئے جیسے کلیسیا کو مسیح کی۔

اس جدید دور میں خواتین اُس مقام تک پہنچ رہی ہیں جہاں وہ مردوں پر اختیار رکھنے لگی ہیں اور ہماری سوسائٹی بھی عورتوں کی سرداری کی حامی بنتی جا رہی ہے۔ یہمت سی کلیسیاؤں میں عورتیں مردوں کی نسبت زیادہ سرگرم اور قابلِ نظر آتی ہیں۔ لیکن خدا کا کلام قائم ہے۔ مرد کی سرداری الٰہی حکم ہے۔ خواہ اس سلسلے میں دلائل کتنے ہی بچتے کیوں نہ نظر آتے ہوں بالآخر جب عورتیں مردوں پر اختیار رکھنے لگیں گی تو اس کا نتیجہ ماسوا مشکلات اور افزا تفری کے کچھ نہ نکلا گا۔

اگر خاوند ایمان دار نہیں تو بھی بیوی کو اُسے اپنا سربراہ تسلیم کرنا چاہئے۔ یہ مسیح پر اُس کے ایمان کی اُس کے لئے گواہی ہوگی۔ اُس کا بطور بیوی فرمانبردار، پرجہت اور غلصانہ کردار اپنے خاوند کو نجات دہندہ کے لئے حقیقت کا باعث بن سکتا ہے۔

اور وہ اُسے ”بغیر کلام“ بھی جیت سکتی ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ بیوی کو اپنے خاوند کو متواتر کلام سناتے رہنے کی ضرورت نہیں۔ وہ بیویاں جو ہر وقت خوشخبری کے بارے میں اپنے خاوندوں کے پیچھے پڑی رہتیں اور اُن کا ناک میں دم کئے رکھتی ہیں بہت نقصان کا باعث بنتی ہیں۔ یہاں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ بیویاں اپنے خاوندوں کے سامنے ہر روز مسیحی زندگی بسر کرنے سے اُنہیں جیتیں۔

لیکن فرض کریں ایک خاوند اپنی بیوی کی مسیحی زندگی میں رکاوٹ بنتا ہے تو اُسے کیا کرنا چاہئے؟ اگر وہ اُسے کلام کے کسی واضح حکم کو ماننے سے انکار کرنے کے لئے کہتا ہے تو وہ خاوند کا حکم نہ مانے بلکہ خداوند سے ہاتھ وفادار رہے۔ لیکن اگر اس کا تعلق صاف مسیحی حکم کی بجائے کسی مسیحی استحقاق سے ہے تو وہ اپنے خاوند کی بات مانے اور اپنے استحقاق سے دستبردار ہو جائے۔

جب پطرس کسی ایمان دار عورت کی کسی غیر ایمان دار آدمی سے شادی کے بارے میں بیان کرتا ہے تو وہ غیر ایمان داروں سے شادی کے ساتھ اتفاق نہیں کر رہا ہے۔ یہ خدا کی کبھی مرضی نہیں ہے۔ یہاں وہ بنیادی طور پر اُن بیویوں کے بارے میں بات کر رہا ہے جو شادی کے بعد مسیح کے پاس آئی تھیں۔ اُن کا فرض ہے کہ وہ اپنے غیر ایمان دار خاوند کے بھی تابع رہیں۔

ممکن ہے کہ ایک غیر نجات یافتہ خاوند اپنی بیوی کا ”پاکیزہ چال چلن“ اور خوف دیکھ کر متاثر ہو جائے۔ اور ہو سکتا ہے کہ پاک رُوح اس کے ذریعہ اُسے اُس کے گناہوں کی طرف سے قائل

کرے اور وہ مسیح پر ایمان لے آئے۔

جارج مٹرنے ایک دولت مند جرمن کے بارے میں بتایا جس کی بیوی بڑی سرگرم مسیحی تھی۔ وہ سخت شرابی تھا اور رات گئے تک شراب خانہ میں بیٹھا رہتا تھا۔ بیوی نوکر کو سونے کے لئے بھیج دیتی لیکن خود اُس کے انتظار میں بیٹھی رہتی، اور جب وہ آتا تو اُسے خوش آمدید کہتی۔ اُس نے اُس سے نہ تو کبھی شکوہ کیا اور نہ کبھی اُسے برا بھلا کہا۔ بعض اوقات تو وہ اُس کے کچڑ میں لت پت کپڑے تبدیل کرتی اور بستر میں لٹا دیتی۔

ایک رات اُس نے شراب خانہ میں اپنے ہم مشربوں سے کہا ”میں شرط لگانا ہوں کہ اگر ہم اس وقت گھر جائیں تو میری بیوی بیٹھی میرا انتظار کر رہی ہوگی۔ وہ دروازہ پر آئے گی اور ہمارا شاہانہ استقبال کرے گی اور اگر ہم کہیں تو وہ رات کا کھانا بھی تیار کر دے گی۔“

پہلے تو اُس کے دوستوں نے یقین نہ کیا لیکن پھر انہوں نے اُس کے ساتھ جا کر دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ وہ واقعی دروازہ پر موجود تھی۔ اُس نے انہیں خوش آمدید کہا اور خوشی اُن کے لئے کھانا تیار کرنے لگی۔ اُس کے چہرہ پر خفگی کا ذرہ بھر بھی نشان نہیں تھا۔ پھر وہ اُن کو کھانا پیش کرنے کے بعد اپنے کمرہ میں چلی گئی۔ چونکہ وہ وہاں سے رخصت ہوگئی ایک دوست خاوند کو برا بھلا کہنے لگا ”تم کیسے آدمی ہو کہ اتنی اچھی عورت کے ساتھ اتنا برا سلوک کرتے ہو؟“ وہ دوست اٹھا اور کھانا کھاٹے بغیر گھر سے نکل گیا۔ دوسرے نے بھی ویسا ہی کیا اور پھر تیسرے نے، یہاں تک کہ سب کھانا کھاٹے بغیر اٹھ کر چلے گئے۔ آدھے گھنٹے کے اندر اندر خاوند اپنی بڑائی کا اور خاص طور پر اپنی بیوی سے ظالمانہ سلوک کرنے کا قائل ہو گیا۔ وہ اپنی بیوی کے کمرے میں گیا اور اپنے لئے دُعا کرنے کو کہا۔ پھر اُس نے اپنے آپ کو مسیح کے حوالے کر دیا۔ اُس وقت سے وہ خاوند یسوع کا سرگرم شاگرد بن گیا۔ وہ ایک لفظ کبھی بغیر جیت لیا گیا۔

جارج مٹرن نصیحت کرتا ہے :

”اگر آپ کو اپنے غیر نجات یافتہ رشتہ دار کے باعث دکھ اٹھانا پڑتا ہے تو ہمت نہ ہاریں۔ ممکن ہے خاوند جلد ہی آپ کی دلی خواہش پوری کر دے اور اُن کے لئے آپ کی دُعاؤں کا جواب دے۔ دیریں اُشنا آپ اُن کے سامنے سچائی کو پیش کرنے کی کوشش کریں، لیکن اپنے ساتھ اُن کے سلوک پر سرزنش کرنے سے نہیں بلکہ خاوند یسوع مسیح کی حلیمی،

شرافت اور مہربانی کے سلوک کے ذریعہ سے۔

۳:۳۔ ایسا لگتا ہے کہ یہاں موضوع عورتوں کے لباس کی طرف مڑ گیا ہے، لیکن درحقیقت رسول یہاں بنیادی طور پر ان طریقوں کے متعلق بیان کر رہا ہے جن سے ایک بیوی اپنے خاوند کو خوش کر سکتی ہے، اُس کی خدمت کر سکتی ہے۔ یہ اُس کی بیوقوفی ظاہر داری نہیں ہے بلکہ اُس کی باطنی زندگی کی پاکیزگی اور تابع فرمانی ہے جو اُس پر اثر کرے گی۔

مختلف قسم کے ظاہری ”سنگار“ سے بچنا چاہئے :

۱۔ ”سُرگوندھنا“۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ اس میں سیدھا سادہ جوڑا باندھنا یا چوٹی بنا نا شامل نہیں ہے۔ غالباً یہاں پطرس کا اشارہ اُس پہاڑی مانگ پٹی کی طرف ہے جس میں اُونچے اُونچے جوڑے بنائے جاتے ہیں اور جو قدیم دور میں بڑے مقبول تھے۔

۲۔ ”سوئے کے زیور“۔ بعض مفسر اس کی یہ تشریح کرتے ہیں کہ سونے کے زیور قطعی منع ہیں۔ دوسروں کی یہ رائے ہے کہ ان کی ضرورت سے زیادہ نمائش منع ہے۔

۳۔ ”طرح طرح کے کپڑے پہننا“۔ ظاہر ہے کہ کپڑے پہننا تو منع نہیں، لیکن بھرکلیے لباس پہننے سے گریز کرنا چاہئے۔ یہ دیکھنے کے لئے کہ خدا طرح طرح کی نمائشی زیبائش کے بارے میں کیا کہتا ہے یسعیاہ ۳: ۲۵-۲۶ دیکھئے۔

لباس

جہاں تک لباس اور زیورات کا تعلق ہے ہمیں ایمان دار عورتوں اور مردوں کے بارے میں کلام میں راجحاً اصول ملتے ہیں۔ پہلا اصول اخراجات ہیں۔ ہم اپنی پوشاک پر کتنا خرچ کرتے ہیں؟ کیا یہ ضروری ہے؟ کیا اُس پیسے کو زیادہ بہتر طریقے سے خرچ کیا جاسکتا ہے؟

۱۔ تیمتھیس ۹:۲ میں قیمتی ملبوسات سے منع کیا گیا ہے: ”نہ۔۔۔ قیمتی پوشاک سے“۔ سوال یہ نہیں ہے کہ ہم اتنا خرچ کرنے کے قابل ہیں یا نہیں۔ ایک مسیحی کے لئے قیمتی کپڑوں پر بے خرچ کرنا گناہ ہے کیونکہ خدا کا کلام منع کرتا ہے۔ محبت بھی منع کرتی ہے۔ ہمارے پڑوسیوں اور دوسرے ملکوں میں لوگوں کی قابل رحم حالت، اور اُن کی مذہبی اور جسمانی ضروریات ہمیں اپنے ملبوسات پر غیر ضروری طور پر خرچ کرنے سے روکتی ہیں۔

اس کا اطلاق نہ صرف ہمارے کپڑے کی قسم یا کوالٹی پر ہوتا ہے بلکہ تعداد پر بھی۔

بعض مسیحیوں کی الماریاں دیکھ کر یوں لگتا ہے جیسے کہ کوئی کپڑوں کی دکان ہو۔

ہم ایسا کیوں کرتے ہیں؟ کہیں اس کا تعلق تکبر سے تو نہیں؟ ہم اپنے آپچھ ذوق اور خوش لباس نظر آنے کی تعریف کے بڑے مستحق رہتے ہیں۔ کپڑوں کی خریداری پر جو اخراجات اٹھتے ہیں اسے کپڑا پسند کرتے وقت ہماری راہنمائی کرنی چاہیے۔

ایک اور بات حیا دار لباس ہے۔ پولس کہتا ہے کہ شرم اور پرہیزگاری کے ساتھ شرم کا ایک مطلب "شائستگی" بھی ہے۔ لباس کا ایک کام تو ننگے پن کو ڈھانپنا ہے۔ کم از کم ابتدا میں یہی مقصد تھا۔ لیکن اب ایسا لگتا ہے کہ لباس ایسے تیار کئے جاتے ہیں جس سے جسم کی زیادہ سے زیادہ نمائش ہو۔ یوں انسان اپنی شرم میں فخر محسوس کرنے لگا ہے۔ اگر غیر ایمان دار ایسا کرتے ہیں تو اس میں کوئی تعجب کی بات نہیں لیکن جب ایمان دار اُن کی نقل کرتے ہیں تو بڑا دکھ ہوتا ہے۔

لیکن حیا دار کا مطلب پرکشش بھی ہو سکتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسیحیوں کو صاف ستھرا لباس پہننا چاہیے۔ میلے کچیلے اور بے ڈھنگے سے کپڑے پہننا کوئی خوبی نہیں ہے۔ ایمان داروں کا لباس صاف ستھرا، استری کیا ہوا اور اچھا سلا ہوا ہونا چاہیے۔ مختصر مسیحیوں کو ایسے فیشن سے اجتناب کرنا چاہیے جس سے وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن جائیں۔ اُس کی زندگی کا مقصد یہ نہیں ہے۔ وہ زمین کی زیبائش نہیں ہیں بلکہ انکوڑ کی پھل پیدا کرنے والی ایک شاخ۔ ہم مختلف طریقوں سے لوگوں کی توجہ اپنی طرف مبذول کرا سکتے ہیں۔ پرانے فیشن کے کپڑے پہننے سے بھی یہی کچھ ہوتا ہے۔ مسیحیوں کو ایسے کپڑے پہننے سے پرہیز کرنا چاہیے جو عام نہ ہوں یا شوخ رنگ یا بد سلیقہ اور بے ڈھنگے ہوں۔

آخری بات یہ ہے کہ مسیحیوں کو ایسے ملبوسات سے دور رہنا چاہیے جو جذبات کو بھڑکاتے ہوں۔ ہم نے پہلے ہی ایسے فیشنوں کا ذکر کیا ہے جو جسم کی نمائش کرتے ہیں۔ لیکن پورے جسم کو ڈھانپنے کے باوجود بھی لباس دوسروں میں ناپاک خواہشات پیدا کر سکتے ہیں۔ جدید فیشنوں کا مقصد روحانیت کی حوصلہ افزائی کرنا نہیں ہے۔ اس کے برعکس وہ ذہنوں میں جنسیات کو بٹھادیے ہیں۔ ایمان داروں کو ایسی پوشاک کبھی زیب تن نہیں کرنی چاہیے جو جذبات کو بھڑکائے یا دوسروں کے لئے مسیحی زندگی بسر کرنا مشکل بنا دے۔

بے شک، ایک بڑا مسئلہ دوسروں کی تقلید کرنے کا دباؤ ہے۔ مسیحیوں کو فیش میں انتہا پسندی کا مقابلہ کرنے، لوگوں کے خیالات کے بہاؤ کے خلاف تیرنے اور حیا دار پوشاک پہننے کے لئے بے حد ہمت کی ضرورت ہے۔

اگر ہم اپنی پوشاکوں کی الماریوں کا مالک مسیح کو بنا دیں تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔

۴:۳ - ایک ایمان دار کو جو پوشاک حقیقتاً پرکشش بنا دیتی ہے وہ اُس کی پوشیدہ

السانیت کی خوبصورتی ہے۔ فیش ایبل بال ناٹا، قیمتی لباس اور زیورات، یہ سب فانی ہیں۔ یہ واضح موازنہ پیش کرنے کے بعد پطرس ہمیں انتخاب کا پہلچ دیتا ہے۔ ایف۔ بی۔ میٹر کتنا ہے "ایسے ہمت سے ہیں جن کا ظاہری بدن خوب بنا ٹھنڈا اور سجا ہوا ہے لیکن اُن کا باطنی انسان چیتھڑوں میں لپٹا ہوا ہے۔ لیکن کچھ ایسے ہیں جن کا لباس پھٹا پڑا ہے لیکن باطن شان دار ہے۔"

لوگ جو اہرات کو قیمتی سمجھتے ہیں لیکن "خدا" کے نزدیک "حلم اور مزاج کی غربت" کی بڑی

قدر ہے۔

۵:۳ - عبد عتیق کے زمانہ کی خدا پرست عورتیں اپنے آپ کو اپنی باطنی زندگی میں اخلاقی

اور روحانی خوبصورتی پیدا کر کے "سنواری" تھیں۔ اس خوبصورتی کا ایک پہلو یہ تھا کہ وہ اپنے شوہر کے تابع رہتی تھیں۔ "یہ مقدس عورتیں" خدا پر امید رکھنے والی تھیں۔ وہ ایسی زندگی بسر کرتی تھیں جس کا مرکز خدا تھا۔ تمام باتوں میں خدا کو خوش کرنے کے لئے وہ اپنے گھروں میں اُس کا حکم مانتی تھیں اور اپنے شوہر کے تابع رہتی تھیں۔

۶:۳ - یہاں "سارہ" کو بطور مثال پیش کیا گیا ہے۔ وہ ابراہام کے حکم میں رہتی اور

اُسے خداوند کہتی تھی۔ یہ پیدائش ۱۸:۱۲ کی طرف اشارہ ہے جہاں سارہ نے اپنے دل میں کہا۔ اُس نے اس تابع فرمانی کا اظہار اُسے کھلے عام خداوند کہنے سے نہیں کیا بلکہ وہ اپنی باطنی زندگی میں اُسے اپنا سربراہ جانتی تھی اور اس اقرار کا اظہار وہ اپنے غلوں سے کرتی تھی۔

وہ عورتیں جو سارہ کی پیروی کرتی ہیں اُس کی بیٹیاں ہیں۔ یہودی عورتیں فطری پیدائش کے وسیلے سے سارہ کی اولاد تھیں۔ لیکن حقیقی معنوں میں اُس کی "بیٹیاں" ہونے کے لئے لازمی ہے کہ وہ اُس کے ذاتی کردار کی بھی پیروی کریں۔ بہتوں میں اپنے خاندان کی مشابہت ہونی چاہئے۔

وہ نیکی کریں اور کسی بات سے خوف زدہ نہ ہوں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسیحی یہودی

کو خدا نے ایک تابع فرمان مددگار ہونے کا جو فرض سونپا ہے وہ اُسے نبھائے۔ ممکن ہے اُسے اپنے غیر سخاوت یافتہ خاوند کے نامناسب کردار کی وجہ سے دکھ اٹھانا پڑے لیکن وہ خوف زدہ نہ ہو ماسوا اس کے کہ وہ اُس پر تشدد کرے یا اُس کی جان کو خطرہ ہو۔

۵۔ خاوند کے بیوی کے ساتھ تعلقات (۷:۳)

۷:۳۔ اب رسول شوہروں کی طرف متوجہ ہوتا ہے اور اُنہیں وہ فرائض دکھاتا ہے جو انہیں ضرور ہی پورے کرنے چاہئیں۔ وہ اپنی بیویوں کے آدم کا خیال رکھیں اور اُن سے محبت اور خوش خلقی کا اظہار کریں اور اُن کے ساتھ ”عقل مند“ سے بسر کریں۔ وہ اپنی بیویوں کو نازک طرف جانیں کیونکہ صنفِ نازک کے ساتھ ایسا ہی رویہ مناسب ہے۔

ان دنوں میں جبکہ تحریکِ آزادی نسوان زوروں پر ہے تو ممکن ہے کسی کو بائبل کا عورتوں کو بطور ”نازک ظرف“ بیان کرنا بے وقت کی راگنی معلوم ہو! لیکن یہ زندگی کی سادہ سی حقیقت ہے کہ جسمانی لحاظ سے عام طور پر عورتیں آدمیوں کی نسبت کمزور ہیں۔ پھر عورتوں کے پاس عام طور پر اپنے جذبات کو کنٹرول کرنے کی وہ قوت نہیں ہے جو آدمیوں کے پاس ہے اور وہ عقل کی بجائے جذبات کی رُو میں بہہ جانے کے زیادہ خطرے میں جوتی ہیں۔ نیز علمِ الہی کے گہرے مسائل سے پٹپٹا اُن کو نسبتاً مشکل لگتا ہے۔ اور عام طور پر وہ آدمیوں کی نسبت دوسروں پر زیادہ انحصار کرتی ہیں۔

لیکن اس حقیقت کا کہ بعض باتوں میں عورتیں کمزور ہیں یہ مطلب نہیں کہ وہ آدمیوں سے کم تر ہیں۔ بائبل کبھی یہ نہیں کہتی۔ اور نہ اس کا یہ مطلب ہے کہ بعض باتوں میں وہ زیادہ مضبوط یا بالاعتماد نہیں ہو سکتیں۔ بہر حال یہ ایک حقیقت ہے کہ عام طور پر عورتیں، مردوں کی نسبت مسیح کے ساتھ زیادہ مخلص جوتی ہیں، اور وہ لمبی مصیبتوں اور دکھوں کو زیادہ مستقل مزاجی سے برداشت کر سکتی ہیں۔

ایک آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ رویہ اس بات کا غماز ہونا چاہئے کہ وہ بھی اُس کے ساتھ ”زندگی کی نعمت“ کی وارث ہے۔ اس کا تعلق اُس جوڑے سے ہے جس میں دونوں ہی ایمان دار ہیں۔ اگرچہ عورت بعض باتوں میں آدمی سے کمزور ہے، تاہم خدا کی نظر میں اُسے بھی وہی کچھ حاصل ہے جو آدمیوں کو ہے اور انہی کی طرح وہ بھی ابدی زندگی کی وارث ہے۔

پھر وہ اس بات میں اپنے خاوند سے بڑھ کر ہے کہ وہ ایک نئی جسمانی زندگی کو اس دنیا میں لاتی ہے۔ جب آپس میں اختلاف ہو تو دعائیں رک جاتی ہیں۔ ”مَجْرُوحِ یسویٰ کی آپس، خاوند کی دُعا اور خُدا کے سُننے میں حائل ہو جاتی ہیں۔“ پھر اُس جوڑے کے لئے رُل کر دُعا کرنا مُشکل بن جاتا ہے جب کوئی بات اُن کی رفاقت میں رخنہ انداز ہو۔ گھر میں اُسن و سلامتی کے لئے میاں بیوی کو چند ایک بنیادی اُصولوں پر غور کرنا چاہئے :

- ۱۔ باہمی اعتماد کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ پوری دیانت داری سے کام لیں۔
- ۲۔ رابطہ کی لائن کو کھلا رکھیں۔ مسائل پر بات چیت کے لئے ہر وقت تیار رہیں۔
- جب بوائٹلر میں بھاپ کو بستے رہنے دیا جاتا ہے تو اُس کا پھٹنا لازمی بن جاتا ہے۔ بات چیت کرنے کے لئے تیار رہنے میں یہ بھی شامل ہے کہ ہر ایک یہ کہنے کو تیار ہو کہ ”مجھے افسوس ہے“ اور مُعاف کرنے کو بھی وہ ہمیشہ راضی ہو۔
- ۳۔ چھوٹی چھوٹی غلطیوں اور مخصوص طرزِ کلام کو نظر انداز کریں۔ محبت بے شمار گناہوں پر پترہ ڈالتی ہے۔ جب آپ اپنے میں کاملیت پیدا نہیں کر سکتے تو دوسروں سے بھی اس کی توقع نہ رکھیں۔

- ۴۔ مالی معاملات میں اتحاد پیدا کرنے کی کوشش کریں۔ آمدنی سے زیادہ خرچ کرنے، قسطوں پر چیزیں خریدنے اور اپنا دوسروں سے مقابلہ کرنے سے بچیں۔
- ۵۔ یاد رکھیں کہ محبت مُحکم ہے۔ یہ کوئی ناقابلِ کنٹرول جذبات کا نام نہیں ہے۔ محبت کا مطلب وہ کچھ ہے جس کا ۱۔ کرنٹھیوں ۱۳ میں بیان ہے۔ مثلاً یہ آپ کو دوسروں کے سامنے اپنے شریکِ زندگی پر نکتہ چینی کرنے یا اُس کی مخالفت کرنے سے روکے گی۔ محبت آپ کو اپنے بچوں کے سامنے لڑنے جھگڑنے سے منع کرے گی۔ ان سے اور دیگر سینکڑوں طریقوں سے محبت گھر میں خوشگوار ماحول پیدا کرتی ہے اور لڑائی جھگڑوں اور علیحدگی کے امکان کو ختم کر دیتی ہے۔

و۔ جماعت کے ساتھ تعلقات (۸:۳)

۸:۳۔ یہ آیت بنیادی طور پر ایمان وار اور اُس کے کلیسیا کے ساتھ تعلق کو بیان کرتی ہے جیسا کہ بھائیوں کے ایک دل رہنے اور محبت رکھنے کی نصیحت سے ظاہر ہوتا ہے۔ باقی

تین نصیحتوں کا اطلاق وسیع ہو سکتا ہے۔

لفظ ”غرض“ کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پطرس اس خط کو ختم کر رہا ہے۔ چونکہ وہ مختلف قسم کے لوگوں مثلاً نوکروں، بیویوں اور خاوندوں سے مخاطب رہا ہے، اس لئے اب آخر میں وہ اُن سب سے مخاطب ہے۔

”سب کے سب یکدل رہو۔“ یہ توقع نہیں کی جاسکتی کہ سب مسیحی تمام باتوں کو ایک ہی نظر سے دیکھیں گے۔ وہ مطابقت تو ہوگی لیکن یگانگت نہیں۔ بہترین فارمولا اس مشہور کماوت میں پایا جاتا ہے: ”بنیادی باتوں میں یگانگت، غیر ضروری باتوں میں آزادی، ہر بات میں محبت۔“ ہم ایک دوسرے سے ”برادرانہ محبت“ رکھیں۔

”برادرانہ محبت رکھو۔ ایک نامعلوم مصنف لکھتا ہے:

خدا ہم سے یہ نہیں پوچھتا کہ ہم کس کو اپنا پڑوسی بنانا چاہتے ہیں۔ یہ بات ہمارے لئے طے کر دی گئی ہے۔ بلکہ ہمیں اپنے فطری رجحان اور پسند سے بالا اُن سے محبت رکھنی چاہئے۔ آپ کہیں گے ”یہ ناممکن ہے۔“ لیکن یاد رکھیں کہ سچی محبت جوش میں پیدا نہیں ہوتی بلکہ ارادہ میں، احساسات میں نہیں بلکہ کرنے میں، جذبات میں نہیں بلکہ عمل میں، نرم الفاظ میں نہیں بلکہ شائستہ اور بے غرض کاموں میں۔

”نرم دل“ کا مطلب ایسا دل ہے جو دوسروں کی ضروریات اور محسوسات کے بارے میں حساس ہو۔ یہ برے برتاؤ کے باوجود ٹھنڈا پڑنے، بے حس ہونے یا ترش رو اور روکھا بننے سے انکار کرتا ہے۔

”فروتن“ یہ نہایت مناسب ہے کہ ہم اسے ایک مسیحی خوبی کے طور پر دیکھیں۔ فی الحقیقت اس کا مطلب دوسروں کے بارے میں عظیمی سے سوچنا، دوسروں کو اول درجہ دینا اور اُن کے بارے میں پُر فضل باتیں کہنا اور کرنا ہے۔ فروتنی، اپنی خدمت سے پیٹے دوسروں کی خدمت کرتی ہے، دوسروں کی خدمت کرنے کے موقع کی تلاش میں رہتی ہے اور اپنے ساتھ مہربانی کے سلوک پر فوراً شکر یہ ادا کرتی ہے۔ یہ کبھی بھی اکٹھڑ، بیہودہ اور گستاخ نہیں ہوتی۔

ز۔ مظلوم کے ظالم کے ساتھ تعلقات (۹:۳)

۹:۳- یہ سارا خط ایذا رسانی اور دکھوں کے پس منظر میں لکھا گیا ہے۔ اس آیت سے ۶:۴ تک موضوع ”مسیحی کے ایذا دہندہ کے ساتھ تعلقات“ ہے۔ ایمان داروں کو بار بار روئے عمل ظاہر کئے بغیر راست بازی کی خاطر دکھ اٹھانے کو کہا گیا ہے۔ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ”بدی کے عوض بدی نہ کرو اور گالی کے بدلے گالی نہ دو“۔ اس کے برعکس ہمیں اُن کو جو ہمارے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہیں برکت دینی چاہئے اور بے عزتی کے بدلے مہربانی سے پیش آنا چاہئے۔ ہمیں دوسروں کو نقصان پہنچانے کی بجائے اُن کے ساتھ نیکی کرنی چاہئے اور لعنت کی بجائے برکت دینی چاہئے۔ تب خدا اس قسم کے رویہ کے بدلے میں ہمیں ”برکت“ دے گا۔

۱۰:۳- آیات ۱۰-۱۲ میں پطرس اس بات کی تصدیق کرنے کے لئے زبور ۳۴: ۱۲-۱۶ الف سے اقتباس کرتا ہے کہ خدا کی برکات اُن کو ملتی ہیں جو بدی کے کاموں اور بُری گفتگو سے دور رہتے اور راست بازی کے عمل کرتے ہیں۔

پہلی آیت کا زور اس پر ہے کہ وہ جو ”زندگی“ سے پوری طرح لطف اندوز ہونا اور اچھے ”دن“ دیکھنا چاہتا ہے ”بدی“ کی ”یا مکر“ کی باتوں سے ”باز“ رہے۔ اُسے اینٹ کا جواب پتھر سے نہیں دینا چاہئے۔

”زندگی سے خوش“ ہونے کی مذمت یوحنا ۱۱: ۲۵ میں بھی کی گئی ہے لیکن وہاں اس کا مطلب خود غرضانہ زندگی بسر کرنا اور زندگی کے حقیقی مقصد کی طرف سے آنکھیں بند کر لینا ہے۔ یہاں اس کا مطلب جس قسم کی خدا چاہتا ہے ویسی ہی زندگی بسر کرنا ہے۔

۱۱: ۳- نہ صرف بدی کی باتوں سے بلکہ بدی کے کاموں سے بھی منع کیا گیا ہے۔ وُنیواوی ہتھیاروں کو استعمال کرنا زلت کا باعث ہے۔ ایمان داروں کو ”بدی“ کے بدلے ”نیکی“ کرنی چاہئے اور حلیمی سے برداشت کرتے ہوئے صلح کو بڑھانا چاہئے۔ آگ کا مقابلہ آگ سے نہیں کیا جاسکتا۔

”بدی پر غالب آنے کا صرف ایک ہی طریقہ ہے کہ اُسے چیلنج دیں تاکہ اُسے وہ مخالفت نہ ملے جس کی وہ مُتلاشی ہے۔ مخالفت مزید بدی پیدا کرتی اور جلتی پرتیں ڈالتی ہے۔ لیکن جب بدی کی مخالفت نہیں کی جاتی بلکہ صبر سے برداشت

کی جاتی ہے تو اس کا ڈنک ٹکل جاتا ہے اور آخر کار اس کا سامنا ایک ایسے مخالف سے ہوتا ہے جو اس سے کہیں طاقتور ہوتا ہے۔ لیکن یہ صرف اُس وقت ہی ہو سکتا ہے جبکہ مخالفت کو بالکل ترک کر دیا جائے اور بدلہ لینے کا خیال قطعی نکال دیا جائے۔ تب بدی کو راستہ نہیں ملے گا۔ بدی مزید بدی کو جہنم نہیں دے گی اور وہ بانجھ ہو جائے گی۔

۱۲:۳- ”خداوند“ اُن کو جو راست بازی کے کام کرتے ہیں پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ اُن کی ”دُعا“ کو سنتا ہے۔ بلاشبہ خدا کے کان اپنے تمام لوگوں کی دُعاؤں پر لگے رہتے ہیں، لیکن وہ اُن کی دُعا کو جو سچ کی خاطر دُکھ اٹھاتے اور بدی کے عوض بدی نہیں کرتے ایک خاص مفہوم میں سنتا ہے۔

”مگر بدکار خداوند کی نگاہ میں ہیں۔“ اس کا بنیادی اشارہ خدا کے لوگوں کے ایذا پہنچانے والوں کی طرف ہے۔ لیکن اس میں وہ ایمان دار بھی شامل ہیں جو اپنے دشمنوں کے خلاف جہاں تشدد پر اتر آتے اور سخت زبان استعمال کرتے ہیں۔ ”بدی“ بدی ہے اور جہاں کہیں بھی ہو خدا اس کی مخالفت کرتا ہے، خواہ یہ ایمان داروں میں ہو یا بے ایمانوں میں۔

زبور ۱۶:۳ کا حوالہ دیتے وقت پطرس اس کے اختتامی الفاظ چھوڑ دیتا ہے۔ ”... تاکہ اُن کی یاد زمین سے مٹا دے۔“ ایسا جھول پھوک کی وجہ سے نہیں ہوا۔ ہم فضل کے زمانہ میں رہ رہے ہیں جو خداوند کا سالِ مقبول ہے۔ ہمارے خدا کی عدالت کا دن ابھی نہیں آیا ہے۔ جب خداوند یسوع بطور بادشاہوں کا بادشاہ اور خداوندوں کا خداوند آئے گا تو وہ بدکاروں کو سزا دے گا اور زمین سے اُن کی یاد تک مٹا دے گا۔

۱۳:۳- پطرس اپنی بات کو ایک سوال کے ذریعہ جاری رکھتا ہے: ”اگر تم نیکی کرنے میں سرگرم ہو تو تم سے بدی کرنے والا کون ہے؟“ اس کا جواب یہ ہے کہ ”کوئی بھی نہیں۔“ لیکن اس کے باوجود بھی شہیدوں کی تاریخ ثابت کرتی ہے کہ خوشخبری کے دشمن خدا کے وفادار شاگردوں کو نقصان پہنچاتے ہیں۔

اس نظر تناقض کی دو ممکنہ تشریحات ہیں :

۱- عام طور پر جو راست بازی کی راہ پر چلتے ہیں انہیں نقصان نہیں پہنچتا۔ مُقابلہ نہ کرنے کی پالیسی مخالفت کو نہٹا کر دیتی ہے۔ ممکن ہے کچھ مستثنیات ہوں لیکن عام طور پر جو

راستی کا مشتاق ہوتا ہے اُس کی نیکی اُس کی حفاظت کرتی ہے۔

۲۔ دشمن کا بدترین سلوک بھی ایک مسیحی کو ابدی نقصان نہیں پہنچاتا۔ دشمن اُس کے بدن کو تو زخمی کر سکتا ہے مگر اُس کی روح کا کچھ نہیں ہکاڑ سکتا۔

دوسری جنگِ عظیم کے دوران بارہ برس کے ایک مسیحی لڑکے نے یورپ میں ایک تحریک میں شامل ہونے سے انکار کر دیا۔ انہوں نے کہا کیا تم نہیں جانتے کہ ہم تمہیں ہلاک کرنے کا اختیار رکھتے ہیں؟ اُس نے جواب دیا کیا تم نہیں جانتے کہ میں مسیح کی خاطر مرنے کا اختیار رکھتا ہوں؟ وہ اس بات کا قابلِ تھا کہ اُسے کوئی بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

۱۴:۳۔ لیکن فرض کریں کہ نجات دہندہ کے ساتھ اپنی وفاداری کے باعث ایک مسیحی دکھ اٹھاتا ہے تو پھر کیا ہوگا؟ اس کے تین نتائج نکلتے ہیں :

۱۔ خدا اُس کے دکھ کو اپنے جلال کے لئے استعمال کرے گا۔

۲۔ وہ ان دکھوں کو دوسروں کو برکت دینے کے لئے استعمال کرے گا۔

۳۔ وہ اُس کو جو اُس کے نام کی خاطر دکھ اٹھاتا ہے برکت دے گا۔

آدمی سے یا ان کے ڈرانے سے نہ ڈرو۔ شہیدوں نے اس پالیسی کو بہت اچھی طرح نبھایا۔ جب پالکاپ سے وعدہ کیا گیا کہ اگر وہ مسیح کی شان میں گستاخی کرے یا کفر کے تو اُسے رہا کر دیا جائے گا۔ پالکاپ نے جواب دیا "میں نے چھیالیس سال تک مسیح کی خدمت کی ہے اور اُس نے کبھی میرے ساتھ بُرائی نہیں کی۔ میں اپنے بادشاہ اور نجات دہندہ کی گستاخی کیسے کر سکتا ہوں؟ جب گورنر نے دھمکی دی کہ وہ اُسے جنگلی درندوں کے آگے ڈال دے گا تو اُس نے جواب دیا "یہ تو میرے لئے اور بھی اچھا ہوگا کہ میں اس دکھ بھری زندگی سے جلد چھٹکارا پا لوں گا۔" آخر میں حاکم نے اُسے زندہ جلانے کی دھمکی دی۔ پالکاپ نے کہا "میں اس آگ سے جو عارضی طور پر جلانے کی نہیں ڈرتا۔ تم اُس آگ کے بارے میں نہیں جانتے جو ہمیشہ جلتی رہتی ہے۔"

۱۵:۱۳۔ آیت ۱۴ کے آخری حصے میں پطرس یسعیاہ ۸: ۱۲ اور ۱۳ سے اقتباس کرتا ہے جو یوں ہے "جس سے وہ ڈرتے ہیں تم نہ ڈرو اور نہ گھبراؤ۔ تم ربّ الافواج ہی کو مقدّس جانو اور اُسی سے ڈرو اور اُسی سے خائف رہو۔ کسی کا قول ہے کہ ہم خدا سے اس لئے زیادہ نہیں ڈرتے کیونکہ ہم آدمیوں سے بہت ڈرتے ہیں۔"

یسعیاہ کے اس حوالہ میں بتایا گیا ہے کہ صرف ربّ الافواج ہی ہے جس سے ہمیں ڈرنا چاہئے۔

اِس سے اقتباس کرتے ہوئے پطرس رسول رُوح القدس کی تحریک سے کہتا ہے مسیح کو خداوند جان کر اپنے دلوں میں مقدس سمجھو۔

خداوند کا احترام کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اُسے اپنی زندگی کا بادشاہ سمجھیں۔ جو کچھ ہم کہیں یا کریں وہ سب اُس کی مرضی کے مطابق، اُس کی خوشی اور اُس کے جلال کے لئے ہو۔ مسیح کی خداوندیت ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر یعنی ہمارے مال و دولت، ہمارے کاموں، ہماری آزادی، ہماری شادی اور ہمارے خالق وقت پر چھائی رہے۔ غرضیکہ ہماری کل زندگی اُس کے قبضے میں ہو۔ جو کوئی تم سے تمہاری اُمید کی وجہ دریافت کرے اُس کو جواب دینے کے لئے ہر وقت مستعد رہو مگر حلم اور خوف کے ساتھ۔

بنیادی طور پر اِس کا اطلاق اُس وقت ہوتا ہے جب مسیحوں کو اُن کے ایمان کی وجہ سے ستایا جاتا ہے۔ خداوند مسیح کی موجودگی کے احساس اور شعور کو ایمان داروں کو پاک دلیری پر ابھارنا چاہئے کہ وہ اپنے اچھے اِقرار کی گواہی دیں۔

اِس آیت کا اطلاق روزمرہ کی زندگی پر بھی ہوتا ہے۔ لوگ اکثر ہم سے سوال کرتے رہتے ہیں جس سے ہمارے لئے خداوند کے بارے میں بات کرنے کے لئے راستہ کھل جاتا ہے۔ ہمیں، انہیں یہ بتانے کے لئے "تیار رہنا" چاہئے کہ خداوند نے ہمارے لئے کتنے بڑے بڑے کام کئے ہیں۔ ہمیں یہ گواہی "حلم اور خوف" کے ساتھ دینی چاہئے۔ جب ہم اپنے نجات دہندہ اور خداوند کے بارے میں بات کریں تو ہم میں ترشی، تلخی اور غیر سنجیدگی نہیں ہونی چاہئے۔

۱۶:۳۔ ایمان دار کی "نیت بھی نیک" ہو۔ اگر وہ جانتا ہے کہ وہ کسی بھی جرم میں ملوث نہیں تو شیر کی سی دلیری کے ساتھ ایذا رسانی کو برداشت کر سکتا ہے۔ لیکن اگر اُس کا ضمیر سیلا ہے تو اُسے احساسِ جرم ہوتا رہے گا اور وہ اپنے دشمنوں کے سامنے کھڑا نہیں رہ سکیگا۔ اگر ایک ایمان دار کی زندگی بے الزام ہو تو بھی اُس کے دشمن اُس میں کوئی نہ کوئی عیب نکال لیں گے اور اُس پر جھوٹے الزام لگائیں گے۔ لیکن جب کیس کی عدالت میں سماعت ہوگی اور الزامات غلط ثابت ہوں گے تو الزام لگانے والے "شرمندہ" ہوں گے۔

۱۷:۳۔ اگر ایک ایمان دار کو "دکھ" اٹھانے ہی ہیں تو وہ اُسے نیک کاموں کے سبب سے اٹھانے چاہئیں۔ لیکن اگر وہ اپنے بُرے کاموں کے سبب سے اٹھاتا ہے تو اِس میں کوئی خوشی نہیں ہے۔

۱۸:۳۔ باقی باب ۳ ”مسیح“ کو ایک ایسی مُستند مثال کے طور پر پیش کرتا ہے جس نے راست بازی کی خاطر ”دکھ اٹھایا“، اور ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اُس کے لئے ”دکھ اٹھانا جلال تک پہنچنے کی راہ بنا۔“

مسیح کے ”دکھ اٹھانے کی چھ خصوصیات پر غور کریں : (۱) وہ کفارہ دینے کے لئے تھے یعنی وہ ایمان لانے والے گنہگاروں کو اُن کے ”گناہوں“ سے آزاد کرانے کے لئے تھے۔ (۲) وہ ابد تک مؤثر تھے۔ اُس نے ایک ہی بار مرکز گناہ کے سوال کا فیصلہ کر دیا۔ مخلصی کا کام مکمل ہو گیا۔ (۳) اُس کے ”دکھ“ عرضی تھے۔ ”راست باز“ نے ”نا راستوں کے لئے“ جان دی۔ ”خداوند نے ہم سب کی بدکرداری اُس پر لاد دی“ (یسعیاہ ۵۳: ۶)۔ (۴) وہ میل ملاپ کرانے کے لئے تھے۔ اُس کی موت کے ذریعہ ہم ”خدا“ کے پاس پہنچائے گئے ہیں۔ گناہ جس نے جدائی پیدا کی تھی ہٹا دیا گیا ہے۔ (۵) اُس کے ”دکھ“ پُر تشدد تھے۔ (۶) وہ اپنے عروج کو اُس کے جی اٹھنے سے پہنچے۔ وہ تیسرے دن مردوں میں سے جلا یا گیا۔ ان الفاظ کا کہ وہ ”روح کے اعتبار سے زندہ کیا گیا“ مطلب یہ ہے کہ اُس کا جی اٹھنا پاک روح کی قدرت سے تھا۔

۱۹:۳۔ آیات ۲۰، ۱۹۔ نئے عہد نامہ کی نہایت پریشان کن اور الجھاؤ پیدا کرنے والی آیات ہیں۔ ان کو اعراف اور عالمگیر نجات ایسی غیر بائبل تعلیمات کا بہانہ بنا لیا گیا۔ لیکن انجیلی مسیحیوں میں دو تشریحات مقبول ہیں :

پہلی تشریح کے مطابق مسیح نے اپنی موت اور جی اٹھنے کے درمیان روح میں عالم ارواح میں جا کر صلیب پر اپنے عظیم کام کی فتح کا اعلان کیا۔ اس نظریہ کے حامیوں کے درمیان اس بات پر اختلاف ہے کہ آیا یہ ”قیدی ارواحیں“ نجات یافتہ تھیں یا غیر نجات یافتہ یا دونوں۔ لیکن اس پر عام اتفاق ہے کہ خداوند یسوع نے ان میں انجیل کی منادی نہیں کی تھی۔ اس کا مطلب ایمان لانے کا دوسرا موقع دینے کی تعلیم ہوتا جس کی بائبل میں کہیں بھی تعلیم نہیں دی گئی ہے۔ وہ لوگ جو اس نظریہ کے قائل ہیں اکثر اس حوالے کا تعلق افسیوں ۴: ۹ سے جوڑتے ہیں جہاں بتایا گیا ہے کہ خداوند زمین کے نیچے کے علاقہ میں اُتر بھی تھا۔ وہ اسے ایک اضافی ثبوت کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ وہ اعراف میں بغیر جسم کے گیا اور اپنی کلوری کی فتح کی خوشخبری سنائی۔ اس کے علاوہ وہ رُحوں کے عقیدہ کے الفاظ کا حوالہ بھی دیتے ہیں کہ وہ عالم ارواح میں اُتر گیا۔“

دوسری تشریح یہ ہے کہ پطرس یہ بتا رہا ہے کہ نوح کے زمانہ میں کیا ہوا۔ طوفان سے

پیشتر مسیح کی رُوح نے نوح کے وسیلہ سے ایمان نہ لانے والوں میں منادی کی۔ اُس وقت وہ جسم سے الگ رُوحیں نہیں تھیں بلکہ پہلے پھرتے مرد و خواتین تھیں جنہوں نے نوح کی تنبیہ کو رد کر دیا اور طوفان میں ہلاک ہو گئیں۔ پس اب وہ اعراف کی قیدی رُوحیں ہیں۔

یہ دوسری تشریح متن کے ساتھ بڑی فٹ بیٹھتی ہے اور اس میں مشکلات بھی کم ہیں۔ آئیے ہم اس حوالہ کو جملہ بہ جملہ پرکھیں۔

”اسی میں اُس نے جا کر اُن قیدی رُوحوں میں منادی کی“۔ ظاہر ہے کہ یہاں اسم ضمیر اسی آیت ۱۸ کے آخر میں ”روح“ کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اس کا مطلب پاک رُوح ہے۔ اس خط کے ۱: ۱۱ میں ”مسیح کی رُوح“ یعنی پاک رُوح کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ عہدِ عتیق کے انبیاء کی معرفت کلام کرتا رہا۔ پیدائش ۳: ۶ میں خدا نے اپنی رُوح یعنی پاک رُوح کے متعلق بتایا کہ وہ طوفانِ نوح سے پہلے انسان کے ساتھ برداشت کی آخری حدوں کو چھو رہی ہے۔

”اُس نے جا کر... منادی کی“۔ جیسے کہ ہم نے پہلے بتایا ہے یہ مسیح تھا جس نے منادی کی لیکن یہ اُس نے نوح کے ذریعہ سے کی تھی۔ ۲- پطرس ۵: ۲ میں بتایا گیا ہے کہ نوح راستبازی کی منادی کرتا تھا۔ مسیح کی منادی کے لئے بھی یہی بنیادی لفظ استعمال ہوا ہے۔

”اُن قیدی رُوحوں میں“: یہ وہ لوگ تھے جن کے درمیان نوح نے منادی کی تھی۔ یہ زندہ مرد اور خواتین تھیں جنہیں قریب الوقوع طوفان اور کشتی میں نجات کے بارے میں آگاہ کیا گیا تھا۔ اُنہوں نے پیغام کو رد کر دیا اور طوفان کی نذر ہو گئے۔ اب وہ جسم کے بغیر قیدی رُوحیں تھیں جو آخری عدالت کا انتظار کر رہی تھیں۔

پس اس آیت کی تشریح یوں کی جاسکتی ہے: ”اُسی (پاک رُوح) میں“ اُس (مسیح) نے ”جا کر“ اُن قیدی رُوحوں میں (نوح کے ذریعہ) منادی کی۔“

لیکن ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ وہ قیدی رُوحیں نوح کے زمانہ کے لوگ تھے؟ اس کا جواب مابعد کی آیت میں ملتا ہے۔

۲۰: ۳۔ یہاں قیدی رُوحوں کی بلا شک و شبہ شناخت ہو جاتی ہے۔ وہ کون تھے؟ وہ جو اُس اگلے زمانہ میں نافرمان تھیں۔ ”وہ کب“ نافرمان تھیں؟ جب خدا نوح کے وقت میں تعمیل کر کے ٹھہرا رہا تھا اور وہ کشتی تیار ہو رہی تھی۔ اس کا آخری نتیجہ کیا نکلا؟ صرف تھوڑے سے آدمی یعنی اٹھ جاہل پانی کے وسیلہ سے بچیں۔“

اچھا ہو گا کہ ہم یہاں تھوڑا توقف کریں اور اس خط میں جو عام ایذارسانی کے پس منظر میں لکھا گیا تھا خیالات کے بہاؤ کے بارے میں سوچیں۔ پطرس نے جن مسیحیوں کو یہ خط لکھا وہ اپنی زندگی اور گواہی کی وجہ سے دکھ اٹھا رہے تھے۔ ممکن ہے وہ سوچتے ہوں کہ اگر مسیحی ایمان درست ہے تو وہ حکومت کرنے کی بجائے دکھ کیوں اٹھا رہے ہیں؟ اگر مسیحیت درست ایمان پر مبنی ہے تو اتنے کم مسیحی کیوں ہیں؟

پہلے سوال کا جواب دینے کے لئے پطرس خداوند یسوع کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ مسیح نے راست بازی کے باعث دکھ اٹھایا، یہاں تک کہ اسے موت سہنی پڑی۔ لیکن خدا نے اسے مردوں میں سے زندہ کیا اور آسمان میں جلال بخشا (دیکھئے آیت ۲۲)۔ جلال کا راستہ دکھوں کی وادی میں سے ہو کر گزرتا ہے۔

اس کے بعد پطرس ”نوح“ کا حوالہ دیتا ہے۔ اس وفادار مناد نے ۱۲۰ سال تک منادی کی کہ خدا دنیا کو پانی کے ذریعہ ہلاک کر دے گا۔ اُس کے اس پیغام کا تمسخر اڑایا گیا اور رد کر دیا گیا۔ لیکن خدا نے پانی کے طوفان سے اُس کی اور اُس کے خاندان کی جانیں بچا کر اسے درست ثابت کیا۔ پھر یہ سوال ہے کہ اگر ہم درست ہیں تو اتنے کم کیوں ہیں؟ پطرس اس کا جواب یہ دیتا ہے کہ ایک وقت تھا کہ صرف آٹھ آدمی درست تھے اور باقی تمام دنیا غلط تھی۔ دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ لوگوں کی اکثریت فطرتاً غلط ہے۔ عام طور پر حقیقی ایمان دار تھوڑے ہی ہوتے ہیں اس لئے ہمارا ایمان نجات یافتہ لوگوں کی تھوڑی تعداد دیکھ کر دگمگنا نہیں چاہئے۔ نوح کے زمانہ میں آٹھ آدمی تھے اور آج لاکھوں ہیں۔

آیت ۲۰ کے آخریں ہم پڑھتے ہیں کہ تھوڑے سے آدمی یعنی آٹھ جانیں پانی کے وسیلہ سے بچیں۔ یہ لوگ پانی سے نہیں بچے تھے بلکہ ”پانی کے وسیلہ سے“۔ پانی، نجات دہندہ نہیں تھا بلکہ عدالت جس کے ”وسیلہ سے“ خدا نے اُن کی جانیں بچائیں۔

اس بیان اور مابعد کے بیان کو سمجھنے کے لئے ہمیں کشتی اور طوفان کے علامتی معنوں کو دیکھنا چاہئے۔ کشتی، خداوند یسوع مسیح کی تصویر ہے، اور پانی کا طوفان خدا کی عدالت کو ظاہر کرتا ہے۔ بچنے کا واحد راستہ کشتی تھی۔ جب طوفان آیا تو صرف وہی لوگ بچے جو کشتی کے اندر تھے۔ لیکن وہ جو باہر تھے ہلاک ہو گئے۔ بعینہ مسیح نجات کا واحد راستہ ہے۔ وہ جو مسیح میں ہیں وہ بچ گئے ہیں۔ لیکن وہ جو مسیح سے باہر ہیں غیر محفوظ ہیں۔

پانی نجات کا ذریعہ نہ تھا کیونکہ جو پانی میں تھے وہ سب ڈوب گئے تھے۔ صرف کشتی ہی پناہ کی جگہ تھی۔ جو کشتی میں تھے ان تک پانی کا ایک قطرہ تک نہ پہنچا تھا۔ اسی طرح مسیح نے ہمارے خلاف خدا کی عدالت کے غضب کو برداشت کیا۔ اب جو اُس میں ہیں ان پر سزا کا حکم نہیں ہے (یوحنا ۵: ۲۴)۔

کشتی کے نیچے پانی تھا اور اُس کے اوپر بھی پانی برس رہا تھا اور پانی اُس کے چاروں طرف تھا۔ لیکن اُس نے اپنے ایمان لانے والے مکینوں کو ”پانی کے وسیلے سے“ ایک نئی مخلوق کی صورت میں بچالیا۔ بعینہ وہ جو نجات دہندہ پر ایمان لاتے ہیں موت میں سے گزر کر جی اٹھتے اور نئی زندگی میں داخل ہو جاتے ہیں اور محفوظ ہیں۔

۲۱:۳۔ ”اُسی پانی کے مشابہ بھی یعنی پتیسہ ... اب تمہیں بچاتا ہے۔“ ایک مرتبہ پھر ہم مشکل اور اختلاف کی زد میں ہیں۔ یہ آیت اُن لوگوں کے درمیان جو پتیسہ سے نجات کے قائل ہیں اور اُن کے جو اس کا انکار کر کے کہتے ہیں کہ پتیسہ میں بچانے کی قوت نہیں میدانِ جنگ بنی ہوئی ہے۔

پتیسہ

سب سے پہلے ہم یہ دیکھیں گے کہ اس آیت کا مطلب کیا ہو سکتا ہے اور کیا نہیں ہو سکتا۔ درحقیقت ایک پتیسہ ہے جو ہمیں بچاتا ہے لیکن وہ پانی کا پتیسہ نہیں ہے بلکہ وہ جو قریباً دو ہزار سال پیشتر کلوری پر وقوع میں آیا۔ مسیح کی موت پتیسہ تھی۔ اُس نے عدالت کے پانی میں پتیسہ لیا۔ جب اُس نے یہ فرمایا کہ ”مجھے ایک پتیسہ لینا ہے اور جب تک وہ نہ ہوئے میں کیا ہی تنگ رہوں گا“ (متی ۵۰: ۱۲) تو اُس کا یہی مطلب تھا۔ ”زبور نویس اس پتیسہ کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:“ تیرے آبشاروں کی آواز سے گہراؤ گہراؤ کو پیکارتا ہے۔ تیری سب موجیں اور لہریں مجھ پر سے گزر گئیں“ (زبور ۴۲: ۷)۔ اپنی موت میں مسیح نے خدا کے غضب کی موجوں اور لہروں میں پتیسہ لیا، اور یہی پتیسہ ہماری نجات کی بنیاد ہے۔

لیکن یہ ضروری ہے کہ ہم خود اُس کی موت کو اپنے لئے قبول کریں۔ جس طرح نورج اور اُس کے خاندان کو بچنے کے لئے کشتی میں داخل ہونا پڑا، اُسی طرح لازم ہے کہ ہم بھی اپنے آپ کو واحد نجات دہندہ کے سپرد کر دیں۔ جب ہم یہ کرتے ہیں تو ہم اُس کی موت، دفن اور جی

اُٹھنے میں شامل ہو جاتے ہیں۔ تب ہم حقیقی معنوں میں اُس کے ساتھ مصلوب ہو جاتے ہیں (گلیتوں ۲: ۲۰)۔ ہم اُس کے ساتھ دفن ہوتے (رومیوں ۶: ۴) اور اُس کے ساتھ موت سے زندگی میں جی اُٹھتے ہیں (رومیوں ۶: ۴)۔

اس سب کی منظر کشی ایمان داروں کے ہیئتہ میں ہوتی ہے۔ رسم، اُس کا جو روحانی طور پر وقوع میں آچکا ہے ظاہری نشان ہے۔ ہم مسیح کی موت میں شامل ہونے کا ہیئتہ لیتے ہیں۔ جب ہم پانی کے ہیچے جاتے ہیں تو اقرار کرتے ہیں کہ ہم اُس کے ساتھ دفن ہوئے ہیں۔ اور جب ہم پانی سے اُپر آتے ہیں تو ظاہر کرتے ہیں کہ ہم اُس کے ساتھ جی اُٹھے ہیں اور نئی زندگی میں چلنا چاہتے ہیں۔ وہ مشابہت جو ہمیں بچاتی ہے یعنی ہیئتہ، مسیح کی صلیب پر موت کے ہیئتہ اور ہماری اُس کے ساتھ مشابہت کی طرف جس کی نمائندگی پانی کا ہیئتہ کرتا ہے اشارہ کرتا ہے۔

مندرجہ ذیل وجوہات کی بنا پر اس آیت کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ ہم ہیئتہ کی رسم کی بنیاد پر نجات پاتے ہیں:

۱۔ اس طرح خداوند یسوع کی بجائے پانی نجات دیندہ بن جاتا ہے۔ لیکن اُس نے کہا ”راہ... میں ہوں“ (یوحنا ۱۴: ۶)۔

۲۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ مسیح بے فائدہ مڑا۔ اگر لوگ پانی سے بچ سکتے ہیں تو مسیح کو کیوں مرنے پڑا؟

۳۔ متعدد لوگوں کی ہیئتہ لینے کے بعد کی زندگی سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کبھی حقیقی معنوں میں نئے سرے سے پیدا نہیں ہوئے۔

اور نہ اس آیت کا یہ مطلب ہو سکتا ہے کہ ہم ایمان + ہیئتہ سے نجات پاتے ہیں۔

۱۔ اس کا مطلب یہ ہو گا کہ نجات دیندہ کا صلیب پر کام کافی نہیں تھا۔ جب اُس نے کما تام ہوا تو اس نظریے کے مطابق دراصل ایسا نہیں تھا کیونکہ نجات کے مؤثر ہونے کے لئے اُس میں ہیئتہ کا اضافہ ضروری ہے۔

۲۔ اگر نجات کے لئے ہیئتہ ضروری ہے تو یہ بڑی عجیب بات ہے کہ خداوند نے خود کسی کو ہیئتہ نہیں دیا۔ یوحنا ۴: ۲۱ میں ذکر ہے کہ یسوع نے خود کسی پیروکار کو ہیئتہ نہیں دیا۔ اُس کے شاگرد ہیئتہ دیتے تھے۔

۳۔ پطرس رسول شکر کرتا ہے کہ اُس نے چند ایک گرتھویوں کے سوا کسی کو ہیئتہ نہیں دیا

(۱- کرنتھیوں ۱: ۱۴-۱۶) - اگر نجات کے لئے بپتسمہ ضروری ہوتا تو یہ ایک مبشر کے لئے بڑی عجیب شکر گزاری ہے! یہ حقیقت کہ پولس نے چند ایک کو بپتسمہ دیا یہ سکھاتی ہے کہ ایمان داروں کا بپتسمہ ہے، اور یہ حقیقت کہ اُس نے صرف چند ایک کو بپتسمہ دیا یہ کہ وہ اسے نجات کے لئے ضروری نہیں سمجھتا تھا۔

۴- صلیب پر توبہ کرنے والے ڈاکو نے بپتسمہ نہیں لیا، لیکن اس کے باوجود اُسے یقین دلایا گیا کہ وہ مسیح کے ساتھ فردوس میں ہوگا (لوقا ۲۳: ۴۳)۔

۵- قیصریہ میں جب غیر قوم ایمان لائے تو انہیں پاک رُوح ملا (اعمال ۱۰: ۴۴)۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مسیح کے تھے (رومیوں ۸: ۹)۔ پھر پاک رُوح ملنے کے بعد یعنی نجات پانے کے بعد انہیں بپتسمہ دیا گیا (آیات ۴۷، ۴۸)۔ چنانچہ اُن کی نجات کے لئے بپتسمہ ضروری نہیں تھا۔ انہیں پہلے نجات ملی اور پھر پانی سے بپتسمہ دیا گیا۔

۶- نئے عہد نامہ میں بپتسمہ کا تعلق ہمیشہ موت سے ہے نہ کہ روحانی پیدائش سے۔
۷- نئے عہد نامہ میں کم از کم ۱۵۰ حوالے ملتے ہیں جو یہ سکھاتے ہیں کہ نجات صرف ایمان سے ہے۔ اُن کی تردید اُن دو باتیں تیات سے نہیں کی جاسکتی جو بظاہر یہ سکھاتی ہیں کہ نجات کے لئے بپتسمہ ضروری ہے۔

پس، جب ہم آیت ۲۱ میں یہ پڑھتے ہیں کہ ”بپتسمہ... اب تمہیں بچاتا ہے“ تو اس کا مطلب لفظی طور پر پانی میں بپتسمہ لینا نہیں ہے بلکہ مسیح کا موت کا بپتسمہ اور اُس کے ساتھ ہمارا اُس میں شامل ہونا ہے۔

”اُس سے جسم کی نجاست کا دور کرنا مراد نہیں“ - عہد عتیق کی رسمی پرستش سے جس سے پطرس کے یہودی مسیحی قارئین بخوبی واقف تھے ظاہراً پاکیزگی حاصل ہوتی تھی۔ لیکن یہ کاہنوں یا عوام کو صاف ضمیر عطا کرنے کے قابل نہیں تھی۔ پطرس جس ”بپتسمہ“ کے بارے میں کہ رہا ہے اُس کا تعلق نجاست سے جسمانی اور یہاں تک کہ رسمی طور پر پاک ہونا نہیں ہے۔ بے شک پانی بدن پر سے دھول اور مٹی تو دور کر سکتا ہے لیکن یہ ہمیں خدا کے بارے میں اچھی اور صاف نیت عطا نہیں کر سکتا۔ صرف مسیح کے ساتھ اُس کی موت، دفن اور جی اٹھنے میں شامل ہونا ہی یہ کر سکتا ہے۔
”بلکہ خالص نیت سے خدا کا طالب ہونا مراد ہے۔“ یہاں لا محالہ یہ سوال پیدا ہوتا ہے: ”کیں خالص نیت سے خدا کا طالب کیسے ہو سکتا ہوں؟ اُس کے حضور میری ”نیت“ خالص کیسے ہو سکتی ہے؟“

اس کا جواب پتسمہ میں ملتا ہے جس کے بارے میں پٹرس بات کر رہا ہے۔ کٹوری پر مسیح کی موت کا پتسمہ اور اُس کام کو شخصی طور پر قبول کرنا۔ مسیح کی موت نے گناہ کے سوال کا فیصلہ ہمیشہ کے لئے کر دیا ہے۔

”یسوع مسیح کے جی اٹھنے کے وسیلے سے“ مجھے یہ علم کیسے ہو سکتا ہے کہ خدا مطمئن ہے؟ میں جانتا ہوں کیونکہ اُس نے مسیح کو مردوں میں سے جلایا۔ خالص نیت کا الٹو تعلق یسوع مسیح کے جی اٹھنے سے ہے۔ یہ دونوں ایک ساتھ قائم رہتے یا گرتے ہیں۔ مسیح کا جی اٹھنا مجھے یہ بتاتا ہے کہ خدا اپنے بیٹے کے غلطی کے کام سے پوری طرح مطمئن ہے۔ اگر مسیح جی نہ اٹھتا تو ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے گناہ مٹا دیے گئے ہیں۔ اُس وقت اُس کی موت ایک عام آدمی کی موت ہوتی۔ لیکن جی اٹھا مسیح ہماری کامل یقین دہانی ہے کہ ہمارے گناہوں کے خلاف خدا کا تقاضا مکمل طور پر پورا کر دیا گیا ہے۔

پس پتسمہ یسوع مسیح کے جی اٹھنے کے وسیلے سے اب تمہیں بچاتا ہے۔۔۔ اُس سے خالص نیت سے خدا کا طالب ہونا مراد ہے۔ میرے خالص نیت کے بارے میں دعوے کی بنیاد خداوند یسوع کی موت، دفن اور جی اٹھنا ہے۔ ترتیب یوں ہے:

۱۔ مسیح نے میرے لئے کٹوری پر موت کا پتسمہ لیا۔

۲۔ جب میں اسے بطور خداوند اور نجات دہندہ قبول کرتا ہوں تو میں اس کے ساتھ اُس کی موت، دفن اور قیامت میں شامل ہو جاتا ہوں۔

۳۔ اس علم کے ذریعہ کہ وہ جی اٹھا ہے مجھے میری خالص نیت کے بارے میں درخواست کا جواب مل جاتا ہے۔

۴۔ پانی کے پتسمہ کے ذریعے میں اپنی روحانی تبدیلی کا جس کا مجھے تجربہ ہوا ہے ظاہری گواہی دیتا ہوں۔

۲۲:۳ ”وہ آسمان پر جا کر خدا کی دہنی طرف بیٹھا ہے اور فرشتے اور اختیارات اور

قدرتیں اُس کے تابع کی گئی ہیں“۔ خداوند یسوع مسیح نہ صرف مردوں میں سے جی اٹھا بلکہ وہ آسمان پر گیا جہاں سے وہ پہلے پہل آیا تھا۔ وہ وہاں آج بھی ہے، لیکن ایک غیر دیدنی اور ناقابل فہم روح کی صورت میں نہیں بلکہ گوشت اور پٹریوں پر مشتمل جلالی بدن میں ایک زندہ آدمی کے طور پر۔ جو ذمہ اُسے کٹوری پر لگے وہ اُس بدن پر ابد تک کے لئے ثبت ہیں۔ یہ ہمارے

لئے اُس کی محبت کا واضح اور ابدی نشان ہیں۔

ہمارا خداوند ”خدا کی دہنی طرف بیٹھا ہے“ یہ مقام

اختیار کا ہے: چونکہ عام طور پر دینا ہاتھ بائیں ہاتھ سے طاقتور ہوتا ہے اس لئے

اسے اختیار کا نشان سمجھا جاتا ہے (متی ۲۶: ۶۴)۔

عزت و سر بلندی کا ہے: مسیح ”خدا کے دہنے ہاتھ سر بلند“ ہے (اعمال ۲:

۳۳: ۵: ۳۱)۔

آرام کا ہے: اپنے یکمیل شدہ کام کے سبب سے مسیح ”عالم بالا پر کبریا کی دہنی طرف

جا بیٹھا“ (عبرانیوں ۳: ۱۰: ۸: ۱۰: ۱۲)۔ یہ آرام، اطمینان

اور آسودہ خاطر کی اطمینان ہے نہ کہ تمھکاوٹ سے آرام۔

شفاعت کا ہے: پولس کہتا ہے کہ مسیح خدا کے دہنے ہاتھ بیٹھا ہے جہاں سے وہ

ہماری شفاعت کرتا ہے (رومیوں ۸: ۳۴)۔

اولیت اور بلندی کا ہے: اپنی دہنی طرف آسمانی مقاموں میں بٹھایا۔ اور (اُسے) ہر طرح

کی حکومت اور اختیار اور قدرت اور ریاست اور ہر ایک نام سے بہت

بلند کیا چونکہ صرف اس جہان میں بلکہ آنے والے جہان میں بھی لیا جائے گا“

(افسیوں ۱: ۲۱: ۲۰)۔

حکومت کا ہے: عبرانیوں ۱۳: ۱ میں خدا باپ بیٹے کے کہتا ہے: ”میری دہنی طرف

بیٹھ جب تک میں تیرے دشمنوں کو تیرے پاؤں تلے کی چوکی نہ کر دوں“۔

۱- پطرس ۳: ۲۲ میں بھی حکومت پر زور دیا گیا ہے ”خدا کی دہنی طرف

بیٹھا ہے اور فرشتے اور اختیارات اور قدرتیں اُس کے تابع کی

گئی ہیں“۔

پلاشبہ، ”فرشتے اور اختیارات اور قدرتیں“ سے تمام آسمانی ہستیاں مراد ہیں۔ وہ سب

جی اُٹھے اور جلالی مسیح کی خادم ہیں۔

پس ہمارے خداوند کا بھلائی کرنے کے لئے کدھ اٹھانے میں یہ تجربہ تھا۔ آدمیوں نے اُس

کے تجسم سے پہلے نوح کے وسیلہ سے گواہی کو اور تجسم کے بعد اُس کے بطور ابن آدم پہلی آمد کو

رد کر دیا۔ اُسے کلوسی پر موت کے سیاہ پانی میں بہتسمہ دیا گیا۔ لیکن خدا نے اُسے مردوں میں

سے زندہ کیا اور آسمان میں اپنے دہنے ہاتھ بٹھا کر جلال بخش۔ خدا کے ابدی مقصد میں دکھ جلال سے پہلے آتے ہیں۔

یہ سبق، پطرس کے پہلے قارئین کے لئے تھا اور ہمارے لئے بھی ہے۔ جب ہم بھلائی کے کام کرتے ہیں اور ہمیں مخالفت اور عیبوں تک کہ ایذا رسانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تو ہمیں حیران نہیں ہونا چاہئے کیونکہ جو سلوک ہمارے نجات و رہندہ کے ساتھ کیا گیا ہم اس سے بہتر کی توقع نہیں کر سکتے۔ ہمیں اس کے اس وعدہ سے اپنے آپ کو تسلی دینی چاہئے کہ اگر ہم اس کے ساتھ دکھ اٹھائیں گے تو جلال بھی پائیں گے (رومیوں ۸: ۱۷)۔ مزید برآں، یہ دکھ جو ہم اٹھا رہے ہیں ان کا مقابلہ اس جلال سے نہیں کیا جاسکتا جس کے ہم منتظر ہیں (رومیوں ۸: ۱۸)۔ یہ دکھ بلکے اور عارضی ہیں جبکہ جلال ابدی اور ہماری سمجھ سے زیادہ بھاری ہیں (۲- کرنتھیوں ۴: ۱۷)۔

۱۰: ۴۔ اس حصے کا اپنے سے پہلے کے ساتھ بڑا نزدیکی تعلق ہے (قب ۲: ۱۸)۔ ہم اس بات پر غور کرتے رہے ہیں کہ مسیح ایک ایسی مثال ہے جس نے غیر واجبی دکھ اٹھایا۔ اسے راست بازی کی وجہ سے بدکاروں کے ہاتھوں دکھ اٹھانا پڑا۔ چونکہ ایسا ہوا، اس لئے اس کے پیروکاروں کو بھی ایسا ہی مزاج اختیار کرتے ہوئے ہتھیار بند بننا چاہئے۔ انہیں اس کے نام کی خاطر دکھ اٹھانے کی توقع رکھنی چاہئے۔ انہیں مسیحی ہونے کے باعث ایذا رسانی برداشت کرنے کے لئے تیار رہنا چاہئے۔

وہ جس نے جسم کے اعتبار سے دکھ اٹھایا یعنی بدن میں اس نے گناہ سے فراغت پائی۔ ایک ایمان دار کو دو امکانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے یعنی گناہ یا دکھ۔ ایک طرف تو وہ اپنے ارد گرد کے بدکاروں کی طرح زندگی بسر کرنا، ان کی گناہ آلودہ خوشیوں میں شریک ہونا، اور نتیجہ ایذا رسانی سے بچنا چھن سکتا ہے۔ یا دوسری طرف وہ مسیح کی خاطر رسولانی برداشت کرتے اور بدکاروں کے ہاتھوں دکھ اٹھاتے ہوئے پاکیزگی اور خدا پرستی کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔

جے۔ گتھری پھانسی دئے جانے سے ذرا پہلے کہتا ہے: "عزیز دوستو! دکھوں کے اس پیالہ کو پینے کا حقد کرو جیسا کہ میں نے کیا۔ میرے سامنے گناہ اور دکھ دونوں رکھے گئے اور میں نے دکھوں کو چن لیا۔"

جب ایک ایمان دار دیدہ وافر گناہ میں زندگی بسر کرتے رہنے کی بجائے ایذا رسانی کو چن لیتا ہے تو اس نے گناہ سے فراغت پائی۔ اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اب اس سے کوئی گناہ

سُزنہ نہیں ہوتا، بلکہ یہ کہ اُس کی زندگی میں گناہ کا زور ٹوٹ گیا ہے۔ جب ایک شخص گناہ نہ کرنے کی وجہ سے دکھ اٹھاتا ہے تو اس پر جرم کا کنٹرول باقی نہیں رہتا۔

۲:۴۔ ایک ایمان دار کی باقی ماندہ زندگی میں اُس کے انسانی جذبات اُسے کنٹرول نہیں کرتے بلکہ خدا کی مرضی اُسے کنٹرول کرتی ہے۔ وہ غیر ایمان داروں کی طرح گناہ کرنے کی بجائے دکھ اٹھانے کو ترجیح دیتا ہے۔ وہ اپنے خداوند کا انکار کرنے کی بجائے مرنے پسند کرے گا۔ اپنی باقی جسمانی زندگی کا مطلب اُس کی باقی ماندہ زمینی زندگی ہے۔ ایک ایمان دار اپنی شہوانی خواہشات اور اشتہا کی تسکین کی بجائے ان سالوں میں خدا کے جلال کے لئے زندگی بسر کرتا ہے۔

۳:۴۔ پطرس، یہ اُن چند ایک لوگوں کو لکھ رہا ہے جو اپنی تبدیلی سے پیشتر غیر اقوام کی دنیا میں ہر قسم کی بد اخلاقی میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اُن کے لئے بس اُس قسم کی اتنی ہی زندگی ”بہت“ ہے۔ اب وہ نئے مخلوق ہیں اس لئے انہیں پُرلے گناہوں کو ترک کر دینا چاہئے۔ باقی ماندہ زندگی خدا کی ملکیت ہے اور اُسے ہی دینی چاہئے۔

جن گناہوں کی فرست دی گئی ہے وہ آج بھی غیر مسیحی دنیا کی خصوصیت ہیں۔ جنسی گناہ شراب نوشی اور بے دینی۔

”شہوت پرستی“: بنیادی طور پر جنسی بد اخلاقی میں۔

”برے خواہشوں“: ہر قسم کی ناجائز اشتہاؤں کو مطمئن کرنا۔ لیکن یہاں اشارہ خاص طور پر جنسی گناہوں کی طرف ہے۔

”نئے خوراک“: اپنے آپ کو نشے کے حامل مشروب کے کنٹرول میں دے دینا جس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ قوتِ الادوی کمزور پڑ جاتی ہے اور آزمائش کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ شراب نوشی اور بد اخلاقی میں بڑا قریبی تعلق ہے۔

”ناج رنگ“: عیش و طرب اور رات گئے تک رنگ رلیاں منانے والی پارٹیاں۔
”نشہ بازی“: پینے پلانے کی پارٹیاں جس کا نتیجہ بدکاری اور غل غبارے کی صورت میں نکلتا ہے۔

”مکروہ بُت پرستی“: بُتوں کو پوجنا اور اُس تمام بدکاری میں شامل ہونا جو اس پرستش کا حصہ ہیں۔

لوگ جس قسم کی پرستش کرتے ہیں ویسے ہی بن جاتے ہیں۔ جب وہ سچے اور زندہ

خدا کو ترک کر دیتے ہیں تو ان کا اخلاق خود بخود گر جاتا ہے۔ یہ گرا ہوا معیار انہیں ہر قسم کی گناہ آلودہ سرسوں میں حصہ لینے کی اجازت دیتا ہے جس کی ان میں پہلے ہی جھوک موجود ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہت پرستانہ مذاہب گناہ اور رسوائی کی پمورشی کرتے ہیں۔

۴:۴۔ یہ آیت ان لوگوں کے عام تجربہ کو بیان کرتی ہے جن کی زندگیاں بدل گئی ہوں۔ ان کے سابقہ ساتھی خیال کرتے ہیں کہ وہ پاگل ہو گئے ہیں اور ان پر الزام لگاتے ہیں کہ مذہبی جنونی بن گئے ہیں۔ دوسرے ایک قسم کا پاگل بن سمجھتے ہیں کہ اب سخی ناپا رنگ، دنیاوی پارٹیوں اور عیش و طرب میں مزید حصہ نہیں لیتے۔ ایمان دار کی پاک و صاف اخلاقی زندگی گنہگاروں کو ملزم ٹھہراتی ہے، اسی لئے وہ اس تبدیلی سے نفرت کرتے ہیں۔

۵:۴۔ اس زندگی میں دنیا دار لوگ ایمان داروں کی نسبت کفر کے کلمات کہتے ہیں لیکن انہیں بڑے سفید تخت کے سامنے ہر نفظ کا حساب دینا پڑے گا۔ خداوند زندوں اور مردوں کا حساب کرنے کو تیار ہے“ سے صاف ظاہر ہے کہ یہاں بطرس کے ذہن میں خیر ایمان دار لوگ ہیں۔ جو خیر ایمان دار لوگ ہزار سالہ حکومت کے شروع ہونے سے پیشتر زندہ ہوں گے ان کی اسی وقت عدالت ہوگی اور مرحوم بدکاروں کی مسیح کی زمینی حکومت کے اختتام پر۔

۶:۴۔ ”مردوں کو بھی خوشخبری اسی لئے“ خدا کے فرزندوں کو ظاہر کرنے کے لئے۔ سنائی گئی تھی“۔ یہاں پھر چار اسامانیک مشکل حوالے سے جوتا ہے۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ لوگوں کو خوشخبری اُس وقت سنائی گئی جبکہ وہ مر چکے تھے یا جب وہ ہنوز زندہ تھے؟ اور یہ لوگ کون تھے؟

ہم سمجھتے ہیں کہ اس آیت کا اشارہ ان لوگوں کی طرف ہے جنہیں جب وہ زندہ تھے خوشخبری سنائی گئی اور وہ خداوند پر ایمان لائے تھے۔ ان کو سچائی پر دلیرانہ قائم رہنے کی دوسرے بدکاروں کے ہاتھوں دکھ اٹھانا پڑا اور بعض کو شہید بھی ہونا پڑا۔ اگرچہ ان ایمان داروں کا جسم کے لحاظ سے ”انصاف“ ہوا یا سزا دی گئی، تاہم ”خدا“ نے ان کی پرزور تائید کی۔ اب وہ اس کے ساتھ ابدی زندگی سے محفوظ ہو رہے ہیں۔

جب انہیں خوشخبری سنائی گئی تو وہ مردہ نہیں تھے۔ لیکن اب وہ جہاں تک ان کے بدن کا تعلق ہے مردہ ہیں۔ اگرچہ آدمیوں نے انہیں پاگل سمجھا لیکن ”خدا“ نے انہیں عزت دی اور اب ان کی رُوحیں آسمان میں ہیں۔

انجیل کی منادی سے ایمان لانے والوں کے لئے دو نتائج نکلتے ہیں — لوگوں کا اُن پر الزام اور خدا کی تاثیر و تصدیق —

۳۔ ایمان داروں کی خدمت اور دُکھ (۱: ۴-۵-۱۴)

۱۔ آخری دنوں کے متعلق ضروری تاکید (۱: ۴-۵-۱۱)

۱: ۴-۵ — اس بیان سے کہ سب چیزوں کا خاتمہ جلد ہونے والا ہے اب بہت سی فہمائشوں کو متعارف کرایا گیا ہے۔ اس سے کئی طرح کے مطلب لئے گئے ہیں: (۱) یروشلیم کی تباہی، (۲) فضائی استقبال، (۳) مسیح کی حکومت کرنے کے لئے آمد، (۴) ہزار سالہ حکومت کے اختتام پر زمین اور آسمان کی تباہی۔ ہمارے خیال میں اس کا اشارہ آخری شق کی طرف ہے۔

پہلی تاکید یہ ہے کہ ”ہوشیار رہو اور دُعا کرنے کے لئے تیار“۔ یہ خط ایذارسانی کے زمانہ میں لکھا گیا اور اس کا مطلب یہ ہے کہ ایمان دار کی دُعا کی زندگی افزا قری اور جذباتیات کے باعث بے دھیانی سے جو دباؤ کا نتیجہ ہوا کرتی ہے آزاد ہو۔ اُس کی دُعا کے ساتھ رفاقت میں ناموافق حالات کے باعث خلل نہیں پڑنا چاہئے۔

۱: ۴-۵ — اُسے دوسرے ایمان داروں کے ساتھ رفاقت کی طرف بھی دھیان دینا چاہئے (آیات ۸، ۹) اور خدا کے گھرانے کے ہر ایک ممبر کے ساتھ ”بڑی محبت“ رکھنی چاہئے۔ اس قسم کی محبت دوسرے ایمان داروں کے نقائص اور خامیوں کا ڈھنڈورا نہیں بیٹتی بلکہ لوگوں کی نظروں سے بچاتی ہے۔ کسی کا قول ہے: ”غیرت ہر چیز کو بگاڑ دیتی ہے۔ محبت، نظروں سے دُور کر کے دفن کر دیتی ہے۔“

اس بیان کو کہ محبت بہت سے گناہوں پر پردہ ڈال دیتی ہے (امثال ۱۰: ۱۲) اس طرح نہیں لینا چاہئے گویا یہ تعلیمی تشریح ہے کہ گناہ کیسے دُور کئے جاتے ہیں۔ جرم اور گناہوں کی سزا صرف مسیح کے خون سے دُور ہوتی ہے۔ اور نہ اس میان کو گناہ کو نظر انداز کرنے یا ایک جماعت کو کسی خطا کار کو دُوسپلن میں لانے کی ذمہ داری سے بری کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حقیقی محبت دوسرے ایمان داروں کی چھوٹی موٹی غلطیوں

اور ناکامیوں سے صرفِ نظر کرتی ہے۔

۹:۴۔ بھائیوں کے ساتھ محبت کے اظہار کا ایک طریقہ یہ ہے کہ بلا امتیاز میزبانی کی جائے۔ ایذا رسانی کے دوران اس صلاح و مشورہ کی خاص ضرورت ہوتی ہے جب خوراک کی کمی ہوتی ہے اور وہ جو مسیحوں کو پناہ دیتے ہیں ان کو اگر موت نہیں تو کم از کم گرفتاری اور قید کا خطرہ ضرور ہوتا ہے۔

میزبانی ایک بہت بڑا استحقاق ہے۔ بعض نے نہ جانتے ہوئے فرشتوں کی میزبانی کی (عبرانیوں ۱۳: ۲۰)۔ خدا کے فرزند کے ساتھ کسی بھی قسم کی مہربانی کو خود خداوند کے لئے شمار کیا گیا ہے (متی ۲۵: ۴۰)۔ خواہ مہربانی کتنی ہی خفیف کیوں نہ ہو اس کا اچھا اجر دیا جائے گا، یہاں تک کہ اگر کوئی کسی کو خداوند کے نام میں ٹھنڈے پانی کا ایک پیالہ پلائے گا تو اسے بھی اجر ملے گا (متی ۱۰: ۴۲)۔ وہ لوگ جو نبی کو نبی جان کر قبول کرتے ہیں انہیں نبی کا اجر دیا جائے گا (متی ۱۰: ۴۱) جو پیروؤں کے نزدیک سب سے اعلیٰ اجر تھا۔ متعدد مسیحی گواہی دیتے ہیں کہ جب انہوں نے خداوند کے خادموں کی خدمت کی تو ان کے گھر اور بچوں کو بہت برکت ملی۔

خداوند یسوع نے ہمیں سکھایا کہ ہم ان کی میزبانی کریں جو ہمیں اس کا بدلہ نہیں دے سکتے (لوقا ۱۴: ۱۲)۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اپنے رشتے داروں، پڑوسیوں اور دوستوں کی خدمت نہ کریں جو اس کے بدلے میں ہمیں بھی بلا سکتے ہیں۔ لیکن ہمارا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ ہم بدلے کے خیال کے بغیر خداوند کے نام میں مہربانی کریں۔ یہ بات یقیناً قابلِ اعتراض ہے کہ ایمان دار اپنے عزیز واقارب کی ہی ضیافتیں اور پارٹیاں کرتے رہیں جبکہ دنیا کے ایک بڑے حصے کو اب تک خوشخبری نہیں سنائی جاسکی ہے۔

۱۰: ۴۔ ہر ایک ایمان دار کو خداوند کی طرف سے ”نعمت“ ملی ہے تاکہ وہ مسیح کے بدن کے عضو کے طور پر کوئی خاص کام کر سکے (۱۔ کرنتھیوں ۱۲: ۴-۳۱؛ رومیوں ۱۲: ۶-۸)۔ یہ نعمتیں خدا کی عطا کردہ ہیں۔ ہمیں انہیں ذاتی فائدے کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہئے بلکہ دوسروں کے فائدے اور خدا کے جلال کے لئے۔ ہم خدا کی نعمتوں کا آخری اسٹیشن نہیں ہیں۔ خدا کا فضل ہم تک پہنچتا ہے لیکن اسے ہم تک ہی محدود نہیں رہنا چاہئے۔ خدا نے ہمیں ترسیل کا ذریعہ بنایا ہے جس کے ذریعے دوسروں تک برکات پہنچ سکتی ہیں۔

”خدا کی مختلف نعمتوں کے اچھے مختار“ بنائے گئے ہیں۔ یہاں پر خدا کی نعمتوں کو غیر مستحق نوازش کے طور پر بیان کیا گیا ہے جو وہ آدمیوں کو پیش کرتا ہے۔ ”مختلف“ کا مطلب قسم قسم کی یا نوع بہ نوع ہے۔

۱۱:۴۔ اگر کسی کو وعظ کرنے یا تعلیم دینے کی نعمت ملی ہے تو اسے اس بات کی تسلی ہونی چاہئے کہ جو کچھ وہ کہہ رہا ہے وہ وہی الفاظ ہیں جو ”خدا“ اس خاص موقع پر اُس سے کہلوانا چاہتا ہے۔ ”خدا کے کلام“ کا یہی مطلب ہے۔ یہ کافی نہیں ہے کہ وہ محض بائبل سے پیغام دے بلکہ اُسے یقین ہونا چاہئے کہ جو پیغام وہ دے رہا ہے اس وقت خدا سامعین کو دہری پیغام دینا چاہتا ہے۔

”اگر کوئی“ کسی بھی قسم کی خدمت کرے تو اسے علم ہونا چاہئے کہ اُس خدمت کو انجام دینے کے لئے یہ ”خدا“ ہے جو اُسے قوت دیتا ہے۔ تب جلال ”خدا“ کو ملے گا جس کا وہ حق دار ہے۔

ایک شخص کو مسیحی خدمت میں خواہ کتنی ہی اعلیٰ نعمت کیوں نہ ملی ہو اُسے فخر نہیں کرنا چاہئے۔ نعمت اُسے اپنی کوشش سے حاصل نہیں ہوئی بلکہ اوپر سے عطا ہوئی ہے۔ اور حقیقت تو یہ ہے کہ اُس کے پاس کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو اُسے خدا کی طرف سے نہ ملی ہو۔ تمام خدمات ایسے انجام دینی چاہئیں کہ اُس کی نیک نامی ”خدا“ کو ملے۔

جس طرح پطرس نے بیان کیا یہ جلال باپ کو ”یسوع مسیح“ کے وسیلے جو درمیانی ہے اور جو کچھ خدا نے اُس کے وسیلے سے ہمارے لئے کیا ہے، ہمد و تعریف اور قدرت ”ابدالاً باد“ اسی مبارک نجات دہندہ کی ہے۔ آمین۔

ب۔ دکھوں کے بارے میں نصیحت اور تشریحات

(۱۹-۱۲:۴)

۱۲:۴۔ باب ۴ کے باقی حصے میں مسیح کے نام کی خاطر دکھ اٹھانے کے بارے میں نصیحتیں اور تشریحات دی گئی ہیں۔

ایک مسیحی کا ایذا رسانی کے متعلق فطری رویہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اُسے ”انوکھی بات“ اور بے قاعدہ نظر آتے ہیں۔ جب ہمیں دکھ اٹھانا پڑتا ہے تو ہم حیران ہوتے ہیں۔ لیکن پطرس ہمیں

بتاتا ہے کہ ہم انہیں ایک عام مسیحی تجربہ سمجھیں۔ دُنیا نے ہمارے نجات دہندہ کے ساتھ جو سلوک کیا، ہم اُن سے اُس سے بہتر کی توقع نہیں رکھ سکتے۔ وہ سب جو مسیح میں دینداری کی زندگی گزارنا چاہتے ہیں دکھ اٹھائیں گے (۲۔ تیمتھیس ۳: ۱۲)۔ یہ خاص طور پر اُن پر صادق آتا ہے جو براہِ راست مسیح کے لئے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اُن پر ایسی سخت حملے کرتا ہے۔ وہ عام مسیحیوں پر اپنا گولہ بارود ضائع نہیں کرتا۔ وہ اپنی توپوں کا مَنہ اُن کی طرف کرتا ہے جو جہنم کے پھانٹوں پر حملہ آور ہوتے ہیں۔

۱۳: ۴۔ ”مسیح کے دکھوں“ میں شریک ہونے کے شرف کے باعث ہمیں زیادہ سے زیادہ خوشی کرنی چاہیے۔ بے شک ہم اُس کے کفارہ بخش دکھوں میں تو شریک نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ اکیلا ہی گناہ اٹھانے والا ہے۔ لیکن انسان ہوتے ہوئے اُس نے جو دکھ اور مصیبتیں اٹھائیں وہ ہم اٹھا سکتے ہیں۔ ہم اُن خراشوں اور زخموں کو اپنے اوپر لے سکتے ہیں جو دُنیا کے لوگ اب بھی اُس پر لگانا چاہتے ہیں۔

اگر آج خدا کا فرزند دکھوں کے درمیان ”خوشی“ مناسکتا ہے تو وہ مسیح کے ”جلال کے ظہور“ کے وقت رکتی ”خوشی“ منائے گا۔ جب نجات دہندہ یہوداہ کے قبیلہ کے شیر ببر کی صورت میں زمین پر آئے گا تو خدا کے قادرِ مطلق بیٹے کے طور پر ظاہر کیا جائے گا۔ جو اب اُس کے ساتھ دکھ اٹھاتے ہیں انہیں اُس وقت عزت و جلال ملے گا۔

۱۴: ۴۔ ابتدائی مسیحی اس بات سے خوش ہوتے تھے کہ انہیں مسیح کے نام کے سبب سے ”دکھ“ اور بے عزتی اٹھانے کے قابل تو سمجھا گیا ہے (اعمال ۵: ۴۱)۔ بعینہً اُن مسیحیوں کو بھی خوش ہونا چاہئے جنہیں مسیح کی خاطر دکھ اٹھانا پڑتا ہے۔ اس قسم کے دکھ اس بات کا نشان ہیں کہ خدا کے ”جلال کا روح“ ہم پر ”سایہ کرتا ہے“۔ یہ پاک روح ہے جو دکھ اٹھانے والے مسیحیوں پر ”سایہ کرتا ہے“ جس طرح کہ عہدِ عتیق میں جلالی بادل خیمہ اجتماع پر سایہ کئے رکھتا تھا جس سے خدا کی موجودگی ظاہر ہوتی تھی۔

ہم جانتے ہیں کہ ”روح“ خدا کے تمام حقیقی فرزندوں میں سکونت کرتا ہے لیکن وہ اُن پر جنہوں نے اپنے آپ کو مکمل طور پر مسیح کے لئے مخصوص کر دیا ہے ایک خاص طریقے سے ”سایہ“ کئے رکھتا ہے۔ جس طرح وہ خدا کے روح کی موجودگی اور قدرت کو جانتے ہیں دوسرے نہیں جانتے۔ وہی خداوند یسوع جس پر اُس کے ستانے والے ”ملاوت“ کرتے تھے، دکھ اٹھانے

والے مقدسین کے ذریعہ ”جلال“ پاتا ہے۔

۱۵:۴۔ ایک مسیحی کو غلط کاریوں سے اپنے پر دکھ نہیں لانے چاہئیں۔ اُسے قتل، چوری چکائی بدکاری یا ”اوروں کے کام میں“ دخل اندازی کا مرتکب نہیں ہونا چاہئے۔ اس سے خدا کو جلال نہیں ملتا بلکہ یہ مسیح کی گواہی کے لئے شرم کی بات ہے۔

۱۶:۴۔ لیکن اگر مسیحی ہونے کے باعث کوئی شخص ”دکھ“ پاتا ہے تو اس میں بے عزتی کی کوئی بات نہیں۔ ”مسیحی“ کے لئے تمام قسم کی آزمائشوں میں ”خدا کی تعجید کرنا“ ممکن ہے۔ جی۔ سی۔ مورگن حسب ذیل تنبیہ کرتا ہے:

اگر ایک شخص مسیحی جانا پہچانا جاتا ہے لیکن وہ اس کے مطابق زندگی بسر نہیں کرتا تو وہ خدا کی بے عزتی کرتا ہے۔ نام سے کملانے میں ذمہ داری اٹھانا بھی شامل ہے۔ ایک عظیم اور جلالی ذمہ داری۔

۱۷:۴۔ پطرس اس زندگی میں خدا کے فرزندوں کے دکھوں کا مقابلہ ابدیت میں بدکاروں کے دکھوں سے کرتا ہے۔ ”وقت آپہنچا ہے کہ خدا کے گھر سے عدالت شروع ہو“۔ ”وہ وقت“ فضل کے زمانہ کی طرف اشارہ ہے جو پینتیسویں صدی شروع ہوا اور فضائی استقبال تک جاری رہے گا۔ ”خدا کے گھر“ کا اشارہ کلیسیا کی طرف ہے۔ اس زمانہ میں ایمان نہ لانے والی دنیا کلیسیا کی ”عدالت“ کر رہی ہے۔ ایمان دار اُن کی طرف سے دئے گئے دکھوں کا بے تجربہ کر رہے ہیں جس طرح یسوع کو جب وہ زمین پر تھا ہڑا تھا۔

اگر یہ درست ہے تو اُن لوگوں کی قسمت کیا ہوگی جو خدا کی خوشخبری کو نہیں مانتے؟ اگر مسیحی اس وقت نیک کام کرنے کی وجہ سے ستائے جاتے ہیں تو ابدیت میں بدکاروں کو اپنے برے کاموں کے لئے کیسے دکھ اٹھانے پڑیں گے!

۱۸:۴۔ اس آیت میں بھی یہی بحث ہے جس کا اقتباس امثال ۱۱: ۳۱ سے کیا گیا ہے: ”جب راست باز ہی“ مشکل سے نجات پائے گا تو ”بے دین اور گنہگار“ کو تو بہت زیادہ نقصان اٹھانا پڑے گا۔

”راست باز“ شخص بڑی مشکل سے بچے گا۔ الہی نکتہ نظر سے اُس کی نجات بڑی بھاری قیمت دے کر خریدی گئی تھی۔ لیکن انسانی نکتہ نظر سے ہمیں بتایا گیا ہے کہ جانفشی کرو کہ تنگ دروازہ سے داخل ہو (لوقا ۱۳: ۲۴)۔ ایمان داروں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ

”ہم بہت مُصِیبتیں سہ کر خدا کی بادشاہی میں داخل ہوں“ (اعمال ۱۴: ۲۲)۔ ایک ایمان دار کو خطرات اور آزمائشیں راستے سے بھٹکا دیتی ہیں۔ یہ خدا کے فضل کا معجزہ ہی ہے جو اُسے آسمانی بادشاہت کے لئے محفوظ رکھتا ہے۔

اگر یہ بات سچ ہے تو ان لوگوں کی عاقبت کیا ہوگی جو اپنے گناہوں سے توبہ کئے اور نجات پائے بغیر مَرَتے ہیں! اس سچائی کی ایک بڑی واضح مثال ایف۔ بی۔ میٹر کی درج ذیل روایت میں ملتی ہے:

ایک مقدس کی بڑی سنجیدہ خواہش تھی کہ اُس کی موت آتی فتح مند ہو کہ اُس کے غیر نجات یافتہ بیٹے قابل ہو جائیں اور خوشخبری کی اس بین قوت سے اُن کی اس قدر حوصلہ افزائی ہو کہ وہ سیاہ وادی میں قائم رہ سکیں۔ اس کے برعکس اُسے یہ دیکھ کر گمراہ رنج ہوا کہ اُس کی روح پر بادل چھا گئے ہیں، اُسے خوف اور شکوک نے اُدبایا ہے اور دشمن کو اُسے اذیت دینے کی اجازت دے دی گئی۔ لیکن یہی وہ حقائق تھے جن سے اُس کے بچے بے حد متاثر ہوئے۔ سب سے بڑے بیٹے نے کہا ”ہم سب جانتے ہیں کہ ہمارا باپ نیک آدمی تھا لیکن اس کے باوجود بھی اُس کے روحانی دکھ رکھنے لگے۔ تو پھر ہم جنہوں نے اپنی رُوحوں کے بارے میں کبھی نہیں سوچا کیا اُمید رکھ سکتے ہیں!“

۴: ۱۹۔ پطرس اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہمارے دکھ، ”خدا کی مرضی کے موافق“ ہونے چاہئیں۔ یہ ممکن ہے کہ مذہبی غیرت مند خدا کی راہنمائی کے بغیر اپنی ترمیم میں مُصِیبتوں کو دعوت دیں۔ شہادت کے خیالوں میں اُلجھے ہوئے خدا کو ایسے آزمانے لگتے ہیں کہ اُس کی بے عزتی کا باعث بن جاتے ہیں۔ لیکن دلوں کا صحیح راستہ مسیحیوں کو ابدی خوشی کی طرف لے جاتا ہے۔ اس بات کے پیش نظر انہیں درست کام کرتے رہنا چاہئے خواہ اس کی انہیں کتنی ہی بھاری قیمت کیوں نہ ادا کرنی پڑے اور ”اپنی جانوں کو فسادِ خالق کے سپرد کر دیں۔“

یہ بڑا عجیب لگتا ہے کہ پطرس یہاں خداوند کو نجات دہندہ، سردار کاہن یا پُر واپا کی بجائے بطور خالقِ متعارف کر رہا ہے۔ مسیح، ”دلوں کا طے سے ہمارا خالق“ ہے۔ ہم مخلوق ہوتے ہوئے، اور پھر نہ مخلوق ہونے کے باعث اُس کے ہیں (افسیوں ۴: ۲۴)؛ مَلکیوں (۱: ۱۰)۔ ان دونوں حیثیتوں سے وہ ہمیں پیار کرتا اور ہمارے لئے نیکو مند رہتا ہے۔ پس مناسب یہی ہے کہ ہم اپنے آپ کو اُس کے سپرد کر دیں جس نے ہماری رُوحوں کو تخلیق کیا اور

بعد میں انہیں بچایا ہے۔

ج۔ نصیحتیں اور دُعا و سلام (۱:۵-۱۴)

۱:۵-۱ پطرس کے اس آخری باب میں ہمیں نصیحتیں اور دُعا و سلام ملتا ہے۔ سب سے پہلے ”بزرگوں“ کے لئے حکم ہے۔ اس قسم کا حکم دینے کے اعتبار کو ظاہر کرنے کے لئے پطرس اپنے آپ کو بطور ”بزرگ“ متعارف کراتا ہے جو ان کی طرح... مسیح کے دکھوں کا گواہ اور ظاہر ہونے والے جلال میں شریک ہے۔ اس سے اس دعوے کی کہ پطرس کلیسیا کا قسینِ مُعظم یا مسیح کا نائب ہے نفی ہو جاتی ہے کیونکہ وہ اپنے آپ کو بزرگوں کے برابر بتا رہا ہے۔ ”گواہ“ پطرس نے چرواہے کو بھیڑوں کے لئے مرنے دیکھا تھا اور اس محبت کی یاد اسے مجبور کر دیتی ہے کہ چھوٹا چرواہا بن کر ان کی دیکھ بھال کرے۔ ”شریک“: جلد ہی جلالِ طلوع ہوگا، مسیح ظاہر ہوگا تو ہم بھی اُس کے ساتھ ظاہر ہوں گے (کسیوں ۳: ۴)۔ اُس وقت تک نجات دہندہ کا یہ حکم قائم ہے کہ ”میرے بڑے چرا... تو میری بھیڑوں کی نگہ بانی کر“ (یوحنا ۲۱: ۱۵-۱۷)۔

۲:۵- بزرگ بالغ مسیحی ہیں جنہیں پاک رُوح نے کلیسیا میں رُوحانی ریلڈ رہنے کے لئے مستند قرار دیا ہے۔ نیا عہد نامہ پہلے ہی فرض کر لیتا ہے کہ کلیسیا میں متعدد بزرگ ہوں گے۔ ایک کلیسیا یا کلیسیاؤں کے ایک گروپ پر ایک بزرگ نہیں ہوگا بلکہ ایک کلیسیا میں دو یا اس سے زیادہ بزرگ ہوں گے (فلپیوں ۱: ۱)۔ بزرگوں کی اہلیت کے لئے دیکھئے ۱ تیمتھیس ۳: ۱-۲؛ ۱ پطرس ۵: ۶-۹۔ نئے عہد نامہ کے تحریر کئے جانے سے پیشتر ابتدائی کلیسیا میں رسول یا ان کے نمائندے بزرگ مقرر کیا کرتے تھے لیکن اُس وقت جبکہ انہوں نے کسی نئی کلیسیا میں کافی وقت گزارا ہوتا۔ اس سے ظاہر ہو جاتا تھا کہ کون اس لائق ہے۔ آج کلیسیوں کو ان کو جو اہلیت رکھتے اور بزرگوں کا کام کرتے ہیں قبول کرنا اور ان کی فرمانبرداری کرنی چاہئے۔

”اُس گدگد بانی کرو جو تم میں ہے۔“ ”گدگد“ ”خدا“ کی ملکیت ہے لیکن بزرگوں کو چھوٹے چرواہوں کے طور پر اُس کی ذمہ داری سونپی گئی ہے۔ ”لا چادی سے نگہبانی نہ کرو بلکہ... خوشی سے۔“ ”گدگد“ کی دیکھ بھال ایسا کام نہیں ہے جس کی لوگوں کو بچ کر یا مقرر کر کے زبردستی ذمہ داری سونپی جاتی ہے۔ پاک رُوح لوگوں کے دلوں میں بوجھ ڈالتا اور ان میں قابلیت پیدا کرتا ہے اور انہیں اُسے خوشی سے قبول کرنا چاہئے۔ پس ہم ۱ تیمتھیس ۱: ۳ میں پڑھتے ہیں: ”جو شخص

زنگبان کا عمدہ چاہتا ہے وہ اچھے کام کی خواہش کرتا ہے۔ ”خدا کی طرف سے عطا کردہ قابلیت کے ساتھ انسانی رضامندی بھی ضروری ہے۔“

”ناجاہز نفع کے لئے نہیں بلکہ دلی شوق سے۔“ بزرگ بننے کا مقصد مالی فائدہ نہیں ہونا چاہئے۔ لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ مقامی کلیسیا اس کی مالی مدد نہ کرے۔ ایتھنسیس ۱۷:۵ میں اس قسم کے ”کل وقتی“ بزرگوں کا ذکر ملتا ہے۔ تاہم اس کا مطلب یہ ہے کہ جو مسیحی لالچ کرتا ہے وہ خدمت کرنے کے قابل نہیں ہے۔

۳:۵۔ پطرس کی نصیحت کا تیسرا مرحلہ یہ ہے: ”جو لوگ تمہارے سرور ہیں اُن پر حکومت نہ جتاؤ بلکہ گلے کے لئے نمونہ بنو۔“ بزرگوں کو نمونہ بننا چاہئے نہ کہ ڈکٹیٹر۔ وہ گلے کے آگے آگے چلیں نہ کہ اُسے پیچھے سے ہانکیں۔ انہیں گلے کے ساتھ ایسا سلوک نہیں کرنا چاہئے گویا وہ اُن کی ملکیت ہیں۔ یہ آیت آمریت پسندی کے دل پر کاری ضرب لگاتی ہے۔

اگر آیات ۱۲ اور ۱۳ میں مرقوم تین ہدایات پر عمل کیا جائے تو مسیحی دنیا میں پائی جانے والی بہت سی غلط باتیں ختم ہو جائیں گی۔ پہلی، ہر قسم کی لاجاری کو ختم کرنا ہے، دوسری ناجاہز نفع کو اور تیسری کلیسیا میں حکومت جتانے کو۔

۴:۵۔ بزرگوں کے کام میں بہت زیادہ جسمانی اور جذباتی قوت خرچ کرنا پڑتی ہے۔ ضروری ہے کہ وہ ہمدردی کا اظہار کرے، مشورہ دے، سرزنش کرے، تعلیم دے، نظم و ضبط قائم رکھے اور تنبیہ کرے۔ ممکن ہے بعض اوقات یہ ناشکرا کام نظر آئے۔ لیکن جو بزرگ اس کام کو وفاداری سے کرتے ہیں اُن کے لئے اجر کا وعدہ ہے۔ ”جب سرور گلہ بان ظاہر ہوگا تو تم کو جلال کا ایسا سہرا ملے گا جو مڑ جھانے کا نہیں۔“ سچی بات تو یہ ہے کہ ہم کلام میں وعدہ کئے گئے تاجوں کے بارے میں بہت زیادہ نہیں جانتے۔ خوشی اور فخر کا تاج (۱۔ تھسلونیکوں ۲:۱۹)، راست بازی کا تاج (۲۔ تیتھیس ۸:۴)، زندگی کا تاج (یعقوب ۱:۱۲؛ مکاشفہ ۱۰:۲) اور جلال کا تاج۔ ہم نہیں جانتے کہ یاوہ پیرج کے تاج ہوں گے جنہیں ہم نجات دہندہ کے قہروں میں ڈال سکیں گے، یاوہ محض اُس ذمہ داری کو ظاہر کریں گے جو ہمیں مسیح کی بادشاہی میں دی جائے گی (کوقا ۱۹:۱۷-۱۹)، یاوہ مسیحی کردار کے وہ ابعاد ہوں گے جو ہم تمام ابدیت میں لئے ہوئے ہوں گے۔ تاہم، ہم اتنا جانتے ہیں کہ وہ اُن آنسوؤں، آزمائشوں اور دکھوں کا مناسب معاوضہ ہوں گے جن کا تجربہ ہمیں اس زمین پر ہونا تھا۔

۵:۵۔ وہ جو ان میں خواہ مومن یا ایمان میں انہیں ”بزرگوں“ کے تابع رہنا چاہتے۔ کیوں؟ اس لئے کہ ان نگہبانوں کے پاس وہ حکمت ہوتی ہے جو خدا کی باتوں میں سالہا سال کے تجربہ سے حاصل ہوتی ہے۔ وہ خدا کے کلام کی سمجھ کا گہرا تجربہ رکھتے ہیں۔ اور وہ، وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے اپنی بھیڑیوں کی ذمہ داری سونپی ہے۔

تمام ایمان داروں کو ”فروتنی سے کمر بستہ رہنا چاہئے۔ ذرا اُس کلیسیا یا جماعت کا خیال کریں جس کا ہر ممبر اس قسم کی حلیم روح رکھتا ہے، جہاں وہ دوسرے کو اپنے سے بہتر سمجھتے ہیں اور جہاں وہ چھوٹے چھوٹے کام کرنے میں دوسروں سے سبقت لے جاتے ہیں۔ اس قسم کی کلیسیا خیالی نہیں ہے بلکہ ہر کلیسیا ایسی ہو سکتی اور ہونی چاہئے۔

اگر فروتن بننے کی کوئی اور وجہ نہیں ہے تو یہ کافی ہوگی: ”خدا مغروروں کا مقابلہ کرتا ہے مگر فروتنوں کو توفیق بخشتا ہے۔“ ذرا اس کے بارے میں سوچئے۔ قوی خدا ہمارے غرور کی مخالفت کرتا ہے اور اُسے توڑنے کا ارادہ کئے ہوئے ہے جبکہ شکستہ اور خستہ دل کے مقابلہ میں قوی خدا بے بس ہو جاتا ہے۔

۶:۵۔ اس فروتنی کا اظہار نہ صرف دوسروں کے ساتھ کیا جائے بلکہ ”خدا“ کے ساتھ بھی۔ پطرس کے زمانہ میں مقدسین دکھوں کی آگ میں سے گزر رہے تھے۔ یہ آزمائشیں، اگرچہ خدا کی طرف سے نہیں تھیں تاہم اُس نے ان کی اجازت دے رکھی تھی۔ پطرس کہتا ہے بہترین پالیسی یہ ہے کہ انہیں خدا کے ہاتھ سے فروتنی سے برداشت کیا جائے۔ وہ اپنے لوگوں کو سنبھالے گا اور انہیں ”وقت پر سر بلند کرے گا۔“

۷:۵۔ ایمان داروں کو یہ استحقاق ملا ہے کہ وہ اپنی ”ساری“ فکر میں اس پختہ یقین کے ساتھ خداوند پر ڈال دیں کہ وہ اُن کا ”خیال“ کرتا ہے۔

”فکرمندی غیر ضروری ہے۔ جب خداوند ہماری فکروں کا بوجھ اٹھانے کے لئے رضامند اور قابل بھی ہے تو ہمیں ان کو اٹھانے کی ضرورت نہیں۔ فکر و تردد فضول ہے۔ اس نے کبھی کسی مسئلے کو حل نہیں کیا۔“ فکر کرنا گناہ ہے۔ ایک مرتبہ لیک متا دے کہ ”فکرمندی گناہ ہے کیونکہ یہ خدا کی حکمت کا انکار کرتی ہے۔ یہ کہتی ہے کہ اُسے علم نہیں کہ وہ کیا کر رہا ہے۔ یہ خدا کی محبت کا انکار کرتی ہے۔ یہ کہتی ہے کہ وہ فکر نہیں کرتا۔ اور یہ خدا کی قدرت کا انکار کرتی ہے۔ یہ کہتی ہے کہ جو چیز میری فکر کا باعث بن رہی ہے وہ اُس سے مجھے چھٹکارا۔“

دلانے کے قابل نہیں ہے۔“ اس پر بھی غور کیجئے۔

۸:۵۔ اگرچہ ہمیں فکر نہیں کرنی چاہئے تو بھی ہم ”بیدار“ اور ”ہوشیار“ رہیں کیونکہ ہمارا ایک طاقت ور مخالف یعنی ”ابلیس“ ہے۔ ”بیدار“ رہنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم سنجیدہ ذہن ہوں، اور شیطان کے مکر و فریب کے بارے میں ہوشمندی سے کام لیں۔

کسی نے درست کہا ہے:

”ایک شخص جو دنیا کی فطرت یا کردار کو نہیں پہچانتا، اور جو ہمارے مخالف یعنی شیطان کے مقاصد اور حملوں کے بارے میں سمجھ نہیں رکھتا، وہ زندہ دلی یا غیر سنجیدہ طریقے سے زندگی بسر کر سکتا ہے۔ لیکن وہ شخص جو زندگی کو مسیح کی آنکھوں سے دیکھتا ہے اُس کا رویہ قطعی نیا ہونا چاہئے اور اُس کے نئے مقصد کو سنجیدگی سے ظاہر ہونا چاہئے۔“

اُس بدکار کے حملوں کا مقابلہ کرنے کے لئے ہمیں متواتر چوکس اور تیار رہنا چاہئے۔ یہاں ہمارے مخالف ”کوشیر ببر“ بیان کیا گیا ہے جو ”دھونڈتا پھرتا ہے“ کہ کس کو ”پھار ٹکھائے“۔ ابلیس مختلف روپ دھار لیتا ہے۔ بعض اوقات وہ سانپ کی طرح آتا ہے تاکہ لوگوں کو اخلاقی بدکاری کی طرف راغب کرے۔ بعض اوقات وہ نورانی فرشتہ کی شکل میں آتا ہے اور لوگوں کو روحانی عالم میں دھوکا دینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہاں وہ گرجتے ہوئے شیر ببر کی مانند ہے اور خدا کے لوگوں کو ایذا رسانی کے ذریعہ خوفزدہ کر رہا ہے۔

۹:۵۔ ہمیں اُس کے طیش و غضب کے سامنے ہتھیار نہیں ڈالنے چاہئیں، بلکہ ہم دعا اور خدا کے کلام کے ذریعہ اُس کا مقابلہ کریں۔ ہم میں اُس کی مخالفت کرنے کی قوت نہیں ہے لیکن اگر ہم اپنے ایمان میں مضبوط ہیں اور خداوند پر انحصار کرتے ہیں تو ہم اُس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔

ہماری حوصلہ شکنی کرنے کے لئے ابلیس کا ایک حربہ یہ ہے کہ وہ ہمارے دلوں میں یہ خیال پیدا کر دیتا ہے کہ ہمارے دکھ لاثانی ہیں۔ جب ہم مصیبتوں کی آگ میں سے گزر رہے ہوتے ہیں تو ہم اس غلط خیال سے کمزور ہو سکتے ہیں کہ جتنی مصیبت ہم پر آئی ہے کسی اور پر نہیں آئی۔ پطرس ہمیں یاد دلاتا ہے کہ ”دنیا میں“ ہمارے سبھی ”بھائی“ ایسے ہی دکھ اٹھا رہے ہیں۔“

۱۰:۵۔ اپنے دکھوں کے پس پشت یہ دیکھنا ہی کہ خدا اپنے شاندار مقاصد پورے کر رہا ہے حقیقی فتح ہے۔ ہماری آزمائشیں خواہ کیسی ہی کیوں نہ ہوں ہمیں سب سے پہلے یہ یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارا خدا ”فضل کا چشمہ ہے“۔ خدا کا یہ پیارا لقب ہمیں یاد دلاتا ہے کہ اُس کا ہمارے ساتھ سلوک وہ نہیں ہے جس کے ہم حقدار ہیں بلکہ اس خیال پر مبنی ہے کہ وہ ہم سے محبت رکھتا ہے۔ خواہ ہماری آزمائشیں کتنی ہی شدید کیوں نہ ہوں ہم ہمیشہ خدا کا شکر ادا کر سکتے ہیں کہ ہم دوزخ میں نہیں ہیں جہاں ہمیں ہونا چاہئے تھا۔

دوسری بڑی تسلی یہ ہے کہ اُس نے ہمیں ”اپنے ابدی جلال کے لئے بلایا“ ہے۔ اس سے ہم دکھوں کی زندگی سے آگے اُس وقت کو دیکھنے کے قابل بن جاتے ہیں جب ہم اپنے نعمات دہندہ کے ساتھ ہوں گے اور ہمیشہ کے لئے اُس کی مانند بن جائیں گے۔ ذرا اس بات پر غور فرمائیں کہ اُس نے ہمیں کورسے کے ڈھیر پر سے چٹا اور ”اپنے ابدی جلال کے لئے بلایا“ تیسری تسلی یہ ہے کہ یہ دکھ ”تھوڑی مدت“ کے لئے ہیں۔ جب ہم اس کا مقابلہ ”ابدی جلال“ سے کرتے ہیں تو زندگی بھر کے دکھ وقتی بن جاتے ہیں۔

آخری تسلی یہ ہے کہ خدا دکھوں کے ذریعہ ہماری تربیت کرتا اور ہمارے مسیحی کردار کو تشکیل دیتا ہے۔ وہ ہمیں حکومت کرنے کی تربیت دے رہا ہے۔ ہم یہاں اس تربیت کے تین پہلوؤں کو بیان کرتے ہیں۔

”کابل“: آزمائشیں ایمان دار کو فٹ رکھتی ہیں۔ وہ اُسے روحانی طور پر بالغ بنانے کے لئے اُس کے کردار میں ضروری عناصر مہیا کرتی ہیں۔

”قائم“: دکھ ایک جیسی کو زیادہ مضبوط، اچھے اقرار کو قائم رکھنے اور دباؤ کو برداشت کرنے کے قابل بناتے ہیں۔ یہ وہی الفاظ ہیں جو خداوند یسوع نے پطرس کے لئے استعمال کئے: ”اپنے بھائیوں کو مضبوط (قائم) کرنا“ (توقا ۲۲:۳۲)۔

”مضبوط“: ابلیس ہمیں کمزور اور پست ہمت بنانے کے لئے دکھوں کو استعمال کرتا ہے لیکن اس کا اثر الٹا ہوتا ہے۔ یہ اُمیدیں برداشت کرنے کے لئے ہمیں مضبوط بناتے ہیں۔ لیسنس کہتا ہے:

”مسیحی زندگی کی بدیہی مصیبتیں ایمان داروں کے کردار میں ہمیشہ ہی ایک قسم کا نتیجہ پیدا کرتی ہیں۔ وہ ایمان کو خالص بناتی ہیں، کردار کو درست کرتی ہیں

اور خدا کے لوگوں کو کامل، قائم اور مضبوط کرتی ہیں۔

۱۱:۵۔ اُن عجیب طریقوں کے پیش نظر جن کے ذریعہ خدا ایذا رسانی اور دکھوں کو اپنے جلال اور ہماری بھلائی کے لئے تبدیل کر دیتا ہے۔ پطرس یہ حمد و تعریف کرنے لگتا ہے کہ ”ابداً باداسی کی سلطنت رہے۔“ جلال صرف اسی قسم کے شخص کا ہی حق ہے۔ صرف اسی قسم کے شخص کے ہاتھ میں ”سلطنت“ محفوظ ہے۔

۱۲:۵۔ سلوانس (غالباً سیلاس اس کا مخفف ہے) وہ ”دیانت دار بھائی“ تھا جس سے پطرس نے یہ خط لکھوایا تھا اور غالباً اُسی کے ہاتھ بھیجا بھی تھا۔ پطرس کا اس خط کو لکھنے کا مقصد یہ تھا کہ وہ پر لگندہ ایمان داروں کو یقین دلائے کہ مسیحی ایمان ہی جو وہ رکھتے ہیں سچا ایمان ہے یا اُس کے الفاظ میں ”خدا کا سچا فضل“۔ ایذا رسانی کی گرما گرمی میں یہ ممکن تھا کہ وہ یہ سوچنے لگیں کہ کیا اُن کے لئے مسیحیت کو قبول کرنا درست تھا؟ پطرس اعلان کرتا ہے کہ وہ درست تھے۔ اُنہوں نے خدا کی سچائی کو قبول کر لیا ہے اور اب اُنہیں اُس پر مضبوطی سے قائم رہنا ہے۔

۱۳:۵۔ ”جو بابل میں تمہاری طرح برگزیدہ ہے وہ اور میرا بیٹا مرقس تمہیں سلام کہتے ہیں۔“ یہاں یقین کے ساتھ یہ بتانا مشکل ہے کہ ”جو بابل میں تمہاری طرح برگزیدہ ہے وہ“ سے کون مراد ہے۔ اس کی چند ایک تشریحات یہ ہیں: (۱) ”برادری“ (۱۴:۲)۔ یونانی میں یہ اسمائے ذات مؤنث ہے۔ (۲) پطرس کی بیوی۔ (۳) کوئی مقامی معزز خاتون۔ پھر یہ بھی جاننا مشکل ہے کہ ”بابل“ کا کیا مطلب ہے؛ ممکن ہے اس کا اشارہ (۱) دریائے فرات پر مشہور شہر کی طرف ہو جہاں کافی تعداد میں یہودی رہتے تھے۔ (۲) دریائے نیل پر فرجی جمہاؤں۔ اُس کا بھی یہی نام تھا (ناممکن)۔ (۳) عام طور پر مکاشفہ میں بابل شہر سے روم سمجھا جاتا ہے (۱:۱۷-۱۸:۴۹-۲۱:۱۰)۔

تیسرا سوال مرقس کے بارے میں پیدا ہوتا ہے۔ کیا یہ پطرس کا اپنا اصلی بیٹا تھا یا انجیل نویس یوحنا مرقس کی طرف اشارہ ہے؟ غالباً یہی ممکن ہے۔ اگر یہ درست ہے تو پھر ہمیں فیصلہ کرنا ہو گا کہ آیا وہ پطرس کا اپنا بیٹا تھا کیونکہ وہی اُسے مسیح تک لایا تھا یا لفظ ”بیٹا“ محض اُس نزدیکی روحانی ورثہ کو بیان کرتا ہے جو ایک بزرگ اور نوجوان مسیحی میں پایا جاتا تھا۔ پطرس ”بیٹے“ کے لئے جو یونانی لفظ استعمال کرتا ہے وہ، وہ نہیں ہے جو پطرس

لے بیٹے کے لئے عام یونانی لفظ huioi ہے پطرس teknon استعمال کرتا ہے جس کا

تہتیس اور پطرس کے ساتھ اپنے روحانی رشتہ کو بیان کرنے کے لئے استعمال کرتا ہے۔ نیز یہ اُس قدیم روایت کے مطابق بھی ہے کہ مرقس کی انجیل چشم دید گواہ پطرس کے بیانات پر مشتمل ہے۔

۵: ۱۴۔ پطرس اس خط کو ایک حکم اور کلماتِ برکت کے ساتھ ختم کرتا ہے۔ حکم یہ ہے:

”محبت سے بوسہ لے لے کر آپس میں سلام کرو۔“ یسوع اپنے مصیبت زدہ اور خون خریدے گئے

کے کان میں جبکہ وہ اس مصیبت زدہ دنیا میں اُس کی خاطر دکھ اٹھا رہا ہوتا ہے کہتا ہے ”اطمینان۔“

پطرس کا دوسرا عام خط

تعارف

یہ خط آہستہ آہستہ پھیلنے والی برگشتگی کے درمیان ہمارے خداوند کی آمد ثانی کا منتظر ہے۔
یہ پطرس کی زندگی اور اُس کی شخصیت کی یاد دلاتا ہے۔

۱۔ مصنف

آزاد خیال مفسرین اکثر اس بات کو کہ اس کا مصنف پطرس ہے غلط ثابت کرنے کی کوشش تک نہیں کرتے بلکہ اسے ثابت شدہ امر سمجھتے ہیں کہ یہ خط پطرس نے نہیں لکھا۔ بے شک اسے قبول کرنے میں ہمیں نئے عہد نامہ کی کتابوں کی نسبت زیادہ سنگین مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن وہ اتنی سخت نہیں ہیں جتنا کہ انہیں بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے۔

خارجی شہادت

پاپا کارپ، اغناطیوس اور ایرینیئس اس خط کا حوالہ نہیں دیتے۔ لیکن اگر جیسا کہ ابتدائی کلیسیا نے سکھایا کہ یہوداہ کا خط ۲۔ پطرس سے بعد میں ہے تو پھر ہمارے پاس یہوداہ کے خط میں ۲۔ پطرس کے بارے میں پہلی صدی کی تصدیق ہے (یہوداہ کے خط کا تعارف دیکھئے)۔
ایک جرمن عالم کا خیال ہے کہ ہمیں کسی دوسری شہادت کی ضرورت نہیں۔ یہوداہ کے خط کے بعد، اورغین پہلا شخص ہے جو ۲۔ پطرس کا حوالہ دیتا ہے اور اُس کے بعد اگستس کے مینتھوڈی اُس (قیصر دیو کلیطیان کے دور کا شہید) اور قیصریہ کے فوسیلین نے دیا۔ یونینیئس اقرار کرتا ہے کہ مسیحیوں کی اکثریت ۲۔ پطرس کو قبول کرتی ہے حالانکہ اُسے خود شک تھا۔
مرتوری فرست مسلمہ میں ۲۔ پطرس شامل نہیں ہے، لیکن اس میں ۱۔ پطرس بھی تو شامل نہیں۔ مزید برآں، یہ ایک نامکمل فہرست ہے۔ اگرچہ جیروم کو اس کے مستند ہونے پر شک تھا، تاہم وہ کلیسیا کے دیگر بزرگوں اثناسیوس اور اوگسٹین کے ہمراہ اسے مستند قبول کرتا ہے۔

اور اصلاح دین تک تمام کلیسیا بھی اُن کی پیروی کرتی رہی۔

دوسری کتابوں کی نسبت ۲۔ پطرس کی تصدیق اتنی کمزور کیوں ہے؟ پہلی بات یہ ہے کہ یہ مختصر خط ہے اور اس کی اتنی وسیع پیمانے پر نقل نہیں کی گئی اور نہ اس میں زیادہ غیر معمولی مواد ملتا ہے۔ یہ آخری بات اس کے حق میں جاتی ہے کیونکہ یہ جتنی ہمیشہ ہی اپنی کتابوں میں مخالفانہ تعلیم کا اضافہ کرتے یا کم از کم رسولی تعلیم میں عجیب تکملے یا تسمتے لگاتے تھے۔ غالباً ابتدائی صدیوں میں ۲۔ پطرس کے بارے میں محتاط رویہ کی یہی ایک بنیادی وجہ تھی۔ اُس وقت غناسطی بدعت کو ترقی دینے کے لئے پطرس کے نام میں متعدد جھوٹی تحریریں دجودیں اُچکی تھیں مثلاً پطرس کا مکاشفہ۔

آخر میں یہ بات جاننا ضروری ہے کہ اگرچہ ۲۔ پطرس پر بھی لوگ شک کیا کرتے تھے تاہم کسی کلیسیا نے اسے جعلی کہہ کر رد نہیں کیا۔

اندرونی شہادت

وہ لوگ جو پطرس کے مصنف ہونے کا انکار کرتے ہیں وہ ۱۔ پطرس اور ۲۔ پطرس کے طرز میں پائے جانے والے فرق پر زور دیتے ہیں۔ بیروم اس کی یہ وجہ بتاتا ہے کہ پطرس نے خط لکھنے کے لئے مختلف منشیوں کو استعمال کیا لیکن فرق حقیقتاً اتنا بڑا نہیں ہے جتنا کہ ۱۔ پطرس اور ۲۔ پطرس کو ملانے والے فرق پر زور دیا گیا ہے جو بہت سے مقامات پر پطرس کے اعمال کی کتاب میں اُس کے وعظ اور اُس کی زندگی کے واقعات سے مطابقت رکھتا ہے۔

اس خط میں پطرس کے ماضی کے واقعات کے جو حوالے دئے گئے ہیں اُن کو روایتی مصنف کے حق اور مخالفت میں استعمال کیا گیا ہے۔ وہ جو پطرس کے مصنف ہونے کا انکار کرتے ہیں کہتے ہیں کہ اس میں آدہ زیادہ اشارے کرائے ہوئے چاہئیں۔ دیگر یہ کہ اس میں بہت زیادہ ہیں جو ایک جمل ساز کا کام نہیں ہو سکتا۔ لیکن اس قسم کی کتاب میں جمل سازی کی وجہ کیا ہو سکتی ہے؟ اگرچہ انہوں نے جو پطرس کے مصنف ہونے کو رد کرتے ہیں کئی ایک نظریات کو جنم دیا ہے لیکن اب تک ایک بھی تسلی بخش پیش نہیں کیا۔

لیکن جب ہم خط کو پڑھتے ہیں تو ہمیں بہت سی اندرونی شہادتیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا مصنف پطرس ہی تھا۔

۳:۱ میں مُصنّف ایمان داروں کے بارے میں کہتا ہے کہ خُداوند نے انہیں اپنے جلال اور نیکی کے ذریعہ بُلایا ہے۔ یہ ہمیں نوٹا ۸:۵ کی طرف لے جاتا ہے جہاں پطرس پر خُداوند کا جلال اِس قدر چھایا ہوا تھا کہ وہ چلا اٹھا: ”اے خُداوند! میرے پاس سے چلا جا کیونکہ میں گنہگار آدمی ہوں۔“ جب مُصنّف ایسا نسخہ تجویز کرتا ہے جس پر عمل کرنے سے اُس کے قارئین گریں گے نہیں (۱:۵-۱۰) تو ہم فوراً ہی پطرس کے گرنے اور اس کی دہرے اُسے جو رنج و افسوس ہوا اُس کے بارے میں سوچنے لگتے ہیں۔

باب ۱ اور آیت ۱۴ خاص طور پر اہمیت رکھتی ہے۔ خُداوند یسوع نے مُصنّف کو اُس کی موت کے بارے میں بتا دیا تھا۔ یہ نوٹا ۲۱:۱۸ سے مکمل مطابقت رکھتا ہے جہاں یسوع پطرس کو بتاتا ہے کہ وہ اپنے بڑھاپے میں قتل کیا جائے گا۔ پہلے باب کی آیات ۱۳-۱۵ میں ”خیمہ“ اور ”انتقال“ ایسے الفاظ ہیں جو نوٹا مسیح کی صورت تبدیل ہونے کے بیان میں استعمال کرتا ہے (نوٹا ۹:۲۱-۳۳)۔

ایک اور سب سے زیادہ ٹھوس ثبوت کہ اِس خط کو پطرس ہی نے لکھا ہے ہمیں صورت تبدیل ہونے کے بارے میں ۱۶:۱-۱۸ میں ملتا ہے۔ مُصنّف خود اُس مقدس پہاڑ پر موجود تھا۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ اِس خط کا مُصنّف پطرس، یعقوب یا یُوخّا (متی ۱۰:۱۷) میں سے کوئی ایک ہوگا۔ یہ دوسرا خط دعویٰ کرتا ہے کہ اُس کا مُصنّف پطرس ہے (۱:۱) نہ کہ یعقوب یا یُوخّا۔ ہمیں ۱۸:۲ میں لفظ ”پھنساتے“ ملتا ہے۔ یہ لفظ ”ڈیلیگو“ deleago سے نکلا ہے۔ اِسے ماہی گیر استعمال کرتے ہیں اور یہ پطرس کے سلسلے میں خاص طور پر مناسب ہے۔ ۱:۳ میں پطرس اپنے ایک اور خط کا حوالہ دیتا ہے جو غالباً ۱۔ پطرس ہے۔ پھر وہ ۱۵:۳ میں یوگس کا شخصی انداز میں ذکر کرتا ہے جو یقیناً ایک رسول ہی کر سکتا ہے۔

پھر ۱۷:۳ میں پطرس کے تجربہ کا ذکر ہے۔ لفظ ”قائم رہو“ کا مصدر وہی لفظ ہے جو ”مضبوط کرنا“ کا ہے جسے یسوع نے نوٹا ۲۲:۳۲ میں استعمال کیا ہے: ”جب تو رُجوع کرے تو اپنے بھائیوں کو مضبوط کرنا۔“ یہ طور ”قائم“ ۱۔ پطرس ۵:۱۰ اور ۱ پطرس ۱۲:۱ میں بھی ملتا ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ جس طرح چوپانی خطوط میں ہے، پطرس نے مُرتدوں کی پُر جوش مذمت کر کے ۲۔ پطرس کے بارے میں ماڈرن مخالفت کو ختم کر دیا ہے اور ثابت کر دیا ہے کہ ۲۔ پطرس حقیقتاً اُس کی زندگی اور قلم ہی کا نتیجہ ہے۔

جب ہم اس خط کا مطالعہ کرتے ہیں تو اور بھی اندرونی شہادتیں ملتی ہیں جو اُسے پطرس سے منسلک کرتی ہیں۔ لیکن اہم بات خط سے رجوع کرنا اور یہ دیکھنا ہے کہ اس کی وساطت سے خداوند ہمیں کیا کہہ رہا ہے۔

۲۔ تاریخ تصنیف

۲۔ پطرس کی تاریخ تصنیف کا انحصار اُس کے مُستند ہونے پر ہے۔ وہ لوگ جو اُسے پہلی قرار دیتے ہیں اسے دوسری صدی عیسوی کا بتاتے ہیں۔ چونکہ ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ کلیسیا اسے تاریخی پہلو اور روحانی پہلو دونوں کے پیشتر نظر فرستِ مُسلمہ میں شامل سمجھنے میں دُست تھی اس لئے ہمارا خیال ہے کہ یہ پطرس کی موت سے تھوڑا عرصہ پہلے لکھا گیا تھا یعنی ۶۶-۶۷ء میں۔

۳۔ پس منظر اور مضامین

اس رسولی خط کے تانے بانے میں جو دو بڑے ریشے ہمیں ایک دوسرے کے مخالف نظر آتے ہیں وہ نبیوں کا کلام (۱۹:۱-۲۰) اور آزاد خیالی (باب ۲) ہیں۔ پطرس رسولِ اُنق پر پہلے ہی جھوٹے نبیوں کو ابھرتے دیکھ رہا ہے جو ”ہلاک کرنے والی بدعتیں“ نکالیں گے جو طبعی ڈھالی اور شہوانی زندگی بسر کرنے کا سبب بنیں گی۔ کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو آنے والی عدالت کے خیال کا تسخّر اڑاتے ہیں (۱:۲-۴)۔ پطرس کے زمانہ میں جن باتوں کو مُستقبل میں دیکھا گیا وہ یہوداہ کے خط کے وقت میں نظر آنے لگیں (آیت ۴)۔ جب مسیحی حکومتوں کی مسیح کی آمد سے محبت ختم ہو گئی اور وہ دُنیا میں گم ہو گئیں (شہنشاہِ سِسطین کے تحت) تو کلیسیا کا اخلاق رُو بزوال ہونے لگا۔ یہ آج بھی ایسا ہی ہے۔ نبیوں کے کلام میں اُنیسویں صدی کی دلچسپی لینے کی بیداری بڑت سے حلقوں میں سرور پڑتی جا رہی ہے۔ اور بعض کلیسیاؤں میں طبعی ڈھالی زندگی ظاہر کرتی ہے کہ جس سچائی کی ہر زمانہ میں سخت ضرورت ہے اُسے پطرس نے الہام سے لکھا تھا۔

خاکہ

۱۔ سلام وُودعا (۱:۱-۲)

۲۔ مضبوط مسیحی کردار پیدا کرنے کا مطالبہ (۱:۳-۲۱)

۳۔ جھوٹے استادوں کے اُٹھنے کے بارے میں پیشین گوئی
(باب ۲)

۴۔ ٹھٹھا کرنے والوں کے ظاہر ہونے کے متعلق پیشین گوئی
(باب ۳)



تفسیر

۱۔ سلام و دعا (۲: ۱-۲)

۱: ۱۔ شمعون پطرس اپنے آپ کو مسیح کا بندہ اور رسول کے طور پر متعارف کرتا ہے۔ اس سے ہم پر فوراً ہی اُس کی سادگی اور حلیمی ظاہر ہونے لگتی ہے۔ وہ الٰہی تقرر کے مطابق تو رسول تھا جبکہ بندہ وہ اپنی مرضی سے بناتا تھا۔ وہ اپنے لئے شاندار القاب استعمال نہیں کرتا۔ وہ صرف اپنے جی اٹھے نجات دہندہ کی خدمت کی ذمہ داری کے لئے مشکور گزارتا تھا۔

ہمیں اُن لوگوں کے متعلق جنہیں یہ خط لکھا گیا صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ انہوں نے بھی وہی قیمتی ایمان پایا جو پطرس اور اُس کے ساتھیوں کا تھا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ غیر قوم ایمان داروں کو لکھ رہا ہے جس کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ انہیں بھی وہی ایمان ملا جو ایمان دار یہودیوں کو ملا تھا جس میں کسی طرح کی کمی نہیں تھی۔ وہ تمام لوگ جو خدا کے فضل سے بچ جاتے ہیں وہ اُن سب کو مساوی طور پر قبول کرتا ہے خواہ وہ یہودی ہوں یا غیر قوم، مرد ہوں یا استورات، غلام ہوں یا آزاد۔

ایمان سے مراد وہ سب ہے جو انہوں نے مسیحی ایمان کو قبول کرتے وقت حاصل کیا تھا۔ وہ اس کی مزید تشریح کرتا ہے کہ یہ ایمان ہمارے خدا اور منتجی یسوع مسیح کی راست بازی سے ہے۔ اُس کا مطلب یہ ہے کہ خدا نے مناسب سمجھا کہ وہ اُن لوگوں کو جو خداوند یسوع پر ایمان لاتے ہیں یہ ایمان مساوی بنیاد پر دے۔ مسیح کی موت، تدفین اور جی اٹھنے نے ایک راست بنیاد مہیا کر دی ہے جس کی بنا پر خدا گنہگاروں پر اپنا فضل کر سکتا ہے بشرطیکہ وہ ایمان لائیں۔ گناہ کا قرض پوری طرح ادا کیا جا چکا ہے، اس لئے اب خدا اُن گنہگاروں کو جو اُس کے بیٹے پر ایمان لاتے ہیں راست باز ٹھہرا سکتا ہے۔ نئے عہد نامہ میں خداوند کے بہت سے القابات ہیں۔ اُن میں سے ایک خدا اور منتجی ہے جو خداوند یسوع کی کامل الوہیت کو ظاہر کرتا ہے۔ اگر وہ الٰہی ذات نہیں تو ان الفاظ کا کوئی

مطلب نہیں۔

۲:۱- رسول کی اپنے قارئین کے لئے عظیم دعا یہ ہے کہ خداوند یسوع کی پہچان کے وسیلہ سے اُن پر فضل اور اطمینان زیادہ ہوتا رہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اپنی روزمرہ کی زندگی میں وہ قائم رکھنے اور قوت دینے والے خدا کے فضل کی اس پہچان کو حاصل کریں۔ وہ چاہتا ہے کہ خدا کا اطمینان جو انسانی سمجھ سے باہر ہے اُن کے دلوں کی حفاظت کرتا رہے۔ لیکن یہ تصویری مقدار کی صورت میں نہ دیا جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ یہ برکات مقدار میں زیادہ ہوتی رہیں نہ کہ چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں دی جائیں۔

لیکن یہ برکات کیسے زیادہ ہو سکتی ہیں؟ خدا اور ہمارے خداوند یسوع کی پہچان کے وسیلہ سے۔ ہم جتنا زیادہ خدا کو جانیں گے ہمیں اتنا ہی زیادہ فضل اور اطمینان کا تجربہ ہوگا۔ اچھا ہوگا کہ اگر ہم خدا تعالیٰ کی حضور سی میں سکونت کریں بھلائے اس کے کہ ہم وہاں کبھی کبھار ہی جائیں۔ وہ لوگ جو گرد و نواح میں رہنے کی بجائے مقدس میں رہتے ہیں خدا کے فضل اور اطمینان کے بھید کو جان جاتے ہیں۔

۲- مضبوط مسیحی کردار پیدا کرنے کا مطالبہ (۳:۱-۳۱)

۳:۱- یہ حوالہ ہر ایک مسیحی کے لئے بہت اہمیت کا حامل ہونا چاہئے، کیونکہ یہ بتاتا ہے کہ ہم اس زندگی میں گرنے سے کیسے بچ سکتے ہیں اور اگلی زندگی میں کیسے فتح مند داخلے کا یقین ہو سکتا ہے۔

سب سے پہلے ہمیں یہ یقین دلایا گیا ہے کہ خدا نے ہمارے لئے پاک زندگی بسر کرنے کے لئے تمام وسائل جیسا کر رکھے ہیں، اور یہ اُس کی قدرت کے باعث ہوئے۔ اُس کی الہی قدرت نے وہ سب چیزیں جو زندگی اور دینداری سے متعلق ہیں ہمیں بخشیت کیں۔ جس طرح پہلے پہل اُس کی قدرت ہمیں بچاتی ہے، اُسی طرح اُس کے بعد اُس کی قدرت ہمیں پاک زندگی بسر کرنے کے لئے قوت دیتی ہے۔ ترتیب یوں ہے: پہلے زندگی اور پھر دینداری۔ خوشخبری خدا کی وہ قوت ہے جو ہمیں گناہ کی سزا سے، اُس کے تسلط سے، لعنت سے اور آلودگی سے بچاتی ہے۔

وہ سب چیزیں جو زندگی اور دینداری سے متعلق ہیں۔ اس میں مسیح کی سردار کا ہن کی

خدمت، پاک رُوح کی خدمت، ہمارے لئے فرشتوں کی سرگرمیاں، تبدیلی کے وقت ہمیں جو نئی زندگی ملتی ہے اور خدا کے کلام کی ہدایات شامل ہیں۔

ہمیں پاک زندگی بسر کرنے کی ”قدرت“ اُس کی ”پہچان“ کے وسیلہ سے ملتی ہے جس نے ہمیں ”بلا یا“ ہے۔ جس طرح اُس کی ”اہل قدرت“ پاکیزگی کا منبع ہے اُسی طرح اُسکی ”پہچان“ اُسے حاصل کرنے کا راستہ ہے۔ اُسے جانا ابدی زندگی ہے (یوحنا ۱: ۳) اور اُس کی پہچان میں ترقی، پاکیزگی میں ترقی ہے۔ جتنا زیادہ ہم اُسے پہچانتے ہیں اتنا ہی زیادہ اُس کی مانند بننے جاتے ہیں۔

پطرس کا مرغوب ترین مضمون ہماری بلا ہٹ ہے۔ وہ ہمیں یاد دلاتا ہے: (۱) خدا نے ہمیں تاریکی سے اپنی عجیب روشنی میں ”بلا یا“ ہے (۱۔ پطرس ۲: ۹)، (۲) ہمیں مسیح کی پیروی کرتے ہوئے دکھوں کی راہ پر چلنے کے لئے ”بلا یا“ کیا ہے (۱۔ پطرس ۲: ۲۱)، (۳) ہمیں گالی کے بدلے برکت دینے کے لئے ”بلا یا“ کیا ہے (۱۔ پطرس ۲: ۹)، ہمیں اُس کے ابدی جلال کے لئے ”بلا یا“ کیا ہے (۱۔ پطرس ۵: ۱۰)، اور (۵) ہمیں ”جلال اور نیکی“ کے ذریعہ ”بلا یا“ کیا ہے (۲۔ پطرس ۱: ۳)۔ اُس آخری حوالہ کا مطلب ہے کہ اُس نے ہم پر اپنی شخصیت کے عجائب کا انکشاف کرنے کے ذریعہ ”بلا یا“ ہے۔ تریس کے ساؤل کو جب وہ دمشق کی راہ پر جا رہا تھا اور اُس نے خدا کے جلال کو دیکھا تو اُسے ”بلا یا“ کیا۔ اُسے اُس کے ”جلال“ اور فضیلت کے ذریعہ ”بلا یا“ کیا۔

۴:۱۔ ”سب چیزیں“ جو خدا کی قدرت نے ہمیں پاکیزہ زندگی میں ترقی کرنے کے لئے دی ہیں اُن میں ”قیمتی اور نہایت بڑے بڑے وعدے“ بھی شامل ہیں۔ کہتے ہیں کہ بائبل میں کم از کم تیس ہزار وعدے ہیں۔ ایک مرتبہ جان بنین نے کہا ”زندگی کی راہ پر خدا کے اتنے زیادہ وعدے بکھرے ہوئے ہیں کہ اُس پر کسی ایک وعدہ کو کچلے بغیر ایک قدم بھی چلنا مشکل ہے۔“

پطرس نے اپنے خطوط میں جن سات ”قیمتی“ چیزوں کا ذکر کیا ہے، خدا کے ”وعدے“ اُن میں سب سے آخر میں ہیں۔ ہمارا ایمان سونے سے بھی بہت بیش قیمت ہے (۱۔ پطرس ۱: ۷)۔ مسیح کا خون بیش قیمت ہے (۱۔ پطرس ۱: ۱۹)۔ خدا کی نظر میں مسیح جو کہ زندہ پتھر ہے قیمتی ہے (۱۔ پطرس ۲: ۴)۔ وہ کونے کے سرے کے پتھر کے طور پر بھی قیمتی ہے (۱۔ پطرس ۲: ۶)۔ جو اُس پر ایمان لاتے ہیں وہ اُن سب کے لئے قیمتی ہے (۱۔ پطرس ۲: ۷)۔ خدا کی نظر میں علم اور مزاج کی غریب کی رُوح بہت قیمتی ہے (۱۔ پطرس ۳: ۳)۔ اور آخر میں خدا کے ”وعدے“ بہت قیمتی ہیں (۲۔ پطرس ۱: ۴)۔

اب ان وعدوں کے بارے میں سوچئے جن کا تعلق پاکیزہ زندگی سے ہے۔ (۱) گناہ کے اختیار سے رہائی (رومیوں ۶: ۱۴)۔ (۲) میرا فضل تیرے لئے کافی ہے (۲۔ کرنتھیوں ۱۲: ۹)۔ (۳) اُس کے حکموں کو ماننے کے لئے طاقت (فلپیوں ۴: ۱۳)۔ (۴) ابلیس پر فتح (یعقوب ۴: ۷)۔ (۵) جب آزمائش آئے تو اُس سے نکلنے کی راہ (۱۔ کرنتھیوں ۱۰: ۱۳)۔ (۶) جب ہم اپنے گناہوں کا اقرار کریں تو مُعافی (۱۔ یوحنا ۱: ۹)۔ اور یاد نہ کرنا بھی (یرمیاہ ۳۱: ۳۴)۔ (۷) فریاد کا جواب ملے گا (زبور ۵۰: ۱۵)۔

پس اس میں حیرانی کی کوئی بات نہیں کہ پطرس خُدا کے ”وعدوں“ کو قیمتی اور ”بڑے“ کہتا ہے۔ یہ وعدے ایک ایمان دار کو اس قابل بنا دیتے ہیں کہ وہ اس ”دنیا“ میں جو ”خرابی“ ہے اُس سے ”چھوٹ“ جائے۔ آزمائش کا مقابلہ کرنے کے لئے جن چیزوں کی ہمیں ضرورت ہے خُدا نے اُن کا وعدہ کیا ہے۔ جب ہمارے دل میں کوئی شدید خواہش پیدا ہو تو ہم ان وعدوں کو یاد کر سکتے ہیں۔ وہ ہمیں اس دنیا کی خرابی سے ————— اس کے جنسی گناہ، اس کی گندگی، اس کی بد حالی، اس کی دغا بازی اور اس کے جھگڑوں سے بچنے کے قابل بنا دیتے ہیں۔

اس کا مثبت پہلو یہ ہے کہ ہم ان وعدوں کے ذریعہ سے ”ذات الہی میں شریک“ ہو جاتے ہیں۔ بنیادی طور پر تو ہم اس میں تبدیلی کے وقت شامل ہوتے ہیں، لیکن جب ہم علی طور پر خُدا کے وعدوں سے محفوظ ہوتے ہوئے زندگی بسر کرتے ہیں تو ہم زیادہ سے زیادہ اس کے ہمیشکل بننے جاتے ہیں۔ مثلاً اُس نے وعدہ کیا ہے کہ جتنا زیادہ ہم اُس کے بارے میں سوچ بچار کریں گے، اتنا ہی زیادہ ہم اُس کی مانند بننے جائیں گے (۲۔ کرنتھیوں ۱۸: ۳)۔ یہ وعدہ کلام کے پڑھنے، اور جیسا کہ وہ اُس میں ظاہر کیا گیا ہے اُس پر سوچ بچار کرنے اور اُس کی پیروی کرنے سے پورا ہوتا ہے۔ جب ہم یہ کرتے ہیں تو پاک رُوح ہمیں اُس کا ہمیشکل بنانے کے لئے دیر بدرجہ بدلنا جاتا ہے۔

۵: آیات ۱۳ اور ۴ ہمیں دکھاتی ہیں کہ جو کچھ ہماری رُوحانی زندگی کے لئے ضروری ہے وہ خُدا نے ہمیں دیا ہے۔ چونکہ اُس نے ہتیا کیا ہے اس لئے ہمیں جانفشانی سے ان وسائل کو کام میں لاتے ہوئے ترقی کرنی چاہئے۔ خُدا ہمیں ہماری مضمی کے خلاف پاک نہیں بناتا۔ ضروری ہے کہ ہم میں خواہش اور ارادہ موجود ہو۔

مسیحی کردار کی تعمیر میں پطرس ”ایمان“ کو بنیاد قرار دیتا ہے۔ آخر وہ مسیحیوں کو لکھ

رہا ہے، یعنی اُن کو جن میں خداوند یسوع میں بچانے والا "ایمان" پہلے سے موجود ہے۔
 ضروری بات یہ ہے کہ "ایمان" میں پاکیزگی کے ساتھ عناصر کا اضافہ کیا جائے، ایک کے بعد ایک نہیں بلکہ تمام عناصر کا ہر وقت مظاہرہ کریں۔
 ٹوم اولسن کا باپ اُس کے سامنے یہ بیان پڑھا کرتا تھا:

اپنے ایمان کے ساتھ داؤد کی نیکی یا حوصلے کا اضافہ کرو، اور داؤد کے حوصلے کے ساتھ سلیمان کے علم و معرفت کا، سلیمان کے علم و معرفت کے ساتھ ایوب کے صبر کا، ایوب کے صبر کے ساتھ دانی ایل کی دینداری کا، دانی ایل کی دینداری کے ساتھ یوئین کی بردارنہ الفت کا اور یوئین کی بردارنہ الفت کے ساتھ یوحنا کی محبت کا۔

پہلی خصوصیت "نیکی" ہے۔ اس کا مطلب زہد و تقویٰ یا اخلاقی فضیلت ہو سکتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہاں نیکی کا مطلب مخالف دنیا کے مقابلے میں روحانی حوصلہ جو درست ہے کے لئے ڈٹ جانے کے لئے قوت ہو۔

ہم شہیدوں کی ہمت اور دلیری کو یاد کرتے ہیں۔ آریح بشپ کئیر کو حکم دیا گیا کہ وہ اپنے ایمان سے دستبرداری کا اعلان کرے، ورنہ بلی سے باندھ کر آگ سے جلا دیا جائے گا۔ پہلے تو اُس نے انکار کیا لیکن پھر شدید دباؤ میں آکر توبہ نامہ پر دستخط کر دئے۔ لیکن پھر اُسے اپنی غلطی کا احساس ہوا اور اُس نے اپنے جلاؤں سے کہا کہ وہ آگ جلا دیں۔ اُس کی درخواست پر اُس کے ہاتھوں سے رسی کھول دی گئی۔ پھر اُس نے اپنے دہنے ہاتھ کو آگ میں ڈال دیا اور کہا "اِس ہاتھ نے توبہ نامہ لکھا تھا اِس لئے اسے پچھلے سزا اٹھانی چاہئے۔ اِس ہاتھ نے مجرم کیا ہے۔ اِس نالائق ہاتھ کو بھسم ہونے دو۔"

اِس کے بعد علم و معرفت کا اضافہ کرنا چاہئے، خاص طور پر روحانی سچائیوں کے بارے میں علم کا۔ اِس کا مطلب خدا کے کلام کو پڑھنے کی اہمیت اور اُس کی پاک ہدایات پر عمل کرنے پر زور دینا ہے۔

۶:۱۔ خدا ہر ایک مسیحی کو پرہیزگاری کی زندگی بسر کرنے کو کہتا ہے۔ کسی نے اِسے یوں بیان کیا ہے کہ یہ اپنی قوتِ ارادی کو خدا کی روح کے ماتحت کرنا ہے۔ ہماری دعا میں، بائبل کے مطالعہ میں، وقت کو صرف کرنے میں، جسمانی خواہشوں کو مٹانے میں اور ذہنی زندگی بسر کرنے

میں ضروری نظم و ضبط ہونا چاہئے۔

پطرس رسول اس قسم کی ”پرہیز گاری“ کیا کرتا تھا: ”پس میں بھی اسی طرح دوڑتا ہوں یعنی بے ٹھکانا نہیں۔ میں اسی طرح مکوں سے لڑتا ہوں یعنی اُس کی مانند نہیں جو بڑا کو مانتا ہے۔ بلکہ میں اپنے بدن کو مانتا گوتا اور اُسے قابو میں رکھتا ہوں ایسا نہ ہو کہ اوروں میں منادی کر کے آپ نامقبول ٹھہروں“ (۱۔ کرنتھیوں ۹: ۲۶-۲۷)۔

ماہر فطرت اودڈولن پرندوں کی دنیا کے بارے میں زیادہ سے زیادہ سیکھنے کے لئے ایک طویل مدت تک بے آرامی برداشت کرنے کو تیار تھا۔ رابرٹ جی۔ آئی اُس کے بارے میں بتاتا ہے:

وہ اپنے کام میں کامیابی کے مقابلے میں اپنی جسمانی بے آرامی کو کوئی اہمیت نہیں دیتا تھا۔ وہ اندھیرے اور دھند میں گھنٹوں بے حس و حرکت پریٹ کے بل لیٹا رہتا اور اگر اُسے کسی ایک پرندے کے متعلق ایک بھی اضافی حقیقت معلوم ہو جاتی تو سمجھتا کہ اُسے اُس کا اجر مل گیا ہے۔ وہ تقریباً اپنی گردن تک غیر متحرک پانی میں بمشکل سانس لیتا ہوا کھڑا رہتا جبکہ پانی کے بے شمار زہریلے سانپ اُس کے منہ کے سامنے سے تیرتے ہوئے گزرتے اور بڑے بڑے مگر کچھ بھی آنے اور کبھی جاتے۔

”یہ خوشگوار تو نہیں ہے“ یہ کہتے ہوئے اُس کا چہرہ جوش سے چمکنے لگتا لیکن اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ میرے پاس پرندے کی تصویر ہے۔ وہ یہ سب کچھ پرندے کی تصویر اُتارنے کے لئے کرتا۔

دوسروں کی مثالوں، برباد ہوتی ہوئی دنیا کی فوری ضروریات اور ذاتی گواہی کو تباہ ہوتے دیکھتے ہوئے ہمیں اپنے آپ کو نظم و ضبط میں لانا چاہئے تاکہ مسیح کو ہماری زندگیوں کا بہترین حصہ ملے۔

”پرہیز گاری“ پر ”صبر“ کا اضافہ کیا جائے یعنی ایذا رسانی اور دکھ مصیبت کو صبر سے برداشت کیا جائے۔ ہمیں متواتر یاد رکھنے کی ضرورت ہے کہ مسیحی زندگی صبر کرنے کا چیلنج پیش کرتی ہے۔ یہ کافی نہیں ہے کہ ہم عروج کی آب و تاب میں شہرِ دُعا کریں۔ ہمیں مشکلات کے باوجود قائم رہنا ہے۔ یہ خیال کہ مسیحیت نہ ختم ہونے والے خوشگوار تجربات کا

سلسلہ ہے درست نہیں۔ اس میں روزمرہ کے معمولات، گھٹیا کام، مایوس کن حالات، تلخ رنج و غم اور منصوبوں کی تباہی کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ”صبر ایک ایسی خوبی ہے جس کی مدد سے ہم ہر وہ بات جو بظاہر ہمارے خلاف ہے برداشت کر لیتے ہیں۔“

اگلی خوبی ”دینداری“ ہے۔ جہاں تک عملی پاکیزگی کا تعلق ہے ہماری زندگی خدا کی مانند ہونی چاہیے۔ ہمارے کردار میں ایسی فوق الفطرت خوبی نظر آنی چاہئے جسے دیکھ کر لوگ کہیں کہ ہم واقعی آسمانی باپ کے فرزند ہیں۔ پولس ہمیں یاد دلاتا ہے: ”دینداری سب باتوں کے لئے فائدہ مند ہے، اس لئے کہ اب کی اور آئندہ کی زندگی کا وعدہ بھی اسی کے لئے ہے“ (۱- تیمتھیس ۴: ۸)۔

۴:۱۰۔ ”برادرانہ اُلفت“ رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ہم مسیح کے شاگرد ہیں: اگر آپس میں محبت رکھو گے تو اس سے سب جانیں گے کہ تم میرے شاگرد ہو“ (یوحنا ۱۳: ۳۵)۔

برادرانہ اُلفت رکھنے سے ہمارے دل میں تمام بنی نوع انسان کے لئے ”محبت“ پیدا ہوتی ہے۔ بنیادی طور پر اس کا تعلق جذبات سے نہیں بلکہ ارادہ سے ہے۔ یہ کوئی فحش انگیز جذبات کا تجربہ نہیں ہے بلکہ حکم ہے جس کی ہمیں فرمانبرداری کرنی ہے۔ نئے عہد نامہ کے لحاظ سے محبت فوق الفطرت ہے۔ ایک غیر ایمان دار اس طرح محبت نہیں رکھ سکتا جس طرح کہ بائبل حکم دیتی ہے کیونکہ اُس میں الہی زندگی نہیں ہوتی۔ یہ الہی زندگی ہی ہے جو ہمیں اپنے دشمنوں سے محبت رکھنے اور اپنے ستانے والوں کے لئے دُعا کرنے کو کہتی ہے۔ ”محبت اپنے آپ کو دینے میں ظاہر کرتی ہے۔ مثلاً خدا نے دنیا سے ایسی محبت رکھی کہ اُس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا“ (یوحنا ۳: ۱۶)۔ ”مسیح نے بھی کلیسیا سے محبت کر کے اپنے آپ کو اُس کے واسطے موت کے حوالہ کر دیا“ (افیسوں ۵: ۲۵)۔ ہم دوسروں کے لئے اپنی محبت کو اپنا وقت، اپنا روپیہ پیسہ، اپنی قابلیت، اور اپنی زندگی دینے سے ظاہر کر سکتے ہیں۔

ٹی۔ ای۔ مکالے ایڈمکالے کا باپ تھا۔ ادکا انڈین نے اوکڈر میں جن پانچ نو جوان مشنریوں کو قتل کر دیا ان میں سے ایک ایڈمکالے تھا۔ ایک رات جبکہ میں اور اُس کا باپ بل کر دُعا کر رہے تھے تو اُس نے یوں دُعا کی: ”اے خداوند! مجھے اتنی لمبی زندگی دے کہ میں اُن لوگوں کو جنہوں نے مجھ سے لڑکوں کو قتل کر دیا ہے نجات یافتہ دیکھ سکوں تاکہ میں انہیں گلے لگا کر کہہ سکوں کہ میں انہیں پیار کرتا ہوں کیونکہ وہ میرے مسیح کو پیار کرتے ہیں۔“ جب آپ اپنے پیٹے کے قانون کے لئے اس قسم کی دُعا کرتے ہیں تو مسیحی محبت کو ظاہر کرتے ہیں۔

یہ ساخت عناصر بلکہ پورے مسیحی کردار کو تشکیل دیتے ہیں۔

۸:۱- شاگردی کی راہ میں ترقی ہوتی ہے یا پھر تنزلی۔ یہاں ساکت حالت نہیں ہوتی۔ آگے بڑھنے میں قوت اور تحفظ ہے اور پسپائی میں ناکامی۔ مسیحی کردار کی نشوونما کو قائم رکھنے سے قاصر رہنے کا یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ ایسا مسیحی بیکار، بے پھل، اندھا، کوتاہ نظر رہتا اور اپنے گناہوں کے دھوئے جانے کو معمول جانتا ہے۔

”بیکار“ صرف وہی زندگی جو خدا کی رفاقت میں بسر کی جاتی ہے موثر ہوتی ہے۔ پاک رُوح کی راہنمائی ”بیکار“ سرگرمیوں کو ختم کر دیتی ہے اور زیادہ سے زیادہ موثر ہونے کا یقین دلاتی ہے۔ بصورت دیگر ہم ہوا کو مٹنے مارنے والے ہیں یا ایسی مشین جو دھاگے کے بغیر سلائی کرتی ہو۔ ”بے پھل“۔ یہ ممکن ہے کہ ایک شخص ”خداوند یسوع مسیح“ کا کافی علم رکھتا ہو لیکن اس کے باوجود بھی اُس علم میں ”بے پھل“ ہو۔ اپنے علم پر عمل نہ کرنے سے ہم۔ سب اور بیکار ہو جاتے ہیں۔ بحیرہ مرطرا اس لئے مردہ ہے کیونکہ پانی اندر تو آتا ہے مگر باہر نہیں نکلتا اور یہ روحانی عالم میں بھی پیداوار کو مردہ بنا دیتا ہے۔

۹:۱- ”کوتاہ نظر“۔ خراب نظر کے کئی ایک درجے ہیں جنہیں اندھا پن کہا جاتا ہے۔ یہاں کوتاہ نظری ایسے اندھے پن کو بیان کرتی ہے جس میں انسان مستقبل کی بجائے زمانہ حال میں زندگی بسر کرتا ہے۔ وہ مادی اشیاء میں اس قدر مصروف رہتا ہے کہ روحانی چیزوں کو نظر انداز کر دیتا ہے۔

”اندھا“ وہ جس میں آیات ۵-۷ میں دی گئی سات خوبیوں کی کمی ہے اندھا ہے۔ وہ نہیں جانتا کہ زندگی میں اہمیت کس بات کو حاصل ہے۔ وہ حقیقی روحانی قدروں کو نہیں سمجھتا۔ وہ سیالوں کی تارک دنیا میں رہتا ہے۔

معمول جانے والا۔ وہ آدمی جو سات خوبیوں سے خالی ہے ”اپنے پہلے گناہوں کے دھوئے جانے کو مجھو لے بیٹھا ہے“۔ اُس کی مخلصی کی گرفت اُس پر کمزور پڑ گئی ہے۔ وہ اسی سمت کی طرف دوڑ رہا ہے جس سے اُسے پہلے بچایا گیا تھا۔ وہ اسی گناہوں سے کھیل رہا ہے جو خدا کے بیٹے کی موت کا سبب بنے تھے۔

۱۰:۱- پس پطرس اپنے قارئین کو نصیحت کرتا ہے کہ وہ اپنے ”بلاوے اور برگزیدگی“ کی تصدیق کریں۔ یہ خدا کی نجات کے انتظام کے ڈور پر ہیں۔ ”برگزیدگی“ اُس کا وہ ازلی انتخاب ہے جس کے ذریعہ وہ کسی کو اپنا بنالیتا ہے۔ بلاوا خدا کا زمانے میں وہ فعل ہے جس کے

ذریعہ اُس کے انتخاب کو ظاہر کیا جاتا ہے۔ ہماری ”برگزیدگی“ دنیا کی پیدائش سے پہلے ہوئی اور ہمارا ”بلاوا“ اُس وقت وقوع میں آتا ہے جب ہم مسیح کو قبول کرتے ہیں۔ تاریخی طور پر ”برگزیدگی“ پہلے ہے اور پھر ”بلاوا“۔ لیکن انسانی تجربہ میں ہم پہلے اُس کے بلاوے سے آشنا ہوتے ہیں اور پھر ہمیں احساس ہوتا ہے کہ ہم ازل سے ہی چُن لئے گئے ہیں۔ ہم خدا کے بلاوے اور برگزیدگی کو اور زیادہ یقینی نہیں بنا سکتے جتنے کہ وہ پہلے ہی ہیں۔ خدا کے ازلی مقاصد کو کبھی بھی پورا ہونے سے روکا نہیں جاسکتا۔ لیکن ہم ان کی تصدیق مسیح کے ہم شکل بننے سے کر سکتے ہیں۔ ہم روح کا پھل لانے سے یہ یقینی گواہی دے سکتے ہیں کہ ہم حقیقتاً اُس کے ہیں۔ ایک پاک زندگی ہماری نجات کی اصلیت کو ظاہر کرتی ہے۔

پاک زندگی بسر کرنے سے ہم ٹھوکر کھانے سے بچے رہیں گے۔ یہاں سوال ابدی ہلاکت میں گرنے کا نہیں ہے۔ مسیح کے کام نے ہمیں اس سے رہائی دلا دی ہے۔ اس کے برعکس اس کا اشارہ گناہ اور بے عزتی میں گرنے اور بے کار ہو جانے کی طرف ہے۔ اگر ہم خدا کی باتوں میں ترقی کرنے سے قاصر رہتے ہیں تو خطرہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کو تباہ کر لیں۔ لیکن اگر ہم روح میں چلیں تو ہم اُس کی خدمت کے لئے نااہل قرار دئے جانے سے بچے رہیں گے۔ خدا ان مسیحیوں کی حفاظت کرتا ہے جو اُس میں آگے بڑھتے ہیں۔ تباری روحانی مستی اور اندھے پن کا نتیجہ ہوتی ہے۔

۱۱:۱- مسلسل روحانی ترقی میں نہ صرف حفاظت ہے بلکہ وعدہ بھی ہے کہ ”تم ہمارے خداوند اور مہتمم یسوع مسیح کی ابدی بادشاہی میں بڑی عزت کے ساتھ داخل کے مجاہد گئے پطرس یہاں ہمارے داخل ہونے کی حقیقت کو بیان نہیں کر رہا ہے بلکہ داخل ہونے کے طریقہ کو۔ آسمان کی ”بادشاہی“ میں داخل ہونے کی صرف ایک ہی بنیاد ہے اور وہ ہے خداوند یسوع مسیح پر ایمان۔ لیکن بعض لوگوں کا داخلہ دوسروں کی نسبت زیادہ بابرکت ہوگا کیونکہ آجر کے درجات ہیں۔ اور یہاں اجروں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ ان کا انحصار ہمارے مسیح کے ہم شکل بننے پر ہے۔

۱۲:۱- جب پطرس اس مضمون کے موجودہ اور ابدی نتائج پر غور کرتا ہے تو وہ ایمان داروں کو مسیحی کردار کی نشوونما کی اہمیت یاد دلاتا ہے۔ اگر وہ اس بات کو پہلے ہی جانتے ہیں تو بھی اُنہیں متواتر یاد دلانے کی ضرورت ہے، اور اسی طرح ہمیں بھی۔ اگرچہ ہم

”حق کی بات پر قائم“ ہیں تو بھی خطرہ ہے کہ کہیں اور معروف نہ ہو جائیں یا بھول ہی جائیں۔ پس حق کو ہر وقت دہراتے رہنا ضروری ہے۔

۱۳:۱۔ پطرس کا نہ صرف یہ ارادہ ہی تھا بلکہ فرض بھی تھا کہ ”جب تک“ وہ زندہ ہے ایمان داروں کو یاد دلا دلا کر ”ابھارتا“ رہے۔ اب جبکہ وہ عمر کے آخری حصے میں تھا وہ محسوس کرتا ہے کہ انہیں روحانی غنودگی سے جگائے رکھے۔

۱۴:۱۔ ”خداوند“ نے پطرس کو پہلے ہی سے آگاہ کر دیا تھا کہ وہ کس قسم کی موت مرے گا (کروٹا ۱۸:۲۱-۱۹)۔ اُس وقت سے لے کر اب تک بہت سے سال گزر چکے ہیں۔ رسول جانتا تھا کہ عام سلسلہ واقعات کے مطابق اُس کی موت نزدیک ہے۔ اس سے اُس کے ارادہ کو اور بھی ہمیز لگی کہ جتنا وقت باقی رہ گیا ہے اُس عرصے میں خدا کے لوگوں کی دیکھ بھال کرتا رہے۔ وہ اپنی موت کو اپنے زمینی گھر کو ایک طرف رکھنے یا اپنے بدن کے ”خیمہ“ کے رگڑائے جانے کے طور پر بیان کرتا ہے۔ جس طرح خیمہ مسافروں کے لئے عارضی سکونت گاہ ہوتا ہے، اُسی طرح بدن بھی ایک ایسا ڈھانچا ہے جس میں ہم اپنی زمینی مسافرت کے زمانہ میں رہتے ہیں۔ موت کے وقت یہ خیمہ گرا دیا جاتا ہے۔ فضائی استقبال کے وقت بدن جی اٹھے گا اور تبدیل ہو جائے گا۔ اپنی ابدی اور جلالی شکل میں بدن کو عمارت اور گھر کہا گیا ہے (۲۔ کرنتھیوں ۵: ۱۰)۔

یہ حقیقت کہ پطرس کو اپنی موت کے بارے میں علم تھا مسیح کے اپنے مقتول کو لینے کے لئے آنے کی نفی نہیں کرتی۔ سچی کلیسیا یہ اُمید ہمیشہ ہی رکھتی ہے کہ مسیح کسی لمحہ بھی آجائے گا۔ پطرس کو یہ علم کہ وہ مسیح کے دوبارہ آنے تک زندہ نہیں رہے گا کسی خاص مکاشفہ کے ذریعہ ہوا تھا۔

۱۵:۱۔ رسول مقتولوں کو روحانی ترقی کی اہمیت یاد دلانے کے لئے نہ صرف ذاتی طور پر کوشاں ہے بلکہ ایسا انتظام بھی کر رہا ہے کہ اپنی موت کے بعد تحریری صورت میں ایک مستقل یادداشت بھی چھوڑ جائے تاکہ وہ ہمیشہ ”یاد“ رکھ سکیں۔ نتیجہ پطرس کے خطوط اُنیس سو سال سے مرد و خواتین کی راہ کو متوجہ کر رہے ہیں اور ہمارے نجات دہندہ کی دوبارہ آمد تک کرتے رہیں گے۔

یہاں تحریری خدمت کی اہمیت صاف ظاہر ہے۔ صرف تحریری کلام ہی پائیدار ہوتا ہے۔ ایک شخص کی خدمت تحریری الفاظ کے ذریعہ موت کے بعد بھی جاری رہتی ہے۔

یہاں پطرس وفات کے لئے لفظ انتقال استعمال کرتا ہے۔ یہ وہی لفظ ہے جو ٹوٹا ۹: ۳۱ میں مسیح کی موت کے لئے بڑا گیا ہے۔ موت انسان کی ہستی کو ختم نہیں کرتی بلکہ یہ ایک مقام سے دوسرے مقام کی طرف منتقل ہونا ہے۔

یہ آیات ہمارے لئے خاص قدر قیمت کی حامل ہیں کیونکہ یہ ایک راست باز شخص کو جو موت کے سایہ میں رہتا ہے یہ دکھاتی ہیں کہ اُس کے لئے کیا اہم ہے۔ ”ان باتوں کو“ کا ذکر چار مرتبہ یعنی آیات ۸، ۹، ۱۲ اور ۱۵ میں آیا ہے۔ جب ہم ابدی دنیا کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ مسیحی ایمان کی عظیم بنیادی سچائیوں کی بے حد قدر و قیمت ہے۔

۱۲:۱- باب کی اختتامی آیات مسیح کے جلال میں یقینی طور پر آنے کے بارے میں بیان کرتی ہیں۔ پطرس پہلے رسولوں کی گواہی کے یقینی ہونے کے متعلق بیان کرتا ہے اور پھر نبوتی کلام کے یقینی ہونے کو۔ یہ ایسا ہی ہے گویا کہ وہ نئے عہد نامہ اور پرانے عہد نامہ کو ملاتا ہے اور اپنے قارئین سے کہتا ہے کہ اس متحدہ گواہی کو پکڑے رہو۔

وہ اس بات پر زور دیتا ہے کہ رسولوں کی گواہی حقائق پر مبنی ہے نہ کہ قہقہے کمانیوں پر۔ انہوں نے جب ”تمہیں اپنے خداوند یسوع مسیح کی قدرت اور آمد سے واقف کیا تھا تو دعا بازی کی گھڑی ہوئی کمانیوں کی پیروی نہیں کی تھی“۔

پطرس جس خاص واقعہ کا حوالہ دیتا ہے وہ پہاڑ پر مسیح کا صورت بدلنا تھا۔ اسے تین رسولوں پطرس، یعقوب اور یوحنا نے دیکھا تھا۔ ”قدرت اور آمد“ یہ کہنے کا ایک ادبی طرز ہے جس کا مطلب ”زور سے آنا“ یا ”زور دار آمد“ ہے۔ مسیح کا صورت بدلنا اُس کا تمام دنیا پر حکومت کرنے کے لئے ”قدرت“ میں آمد کا پیشگی نظارہ تھا۔ اس واقعہ کے بارے میں متی کی انجیل میں صاف صاف بیان کیا گیا ہے۔ متی ۱۶: ۲۸ میں یسوع نے کہا ”میں تم سے پہلے کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں اُن میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اُس کی بادشاہی میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے موت کا مزہ ہرگز نہ چکھیں گے“۔ پھر اس سے اگلی ہی آیت میں مسیح کی تبدیلی صورت کو بیان کیا گیا ہے۔ پہاڑ پر پطرس، یعقوب اور یوحنا نے یسوع کو اسی جلال میں دیکھا جس میں وہ ایک ہزار سال تک حکومت کرنے کے لئے آئے گا۔ اپنی وفات سے پیشتر ان تینوں رسولوں نے ابن آدم کو اُس کی آنے والی حکومت کے جلال میں دیکھا۔ یوں مسیح کے متی ۱۶: ۲۸ میں الفاظ ۱۷: ۱ میں پورے ہو گئے۔

اب پطرس بڑا زور دے کر کہتا ہے کہ تبدیلی صورت کے بارے میں رسولوں کا بیان ”دعا بازی کی گھڑی ہوئی کمانوں“ (یونانی میں دیوتاؤں کے خیالی قصے) پر مبنی نہیں جیسا کہ بعض لوگ الزام لگاتے ہیں۔

قصے کمانوں کے الزام کو رد کرنے کے لئے پطرس مسیح کی صورت بدلنے کے تین ثبوت دیتا ہے: دیکھنے کی شہادت، سُننے کی شہادت اور جسمانی طور پر موجود ہونے کی شہادت۔ دیکھنے کی شہادت۔ رسولوں نے ”خود اُس کی عظمت کو دیکھا تھا“۔ یوحنا گواہی دیتا ہے ”ہم نے اُس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال“ (یوحنا ۱: ۱۴)۔

۱۷:۱۔ پھر سُننے کی شہادت ہے۔ رسولوں نے ”خدا“ کی آواز کو یہ کہتے سنا: ”یہ میرا پیارا بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں“۔ خداوند کو عزت و جلال دینے کی یہ آواز ”اُس افضل جلال میں سے“ آئی یعنی اُس چمکتے دھمکتے جلالی بادل میں سے آئی جسے شکیہ کہا جاتا تھا اور جو خدا کی حضوری کا نشان تھا۔

۱۸:۱۔ پطرس اس بات پر زور دیتا ہے کہ جب وہ ”مقدس پہاڑ پر“ خداوند کے ساتھ تھے تو انہوں نے صاف طور پر خدا کی آواز کو ”سنا“ تھا۔ یہاں پر تین آدمیوں کی گواہی ہے جو متی ۱۸: ۱۶ کے مطابق کسی بات کی تصدیق کے لئے کافی ہے۔

آخر میں پطرس جسمانی طور پر موجود ہونے کی گواہی پیش کرتا ہے: ”ہم اُس کے ساتھ مقدس پہاڑ پر تھے“۔ یہ اُن کی زندگی میں حقیقتاً واقع ہوا، اس لئے اس پر شک نہیں کیا جاسکتا۔ ہم اُس پہاڑ کے بارے میں کچھ نہیں جانتے جس پر مسیح کی صورت تبدیل ہوئی تھی۔ اگر اُس کی شناخت ہو جاتی تو عین ممکن تھا کہ اب تک وہاں کئی ایک زیارت گاہیں قائم ہو جاتیں۔ اُس پہاڑ کو ”مقدس پہاڑ“ اس لئے نہیں کہا گیا ہے کہ وہ بذاتِ خود مقدس تھا بلکہ اس لئے کہ اُسے ایک مقدس واقعہ کے لئے چُن لیا گیا تھا۔

۱۹:۱۔ ”اور ہمارے پاس نبیوں کا وہ کلام ہے جو زیادہ معتبر ٹھہرا“۔ عہدِ عتیق کے

لئے ایک روایت کے مطابق جس پہاڑ پر مسیح کی صورت تبدیل ہوئی وہ کوہِ تہور تھا اور یہاں حقیقتاً ایک زیارت گاہ بھی ہے۔ تاریخی طور پر یہ روایت درست نہیں ہے کیونکہ کوہِ تہور اُنچا پہاڑ نہیں ہے جیسا کہ بائبل میں بتایا گیا کہ وہ بہت اُنچا پہاڑ تھا۔ پھر ہمارے خداوند کے زمانہ میں وہاں غالباً

انبیاء نے پیشین گوئی کی تھی کہ مسیح قدرت اور بڑے جلال میں آئے گا۔ تبدیلی صورت کے پہاڑ پر جو واقعات رونما ہوئے انہوں نے ان پیشینگوئیوں کی تصدیق کر دی۔ اُس وقت رسولوں نے جو کچھ دیکھا اُس نے نہ تو پیشین گوئیوں کو ایک طرف ہٹایا اور نہ انہیں اور زیادہ یقینی بنایا، بلکہ اُن کی محض تصدیق کی۔ رسولوں کو مسیح کی آنے والی بادشاہی کے جلال کی پیشگی جھلک دکھائی گئی۔

آیت ۱۹ کے باقی حصے کے لئے ایلف۔ ڈیلیو۔ گرانٹ کا انگریزی ترجمہ مفید ثابت ہو گا جس کا اردو ترجمہ یوں ہے: ”اچھا کرتے ہو جو اپنے دلوں میں غور کرتے ہو (کہ وہ ایک چراغ ہے جو اندھیری جگہ میں روشنی بخشتا ہے جب تک پو نہ پھٹے اور صبح کا ستارہ نہ چمکے)۔“ اس پر غور کریں کہ گرانٹ یہاں قوسین استعمال کرتا ہے۔ اُس کے ترجمہ کے مطابق ہمیں ”غور“ کا تعلق ”تمہارے دلوں“ سے پیدا کرنا چاہئے۔ دوسرے لفظوں میں ہمیں اپنے دلوں میں توجہ دینی چاہئے۔ اردو بائبل میں یوں ہے: ”جب تک پو نہ پھٹے اور صبح کا ستارہ تمہارے دلوں میں نہ چمکے“ اور یہ اس کی تشریح میں مشکل پیدا کرتا ہے۔

نبیوں کا کلام چمکتی ہوئی ”روشنی“ ہے اور ”اندھیری جگہ“ یہ دُنیا ہے۔ پو پھٹنا موجودہ کلیسیائی زمانہ کے اختتام کی طرف اشارہ ہے (رومیوں ۱۳: ۱۲)۔ ”صبح کا ستارہ“ مسیح کا اپنے مقدسوں کو لینے آنے کی نظر کشی کرتا ہے۔ یوں اس حوالے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ”نبیوں کے کلام“ کو ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھیں، اسے اپنے ”دلوں“ میں بستے دیں کیونکہ وہ اس ”اندھیری دُنیا“ میں ”روشنی“ کا کام دے گا جب تک کہ یہ زمانہ ختم نہ ہو جائے اور مسیح اپنے منتظر مقدسین کو لینے کے لئے بادلوں پر ظاہر نہ ہو جائے۔

۲۰:۱۔ آخری دو آیات میں پطرس اس بات پر زور دیتا ہے کہ نبیوں کے کلام کا منبع خدا ہے انسان نہیں۔ خدا نے انہیں الہی تحریک بخشی تھی۔

”نبوت کی بات کی تائید کسی کے ذاتی اختیار پر موقوف نہیں۔“

رومن فوج کی چھاؤنی بھی تھی اور اُس کی موجودگی میں اس قسم کا ذاتی اظہار نہیں ہو سکتا تھا۔ گلیل کے شمالی کوہ تسانی سلسلے میں کوہ حرمون ہے جس کی بلند چوٹی برف سے ڈھکی رہتی ہے۔ غالباً یہی سب سے موزوں جگہ ہے۔

پطرس یہاں نبیوں کے کلام کے ماخذ کے بارے میں بات کر رہا ہے نہ کہ دئے جانے کے بعد اُس کی تشریح کے بارے میں۔ نکتہ یہ ہے کہ جب انبیاء لکھتے بیٹھے تو انہوں نے واقعات کی "تاویل" اپنے ذاتی اختیار سے نہیں کی اور نہ اُس نتیجہ کو لکھا جس پر وہ پہنچے۔ بالفاظ دیگر یہاں لفظ "تاویل" کا اشارہ تشریح کرنے کی طرف نہیں، بلکہ اُس طریقہ کی طرف جس میں پہلے پہل کلام ملا تھا۔

ڈی۔ ٹی۔ ینگ لکھتے ہیں :

پس متن یہ ظاہر کرتا ہے کہ کلام کا ماخذ انسانی نہیں ہے۔ یہ انسان کی نہیں خدا کی تاویل ہے۔ ہم کلام کے بعض بیانات کے بارے میں سننے ہیں کہ یہ گویا داؤد کا، یا پولس کا یا پطرس کا خیال ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ پاک کلام میں انسان کا خیال قطعی نہیں پایا جاتا۔ اس میں جو کچھ ہے وہ سب خدا کی تاویل ہے۔ کوئی بھی پیشین گوئی کسی بھی شخص کی تاویل نہیں ہے۔ آدمی رُوح القدس کی تحریک سے بولتے تھے۔

نیوکنگ جیمز ودرٹن کے انگریزی ترجمہ کے حاشیہ میں تاویل کی جگہ ماخذ تجویز کیا گیا ہے جو بالکل درست ہے۔

۲۱:۱ - آیت ۲۰ میں جو بیان کیا گیا ہے یہ آیت اُس کی تصدیق کرتی ہے۔ "نبوت کی کوئی بات آدمی کی خواہش سے کبھی نہیں ہوئی"۔ کسی نہ کسی طریقے سے جسے ہم سمجھ نہیں سکتے، خدا نے اُن لوگوں کو اپنا کلام تحریر کرنے کو دیا لیکن ساتھ ہی اُس نے اُن کی انفرادیت یا طرز کو ختم نہیں کیا۔ بائبل میں الہام ربانی پر یہ ایک کلیدی آیت ہے۔ ان دونوں میں جبکہ کئی لوگ کلام کے اختیار کا انکار کرتے ہیں ہمیں لاخطا کلام کے لفظی اور تمام وکمال الہام پر مضبوطی سے قائم رہنا چاہئے۔ لفظی الہام سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ جب پہلے چالیس یا اس سے بھی زیادہ آدمیوں نے الفاظ کو قلم بند کیا تو اُن مہستفین میں خدا نے اپنا روح پھونکا تھا (دیکھئے ۱۔ کرنتھیوں ۲: ۱۳)۔ خدا نے نہ تو کوئی عام خاکہ یا کوئی بنیادی خیال دیا اور نہ مہستفین کو اپنی مرضی کے مطابق اس کی تشریح ہی کرنے دی۔ انہوں نے جو الفاظ لکھے وہ انہیں رُوح القدس

لے یونانی لفظ کا ترجمہ "ماخذ" اور "تاویل" دونوں کیا جاسکتا ہے۔

نے دیئے۔

تمام وکمال الہام سے ہمارا مطلب یہ ہے کہ پیدا کرنا سے لے کر مکاشفہ تک تمام بائبل کیساں
خُدا کی طرف سے دی گئی ہے۔ یہ نکل خُدا کا کلام ہے (دیکھیے ۲- تیمتھیس ۱۶: ۳)۔ لاجپا سے
ہمارا مطلب یہ ہے کہ خُدا کا حاصل شدہ کلام اپنی اصلی زبان میں غلطیوں سے قطعی پاک ہے،
اور نہ صرف تعلیم میں بلکہ تاریخ، سائنس، واقعہ نگاری اور دیگر باتوں میں بھی۔

۳- جھوٹے اُستادوں کے اُٹھنے کے بارے میں پیشینگوئی (باب ۲)

۱: ۲- پہلے باب کے اختتام پر پطرس عہدِ عتیق کے اُن انبیاء کا حوالہ دیتا ہے جو اپنی خواہش
کے مطابق نہیں بلکہ رُوح القدس کی تحریک سے بولتے تھے۔ اور اب وہ یہ بتاتا ہے کہ عہدِ
عتیق کے زمانہ میں سچے انبیاء کے علاوہ ”جھوٹے نبی بھی تھے“ اور جس طرح اس فضل کے زمانہ میں
مُسند اُستاد ہیں، اُسی طرح ”جھوٹے اُستاد“ بھی ہوں گے۔

”یہ جھوٹے اُستاد“ کلیسا میں عہدہ حاصل کر لیتے ہیں۔ وہ ظاہر کرتے ہیں کہ خوشخبری
کے خادم ہیں۔ اسی وجہ سے خطرہ بڑا بن جاتا ہے۔ اگر وہ صاف صاف بتا دیں کہ وہ ملحد اور مادہ
پرست ہیں تو لوگ اُن سے ہوشیار رہیں گے۔ لیکن وہ دھوکا دینے میں ماہر ہیں۔ وہ اپنے ساتھ
بائبل لے پھرتے اور راسخ اصطلاحات استعمال کرتے ہیں اگرچہ اُن کا مطلب اُن سے قطعی مختلف
ہوتا ہے۔

اگرچہ وہ اپنے آپ کو راست بازی کا خادم ظاہر کرتے ہیں، تاہم وہ بائبل کی درست تعلیم
کے ساتھ ”پوشیدہ طور پر“ رُوح کو ہلاک کرنے والی ”بدعتیں“ بھی متعارف کراتے ہیں۔ یہ دیدہ
دانستہ سچ اور جھوٹ کو ملانا ہے۔ بنیادی طور پر وہ ایک ایسے سسٹم کو چلاتے ہیں جو
انکار کے مترادف ہے۔

جھوٹے اُستادوں کا حتمی گناہ یہ ہے کہ وہ اُس مالک کا انکار کرتے ہیں جس نے انہیں
مول لیا تھا۔ ”اگرچہ وہ یسوع کے بارے میں اچھی باتیں کہتے، اُس کی الوہیت کی طرف اشارہ
کرتے، اُس کے اعلیٰ اخلاق اور اعلیٰ نمونے کا ذکر کرتے ہیں لیکن وہ اُس کے خُدا اور لاثانی
نجات دہندہ ہونے کا اقرار نہیں کرتے۔

ہم یہاں تھوڑا توقف کریں اور اپنے آپ کو یاد دلائیں کہ جن کا پطرس حوالہ دیتا ہے انہیں خداوند نے خریدا تو تھا لیکن وہ کبھی مخلصی یافتہ نہیں تھے۔ نیا عہد نامہ خریدنے اور مخلصی دلانے میں فرق ظاہر کرتا ہے۔ خداوند نے سب کو خریدا ہے لیکن سب نجات یافتہ نہیں ہیں۔ مخلصی ان کو ملتی ہے جو یسوع مسیح کو بطور نجات دہندہ اور خداوند قبول کرتے ہیں اور اُس کے بہائے گئے خون سے مستفیض ہوتے ہیں (۱- پطرس ۱: ۱۸، ۱۹)۔

متی ۱۳: ۴۴ میں خداوند یسوع کی ایک آدمی کے طور پر منظر کشی کی گئی ہے جو اپنا سب کچھ بیچ کر کھیت خرید لیتا ہے۔ اس باب کی ۲۸ آیت میں کھیت کو صاف طور پر دُنیا بتایا گیا ہے۔ پس خداوند نے صلیب پر اپنی موت کے وسیلہ سے دُنیا کو اور جو اُس میں ہیں خرید لیا ہے۔ لیکن اُس نے تمام دُنیا کو نجات نہیں دی ہے۔ جبکہ اُس کا کام تمام بنی نوع انسان کو خریدنے کے لئے کافی تھا، یہ صرف اُن کے لئے مؤثر ہے جو توبہ کرتے، اُس پر ایمان لاتے اور اُسے قبول کرتے ہیں۔

یہ حقیقت کہ یہ جھوٹے استاد کبھی بھی نہ اُس سے بے پیرا نہیں ہوئے تھے، اُن کے انجام سے ظاہر ہے۔ ”وہ اپنے آپ کو جلد ہلاکت میں ڈالیں گے۔“ اُن کا انجام ہمیشہ کے لئے آگ کی جھیل میں ڈالا جانا ہوگا۔

۲: ۲- پطرس پیش گوئی کرتا ہے کہ وہ بہت سے لوگوں کو اپنی طرف راغب کر لیں گے۔ یہ وہ بائبل کے اخلاقی معیار کو کم کرنے اور جسم کے کام کرنے کی اجازت دینے سے کریں گے۔ جھوٹے استادوں کے اس قسم کے رویے کی تعلیم دینے اور عمل کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ”راہ حق“ کی بدنامی ہوئی اور بے ایمانوں کے دلوں میں مسیحیت کے بارے میں گہری حقارت پیدا ہوئی۔

۳: ۲- یہ جھوٹے استاد جنسی اور مالی معاملات میں بڑے لالچی ہوتے ہیں۔ انہوں نے خدمت کو ایک نفع بخش پیشے کے طور پر چنا ہے۔ اُن کا مقصد زیادہ سے زیادہ پیروکار بنانا ہے تاکہ اُن کی آمدنی میں اضافہ ہو۔

وہ جھوٹی ”باتیں بنا کر“ لوگوں کو ابھارتے ہیں۔ ڈاربی کہتا ہے: ”شیطان اُس وقت سب سے زیادہ شیطان ہوتا ہے جب اُس کے ہاتھ میں بائبل ہوتی ہے۔“ پس یہ آدمی جن کے ہاتھوں میں بائبل تھی اپنے آپ کو راست بازی کا خادم ظاہر کرتے، مشہور بشارتی گیت گاتے اور

بائبل کی اصطلاحات استعمال کرتے تھے۔ لیکن یہ سب اپنے کافرانہ اور بگڑے ہوئے اخلاق پر پردہ ڈالنے کے لئے تھا۔

ان مذہبی تخریب کاروں کا ایک ہولناک سزا انتظار کر رہی ہے۔ ”اُن کی سزا کا حکم ہو چکا ہے۔“ وہ اُن کو ذبح کرنے کے لئے اپنی چھری تیز کر رہی ہے۔ ”اُن کی ہلاکت“ سوئی نہیں۔ وہ جاگ رہی ہے اور پچھتے کی طرح جھپٹنے کے لئے تیار ہے۔

۴۰:۲- آیات ۴-۱۰ میں عہدِ عتیق سے ارتداد پر خدا کی عدالت کی تین مثالیں ملتی ہیں۔ فرشتے، طوفانِ نوح سے پہلے کی دنیا اور سدوم اور عمورہ کے شر۔

ہمارا خیال ہے کہ گناہ کرنے والے فرشتے ”وہ تھے جن کا یہوداہ آیت ۶ میں بھی ذکر ہے۔ وہاں سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ (۱) اُنہوں نے اپنی حکومت کو قائم نہ رکھا (۲) اُنہوں نے اپنے خاص مقام کو چھوڑ دیا۔ اگرچہ ہم وثوق سے تو نہیں کہہ سکتے لیکن یہ یقین کرنے کی کافی مضبوط وجوہات ملتی ہیں کہ یہ وہی ”خدا کے بیٹے“ ہیں جن کا ذکر پیدائش ۶:۲ میں ملتا ہے: ”خدا کے بیٹوں نے آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھا کہ وہ خوبصورت ہیں اور جن کو اُنہوں نے چُنا اُن سے بیاہ کر لیا۔“ ایوب ۶:۱ اور ۱:۲ میں فرشتوں کو خدا کے بیٹے کہا گیا ہے۔ لگتا ہے کہ پیدائش باب ۶ کا مفہوم یہ ہے کہ خدا کے ان بیٹوں نے فرشتوں کی حکومت جو انہیں دی گئی تھی اسے چھوڑ دیا، اپنی آسمانی سکونت گاہ کو زمینی سے بدل لیا اور انسانی عورتوں سے شادی کر لی۔ جو بچے اُن سے پیدا ہوئے وہ نیفیلیم nephilim کہلاتے تھے جس کا مطلب ”گرے ہوئے“ ہے (پیدائش ۶:۴)۔ یہ پیدائش ۶:۳ سے صاف ظاہر ہے کہ خدا اس خلافِ معمول جنسی اتحاد سے سخت ناخوش تھا۔

اس نظریہ کے خلاف اکثر یہ کہا جاتا ہے کہ فرشتوں کی جنس نہیں ہوتی اس لئے وہ شادی نہیں کر سکتے۔ لیکن بائبل ایسا نہیں کہتی۔ وہ صرف یہ کہتی ہے کہ آسمان میں بیاہ شادی نہیں ہوتی (مرقس ۱۲:۲۵)۔ عہدِ حقیق میں فرشتے اکثر انسانی جسم میں ظاہر ہوتے تھے۔ مثلاً وہ دو فرشتے جن کی نوط نے سدوم میں خاطر مدارت کی (پیدائش ۱۹:۱) اُنہیں ۱۵، ۱۰، ۱۲ آیات میں مرد کہا گیا ہے۔ سدوم کے لوگوں کی غیر فطری خواہشات سے ظاہر ہے کہ اُن فرشتوں کے جسم تھے جن پر جنسی تشدد کیا جاسکتا تھا (آیت ۵)۔

۵:۲- دوسری مثال جس میں خدا نے سزا دینے کے لئے براہِ راست مداخلت کی

اُن لوگوں کی ہے جو پانی کے طوفان میں ہلاک ہوئے۔ اُن کی بدی بہت بڑھ گئی تھی۔ اُن کے دل کے تصور اور خیال سدا بُرے ہی رہتے تھے (پیدائش ۶: ۵)۔ خدا کی نظر میں زمین ناراست اور ظلم سے بھری ہوئی تھی (پیدائش ۱۱: ۶-۱۳)۔ خداوند کو زمین پر آدمیوں کو پیدا کرنے کا افسوس ہوا (پیدائش ۶: ۶)۔ وہ اتنا ملول ہوا کہ اُس نے اُنہیں کدوئے زمین سے مٹا دینے کا فیصلہ کر لیا (پیدائش ۶: ۷)۔ خدا نے ”قدیم زمانہ“ کو نہ چھوڑا اور اُس کے بے دین لوگوں کو ہلاک کرنے کے لئے اُس پر پانی کا طوفان لایا۔

صرف نوح اور اُس کا خاندان ہی خداوند کی نظر میں مقبول ٹھہرا۔ اُنہوں نے کشتی میں پناہ لی اور حفاظت سے خدا کے غضب و غضب کے طوفان پر تیرتے رہے۔

”نوح“ کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ ”مردِ راست باز“ تھا۔ بلاشبہ جب وہ کشتی بنا رہا ہو گا تو وہ ہتھوڑے کی ضربوں کے درمیان میں مسخر اُڑانے والے تماشائیوں کو متنبہ بھی کرتا جاتا ہو گا کہ وہ گناہ سے منہ پھیریں یا پھر اپنی بدی کے لئے خدا کی راست عدالت کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہیں۔

۶: ۲- تیسری مثال جس کا تعلق خدا کی عدالت سے ہے وہ ”سَدوم اور عمورہ“ کی تباہی ہے۔ یہ دو شہر بحیرہ مردار کے جنوبی علاقے میں کہیں واقع تھے اور یہ دونوں جنسِ کجروی کے گروہ تھے۔ لوگ ہم جنس پرستی کو عام طرزِ زندگی کے طور پر قبول کرتے تھے۔ اس گناہ کا ذکر رو میوں ۱: ۲۶، ۲۷ میں کیا گیا ہے :

”یہاں تک کہ اُن کی عورتوں نے اپنے طبعی کام کو خلافِ طبع کام سے بدل ڈالا۔ اسی طرح مرد بھی عورتوں سے طبعی کام چھوڑ کر آپس کی شہوت سے مست ہو گئے یعنی مردوں نے مردوں کے ساتھ مردِ وسیا ہی کے کام کر کے اپنے آپ میں اپنی گمراہی کے لائق بدلہ پایا۔“

خدا اس بے لگام پستی کو بیماری نہیں سمجھتا بلکہ گناہ کہتا ہے۔ آنے والی نسلوں کو یہ دکھانے کے لئے کہ وہ ہمجنس پرستی سے سخت نفرت کرتا ہے اُس نے سَدوم اور عمورہ پر آگ اور گندھک برباد کر دی (پیدائش ۱۹: ۲۴)۔ یہ تباہی اس قدر مکمل تھی کہ آج بھی جہینہ پورے طور پر علم نہیں کہ وہ کہاں واقع تھے۔ اسے اُن کے لئے جو اس گناہ کو قانونی درجہ دینے پر تھے ہوئے ہیں یا جو اسے محض بیماری قرار دیتے ہیں عبرت ہونا چاہئے۔

۷:۲۔ وہی خدا جو بے دینوں پر اپنا غضب نازل کرتا ہے، ”راست باز“ کو بچاتا ہے۔ پطرس اس کا اظہار ”لوط“ کی مثال سے کرتا ہے۔ اگر ہمارے پاس لوط کے بارے میں صرف عبدعزیز کا بیان ہوتا تو ہم کبھی بھی اس کو ایمان دار نہ سمجھتے۔ پیدائش کے بیان سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ایک ایسا ابن الوقت تھا جو دنیا میں اپنا نام پیدا کرنے اور مقام بنانے کے لئے گناہ اور بدی سے سمجھوتا کر لیتا ہے۔ لیکن پطرس الہام سے لکھتے ہوئے ہمیں بتاتا ہے کہ وہ راست باز آدمی تھا جو ”بے دینوں کے ناپاک خیال چلن سے وقف تھا“۔ خدا نے دیکھا کہ لوط حقیقی ایمان رکھتا ہے اور وہ راست بازی سے پیار کرتا اور گناہ سے نفرت کرتا ہے۔

۸:۲۔ اس بات پر زور دینے کے لئے کہ اگرچہ بظاہر الٹ نظر آتا ہے لوط راست باز تھا، پطرس کہتا ہے کہ سدوم کے کاموں کو دیکھ دیکھ کر اور سن سن کر وہ ہر روز اپنے دل کو شکستے ”کیچیتا“ تھا۔ لوگوں کی سخت ناگوار بد اخلاقی سے اسے گہرے دکھ ہوتا تھا۔

۹:۲۔ نتیجہ یہ ہے کہ ”خداوند دینداروں کو آزمائش سے نکال لینا“ اور بدکاروں کو سزا دینا جانتا ہے۔ وہ اپنے لوگوں کو آزمائش سے بچا سکتا ہے اور ساتھ ہی ”بدکاروں کو عدالت کے دن تک سزائیں رکھنا جانتا ہے“۔

”بدکار جہنم کے لئے مخصوص ہیں اور جہنم بدکاروں کے لئے“ (آیات ۱۷، ۱۸)۔ اسی طرح ایمان دار میراث کے لئے مخصوص ہیں اور میراث ایمان داروں کے لئے (۱- پطرس ۴: ۵)۔ ۱۰:۲۔ اس باب میں جس قسم کے لوگوں کا بیان کیا گیا ہے خدا ان کو عدالت کے دن تک سزائیں رکھے گا یعنی جھوٹے استادوں کو جو ”ناپاک“ خواہشوں سے جسم کی پیروی کرتے، ”حکومت“ کے خلاف بغاوت کی حمایت کرتے اور بڑی دیدہ دلیری سے اعلیٰ حاکموں کی بے عزتی کرتے ہیں۔

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے کہ جھوٹے مذہبی استاد جو مسیح کے خادم ہونے کا روپ دھارے ہوئے ہیں ان کا اخلاقی معیار اکثر پرست ہوتا ہے۔ وہ نہ صرف خود ناجائز جنسی تعلقات رکھتے ہیں بلکہ وہ علانیہ عیاشی و آوارگی کی حمایت کرتے ہیں۔ پھر یہ بات بھی ظاہر ہے کہ آزادی پسند مذہبی راہنما اکثر ان تجریکوں کے ہر اول دستے میں ہوتے ہیں جو حکومت کو تشدد کے ذریعہ ہٹانے کی حمایت کرتی ہیں۔ ماڈرن خیالات کے خادم اکثر تخریبی سیاست کا ساتھ دیتے ہیں۔

یہ لوگ دلیر اور سرکش ہیں۔ اپنے حاکموں کو برا بھلا کہنے کے لئے وہ بہت سخت زبان استعمال کرتے ہیں۔ یہ حقیقت کہ انسانی حکومتیں خدا کی طرف سے مقرر ہیں اور اُن کو برا کہنے سے منع کیا گیا ہے (رومیوں ۱۳: ۱، اعمال ۲۳: ۵) اس قسم کے لوگوں کو قطعی متاثر نہیں کرتی۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ ”عزت داروں“ (یونانی = بزرگ یا جلیل القدر) کی عصیانہ مذمت کر کے خوشی محسوس کرتے ہیں۔ یہ ایک عام اصطلاح ہے اور اس میں وہ سب شامل ہیں جنہیں خدا نے حکومتی اختیار دیا ہے خواہ فرشتے ہیں یا انسان۔ یہاں غالباً انسانی حاکم مراد ہیں۔

۱۱: ۲۔ ان نام نہاد مذہبی خادموں کی گستاخی کی مثال فرشتوں کے حلقے میں بھی نہیں ملتی۔ اگرچہ ”فرشتے... طاقت اور قدرت میں“ آدمیوں سے ”بڑے ہیں“ لیکن وہ خداوند کے سامنے ”عزت داروں پر لعن طعن“ نہیں کرتے۔ غالباً یہاں عزت داروں سے مراد فرشتے ہیں جن کے پاس اختیار ہے۔

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ فرشتوں کی طرف یہ مجہم اشارہ وہی ہے جو یوہنا ۱: ۹ میں ہے: ”لیکن مقرب فرشتہ میکائیل نے موسیٰ کی لاش کی بابت ابلیس سے بحث و تکرار کرتے وقت لعن طعن کے ساتھ اُس پر نارش کرنے کی جرات نہ کی بلکہ یہ کہا کہ خداوند تجھے ملاحت کرے۔“ ہم یقین سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ اُن میں موسیٰ کی لاش پر بحث و تکرار کیوں ہوئی۔ ہمارے لئے اہم نکتہ یہ ہے کہ میکائیل جانتا تھا کہ ابلیس کو بد رُحوں کی دنیا میں اختیار حاصل ہے اور اگرچہ ابلیس میکائیل پر کوئی اختیار نہیں رکھتا تھا تو بھی اُس نے اُسے برا بھلا نہ کہا۔ پس اُن لوگوں کی دلیری کے بارے میں سوچئے جو وہ کچھ کرنے کی ہمت کرتے ہیں جو پاک فرشتے کرنے سے کتراتے ہیں۔ نیز اُس سزا پر بھی سوچئے جو اُن کو ملی ان نافرمانوں کو بھی ملے گی۔

۱۲: ۲۔ ”یہ“ نافرمان مذہبی لیڈر بے عقل جانوروں کی مانند ہیں۔ اپنی استدلالی قوت استعمال کرنے کی بجائے جو انہیں جانوروں سے ممتاز بناتی ہے، وہ ایسی زندگی بسر کرتے ہیں جس میں وہ اپنی جسمانی اشتہاؤں کی تسکین کو ہی زندگی کا مقصد سمجھتے ہیں۔ جس طرح اکثر جانوروں کے لئے ماسوا ذبح کئے جانے کے اور کوئی زیادہ بلند انجام نہیں ہوتا، اُسی طرح جھوٹے استادوں کا مقدر ہلاکت ہے۔ وہ اپنی حقیقی بلا ہٹ یعنی خدا کو جلال دینے اور اُس سے ہمیشہ تک لطف اندوز ہوتے رہنے کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

وہ جن باتوں سے ناواقف ہیں اُن کے بارے میں اوروں پر لعن طعن کرتے ہیں۔ ایسے

لوگ جب بائبل پر مکتہ چینی کرتے ہیں تو اُن کی لاعلمی اور بھی زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے۔ چونکہ وہ الہی زندگی سے محروم ہوتے ہیں اس لئے وہ خدا کے کلام، طریقوں اور کام کو سمجھنے کے ناقابل ہوتے ہیں (۱- کرنتھیوں ۲: ۱۴)۔ اس کے باوجود بھی وہ یہ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ روحانی معاملات کے ماہر ہیں۔ ایک حلیم ایمان دار اپنے گھنٹوں پر اس سے کہیں زیادہ جان سکتا ہے جتنا کہ وہ اپنے پنجنوں پر کھڑے ہو کر دیکھ سکتے ہیں۔

وہ اُسی تباہی سے دوچار ہوں گے جس سے جانور ہوتے ہیں۔ چونکہ انہوں نے جانوروں کی مانند زندگی بسر کرنا چننا ہے اس لئے وہ جانوروں کی طرح ہی مریں گے۔ اگرچہ اُن کی موت کا مطلب قطعی طور پر مرٹ جانا نہیں ہے لیکن وہ ذلت کی موت اور بغیر اُمید کے مریں گے۔

۱۳: ۲۔ دوسروں کے ”بڑا کرنے“ کے بدلے میں وہ اپنی موت میں دکھ اُٹھائیں گے۔ یہ لوگ اتنے بے شرم اور بے حیا ہیں کہ اپنی لگاہ آلود سرگرمیوں کو دن دن اُڑے جاری رکھتے ہیں۔ اکثر لوگ ”عیاشی“ کے لئے تاریکی پھیلنے کا انتظار کرتے ہیں (یوحنا ۳: ۱۹)، چنانچہ قہر خانوں اور شراب گھروں میں مدہم روشنی ہوتی ہے (۱- تھسلینیوں ۵: ۷)۔ لیکن جھوٹے اُستادوں نے اُس بندش کو بھی پس پشت ڈال دیا ہے جو گناہ کو عام طور پر سایہ میں چھپا دیتی ہے۔

جب وہ ایمان داروں کے ساتھ کھاتے پیتے ہیں تو وہ ”داغ اور عیب“ ہوتے ہیں یعنی بد نما اور ناپاک گھس بیٹھے جو زیادہ کھانے اور پینے سے عیاشی کرتے ہیں۔ یہوداہ انہی لوگوں کے بارے میں اپنے بیان میں کہتا ہے: ”یہ تمہاری محبت کی ضیافتوں میں تمہارے ساتھ کھاتے پیتے وقت گویا دریا کی پوشیدہ چٹانیں ہیں۔ یہ بے دھڑک اپنا پیٹ بھرنے والے چرواہے ہیں“ (یہوداہ آیت ۱۲)۔ جب کلیسیا کے ابتدائی زمانہ میں عشاءے ربانی کے سلسلے میں محبت کی ضیافتیں کی جاتی تھیں تو یہ لوگ قطعی بے اعتدال ہو جاتے اور ضیافت کی روحانی اہمیت کو بھلا بیٹھتے تھے۔ دوسروں کے بارے میں سوچنے کی بجائے جو محبت کا تقاضا ہے، وہ خود غرضی سے صرف اپنے بارے ہی میں سوچتے تھے۔

۱۴: ۲۔ ایک اور یہودہ بات یہ تھی کہ اُن کی آنکھوں میں ”جو گناہ سے رُک نہیں سکتیں“ ”رُنا کار عورتیں“ بسی رہتی تھیں۔ یہ اُن لوگوں کی حالت تھی جو فرض کے طور پر پیغام دیتے ، رسومات کی بجا آوری میں لاپرواہی کرتے اور اپنی جماعت کی صلاح کا خیال کرتے تھے۔ تاہم وہ

متواتر ایسی عورتوں کی تلاش میں رہتے جن سے وہ جنسی تعلقات قائم کر سکتے۔ اُن کی زنا کاری کی ہوس بے انتہا تھی جسے وہ خدمت کے پردے میں چھپائے رکھتے تھے۔

وہ ”بے قیام دلوں کو“ پھانتے ہیں۔ غالباً وہ غلط استعمال کرتے ہوئے گناہ سے درگزر کرتے تھے۔ یادہ یہ کہتے کہ غلط اور صحیح کا فیصلہ زیادہ تر بہاری تہذیب و تمدن کرتے ہیں۔ یادہ بڑی خوش اخلاق سے سادہ لوحوں کو یقین دلاتے کہ اگر محبت میں کچھ کر لیا جائے تو وہ غلط نہیں ہے۔ ایک بے قیام دل کے لئے یہ دلیل پیش کرنا بڑا آسان بن جاتا کہ اگر مذہبی راہنما کے لئے یہ بات جائز ہے تو ایک عام ممبر کے لئے یقیناً جائز ہوگی۔ اُن کے دل ”لاپنج کے شقائق“ رہتے ہیں۔ وہ بیستہ در تو نہیں ہیں لیکن اُن کی تربیت بے راہ روی میں مچھوٹی ہے۔ اگرچہ ”لاپنج“ کا مطلب ہر قسم کی حد سے زیادہ چاہرت ہو سکتا ہے لیکن ایسا لگتا ہے کہ یہاں متن کا اشارہ جنسی چاہرت کی طرف ہے۔

جب پطرس یاد کرتا ہے کہ یہ لوگ مسیحیت اور مسیح کو کتنا بدنام کرتے ہیں تو وہ ہکا بکا اٹھتا ہے کہ یہ ”لعنت کی اولاد ہیں“۔ وہ اُن پر لعنت نہیں بھیج رہا بلکہ دیکھ رہا ہے کہ وہ خدا کے پورے غضب میں لعنت کا تجربہ کریں گے۔

۱۵:۲۔ کئی لحاظ سے وہ ”بجور کے بیٹے بلعام“ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ وہ جھوٹ موٹ ظاہر کرتے ہیں کہ وہ خدا کے نمائندے ہیں (گنتی ۲۲:۳۸)۔ وہ دوسروں کو گناہ کی طرف راغب کرتے ہیں (مکاشفہ ۲:۱۴)۔ لیکن سب سے بڑی مشابہت یہ ہے کہ وہ خدمت کو مالی فائدے کا ذریعہ بنا لیتے ہیں۔ بلعام مدیانی نبی تھا جسے موآب کے بادشاہ نے اسرائیل پر لعنت کرنے کے لئے اجرت پر بلوایا تھا۔ اس کام کو کرنے سے اُس کا مقصد پیسہ حاصل کرنا تھا۔

۱۶:۲۔ ایک موقع پر جب بلعام اسرائیل پر لعنت کرنا چاہتا تھا تو اُس کا اور اُس کی گدھی کا سامنا خداوند کے فرشتے سے ہوا (یہ خداوند یسوع تھا جو اپنے تجسم سے پہلے ظاہر ہوا تھا)۔ گدھی نے آسمے بڑھنے سے بار بار انکار کیا۔ اور جب بلعام نے اُسے مارا تو گدھی نے انسانی زبان میں احتجاج کیا (گنتی ۲۲:۱۵-۳۴)۔ یہ ایک حیران کن اور عجیب صورت تھی۔ ”ایک بے زبان گدھی“ نے آدمی کی آواز میں بات کی (اور اپنے مالک سے زیادہ سمجھ کا مظاہرہ کیا)۔ لیکن اس معجزہ نے بھی بلعام کو اُس کی ”دیوانگی“ سے باز نہ رکھا۔

خدا آج کل جھوٹے استادوں کو بے زبان جانوروں کے ذریعہ تنبیہ نہیں کرتا۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ وہ دوسرے طریقوں سے اُن کی دیوانگی اور بے وقوفی پر اُنہیں تنبیہ کرتا اور اُن کی مضبوطی مستقیم (المسح) پر چلنے کے لئے حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ خدا اُن لوگوں کو شرمندہ کرنے کے لئے جو اپنی اعلیٰ تعلیم اور اپنے اعلیٰ مذہبی مرتبہ پر فخر کرتے ہیں اکثر کسی عظیم ایمان دار کی گواہی کو استعمال کرتا ہے۔ ممکن ہے کہ وہ کسی رُوح سے معمور عام مسیحی کے ذریعہ کوئی آیت پیش کرے یا کوئی چُبھتا ہوا سوال پوچھے اور موجودہ دور کے ان بلعاموں کو اُن کی ذلت اور غصّے میں کھولتا ہوا چھوڑ دے۔

۱۷:۲۔ پطرس اُنہیں خشک چشموں سے تشبیہ دیتا ہے۔ ضرورت مند لوگ اُن کے پاس تازگی اور روحانی پیاس بجھانے کے لئے جاتے ہیں لیکن اُنہیں مایوسی ہوتی ہے۔ وہ اندھے کو عمیں ہیں۔ وہ ایسی کھر ہیں جسے اندھی اڑاتی ہے۔ کھر ایک طویل عرصہ سے خشک سالی کا شکار زمین کے لئے بارش کا پیغام لاتی ہے۔ لیکن اندھی آتی ہے اور کھر کو اڑا لے جاتی ہے۔ امیدیں خاک میں مل جاتی ہیں اور کھٹی ہوئی خشک زمین آسودہ نہیں ہوتی۔

ان مذہبی نیم حکیموں کے لئے بے حد تاریکی دھری ہے۔ اگرچہ وہ اپنے آپ کو خوشخبری کا خادم کہتے ہیں لیکن درحقیقت اُن کے پاس دینے کے لئے کوئی خوشخبری نہیں ہوتی۔ لوگ اُن کے پاس روٹی کے لئے جاتے ہیں لیکن پتھر ملتا ہے۔ اس قسم کی دھوکا بازی کی سزا اب تک بے حد تاریکی میں رکھے جانا ہے۔

۱۸:۲۔ وہ گھنڈ کی بیہودہ باتیں بک بک کر۔ یہ آزادی پسند متادوں اور بدعتیوں کے الفاظ کی درست تشریح ہے۔ وہ مانے ہوئے مقرر ہیں جو اپنی عمدہ اور پر شکوہ تقریروں سے حاضرین کو مسحور کر لیتے ہیں۔ وہ اپنے فاضلانہ ذخیرہ الفاظ سے نا سمجھوں کو کھینچ لیتے ہیں۔ اُن کے پیغاموں میں جس بات کی کمی ہوتی ہے وہ اُسے اپنے وعظ کو زور دار طریقے سے پیش کرنے کے ذریعہ پوری کر لیتے ہیں۔ لیکن جب وہ اپنا وعظ ختم کرتے ہیں تو حقیقت میں انہوں نے کچھ بھی نہیں کہا ہوتا۔

ان جھوٹے استادوں کا لوگوں کو پھنسانے کا طریقہ یہ ہے کہ وہ اُن کے ساتھ وعدہ کرتے ہیں کہ وہ ہر قسم کی جسمانی خواہشوں اور شہوت پرستی میں لامحدود طور پر شریک ہو سکتے ہیں۔ وہ یہ سکھاتے ہیں کہ چونکہ جسمانی اشتہائیں خدا کی عطا کردہ ہیں اس لئے اُن پر قید نہیں لگانی چاہئے۔ اگر ایسا کیا جائے تو وہ شخصیت میں شدید بگاڑ کا باعث بنیں گی۔

اُن کا شکار وہ لوگ ہوتے ہیں جو گمراہوں میں سے نکل ہی رہے ہیں۔ یہ غیر نجات یافتہ لوگ پہلے کبھی گناہ آلود خوشیوں میں آزادی سے شریک ہوتے تھے لیکن اب اُن کا دل تبدیل ہو گیا ہے۔ اب اُنہوں نے اپنی اصلاح کرنے، نیا ذوق پلٹنے اور پُرج جاننا شروع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

۱۹:۲۔ مگر اہ خادم آزادی کے بارے میں بہت باتیں کرتے ہیں لیکن اُن کا مطلب الٰہی اختیار اور گناہ کرنے میں آزادی سے ہوتا ہے۔ درحقیقت ”یہ آزادی“ نہیں ہے بلکہ بدترین قسم کی غلامی ہے۔ ”وہ آپ خرابی کے غلام بنے ہوئے ہیں۔“ وہ شہوت پرستی اور بُری عادات کی زنجیروں سے بندھے ہونے کے باعث آزادی حاصل کرنے میں بے بس ہیں۔

۲۰:۲۔ آیات ۲۰-۲۲ خود جھوٹے استادوں کے بارے میں نہیں ہیں بلکہ اُن کے شکاروں کے متعلق۔ ان لوگوں کی اصلاح تو ہوئی لیکن وہ نئے سرے سے پیدا نہیں ہوئے تھے۔ اُنہوں نے ”یسوع مسیح“ کی مجرّوی پہچان اور مسیحی اصولوں کے وسیلہ سے گناہ کی زندگی سے منہ موڑ لیا اور اپنا اخلاقی تطہیر شروع کر دی۔

پھر وہ جھوٹے استادوں کے زیر اثر آگئے جو اسخ العقیدہ صفات کا تمسخر اڑاتے اور اخلاقی ممانعت سے آزادی حاصل کرنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ وہ پھر اُنہی گناہوں میں پڑ گئے جن سے اُنہوں نے عارضی طور پر رہائی حاصل کی تھی۔ لیکن اب وہ پہلے سے بھی زیادہ دُوب گئے کیونکہ اب مذہبی پابندی جو انہیں روکتی تھی ختم ہو گئی۔ لہٰذا یہ درست ہے کہ اُن کا پچھلا حال ”پہلے سے بدتر ہوا۔“

۲۱:۲۔ ایک شخص کا جتنا بڑا استحقاق ہے اتنی ہی بڑی ذمہ داری بھی ہوتی ہے۔ ایک شخص جتنا زیادہ مسیح کے معیار کے بارے میں جانتا ہے، اتنا ہی زیادہ اُس کے مطابق زندگی بسر کرنا اُس کا فرض ہے۔ ”اُس سے بہتر ہوتا کہ وہ خدا کے پاک تعاضوں کو نہ جانتا۔“ ۲۲:۲۔ اُن لوگوں پر گتے ”کی“ یہ سچی مثل صادق آتی ہے کہ کتا اپنی نفرت انگیز ”قے“ کی طرف رجوع کرتا ہے (دیکھئے امثال ۲۶:۱۱) اور نملائی ہوئی ”سوارنی“ دلدل میں لوٹنے کی طرف۔

یہ بڑی اہم بات ہے کہ پطرس یہاں ”گتے“ اور ”سوارنی“ کی مثال پیش کر رہا ہے۔ موسوی شریعت کے مطابق یہ دونوں ناپاک جانور تھے۔ ان کہاوتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُن کی فطرتوں میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہ، ”قے“ اور ”دلدل“ سے رجوع کرنے سے پیشتر بھی ناپاک تھے

اور جب وہ اُن کی طرف ٹوٹے ہیں تو بھی ناپاک ہوتے ہیں۔

پس یہی حال اُن لوگوں کا تھا جن کے متعلق پطرس نے لکھا۔ اُن کی اخلاقی اصلاح تو ہوئی لیکن انہیں نئی فطرت نہیں ملی تھی۔ متی ۱۲: ۴۳-۴۵ کی زبان میں اُن کا گھر خالی، چھڑا ہوا اور آراستہ تو تھا لیکن اُنہوں نے نجات دہندہ کو اُس میں رہنے کی دعوت کبھی نہیں دی۔ چنانچہ ناپاک رُوح جسے نکال دیا گیا تھا اپنے ساتھ کئی اور ناپاک رُوحوں کو اُس خالی گھر میں رہنے کے لئے لیکر آگئی۔ اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ اُس کا حال پہلے سے بھی بدتر ہو گیا۔

اس حوالہ کو یہ سیکھانے کے لئے کبھی بھی استعمال نہیں کرنا چاہئے کہ حقیقی ایمان دار فضل کو گنوا سکتے ہیں۔ ایسے لوگ حقیقی ایمان دار نہیں ہوتے اور نہ اُنہیں نئی فطرت ملی ہوتی ہے۔ اُنہوں نے اپنی آخری حالت سے ظاہر کیا کہ اُن کی فطرت ابھی تک ناپاک اور بُری ہے۔ سبق یہ ہے کہ اصلاح نہ صرف کافی ہے بلکہ خطرناک بھی ہے کیونکہ یہ جھوٹے تحفظ کا احساس دلا سکتی ہے۔ ہمیں نئی فطرت صرف نئی پیدائش سے ملتی ہے۔ ہم خدا کے حضور توبہ کرنے اور خداوند یسوع مسیح پر ایمان لانے سے نئے سرے سے پیدا ہوتے ہیں۔

۴۔ ٹھٹھا کرنے والوں کے ظاہر ہونے کے متعلق پیش گوئی

(باب ۳)

۱:۳- باب ۲ میں جھوٹے استادوں کے موضوع پر روشنی ڈالنے کے بعد، پطرس آخری دنوں میں ٹھٹھا کرنے والوں کے اُٹھنے کے بارے میں بیان کرتا ہے۔ جس طرح پہلے خط میں اُسی طرح اس میں بھی پطرس اپنے قارئین کی بائبل سے چمٹے رہنے کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔

۲:۳- اُنہیں "پاک نبیوں" کی پیشینگوئیوں کو یاد رکھنا چاہئے (یہ عہد عتیق میں ملتی ہیں) اور اُنہیں "خداوند" کی تعلیم کو بھی یاد رکھنا چاہئے جو رسولوں کی معرفت دی گئی (یہ نئے عہد نامہ میں محفوظ ہے)۔ روحانی زوال کے زمانہ میں صرف بائبل ہی ہماری سچی دُھال ہے۔

۳:۳- نبیوں اور رسولوں کی مسجّدہ گواہی یہ تھی کہ "آخر دنوں میں" ٹھٹھا کرنے والے آئیں گے جو اپنی خواہشوں کے موافق "چلیں گے"۔ مسیحیوں کو یہ ہمیشہ یاد رکھنا چاہئے۔ اُنہیں، ان آدمیوں کے گستاخانہ اور کُفرانہ انکار سے حیران نہیں ہونا چاہئے بلکہ ان میں یہ یقینی اشارہ دیکھنا چاہئے کہ دنیا کا خاتمہ قریب آپہنچا ہے۔

یہ ٹھٹھا کرنے والے ”اپنی“ خواہشوں کے موافق چلتے ہیں۔ خدا کے علم کو رد کرتے ہوئے وہ برسی بے خوفی سے اپنی اشتہاؤں کو مٹانے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ وہ آنے والی عدالت کو نظر انداز کرتے ہوئے اجازت کی وکالت کرتے ہیں۔

۳:۴۔ وہ بنیادی طور پر توحید کی آمد کا ٹھٹھا اڑاتے ہیں۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ ”اُس کے آنے کا وعدہ کہاں کیا؟“ مطلب یہ ہے کہ ”وعدہ کہاں پورا ہوا؟ لیکن اُن کی ”اُس کے آنے“ سے مراد کیا ہے؟

کیا اُن کا مطلب یہ ہے کہ مسیح اپنے ایمان داروں کو لینے آئے گا جسے ہم نضائی استقبال کہتے ہیں (۱- تفسلیکیوں ۱۳: ۴-۱۸)؟ اس میں شک ہے کہ یہ ٹھٹھا کرنے والے خداوند کی آمد کے پہلے جیسے کے بارے میں کچھ جانتے ہوں گے۔

کیا اُن کا مطلب یہ ہے کہ مسیح اپنے مقدسوں کے ساتھ اپنی عالمگیر بادشاہت قائم کرنے کے لئے آئے گا (۱- تفسلیکیوں ۱۳: ۳)؟ یہ ممکن ہے کہ یہ اُن کی سوچ میں شامل ہو۔

لیکن باقی بیان سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ وہ زمین پر خدا کی آخری عدالت یا جسے عام طور پر دنیا کا خاتمہ کہا جاتا ہے کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ وہ یہ سوچ رہے تھے کہ ہزار سالہ حکومت کے اختتام پر آسمان اور زمین ہولناک تباہی سے دوچار ہوں گے۔

درحقیقت وہ یہ کہتے ہیں: ”تم مسیحی ہمیں دھمکا رہے تھے کہ دنیا کی ایک خوفناک عدالت ہونے والی ہے۔ تم ہمیں بتاتے تھے کہ خدا تاریخ میں مداخلت کرے گا، بدوں کو سزا دے گا اور زمین کو تباہ کر دے گا۔ یہ سب یہودیہ باتیں ہیں۔ ہمیں کسی بات سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ہم اپنی مرضی کے مطابق زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ ہمیں ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ کبھی خدا نے تاریخ میں مداخلت کی ہو۔ پس ہم کیوں یہ یقین کریں کہ وہ آئندہ کبھی کرے گا؟“

اُن کے اس نتیجہ پر پہنچنے کی بنیاد یہ مفروضہ ہے کہ جب سے باپ دادا سوئے ہیں اُس وقت سے اب تک سب کچھ ویسا ہی ہے جیسا خلقت کے شروع سے تھا۔ وہ کہتے ہیں کہ فطرت ہمیشہ یکساں اصولوں پر چلتی ہے، کہ کوئی فوق الفطرت مداخلتیں نہیں ہوتیں اور کہ ہر ایک بات کی فطری تشریح کی جا سکتی ہے۔

۳: ۵۔ ٹھٹھا کرنے والے جان بوجھ کر اس حقیقت یعنی پانی کے طوفان کو نظر انداز کر

دیتے ہیں۔ خدا نے ایک مرتبہ انسانی معاملات میں مداخلت کی تھی اور اس مداخلت کا خاص مقصد بدکاروں کو سزا دینا تھا۔ اگر ایک مرتبہ ایسا ہوا تو آئندہ بھی ایسا ہو سکتا ہے۔

یہ ان آدمیوں پر ایک نہایت سخت الزام ہے کہ وہ ”جان بوجھ کر“ بھول گئے ہیں۔ وہ تو اپنے آپ کو فخریہ صاحبِ علم کہتے ہیں۔ وہ فخر سے کہتے ہیں کہ وہ سائنسی تحقیق و تفتیش کے اصولوں کے مطابق کام کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ جان بوجھ کر تاریخ کی ایک تصدیق شدہ حقیقت کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ انہیں ارضیات کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

”وہ تو جان بوجھ کر یہ بھول گئے کہ خدا کے کلام کے ذریعہ سے آسمان قدیم سے موجود ہیں اور زمین پانی میں سے بنی اور پانی میں قائم ہے۔۔۔ لیکن وہ ہلاک ہوئی۔ آسمان اور زمین“

”خدا کے کلام کے ذریعہ“ بنے۔ خدا نے فرمایا اور وہ وجود میں آگئے (عبرانیوں ۱۱:۳)۔ پطرس کہتا ہے کہ ”زمین پانی میں سے بنی“۔ ہم اقرار کرتے ہیں کہ اس بیان میں گہرائیاں ہیں جنہیں ہم پوری طرح نہیں سمجھ سکتے۔ ہم پیدائش ۱:۲ کے ذریعہ جانتے ہیں کہ سطح زمین کبھی پانی سے ڈھکی ہوئی تھی۔ پھر ہم آیت ۶ میں پڑھتے ہیں کہ خدا نے فضا کو بنایا تاکہ بادلوں یا دھند کو اس زمین پر پانی سے جدا کرے۔ ہم اس سے اندازہ لگاتے ہیں کہ زمین پانی کی دھند سے ڈھکی ہوئی تھی جس میں زندگی قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ فضا نے صاف ماحول پیدا کر دیا جس میں ہم سانس لے سکتے ہیں۔ پیدائش ۱:۹ کے مطابق زمین کو پانی سے الگ کیا گیا۔ ممکن ہے اس بیان کا کہ ”زمین پانی میں سے بنی“۔ یہی مطلب ہو (مزید دیکھئے زبور ۲۳:۲)۔

۶:۳۔ نکتہ چیں تاریخ کی نوح کے طوفان کی حقیقت کو جان بوجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ بڑی دلچسپی کی بات ہے کہ ان سالوں میں ”پانی کے طوفان“ (طوفان نوح) پر بڑے سخت حملے کئے گئے ہیں۔ لیکن اس کا ریکارڈ بتھمر پر، قدیم اور جدید لوگوں کی روایات میں، اور سب سے بڑھ کر خدا کے پاک کلام میں لکھا ہوا ہے۔

۷:۳۔ جب خدا نے زمین کو پیدا کیا تو اس نے اسے تباہ کرنے کے لئے اس میں کافی پانی رکھا۔ اسی طرح اس نے آسمان اور زمین میں انہیں جلائے کے لئے کافی ہنگ رکھی۔ اس ایٹمی دور میں ہم جانتے ہیں کہ مادہ میں بہت زیادہ قوت جمع ہے۔ ایک ایٹم یا ذرہ کو پھاڑنے سے بے حد آتشی قوت خارج ہوتی ہے۔ پس اس دنیا میں پختے بھی مادہ ہیں وہ بے اندازہ امکانی آتشی دھماکوں کے حامل ہیں۔ موجودہ زمانہ میں خداوند نے انہیں

قائم رکھا ہوا ہے (کلیسیوں: ۱) ”اُسی میں سب چیزیں قائم رہتی ہیں“۔ اگر اُس کا روکنے والا ہاتھ ہٹ جائے تو یہ عناصر یکجہل جائیں گے۔ ”دریں اثنا آسمان اور زمین --- عدالت اور بے دینیوں کی ہلاکت کے دن تک آگ“ سے محفوظ رکھے جا رہے ہیں۔

۸:۳۔ تو پھر خدا کی عدالت میں دیر کیوں ہے؟ سب سے پہلے ہمیں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ خدا وقت کا پابند نہیں ہے۔ وہ ہماری طرح وقت اور زمانوں میں نہیں رہتا۔ وقت کا اندازہ سورج کے زمین کے ساتھ تعلق سے لگایا جاتا ہے اور خدا اس تعلق کا پابند نہیں ہے۔ ”خداوند کے نزدیک ایک دن ہزار برس کے برابر ہے اور ہزار برس ایک دن کے برابر“۔ وہ ایک دن کو ہزار برس کے برابر بڑھا سکتا اور ہزار برس کو ایک دن تک محدود کر سکتا ہے۔ وہ اپنی سرگرمیوں کو پھیلا سکتا اور مجتمع کر سکتا ہے۔

۹:۳۔ خدا نے وعدہ کیا ہے کہ وہ بدکاروں کی تاریخی عدالت کے ساتھ ختم کر دے گا۔ اگرچہ دیر نظر آتی ہے تو بھی اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ خدا اپنے ”وعدوں“ کے ساتھ وفادار نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تحمل کرتا ہے۔ ”وہ کسی“ کی ”ہلاکت“ نہیں چاہتا۔ وہ چاہتا ہے کہ ”سب کی توبہ تک نوبت پہنچے“۔ اُس نے جان بوجھ کر فضل کے زمانہ کو دراز کیا ہوا ہے تاکہ لوگوں کو نجات پانے کا پورا پورا موقع مل جائے۔

یسعیاہ ۲:۲۱ میں ہم خدا کے سالِ مقبول اور اُس کے انتقام کے روز کے بارے میں پڑھتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ خدا رحم کرنے سے خوش ہوتا ہے اور کہ عدالت اُس کا عجیب کام ہے (یسعیاہ ۲۸: ۲۱)۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے تحمل کو ہزار برس تک پھیلا سکتا اور اپنی عدالت کو ایک دن میں مجتمع کر سکتا ہے۔ اُس نے طوفان بھیجنے سے پیشتر ۱۲۰ برس تک انتظار کیا۔ اور اب وہ دنیا کو آگ سے بھسم کرنے سے پیشتر ایک ہزار سال تک انتظار کر رہا ہے۔

۱۰:۳۔ ”لیکن خداوند کا دن چور کی طرح آئے گا“۔ ”خداوند کا دن“ کسی بھی وقت کی طرف اشارہ کرتا ہے جبکہ خدا عدالت کرتا ہے۔ ”عہدِ عتیق میں اسے اُس وقت کو بیان کرنے کے لئے استعمال کیا گیا ہے جبکہ خدا نے بدکاروں کو سزا دی اور اپنے دشمنوں پر فتح حاصل کی (یسعیاہ

۱۲:۲؛ ۱۳:۶؛ ۱۳:۷؛ ۱۳:۱۳؛ ۳۰:۳؛ یوہا ۱:۱۵؛ ۲:۱۱؛ ۳:۱۴؛ ۴:۵؛ ۵:۱۸؛ ۲۰:۱۸؛ عہدِ یاسر آیت ۱۵؛ صفیناہ ۱۴:۱؛ زکریاہ ۱۳:۱؛ ملاکی ۴:۵)۔ نئے عہد نامہ میں اس کا اشارہ وقت کے مختلف مرحلوں سے ہے :

۱۔ یہ یسوع مسیح کے اُن سات سالوں کی طرف اشارہ کرتا ہے جبکہ خدا ایمان نہ لانے

والے اسرائیل کی عدالت کریگا (۱۔ تھسلونیکیوں ۵:۲؛ ۲۔ تھسلونیکیوں ۲:۲)۔

۲۔ اس میں اُس کی زمین پر واپسی بھی شامل ہے جب وہ اُن سے جو ہمارے خداوند

یسوع کی خوشخبری کو نہیں مانتے بدلہ لے گا (۲۔ تھسلونیکیوں ۱:۱۰)۔

۳۔ اسے ہزار سالہ حکومت کے لئے بھی استعمال کیا جاتا ہے جب مسیح زمین پر

لوہے کے عصا سے حکومت کرے گا (اعمال ۲:۲۰)۔

۴۔ یہ آسمان اور زمین کی آگ کے ذریعہ آخری تباہی کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔

یہاں باب ۳ میں اس کا یہی مطلب ہے۔

وہ ”جوہر کی طرح آجائے گا“ یعنی غیر متوقع اور تباہ کن طور پر۔ ”آسمان بڑے شور و غل کے

ساتھ برباد ہو جائیں گے۔“ اس کا مطلب یقیناً فضائی آسمان ہے اور ممکن ہے کہ ستاروں بھرا

آسمان بھی ہو لیکن تیسرا آسمان نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ خدا کی جائے سکونت ہے۔ جب وہ کان

پھٹانے والے دھماکوں سے برباد ہو رہے ہوں گے تو ”اہرام فلک حرارت کی شدت سے“

پگھل جائیں گے۔ یہاں جن اہرام فلک کی طرف اشارہ ہے وہ مادے سے بنے ہوئے ہیں۔

تمام مادہ تباہ ہو جائے گا اور یہ عالمگیر جوہری تباہی سے مشابہ ہوگا۔

”اور زمین اور اُس پر کے کام جل جائیں گے۔“ نہ صرف فطری تخلیق کے کام بلکہ تمام تہذیب

تمکن کے کام بھی جل جائیں گے۔ عظیم دارالحکومت، بڑی سے بڑی عمارتیں اور سائنسی ایجادات

یہ سب مکمل طور پر تباہ ہو جائیں گی۔

۱۱:۳۔ اب پطرس ٹھٹھا کرنے والوں کی طرف سے مُنہ موڑ کر ایمان داروں کو اُن کے

فرائض یاد دلاتا ہے۔ ”جب یہ سب چیزیں اس طرح پگھلنے والی ہیں تو تمہیں پاک چال چلن اور

دینداری میں کیسا کچھ ہونا چاہئے۔“ ہر مادی شے پر تباہی کی مہر لگی ہوئی ہے۔ وہ چیزیں

جن پر انسان فخر کرتا ہے اور جن کے لئے وہ زندہ رہتا ہے وہ سب جاتی رہیں گی۔ مادی

اشیاء کے لئے زندگی بسر کرنے کا مطلب حاضی چیزوں کے لئے زندہ رہنا ہے۔ عقل سلیم

ہمیں بتاتی ہے کہ ہم دنیا کی چمکدار چیزوں اور کھیل کھلونوں سے مٹھ موڑ کر پاکیزگی اور ”دینداری“ میں زندگی بسر کریں۔ یہ ایک سادہ سی بات ہے کہ ہم وقتی چیزوں کی بجائے ابدیت کے لئے زندگی بسر کریں، مادی چیزوں کی بجائے روحانی چیزوں پر زور دیں اور تباہ ہونے والی چیزوں کی بجائے قائم رہنے والی چیزوں کو چنیں۔

۱۲:۳- ایمان داروں کو پُر امید بھی ہونا چاہیے۔ انہیں ”خداوند کے اُس دن کا منتظر“ اور سنجیدگی سے اُردو مند رہنا چاہیے۔ بعض لوگ اِن الفاظ کو کہ ”اُس دن کے آنے کا کیسا کچھ منتظر اور مشتاق رہنا چاہیے“ یہ سمجھانے کے لئے استعمال کرتے ہیں کہ اگر ہم اپنی زندگیاں خداوند کے لئے مخصوص کر دیں اور بے غرض خدمت کریں تو خداوند کی آمد کو جلد لا سکتے ہیں۔ لیکن اس تعلیم میں دو مشکلات ہیں۔ پہلی، خداوند کی آمد، خداوند کا دن نہیں ہے۔ دوسری، اگر ہوتا بھی تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ اپنے جوش اور جذبہ سے مسیح کی آمد کے وقت کو تبدیل کر سکتے ہیں؟

”خدا کا دن“ ابدی حالت کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ یہ خداوند کے دن کے آخری حصے کے بعد آئے گا جب آسمان اور زمین تباہ کر دئے جائیں گے۔ ”خدا کا دن“ وہ ہے جب وہ آخری اور مکمل فتح حاصل کرے گا۔ اس وجہ سے ہمیں اس ”دن“ کے منتظر اور مشتاق رہنا چاہیے۔ ”خدا کے دن“ کے بارے میں بیان کرتے ہوئے پطرس یہ نہیں کہتا کہ ”جس میں“ بلکہ جس کے باعث آسمان اُگ سے پگھل جائیں گے اور آجرام فلک نزارت کی شدت سے گل جائیں گے۔ ”خدا کا دن“ وہ وقت نہیں ہے جس میں آخری تباہی وقوع پذیر ہوگی۔ اس کے برعکس ضروری ہے کہ آخری عدالت خدا کے دن سے پہلے وقوع میں آچکی ہو۔

۱۳:۳- آیت ۱۲ میں ایمان داروں کو خدا کے دن کا انتظار کرنے کو کہا گیا ہے۔ یہاں یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ ”نئے آسمان اور نئی زمین کا انتظار کرتے ہیں جن میں راست بازی بسی رہے گی۔“ یہ اس نظریہ کی تائید کرتی ہے کہ خدا کا دن ابدی حالت کی طرف اشارہ کرتا ہے جب ”نیا آسمان اور نئی زمین“ ہوگی۔

یسعیاہ ۶۵: ۱۷؛ ۶۶: ۲۲ میں ”نئے آسمان اور نئی زمین“ سے مراد ہزار سالہ حکومت اور ابدی حالت دونوں ہی ہیں۔ ہم جانتے ہیں کہ ان حوالوں میں ہزار سالہ حکومت شامل ہے کیونکہ وہاں گناہ موجود ہوگا (۶۵: ۲۰) اور سچے پیدا ہوں گے (۶۵: ۲۳)۔ لیکن پطرس اس کا

إطلاق صرف ابدی حالت پر کرتا ہے کیونکہ موجودہ آسمان اور زمین پہلے ہی ختم ہو چکیں گے۔
 پطرس کہتا ہے کہ ”نئے آسمان“ اور ”نئی زمین“ میں ”راست بازی“ سکونت کرے گی۔ اس وقت
 راست بازی کے ذریعہ فضل بادشاہی کر رہا ہے (رومیوں ۲۱: ۵)۔ ہزار سالہ حکومت میں راستبازی
 بادشاہی کرے گی (یسایہ ۱: ۳۲) اور ابدیت میں راست بازی سکونت کرے گی۔ زمینی بادشاہی میں
 مسیح لوہے کے عصا سے حکومت کرے گا اور وہ راست بازی کو قوت کے ذریعہ نافذ کرے گا۔ لیکن
 ابدیت میں لوہے اور عصا کی ضرورت نہیں ہوگی۔ ”راست بازی“ وہاں موجود ہوگی۔ کوئی بھی نگاہ دیاں
 امن و سلامتی یا اس منظر کی خوبصورتی کو دھندلا نہیں سکے گا۔

۱۴: ۳۔ ”نئے آسمان اور نئی زمین کی حقیقت سے خداوند کے سامنے پاکیزہ زندگی بسر
 کرنے کی خواہش اور بھی گہری ہو جانی چاہئے۔ یہ ایک ایسی حقیقت نہیں ہے جسے ہم پکڑیں
 بلکہ اسے ہم پر چھا جانا چاہئے۔ اس علم سے کہ ہم جلد ہی خداوند کے سامنے کھڑے ہوں
 گے ہمارے دلوں میں ”بیدارغ اور بے عیب“ نکلنے کی خواہش پیدا ہونی چاہئے یعنی ہم اخلاقی
 لحاظ سے پاک ہوں۔ یہ ہم میں ”اطمینان“ کی حالت میں پائے جانے کا شوق پیدا کرے۔
 ۱۵: ۳۔ ”اور ہمارے خداوند کے تحمل کو سمجھو“۔ اس کی عدالت کرنے میں دیر ہی،
 آدمیوں کو سمجھات پانے کا پورا پورا موقع دیتی ہے۔ جب ہم آدمیوں کی بڑھتی ہوئی بدکاری کے
 بارے میں پڑھتے ہیں تو ہم اکثر حیران ہوتے ہیں کہ خداوند اسے مزید کیسے برداشت کرے گا۔
 اس کا تحمل بڑا حیران کن ہے۔ لیکن اس کی ایک وجہ ہے۔ وہ بدکاروں کی موت نہیں چاہتا۔
 وہ چاہتا ہے کہ لوگ اپنی بدکاری کو ترک کر دیں اور سمجھات پائیں۔

”چنانچہ ہمارے پیارے بھائی پولس نے بھی اس حکمت کے موافق جو اسے عنایت
 ہوئی تمہیں یہی لکھا ہے۔ پولس کے اس جملے میں متعدد نکات اُبھرتے ہیں:

۱۔ پطرس، ”پولس“ کو ”پیارا بھائی“ کہتا ہے، اور یہ اس حقیقت کے باوجود ہے
 کہ اس نے انطاکیہ میں اس کو غلط رویہ پر کھلے عام تنبیہ کی تھی (گلتیوں ۲: ۱۱-۲۱)۔
 ظاہر ہے کہ پطرس نے اس تنبیہ کو بڑی حلیمی سے قبول کیا تھا۔ ہمیں بھی اپنے دلوں میں
 اپنی اصلاح کو قبول کرنے کے قابل ہونا چاہئے۔

۲۔ پطرس اقرار کرتا ہے کہ پولس کو اپنے خطوط لکھنے کے لئے الہی حکمت ”عنایت“
 ہوئی تھی۔ یہ یقیناً اس بات کا اقرار ہے کہ پولس کو لکھنے کے لئے الہی تحریک ملی تھی۔

۳۔ ظاہر ہے کہ پطرس کے قارئین نے پولس کے ایک یا زیادہ خطوط کو پڑھا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ خطوط براہ راست اُن کو لکھے گئے تھے یا اُس علاقے میں گشت کرائے گئے تھے۔ پولس کا وہ کونسا خط ہے جس میں کہا گیا ہے کہ ”ہمارے خداوند کے تحمل کو نجات سمجھو؟“ ہم رومیوں ۲: ۴ میں پڑھتے ہیں: ”تو اُس کی مہربانی اور تحمل اور صبر کی دولت کو ناچیز جانتا ہے اور نہیں سمجھتا کہ خدا کی مہربانی تجھ کو توبہ کی طرف مائل کرتی ہے؟“

۱۶: ۳۔ پطرس، جن عظیم سچائیوں کو اپنے دونوں خطوط میں بیان کرتا ہے اُن کا پولس نے اپنے سب خطوں میں ذکر کیا ہے، مثلاً نئی پیدائش، مسیح کی الوہیت، اُس کی بے گناہ زندگی کا دکھ اٹھانا، اُس کی عوضی موت، اُس کی قیامت، اُس کا صعود آسمانی، اُس کی دوبارہ آمد، خداوند کا دن اور اُبدی حالت۔

بائبل کی ”بعض“ سچائیوں کو سمجھنا مشکل ہے، مثلاً تثلیث فی التوحید، خدا کا چناؤ اور انسان کی آزاد مرضی اور دکھ اٹھانے کا بھید وغیرہ۔ اگر بائبل میں ہمیں کوئی ایسی بات ملتی ہے جو ہماری سمجھ سے بالا ہے تو ہمیں یہ نشان نہیں ہونا چاہیے۔ خدا کا کلام لا محدود اور لازوال ہے۔ اس کا مطالعہ کرتے وقت ہمیں عیشہ یاد رکھنا چاہیے کہ وہ ایسی باتیں جانتا ہے جن کی گہرائی کو ہم کبھی بھی پورے طور پر نہیں جان سکتے۔

پطرس جب یہ لکھتا ہے کہ ”بعض باتیں ایسی ہیں جن کا سمجھنا مشکل ہے“ تو وہ پولس پر نکتہ چینی نہیں کر رہا ہے۔ پولس کے طرزِ تحریر کو سمجھنا تو مشکل نہیں ہے بلکہ موضوع کو جسے وہ بیان کرتا ہے۔

بعض جاہل ادیبے قیام لوگ ”اُن مشکل سچائیوں کو ایمان سے قبول کرنے کی بجائے اُن کو کھینچ تان کر“ اپنے لئے ہلاکت پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً بعض بدعتی یہ کہنے کی بجائے کہ شریعت گناہ کو ظاہر کرتی ہے اُسے توڑ مروڑ کر یہ کہتے ہیں کہ وہ راہِ نجات دہیا کرتی ہے۔ دیگر پینتسمہ کو آسمان میں داخل ہونے کا دروازہ کہتے ہیں۔ وہ یہ سلوک نہ صرف پولس کی تحریروں سے کرتے ہیں بلکہ باقی تمام کلام سے بھی۔

خود کیجئے کہ یہاں پطرس پولس کی تحریروں کو ”اور صحیفوں کی طرح“ یعنی عہدِ عتیق اور اُس وقت نئے عہد نامہ کے جو حصے دستیاب تھے خدا کا کلام بتاتا ہے۔ وہ اقرار کرتا ہے کہ پولس کے خطوط بھی خدا کے کلام کا حصہ ہیں۔

۱۷:۳- ایمان داروں کو گمراہی کی طرف سے متواتر خبردار رہنا چاہئے۔ اگر ہم جھوٹے استادوں کے بارے میں جاننے ہیں جو سچائی کو پکارتے اور اُن کی نقل کرتے ہیں تو اُن کی طرف سے ہمیشہ ہوشیار رہیں گے۔ اُن لوگوں کے لئے جو لاعلم ہیں بے دینوں کی گمراہی کے سبب سے اپنے پاؤں سے اکھڑ جانا اور اپنا روحانی توازن کھو بیٹھنا بڑا آسان ہے۔

۱۸:۲- ایک مرتبہ پھر پطرس یہ سکھاتا ہے کہ الہی باتوں میں متواتر ترقی کرتے رہنا ہمیں جھوٹے استادوں کی گمراہی سے بچاتا ہے۔ لیکن اس ترقی کے دو رُخ ہیں۔ ”فضل میں“ اور ”عرفان میں“ ترقی۔ ”فضل“ رُوح کے پھل کا عملی اظہار ہے۔ ”فضل“ میں ترقی کا مطلب عقلی ترقی یا بے تکان سرگرمیاں نہیں ہے۔ یہ خداوند یسوع کے ہم شکل بننے میں ترقی کرنا ہے۔ ”عرفان“ کا مطلب کلام کے ذریعہ خداوند کو جاننا ہے۔ ”عرفان“ میں ترقی کا مطلب کلام کا زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنا اور اُس کے الفاظ، کاموں اور راہوں کو اپنانا ہے۔

لیکن پطرس اپنے خط کو مقدسوں کو نصیحت کے بغیر ختم نہیں کر سکتا۔ ضروری ہے کہ عروجِ نجات دہندہ کو جلال دینے کی صورت میں ظاہر ہو۔ پس ہمیں یہاں خوبصورت کلماتِ حمد ملتے ہیں: ”اُسی کی تعجید اب بھی ہو اور ابد تک ہوتی ہے۔ آمین۔“ بالآخر ہماری زندگی کا یہی مقصد ہے کہ اُسے جلال دیں۔ لہٰذا اس خط کے اختتامی الفاظ اس سے زیادہ بہتر اور مناسب نہیں ہو سکتے۔

ایوختا کا پہلا خط تعارف

”مسیح کے جھیل پر چلنے کی نہیں بلکہ ہمیں مسیح کے عام چلنے کی تقلید کرنے کو کہا گیا ہے“
مارٹن لوتھر۔

۱۔ مُستند کتابوں میں مقام

ایوختا کا پہلا خط خاندانی تصویروں کے البم کی مانند ہے۔ یہ اُن کا بیان کرتا ہے جو خدا کے گھرانے کے اراکین ہیں۔ جس طرح بچے والدین کے مشابہ ہوتے ہیں، اُسی طرح خدا کے فرزند خدا کے مشابہ ہوتے ہیں۔ یہ خط مشابہات کا بیان کرتا ہے۔ جب کوئی شخص خدا کا فرزند بن جاتا ہے تو اسے خدا کی زندگی حاصل ہو جاتی ہے۔ اور یہ ابدی زندگی ہے۔ جن کے پاس یہ زندگی ہے وہ سب اس کو معین اور غیر مبہم طریقوں سے ظاہر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر وہ خداوند یسوع کو اپنا خداوند اور نجات دہندہ مانتے ہیں، وہ خدا سے محبت رکھتے ہیں، وہ خدا کے فرزندوں سے محبت رکھتے ہیں، وہ اس کے حکموں کی پابندی کرتے ہیں، اور وہ گناہ نہیں کرتے رہتے۔ چنانچہ یہ ابدی زندگی کی نمایاں علامتیں ہیں۔ ایوختا نے یہ خط اس لئے لکھا کہ جن میں یہ خاندانی اوصاف پائے جاتے ہیں وہ سب جان لیں کہ ہمارے پاس ابدی زندگی ہے (۱۔ ایوختا ۵: ۱۳)۔

۱۔ ایوختا کئی لحاظ سے ایک غیر معمولی خط ہے۔ اگرچہ یہ ایک حقیقی خط ہے جو واقعی بھیجا گیا تھا مگر اس میں نہ تو مصنف کے نام کا اور نہ مکتوب الیہان کے ناموں کا ذکر ہے۔ یقیناً وہ ایک دوسرے کو بہت اچھی طرح سے جانتے تھے۔ اس خوبصورت کتاب کے بارے میں ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ انتہائی گہری روحانی سپائیاں بالکل چھوٹے چھوٹے اور سادہ فقروں میں بیان کی گئی ہیں۔ الفاظ ایسے استعمال کئے گئے ہیں جو بے مثال ہیں۔ کون کتنا ہے کہ سچائی کو لازماً مُکرتب اور پیچیدہ فقروں میں بیان کرنا چاہئے۔ ہمیں خدشہ ہے کہ جس چیز کو لوگ ”گہری“ بشارت کہہ کر تعریف کرتے ہیں وہ محض دھندلی اور مبہم باتیں ہوتی ہیں۔

۱۔ ایوختا ایسی کتاب ہے جس کا گہرا اور مختصانہ مطالعہ کرنا چاہئے۔ بظاہر اس کا اسلوب نگرانی ہے، لیکن تکرار میں تھوڑا تھوڑا فرق ہے۔ اور اسی میں مغایہم کی رنگارنگی ہے جس پر خاص توجہ دینی چاہئے۔

۲۔ مُصَنِّف

۱۔ یوختا کے مُصَنِّف کے بارے میں خارجی شہادت، بہت قدیم اور مضبوط ہے۔ جن افراد نے یوختا کے پہلے خط سے اقتباس کیا اور اسے پرتھی انجیل کے مُصَنِّف یوختا کی تصنیف قرار دیا ان میں یہ مرتبیاں شامل ہیں: ایرینیئس، سکندریہ کا کلیمنس، طرطلیان، اودوقین اور اُس کا شاگرد ڈیونیسیس۔

عبرانیوں کے خط کی طرح ۱۔ یوختا کا مُصَنِّف بھی اپنے نام کا ذکر نہیں کرتا۔ لیکن عبرانیوں کے برعکس ۱۔ یوختا میں قائل کر دینے والی داخلی شہادتیں موجود ہیں کہ اس کا مُصَنِّف یوختا ہے۔

پہلی چار آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ مُصَنِّف مسیح کو اچھی طرح جانتا تھا اور اُس نے مسیح کے ساتھ وقت گزارا تھا۔ اس طرح امکانات کا دائرہ بہت کم ہو جاتا ہے اور اس روایت سے موافقت پیدا ہو جاتی ہے کہ اس کا مُصَنِّف یوختا رسول ہے۔

رسولی لہجہ بھی اس دلیل کو مضبوط کرتا ہے۔ مُصَنِّف بڑے اختیار کے ساتھ لکھتا ہے۔ اُس کے ہاں ایک عمر رسیدہ روحانی راہنما کی نرمی اور ملائمت (اے بچو!) پائی جاتی ہے، بلکہ لگتا ہے کہ وہ اپنی رائے کو لاکلام سمجھتا ہے۔

خیال، ذمیرہ الفاظ (مثلاً نور، نیا، محکم، کلام وغیرہ) اور ترکیب (ہمیشہ کی زندگی، اپنی جان دینا، موت سے نکل کر زندگی میں داخل ہونا، دُنیا کا متبعی وغیرہ) پرتھی انجیل اور یوختا کے دیگر خطوط کے ساتھ موافقت رکھتی ہیں۔

اسی طرح مماثلات کا اور سادہ جملوں کا عبرانی انداز انجیل اور اس خط کی خصوصیات ہیں۔ مختصر یہ کہ اگر ہم چوتھی انجیل کو یوختا رسول کی تصنیف مانتے ہیں تو اس خط کو بھی اُسی کی تصنیف ماننے میں کوئی وقت نہیں ہونی چاہیے۔

۳۔ سَنَ تصْنِیف

بعض علما کو یقین ہے کہ یوختا نے اپنے تین خطوط رومیوں کے ہاتھوں یروشلیم کی بربادی سے پہلے ۶۸ء اور ۷۰ء کے درمیان لکھے تھے۔ لیکن زیادہ مفسرین کی طرف سے بعد کی تاریخ (۷۵ء) قابل قبول مانی جاتی تھی۔ ان خطوط کا پیرائہ لہجہ اس قدیم روایت سے بہت مطابقت رکھتا ہے کہ یوختا رسول اتنا عمر رسیدہ ہو چکا تھا کہ اُسے اٹھا کر جماعت میں لاتے تھے۔ اور وہ کہتا تھا کہ عزیز بچو!

ایک دوسرے سے محبت رکھو۔

۴۔ پس منظر اور موضوع

جس زمانہ میں یوحنا رسول نے یہ خطوط لکھے ایک جھوٹا فرقہ برپا ہو گیا تھا جو غناسطیت (یونانی gnosis علم یا عرفان) یا ”عرفانیت“ کے نام سے مشہور ہوا۔ غناسطی دعویٰ کرتے تھے کہ ہم مسیحی ہیں مگر ایک ”اضافی عرفان“ رکھتے ہیں جو رسولوں کی تعلیم سے اعلیٰ و ارفع ہے۔ وہ یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ کوئی انسان اس وقت تک پورے طور پر تکمیل نہیں پاسکتا جب تک وہ ہماری گہری ”مذاقوتوں“ کی (ہماری جماعت میں شامل ہو کر) تعلیم نہ پالے۔ بعض یہ تعلیم دیتے تھے کہ مادہ بُری چیز ہے، اس لئے مسیح بشر خدا نہیں ہو سکتا۔ وہ یسوع اور المسیح میں بھی فرق کرتے تھے کہ ”المسیح“ خدا کا ایک ظہور یا تجلّی ہے جو یسوع پر اس کے پتیسرے وقت ”اترا“ اور اس کی موت سے پہلے غالباً گتسمتی بارغ میں اس سے مجدا ہو گیا۔ ان کی تعلیم کے مطابق یسوع بے شک مر گیا، لیکن مسیح نہیں، مرا، جیسا کہ مائیکل گرین کہتا ہے کہ وہ اصرار کرتے تھے کہ آسمانی مسیح اتنا پاک اور اتنا روحانی ہے کہ انسانی جسم کے ساتھ مستقل ربط سے داغدار نہیں ہو سکتا۔ مختصر یہ کہ وہ تجسم مسیح کا انکار کرتے تھے، یعنی نہیں مانتے تھے کہ یسوع ”مسیح“ ہے۔ اور کہ یسوع مسیح خدا بھی ہے اور بشر بھی۔ یوحنا نے دیکھا کہ یہ لوگ حقیقی مسیحی نہیں ہیں۔ اس لئے وہ اپنے قارئین کو ان سے خبردار کرتا ہے اور ثابت کرتا ہے کہ غناسطیوں پر خدا کے حقیقی فرزند ہونے کی کوئی چھاپ نہیں ہے۔

یوحنا کے مطابق کوئی انسان یا تو خدا کا فرزند ہے، یا نہیں ہے۔ درمیانی جگہ کوئی نہیں۔ اسی لئے اس خط میں بے شمار متضادات پائے جاتے ہیں۔ مثلاً نور اور تاریکی، محبت اور دشمنی، پس اور جھوٹ، موت اور زندگی، خدا اور ابلیس۔ اس کے ساتھ ہی یہ بات بھی قابلِ توجہ ہے کہ یوحنا رسول لوگوں کا بیان ان کے خصلتی چلن یا کردار کے مطابق کرنا پسند کرتا ہے۔ مثلاً مسیحیوں اور غیر مسیحیوں کے درمیان امتیاز کرتے ہوئے وہ اپنے فیصلہ کی بنیاد گناہ کے صرف ایک عمل پر نہیں رکھتا، بلکہ اس بات پر جس سے کسی شخص کی خصوصیت متعین ہوتی ہے۔ ایک رکی ہوئی گھڑی بھی جو بیس گھنٹوں کے دوران دو دفعہ صبح وقت بتاتی ہے، جبکہ ایک ٹھیک گھڑی مسلسل اور باقاعدہ صبح وقت بتاتی ہے۔ چنانچہ ایک مسیحی کا عام اور روزمرہ کا چلن پاک اور راست ہوتا ہے اور اسی سے جانا اور پہچانا جاتا ہے کہ وہ خدا کا فرزند ہے۔ یوحنا لفظ ”جاننا“ کا استعمال بہت دفعہ کرتا ہے۔

غناسطی دعویٰ کرتے تھے کہ ہم سچائی کو جانتے ہیں، لیکن یہاں یوحنا مسیحی ایمان کی ٹھوس سچائیوں کا بیان کرتا ہے جن کو یقینی طور پر 'جان' سکتے ہیں۔ وہ خدا کا بیان کرتا ہے کہ وہ نور ہے (۱: ۵) وہ "مجت ہے" (۱۶: ۸، ۳) وہ سچائی ہے (۵: ۷) اور وہ زندگی ہے (۲۰: ۵)۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدا ایک شخص نہیں ہے بلکہ یہ کہ خدا ان چار برکتوں کا سرچشمہ ہے۔ یوحنا خدا کے بارے میں یہ بھی بیان کرتا ہے کہ وہ "راست باز ہے" (۲: ۲۹؛ ۳: ۷)، وہ "پاک ہے" (۳: ۳) اور وہ گناہ سے مبرا ہے (۵: ۳)۔

یوحنا لفظ تو سادہ استعمال کرتا ہے مگر اس کا خیال بہت گہرا ہوتا ہے، بلکہ بعض اوقات تو سمجھنا بھی مشکل ہوتا ہے۔ اس لئے اس کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے ہم دعا مانگیں کہ خداوند اس کو سمجھنے میں مدد کرے اور ہم اس کے کلام کی تعمیل کر سکیں۔

خاکہ

- ۱۔ آغازِ مقالہ — مسیحی رفاقت ۱:۱-۳
- ۲۔ رفاقت کو برقرار رکھنے کے وسائل ۱:۵-۲:۲
- ۳۔ مسیحی رفاقت میں شامل لوگوں کی علامات — فرمانبرداری اور محبت ۲:۳-۱۱
- ۴۔ رفاقت میں ترقی کرنے کے مراحل ۱۲:۱۲-۱۴
- ۵۔ رفاقت کے دو خطرے — دُنیا اور جھوٹے اُستاد ۲:۱۵-۲۸
- ۶۔ مسیحی رفاقت میں شامل افراد کی علامات (جاری ہے) — راستبازی، محبت اور اس سے پیدا ہونے والا اعتماد ۲۹:۲-۳۴:۳
- ۷۔ سچائی اور جھوٹ میں امتیاز کرنے کی ضرورت ۴:۱-۶
- ۸۔ مسیحی رفاقت میں شامل افراد کی علامات (جاری ہے) ۴:۴-۵:۲۰
- ۱۔ محبت ۴:۲۱-۴
- ب۔ صیح تعلیم ۵:۱۱
- ج۔ محبت اور اس سے پیدا ہونے والی فرمانبرداری ۵:۱۱-۳
- د۔ ایمان جو دُنیا پر غالب آتا ہے ۴:۵، ۵
- ۴۔ صیح تعلیم ۵:۶-۱۲

- و۔ کلام کے وسیلہ سے یقین ۱۳: ۵
 ز۔ دُعا پر اعتماد ۱۴-۱۳: ۵
 ح۔ رُوحانی حقائق کا علم ۲۰-۱۸: ۵

۹۔ اختتامی التماس ۲۱: ۵

تفسیر

۱۔ آغاز مقالہ — مسیحی رفاقت (۱:۱-۳)

۱:۱۔ اصولِ دین کے مطابق تمام حقیقی رفاقت کی بنیاد خداوند سیوسا مسیح کی ذات ہے۔ جو لوگ اُس کے بارے میں غلط یا جھوٹے نظریات رکھتے ہیں اُن کے ساتھ حقیقی رفاقت نہیں ہو سکتی۔ پہلی دو آیات مسیح کی اذلیت اور اُس کے تجسم کے بارے میں سکھاتی ہیں۔ وہ جوازل سے خدا باپ کے ساتھ موجود تھا وہی ایک حقیقی انسان بن کر اس دنیا میں آیا۔ اُس کے تجسم کی حقیقت اس بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ رسولوں نے اُس کو ”سنا“ اور اپنی آنکھوں سے دیکھا“ بلکہ بڑے ”غور سے دیکھا“ اور واقعی اُس کو اپنے ہاتھوں سے چھوؤا۔ ”زندگی کا کلام“ کوئی واہمہ یا فریبِ نظر نہ تھا جو جلدی سے گزر گیا بلکہ گوشت پوست کے بدن میں ایک حقیقی شخص تھا۔

۲:۱۔ آیت ۲ تصدیق کرتی ہے کہ وہی جو ”باپ کے ساتھ“ تھا اور جس کو یوحنا ہمیشہ کی زندگی کا نام دیتا ہے، وہ تجسم ہوا۔ وہ انسان بنا۔ وہ ہمارے درمیان رہا۔ اور رسولوں نے اُس کو ”دیکھا۔“ کس گناہِ مصطفیٰ کے قلم سے نکلی ہوئی مندرجہ ذیل سطور ثابت کرتی ہیں کہ ان دو آیات کا ہماری زندگیوں پر عملی اطلاق کیسے ہوتا ہے :

میں خوش ہوں کہ ابدی زندگی کے بارے میں میرے علم کی تعمیرِ فلسفیوں کے نظری افکار یا علمِ دین کے ماہرین کے خیالات پر نہیں ہوتی، بلکہ اُن افراد کی بے خطا شہادت پر ہوتی ہے جنہوں نے اُس ہستی کو سنا، دیکھا، بلکہ غور سے دیکھا اور اپنے ہاتھوں سے چھوؤا جس میں یہ شہادت تجسم ہوئی تھی۔ یہ محض خوبصورت خواب نہیں، بلکہ ٹھوس حقیقت ہے جس کا بڑی احتیاط سے مشاہدہ کیا گیا اور جسے پوری صحت سے قلم بند کیا گیا۔

۳:۱۔ رسولوں نے اس عجیب خبر کو ایک راہ کی طرح چھپائے نہیں رکھا، اور نہ ہم کو چھپائے رکھنا چاہیے۔ اُنہوں نے جان لیا تھا کہ پوری رفاقت کی بنیاد اسی میں ہے۔ اس لئے اُنہی نے اس کا آزادانہ اور پورے طور پر اعلان کیا اور اشتہار دیا۔ جتنے لوگ بھی رسولوں کی گواہی کو قبول کرتے ہیں اُن

کی شراکت باپ کے ساتھ اور اُس کے بیٹے یسوع مسیح کے ساتھ ہے اور رسولوں اور دوسرے ایمانداروں کے ساتھ بھی ہے۔ کیسی عجیب بات ہے کہ تصور وار گنہگاروں کی شراکت باپ کے ساتھ اور اُس کے بیٹے یسوع مسیح کے ساتھ قائم ہو گئی ہے۔ مگر یہ حقیقت ہے جو یہاں ہمارے سامنے ہے۔

”اُس کا بیٹا یسوع مسیح“۔ یسوع اور مسیح ایک ہی شخص اور ذات ہے۔ اور یہ شخص خدا کا ”بیٹا“ ہے۔ ”یسوع“ وہ نام ہے جو پیدائش کے موقع پر اُسے دیا گیا اور اُس کی کامل بشریت کو ظاہر کرتا ہے۔ ”مسیح“ وہ نام ہے جو ظاہر کرتا ہے کہ وہ خدا کا مسوح یعنی مسیح موعود ہے۔ چنانچہ اُس کے نام ”یسوع مسیح“ میں اُس کی بشریت اور اُس کی الوہیت کی شہادت پائی جاتی ہے۔ یسوع مسیح حقیقی خدا سے حقیقی خدا اور حقیقی بشر سے حقیقی بشر ہے۔

۱:۳۔ لیکن کیا وجہ ہے کہ یوحنا ”رفاقت“ (شراکت) کے موضوع پر اس طرح لکھتا ہے؟ وجہ یہ ہے کہ ”ہماری خوشی پوری ہو جائے۔“ یوحنا جانتا ہے کہ دنیا انسان کے دل کو حقیقی اور دائمی ”خوشی“ دیتی نہیں کر سکتی۔ یہ ”خوشی“ صرف خداوند کے ساتھ صحیح تعلق ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ جب کسی شخص کی خدا اور خداوند یسوع کے ساتھ رفاقت ہوتی ہے تو اُس کے باطن میں وہ ”خوشی“ ہوتی ہے جس کو زمین یا دنیا کے کوئی بھی حالات ہلا نہیں سکتے۔

۲۔ رفاقت کو برقرار رکھنے کے وسائل (۱:۵ - ۲:۲)

۱:۵۔ رفاقت یا شراکت ایک ایسی صورت حال ہوتی ہے جس میں دو یا زیادہ اشخاص مشترکہ چیزوں میں حصہ دار ہوتے ہیں۔ اس کو اشتراک یا حصہ داری بھی کہہ سکتے ہیں۔ اب یوحنا اپنے قارئین کو سمجھاتا ہے کہ خدا کے ساتھ شراکت کی شرائط کیا ہیں۔ ایسا کرتے ہوئے وہ خداوند یسوع مسیح کی اُس تعلیم کی طرف متوجہ کرتا ہے جو اُس نے اپنی زمینی زندگی کے دوران دی تھی۔ اگرچہ یہ نہیں کہا گیا کہ خداوند نے بعینہ یہی الفاظ استعمال کئے تھے، لیکن اُس کی تعلیمات کا لب لباب یہ ہے کہ ”خدا نور ہے اور اُس میں ذرا بھی تاریکی نہیں۔“ اس سے یوحنا کی مراد یہ ہے کہ خدا مطلقاً پاک مطلقاً راست باز اور مطلقاً معصوم ہے۔ خدا کسی گناہ کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھ سکتا۔ کوئی بات یا چیز اُس سے چھپی نہیں۔ جس سے ہم کو کام ہے اُس کی نظروں میں سب چیزیں کھلی اور بے پردہ ہیں“ (عبرانیوں ۴:۱۳)۔

۶:۱۔ اب اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ خدا کے ساتھ شراکت رکھنے میں گناہ کو چھپایا نہیں جاسکتا۔

کسی انسان کی زندگی میں نور اور تاریکی اکٹھے نہیں رہ سکتے، جیسے کہ گھر کے کسی کمرہ میں روشنی اور اندھیرا ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔ اگر کوئی شخص "تاریکی میں" چلتا ہے تو اُس کی خدا کے ساتھ شراکت (رفاقت) نہیں ہے۔ جو شخص کہتا ہے کہ میری "اُس کی ساتھ شراکت ہے" مگر "تاریکی میں" چلتا ہے تو اُس کو نجات کا کبھی تجربہ نہیں ہوا۔

۷:۱۔ اس کے برعکس "اگر" کوئی شخص "نور میں" چلتا ہے تو اُس کی خداوند یسوع اور دوسرے مسیحیوں کے ساتھ "شراکت ہے"۔ کلام کے اس حصہ میں جہاں تک یوحنا کا تعلق ہے ایک شخص نور میں ہو گا یا تاریکی میں۔ اگر وہ نور میں ہے تو خدا کے خاندان کا رکن ہے۔ اگر تاریکی میں ہے تو اُس کی خدا کے ساتھ کوئی شراکت یا حصہ داری نہیں کیونکہ خدا میں ذرا بھی تاریکی نہیں۔ جو لوگ نور میں چلتے ہیں یعنی ایمان دار ہیں ان کی آپس میں شراکت ہے اور اُس کے بیٹے یسوع کا خون "ان کو تسلسل" تمام گناہ سے پاک کرتا رہتا ہے۔ خدا کی ساری معافی کی بنیاد اُس کے بیٹے کا وہ خون ہے جو کوری پر بہایا گیا۔ اس "خون" نے خدا کو وہ راست بنیاد مہیا کی جس پر وہ گناہوں کو معاف کر سکتا ہے اور خون کی قدرت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ ہمیں پاک صاف کرنے کو اُس کی تاثیر دائمی ہے۔ بے شک معافی حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ایمان لانے والے اپنے گناہ کا اقرار کریں۔ اس پر یوحنا آیت ۹ میں بات کرتا ہے۔

۸:۱۔ خدا کے ساتھ رفاقت کی یہ شرط بھی ہے کہ ہم خود اپنے بارے میں "سچی" کو تسلیم کریں۔ مثال کے طور پر اگر ہم نہیں مانتے کہ ہماری فطرت و سیرت گناہ آلودہ ہے تو یہ خود فریبی اور جھوٹ ہے۔ غور کریں کہ یوحنا گناہ (آیت ۸) اور گناہوں (آیت ۹) میں امتیاز کرتا ہے۔ "گناہ" ہماری بڑی ہوئی اور بُری فطرت اور سیرت کا بیان کرتا ہے، جبکہ گناہوں سے مراد وہ برائیاں ہیں جو ہم نے کی ہیں۔ دراصل جو کچھ ہم ہیں (ہماری فطرت) ان کاموں سے بدرجہا بدتر ہے جو ہم کرتے ہیں یا کر چکے ہیں۔ لیکن خداوند کی تعریف ہو کہ مسیح ہمارے گناہ اور ہمارے گناہوں کے لئے مٹوا۔

نجات کا مطلب "گناہ کی فطرت" کا قطع قیع یا اسے جڑ سے نکال پھینکنا نہیں، بلکہ مطلب ہے نئی اور الہی فطرت کا پودا لگانا اور ہمیں اپنے اندر بسنے والے گناہ پر فتح مند زندگی گزارنے کی طاقت فراہم کرنا۔

۹:۱۔ خدا کے ساتھ اور دوسرے ایمان داروں کے ساتھ روز بروز رفاقت میں چلنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم "اپنے گناہوں کا اقرار کریں"۔ ان میں از تکابی (فعلی) گناہ، غافلانہ گناہ، خیال، قول اور فعل کے گناہ، پوشیدہ اور ظاہری گناہ سب شامل ہیں۔ ضرور ہے کہ ہم ان کو کھینچ کر باہر

لائیں اور خدا کے سامنے رکھیں، ان کو ان کے صحیح نام سے بیان کریں، ان کے خلاف خدا کا ساتھ دیں اور ان کو ترک کریں۔ جی ہاں، اصلی اور حقیقی اقرار یہی ہے کہ ان کو ترک کریں۔ ”جو اپنے گناہوں کو چھپاتا ہے وہ کامیاب نہ ہوگا۔ لیکن جو ان کا اقرار کرے ان کو ترک کرتا ہے اُس پر رحمت ہوگی“ (امثال ۲۸: ۱۳)۔

جب ہم ایسا کریں گے تو پھر خدا کے وعدہ پر متقی بن سکیں گے کہ خدا ”مُغْفَر کرنے میں... سچا اور عادل ہے“ وہ ”سچا“ ان معنوں میں ہے کہ اُس نے مُغْفَر کرنے کا وعدہ کیا ہے اور وہ اپنے وعدہ پر قائم رہے گا۔ اور وہ ”مُغْفَر کرنے میں... عادل“ ہے کیونکہ اُس نے مُغْفَر کرنے کے لئے ایک راست بنیاد تلاش کر لی ہے۔ یہ بنیاد خداوند یسوع کا عوضی ہونے کا کام ہے جو اُس نے صلیب پر پورا کیا۔ اور خدا نہ صرف مُغْفَر کی ضمانت دیتا ہے بلکہ ”ہمیں ساری ناراستی سے پاک“ بھی کرتا ہے۔

یہاں جس مُغْفَر کا ذکر ہو رہا ہے وہ پدرانہ مُغْفَر ہے، عدالتی مُغْفَر نہیں۔ عدالتی مُغْفَر کا مطلب ہے گناہ کی سزا کی مُغْفَر جو گنہگار کو اُس وقت حاصل ہو جاتی ہے جب وہ خداوند یسوع مسیح پر ایمان لاتا ہے۔ اس کو عدالتی مُغْفَر اس لئے کہتے ہیں کہ خدا بحیثیت مُنْصِف یہ مُغْفَر دیتا ہے۔ لیکن اُن گناہوں کا کیا ہوتا ہے جو انسان ایمان لانے کے بعد کرتا ہے؟ جہاں تک اُن کی سزا کا تعلق ہے وہ تو خداوند یسوع نے کھوری کی صلیب پر پہلے ہی برداشت کر لی ہے۔ لیکن جہاں تک خدا کے خاندان میں رفاقت کا تعلق ہے گناہ کرنے والے مقدس شخص کو پدرانہ مُغْفَر کی ضرورت ہوتی ہے، یعنی خدا بحیثیت باپ مُغْفَر کرتا ہے۔ اور ایمان دار گناہوں کا اقرار کر کے اسے حاصل کرتا ہے۔ ہم کو عدالتی مُغْفَر کی ضرورت صرف ایک دفعہ ہوتی ہے۔ اس طرح ہمارے ماضی، حال اور مستقبل کے گناہوں کا حساب بیک ہو جاتا ہے۔ لیکن پدرانہ مُغْفَر کی ضرورت پوری زندگی میں ہوتی ہے۔

جب ہم ”اپنے گناہوں کا اقرار کریں“ تو خدا کے کلام کے اختیار پر ایمان رکھنا ضروری ہے کہ خدا ہمیں مُغْفَر کرتا ہے۔ اور اگر وہ ہمیں مُغْفَر کرتا ہے تو ہمیں بھی اپنے آپ کو مُغْفَر کرنے پر راضی ہونا چاہئے۔

۱۰:۱۔ خدا کے ساتھ رفاقت رکھنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم اس حقیقت سے انکار نہ کریں کہ ہم نے گناہ کئے ہیں۔ خدا اپنے پاک کلام میں بار بار بیان کرتا ہے کہ ہم نے گناہ کیا ہے۔ اس حقیقت سے انکار کرنا خدا کو ”جھوٹا“ ٹھہرانا ہے۔ یہ اُس کے کلام کی صحیح تردید ہے۔ اور اس حقیقت کا کھلا انکار ہے کہ خداوند یسوع دکھ اٹھانے، خون بہانے اور مرنے کے لئے

آیا تھا۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کے ساتھ رفاقت کی یہ شرط نہیں کہ زندگیاں بے گناہ ہوں، بلکہ یہ کہ ہمارے سارے گناہ اُس کی حضورِ مہی میں لائے جائیں، اُن کا اقرار کیا جائے اور اُن کو ترک کیا جائے۔ مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی حالت کے بارے میں پورے طور پر دیانت دار ہوں اور کوئی ریاکاری یا پردہ داری نہ ہو۔

۱۰:۲۔ یوحنا ہمارے سامنے خدا کا وہ کامل معیار پیش کرتا ہے جو خدا اپنے لوگوں کے لئے چاہتا ہے اور ساتھ ہی ناکامی کی صورت میں اُس کا پُر فضل بندوبست بھی پیش کرتا ہے۔ ”اے میرے بچو! ان الفاظ میں خدا کے گھرانے کے سارے افراد شامل ہیں۔ خدا کا کامل معیار ان الفاظ میں پیش کیا گیا ہے کہ ”یہ باتیں تمہیں اس لئے لکھتا ہوں کہ تم گناہ نہ کرو۔“ چونکہ خدا کامل ہے اس لئے اپنے لوگوں کے لئے اُس کا معیار بھی مطلق کاملیت ہے۔ اگر وہ یہ کہتا کہ ”یہ باتیں تمہیں اس لئے لکھتا ہوں کہ تم حتی المقدور کم سے کم گناہ کرو“ تو وہ خدا نہ ہوتا۔ خدا گناہ سے ذرہ بھر چشم پوشی بھی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ وہ ہمارے سامنے کاملیت کا نشانہ رکھتا ہے۔ جو عورت زنا میں پکڑی گئی تھی خداوندِ یسوع نے اُس کے سامنے بھی یہی معیار رکھا تھا۔ ”میں بھی تجھ پر حکم نہیں لگاتا۔ جا۔ پھر گناہ نہ کرنا“ (یوحنا ۸: ۱۱)۔

ساتھ ہی خداوند ہمارے ذیلِ ڈول سے بھی واقف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ ہم خاک ہیں۔ اس لئے اُس نے ناکامی کی صورت میں ہمارے لئے مہربانی سے بندوبست بھی کیا ہے کہ اگر کوئی گناہ کرے تو باپ کے پاس ہمارا ایک مددگار موجود ہے یعنی یسوع مسیح راست باز۔ ”مددگار وہ ہوتا ہے جو کسی دوسرے شخص کی ضرورت کے وقت اُس کا ساتھ دیتا ہے۔ جب ہم گناہ کرتے ہیں تو خداوند یسوع ہمارے لئے بالکل یہی کچھ کرتا ہے۔ وہ فوراً ہمارے پاس آتا ہے تاکہ اپنے ساتھ ہماری رفاقت کو بحال کرے۔ غور کریں کہ یہ نہیں کہا گیا کہ اگر کوئی اپنے گناہ کا اقرار کرے۔۔۔“ ہمارا مددگار ہوتے ہوئے خداوند ہمیں ضرور اُس مقام پر لانے کی کوشش کرتا ہے جہاں ہم اپنے گناہ کا اقرار کریں اور اُسے ترک کریں۔

اس آیت میں ایک اور بہت خوبصورت بات ہے جس کو ہمیں ہرگز نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔ ”کہا گیا ہے کہ اگر کوئی گناہ کرے تو باپ کے پاس ہمارا ایک مددگار موجود ہے۔“ یہ نہیں کہا گیا کہ ”خدا کے پاس“ بلکہ یہ کہ ”باپ کے پاس“۔ ہم اگر گناہ کرتے بھی ہیں تو بھی وہ ہمارا ”باپ“ ہے۔ یہ

حقیقت ہمیں یہ مبارک بات یاد دلاتی ہے کہ اگرچہ ایمان دار کی زندگی میں گناہ اُس رفاقت کو توڑ دیتا ہے لیکن تعلق کو نہیں توڑتا۔ جب کوئی شخص نے سرے سے پیدا ہوتا ہے تو وہ خدا کا فرزند بن جاتا ہے اور اُس وقت سے لے کر خدا اُس کا باپ ہوتا ہے اور کوئی بات اس رشتہ پر اثر انداز نہیں ہو سکتی۔ پیدائش یا جنم ایک ایسی چیز ہے جس کو ختم نہیں کیا جاسکتا، جس کی نفی نہیں ہو سکتی۔ ایک بیٹا اپنے باپ کا نام بدنام تو کر سکتا ہے، لیکن پیدائش کی حقیقت کے باعث وہ پھر بھی بیٹا ہی رہتا ہے۔

غور کریں کہ ہمارا ”مددگار“ یسوع مسیح راست باز ہے۔ بڑی اچھی بات ہوتی ہے کہ دفاع کرنے والا ”راست باز“ ہو۔ جب شیطان کسی ایمان دار کے خلاف کوئی الزام لے کر آتا ہے تو خداوند یسوع کلوری پر پورے کئے ہوئے اپنے کام کی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے۔ ”اسے میرے حساب میں لکھ دو۔“ ۲:۲۔ اور خداوند یسوع صرف ایک مددگار (وکیل) ہی نہیں بلکہ وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ بھی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ ہماری خاطر مگر اُس نے ہمیں ہمارے گناہوں کے قصور سے رہائی دلائی اور خدا کے سارے تقاضوں کو پورا کر کے اور رفاقت کی راہ میں حائل ہر بات کو دور کر کے خدا کے ساتھ ہمارا میل ملاپ کر دیا۔ خدا ہم پر رحمت اس لئے کر سکتا ہے کہ مسیح نے عدل کا ہر تقاضا پورا کر دیا ہے۔ اکثر ایسا نہیں ہوتا کہ ایڈووکیٹ (وکیل) اپنے موکل کے گناہوں کی سزا خود برواشت کرے۔ لیکن ہمارے خداوند نے یہی کیا ہے۔ اور سب سے زیادہ قابلِ ذکر بات یہ ہے کہ اُس نے یہ ادائیگی اپنی قربانی دے کر کی ہے۔

یوحنا مزید کہتا ہے کہ مسیح ”صرف ہمارے ہی گناہوں“ کے لئے نہیں ”بلکہ تمام دُنیا کے گناہوں“ کے لئے بھی دہ کافی اور وافی قربانی ہے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ ساری دُنیا نے نجات پائی ہے بلکہ یہ کہ خداوند یسوع کا کام اپنی قیمت کے لحاظ سے ”تمام دُنیا“ کی نجات کے لئے کافی ہے۔ لیکن یہ نجات دینے کے لئے ”موتور“ اُسی صورت میں ہوتا ہے کہ لوگ اس پر بھروسہ رکھیں، اس پر ایمان لائیں۔ چونکہ اُس کا کام تمام انسانوں کے لئے کافی ہے اس لئے انجیل کی خوشخبری ساری دُنیا کو پیش کی جاسکتی ہے۔ لیکن اگر سارے انسان خود بخود نجات پا جاتے تو اُن کے سامنے انجیل کی منادی کرنے کی ضرورت ہی نہ تھی۔

یہ بہت دلچسپ بات ہے کہ صلیب کے اوپر جو کتبہ لگایا گیا وہ عبرانی، یونانی اور لاطینی زبانوں میں تھا۔ عبرانی خدا کے برگزیدہ لوگوں کی زبان تھی اور لاطینی اور یونانی اُس وقت کی

معلومہ دنیا کی مشہور زبانیں تھیں۔ اس طرح ساری دنیا میں اعلان ہو گیا کہ یسوع مسیح ہر جگہ کے لوگوں کے لئے نجات دہندہ ہے۔

۳۔ مسیحی رفاقت میں شامل لوگوں کی علامات — فرمانبرداری اور محبت

(۲: ۳-۱۱)

۲: ۳۔ یوحنا ان لوگوں کی حقیقی علامات بتانے کو ہے جو مسیحی رفاقت میں ہوتے ہیں۔ پہلی علامت فرمانبرداری ہے۔ ہمیں خدا کے ساتھ تعلق کا یقین اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ ہماری زندگی میں اس کی مرضی پوری کرنے کی محبت بھری آرزو ہو۔ بلاشبہ ان آیات کا نشانہ غناسطی لوگ ہیں جو دعویٰ کرتے تھے کہ ہم خدا کا اعلیٰ اور برتر عرفان رکھتے ہیں لیکن وہ خدا کے حکموں کو مانتے اور ان پر عمل کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے تھے۔ یوحنا ثابت کرتا ہے کہ ایسا علم یا عرفان کھوکھلا اور ناکارہ ہے۔

یوحنا ایمان دار کی فرمانبرداری کو تین پہلوؤں سے بیان کرتا ہے۔ اس کے حکموں پر عمل کرنا (آیت ۳)، اس کے کلام پر عمل کرنا (آیت ۵) اور اس طرح چلنا جس طرح وہ چلتا تھا (آیت ۶)۔ یہاں خیال میں خاص ترقی نظر آتی ہے۔ اس کے حکموں پر عمل کرنا سے مراد نئے عہد نامہ میں موجود خداوند یسوع کی تعلیمات پر عمل کرنا ہے۔ اس کے کلام پر عمل کا مطلب ہے کہ صرف لکھی ہوئی باتوں کی ہی فرمانبرداری نہ ہو، بلکہ وہ سب کچھ کرنے کی آرزو ہو جس کو کرنے سے ہم سمجھتے ہیں کہ خدا خوش ہوگا۔ اور جس طرح وہ چلتا تھا اس طرح چلنا اپنے لوگوں کے لئے خدا کے معیار کا پورا اظہار ہے۔ اس کا مطلب ہے اس طرح زندگی بسر کرنا جیسے یسوع کرتا تھا۔

۲: ۳۔ یوحنا کے نکتہ میں یہ بات متغیر نہیں کہ مسیحی زندگی خدا کی مرضی کی بے خطا فرمانبرداری پر مشتمل ہے، بلکہ یہ کہ ایک ایمان دار کو یہ خواہش کرنے کی عادت ہوتی ہے کہ میں اس کے حکموں پر عمل کروں اور وہ کام کروں جو اس کی نظر میں پسندیدہ ہیں۔ یوحنا کی نظر ایک شخص کی زندگی کی پوری روش پر ہے۔ اگر کوئی کہتا ہے کہ میں خدا کو جان گیا ہوں مگر اس کے حکموں پر عمل نہیں کرتا تو صاف ظاہر ہے کہ وہ پسچ نہیں بول رہا۔

۲: ۵۔ دوسری طرف جب ہم اس کے کلام پر عمل کرتے ہیں تو خدا کی محبت ہم میں شامل ہو جاتی ہے۔ یہاں خدا کی محبت سے مراد وہ محبت نہیں جو ہم خدا کے ساتھ رکھتے ہیں، بلکہ وہ محبت جو خدا ہمارے ساتھ رکھتا ہے۔ یہاں نکتہ یہ ہے کہ جب ہم اس کے کلام پر عمل کرتے ہیں تو خدا کی

محبت کا مقصد پورا ہو جاتا ہے۔ وہ اپنا مقصد پورا کر لیتی ہے اور اپنے انجام کو پہنچ جاتی ہے جو کہ ہمارے اندر فرمانبرداری پیدا کرنا ہے۔

۶:۲۔ اس لئے جو کوئی کہتا ہے کہ میں اُس میں قائم ہوں تو چاہئے کہ یہ بھی اسی طرح چلے جس طرح وہ (خداوند یسوع) چلتا تھا۔ اُس کی زندگی کا بیان اناجیل میں درج ہے، اور اُس کی یہی زندگی ہمارے لئے نمونہ اور ہدایت ہے۔ یہ کوئی ایسی زندگی نہیں جو ہم اپنی قوت یا طاقت سے بسر کر سکتے ہیں۔ یہ صرف روح القدس کی قدرت سے ممکن ہوتی ہے۔ ہماری ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی زندگی کا بل طور پر اُس کے سپرد کر دیں تاکہ وہ ہمارے وسیلہ سے اور ہمارے اندر اپنی زندگی بسر کر سکے۔

۷:۲۔ سچے ایمان داروں کی دوسری علامت بھائیوں کے لئے محبت ہے۔ یوحنا کہتا ہے کہ ”یہ کوئی نیا حکم نہیں جو وہ لکھ رہا ہے بلکہ یہ پُرانا حکم وہی کلام ہے جو انہوں نے شروع سے... سنا تھا، یعنی خداوند یسوع نے اپنی زمینی خدمت کے شروع میں اپنے شاگردوں کو سکھایا تھا کہ ایک دوسرے سے محبت رکھو۔“

غناسطی ہر وقت یہ ظاہر کرتے تھے کہ ہماری تعلیم نئی ہے، مگر رسول اپنے قارئین کو ابھارتا ہے کہ ہر بات کو آزماؤ اور اُس کا مقابلہ خداوند یسوع کی اُس تعلیم سے کرو جو وہ اپنی زمینی زندگی کے دوران دیتا رہا۔ یہ خدشہ ہمیشہ رہتا ہے کہ ہم رفتہ رفتہ اُن باتوں سے دور چلے جائیں جو شروع میں تھیں۔ یوحنا کہتا ہے ”شروع کی باتوں کی طرف رجوع کرو تو جان لو گے کہ سچائی اور حقیقت کیا ہے۔“

۸:۲۔ تو بھی یہ حکم نہ صرف ایک پُرانا حکم ہے بلکہ ایک مفہوم میں ”نیا“ بھی ہے۔ جب خداوند یسوع اس دُنیا میں تھا اُس نے اپنے شاگردوں کو نہ صرف آپس میں محبت رکھنے کا درس دیا بلکہ خود ایک زندہ نمونہ بھی پیش کیا۔ اُس کی زندگی کی خصوصیت ہی دوسروں سے محبت رکھنا تھی۔ اِس طرح جب وہ اِس دُنیا میں تھا تو یہ حکم اُس پر ”صادق“ آتا تھا۔ مگر اب ایک مفہوم میں یہ پُرانا حکم نیا ہے۔ اِس نظام میں یہ نہ صرف خداوند یسوع پر ”صادق“ آتا ہے، بلکہ ایمان داروں پر بھی صادق آتا ہے۔ یہ سمجھی پہلی بات پرست تھے، اور ایک دوسرے سے دشمنی اور ہیمنیت میں زندگی گزارتے تھے۔ اب اُن کی زندگیاں محبت کے اِس اصول کا نمونہ پیش کرتی ہیں۔

اِس طرح جب بھی انسان انجیل کی روشنی کو قبول کرتے ہیں ”تاریکی مٹتی جاتی ہے۔“ تاریکی پورے طور پر نہیں مٹتی کیونکہ بہت سے لوگ ابھی تک مسیح کے پاس نہیں آئے۔ لیکن مسیح جو حقیقی نور ہے وہ پہلے ہی چمک رہا ہے، اور جب بھی گنہگار اُس کی طرف رجوع کرتے ہیں نجات پاتے ہیں اور اپنے ہم ایمانوں

سے محبت رکھنے لگتے ہیں۔

۹:۲-۱۱۔ ان آیات میں سچی محبت اور جھوٹی محبت کا تقابل پیش کیا گیا ہے۔ اگر کوئی شخص مسیحی ہونے کا دعویٰ کرتا ہے لیکن سچے مسیحیوں سے ”عداوت رکھتا ہے“ تو یہ یقینی نشان ہے کہ ”وہ ابھی تک تاریکی ہی میں ہے۔“ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہاں بات برگشتہ ہو جانے یا پیچھے ہٹ جانے کی نہیں۔ یعنی وہ انسان رہتا وہی ہے جو شروع سے تھا یعنی غیر نجات یافتہ۔ دوسری طرف ”جو کوئی اپنے بھائی سے محبت رکھتا ہے وہ نور میں رہتا ہے۔“ اس کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شخص خود تو ٹھوکر کھانے کے خطرہ میں نہیں، یا وہ دوسروں کے لئے ٹھوکر کا باعث نہیں بنے گا۔ ہر دو تاویلیں درست ہیں۔ اگر کوئی مسیحی واقعی مسیح کے ساتھ ساتھ زندگی بسر کرتا ہے تو نور خود اُس کا راستہ بھی منور کرتا ہے اور کسی دوسرے کو بھی ٹھوکر نہیں لگتی کیونکہ اُس کے دعوے اور عمل میں کوئی تضاد نہیں ہوتا۔ غناسطی اُن لوگوں سے گہری عداوت رکھتے تھے جو دل سے خدا کے کلام پر قائم تھے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ”وہ تاریکی میں“ تھے اور تاریکی ہی میں چلتے تھے اور ”نہیں جانتے“ تھے کہ ہم کہاں جا رہے ہیں۔ کیونکہ تاریکی نے اُن کی آنکھیں اندھی کر دی تھیں۔

۳۔ رفاقت میں ترقی کرنے کے مراحل (۱۲:۲-۱۴)

۱۲:۲۔ ”اے بچو“ ان الفاظ سے رسول پورے خاندان کو اپنے حلقے میں لے لیتا ہے۔ اس طرزِ مخاطب میں عمر یا روحانی ترقی یا پختگی کا کوئی خیال نہیں۔ یوحنا اُن سب سے مخاطب ہے جو خداوند کے ہیں۔ بقیہ آیت اس بات کو ثابت کرتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اُس کے نام سے تمہارے گناہ معاف ہوئے۔ یہ بات تمام مسیحیوں پر صادق آتی ہے۔ یہ جان لینا کتنی مبارک بات ہے کہ ہمارے گناہوں کی پوری معافی ہو چکی ہے، اور ہم ابھی اس معافی یافتہ حالت کے مالک ہیں۔ اس بات پر بھی غور کریں کہ ہمارے گناہ ”اُس کے نام سے“ معاف ہوئے ہیں، یعنی خدا مسیح کی خاطر ہمارے گناہ معاف کرتا ہے۔

۱۳:۲۔ ”بزرگو“۔ یہاں ”بزرگ“ سے مراد وہ لوگ ہیں جو اُس ہستی کو ”جان گئے“ ہیں جو ابتدا سے ہے۔ یہ پختہ اور بالغ نظریہ ایمان داریں جو خدا کے بیٹے کی پُرکطف رفاقت سے ابھی طرح واقف ہیں اور اُس (مسیح) سے مطمئن ہیں۔ روحانی خاندان میں ”جوانوں“ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ طاقت اور جنگ آزمائی یا کشمکش کی تصویر ہوتے ہیں۔ یہی زمانہ دشمن کے ساتھ کشتی اڑنے اور مقابلہ

کرنے کا ہوتا ہے۔ ”اے جوانو!۔۔۔ تم اس شریر پر غالب آگئے ہو“ کیونکہ انہوں نے فتح یابی کا راز سیکھ لیا ہے کہ میں نہیں، بلکہ مجھ میں مسیح ہے۔“ اُسے لڑکوں سے مراد وہ افراد ہیں جو ایمان میں بچے ہیں۔ وہ ابھی بہت کچھ نہیں جانتے، مگر وہ ”باپ“ کو ضرور جان گئے ہیں۔

۱۴:۲۔ جب یوحنا رسول ”بزرگوں“ کو دوبارہ مخاطب کرتا ہے تو یہ وہی افراد ہیں جن کو پہلے مخاطب کیا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے روحانی تجربہ میں پختگی حاصل کر لی ہے۔ اسی طرح وہ جوانوں کو دوبارہ مخاطب کرتا ہے، مگر اب اس لحاظ سے کہ وہ خداوند میں یعنی اس کی قدرت کے زور میں مضبوط ہیں۔ وہ ”اس شریر پر غالب آگئے“ ہیں کیونکہ خدا کا کلام ”اُن میں قائم رہتا ہے۔“ خداوند یسوع نے پاک نیشتوں کے اقتباس استعمال کر کے شیطان کو شکست دی۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ بائبل مقدس کی خوراک سے باقاعدہ اور مسلسل قوت پاتے رہنا کتنا ضروری ہے۔ شیطان کو شکست دینے کے لئے اس ہتھیار کو ہمہ وقت تیار رکھنا بے حد اہم ہے۔

۵۔ رفاقت کے دو خطرے۔ دنیا اور جھوٹے استاد

۲: ۱۵-۲۸

آیات ۱۵-۱۷ میں ہمیں دنیا اور اس کے سارے جھوٹے طریقوں کے سلسلے میں زبردست خبردار کیا گیا ہے۔ بنیادی طور پر یہ بات غالباً نوجوانوں سے کہی گئی ہے کیونکہ اُن کے لئے دنیا میں خاص کشش اور جاذبیت ہوتی ہے۔ مگر اس انتباہ کا اطلاق خداوند کے تمام لوگوں پر ہوتا ہے۔ یہاں ”دنیا“ سے مراد یہ کرۂ ارض نہیں جس پر ہم رہتے بستے ہیں، اور نہ مراد ہمارے اس پاس کی فطرتی چیزوں سے ہے، بلکہ اس سے مراد وہ نظام ہے جو انسانوں نے اس لئے قائم کر رکھا ہے کہ کسی طرح مسیح کے بغیر خوش رہ سکیں۔ اس میں ثقافتی دنیا، فنون اور تعلیم وغیرہ شامل ہے۔ مختصراً ہر وہ شعبہ جس میں خداوند کو نہ تو خوش آمدید کہا جاتا ہے نہ اُس سے محبت رکھی جاتی ہے۔ کسی نے اس کا بیان یوں کیا ہے: ”انسانی معاشرہ جہاں تک کہ اسے غلط خطوط پر استوار کیا گیا ہے، گھٹیا اور پست خواہشات، جھوٹی اقدار اور انانیت اس کا طرہ امتیاز ہیں۔“

۱۶:۱۵:۲۔ ہمیں صاف طور پر انتباہ کیا گیا ہے کہ ”نہ دنیا سے محبت رکھو، نہ اُن چیزوں سے جو

دنیا میں ہیں۔“ اس کی سیدھی سی وجہ یہ ہے کہ اگر ہم اُن سے محبت رکھیں تو ہمارے اندر ”باپ کی محبت“ نہیں ہوگی۔ ”جو کچھ دنیا“ ہمیں پیش کر سکتی ہے وہ ہے کیا؟ وہ ہے ”جسم کی خواہش“

اور آنکھوں کی خواہش اور زندگی کی شیخی۔ ”جسم کی خواہش“ سے مراد وہ جسمانی اور شہوانی خواہشات ہیں جو ہماری بُری سرشت میں سے پیدا ہوتی ہیں۔ ”آنکھوں کی خواہش“ کا اطلاق اُن بُری خواہشات پر ہوتا ہے جو ہمارے دیکھنے کی حس سے پیدا ہوتی ہیں۔ ”زندگی کی شیخی“ اپنے آپ کو دکھانے اور اپنی عزت بڑھانے کی ناپاک خواہش ہے۔ نفسانیت کے ان تینوں عناصر کی تصویر ہمیں حوا کے گناہ میں ملتی ہے۔ وہ درخت کھانے کے لئے اچھا تھا۔ ”یہ جسم کی خواہش“ تھی۔ وہ درخت دیکھنے میں خوشنما تھا۔ ”یہ آنکھوں کی خواہش“ تھی۔ وہ درخت عقل بخشنے کو خوب تھا۔ ”یہ زندگی کی شیخی“ تھی۔

جس طرح ابلیس مسیح کا مخالف ہے اور ”جسم“ ”روح“ کے خلاف ہے، اُسی طرح ”دنیا“ باپ سے دشمنی رکھتی ہے۔ یہ خواہشیں، حرص اور ہوس ”باپ کی طرف سے نہیں بلکہ دنیا کی طرف سے ہے“۔ مراد یہ ہے کہ یہ باتیں ”باپ“ سے صادر نہیں ہوتیں۔ ان کا سرچشمہ ”دنیا“ ہے۔ ”دنیا“ دراصل عارضی اور فنا ہونے والی چیزوں سے محبت کا نام ہے۔ انسانی دل کو ان چیزوں یا باتوں سے کبھی راحت اور تسکین نہیں ہوتی۔ ۱۷:۲۔ ”دنیا اور اُس کی خواہش دونوں مٹتی جاتی ہیں“۔ جب کوئی بینک ٹوٹ رہا ہو تو ہوشیار لوگ اُس میں پیسہ جمع نہیں کراتے۔ جب مینا دہل رہی ہو تو سمجھدار معمار کام روک دیتے ہیں۔ اس دنیا پر توجہ مرکوز کرنا ایسا ہی ہے جیسے ٹائی ٹینک (ایک بہت بڑا بحری جہاز جو اپنے پیٹے ہی سفر میں مندر میں غرق ہو گیا تھا) پر کرسیوں کو نئی ترتیب سے رکھنے کی کوشش۔ اس لئے عقل مند لوگ ایسی ”دنیا“ کے لئے زندگی بسر نہیں کرتے جو مٹتی جاتی ہے۔ ”لیکن جو خدا کی مرضی پر چلتا ہے وہ ابد تک قائم رہے گا۔“ یہ ”خدا کی مرضی“ ہے جو ہم کو ”مٹتی جاتی“ یعنی عارضی چیزوں کی آزمائش سے چھٹکارا دلاتی ہے۔ اتفاق سے یہی آیت ہے جس کو بڑی۔ ایل۔ موڈی نے اپنی زندگی کے لئے اپنایا تھا۔ وہ بہت مشہور مبشر تھا اور اُس کی قبر کے کتبہ پر یہی آیت کندہ ہے کہ ”جو کوئی خدا کی مرضی پر چلتا ہے وہ ابد تک قائم رہے گا۔“

۱۸:۲۔ جو لوگ مسیحی رفاقت میں شامل ہیں اُن کے لئے ایک اور امتحان اُن کی تعلیم یا عقیدہ کا امتحان ہے۔ اس موضوع کا آغاز ایک انتباہ سے کیا گیا۔ یہ انتباہ اُن لوگوں کے لئے ہے جو مسیح میں ابھی نئے ہیں۔ اور اس میں جھوٹے استادوں سے خبردار کیا گیا ہے۔ جو ایمان میں ابھی نو عمر یا نئے ہیں اُن کو مخالف مسیح کے جھوٹوں کا شکار ہونے کا زیادہ خطرہ ہے۔ یوحنا کے قارئین کو سکھایا گیا تھا کہ مسیح کی دوسری آمد سے پہلے ایک ”مخالف مسیح“ برپا ہوگا۔ وہ مسیح ہونے کا جھوٹا دعویٰ کرے گا۔ ہونہار پروا کے چکھنے چکھنے پات کے مہدیاق اُس خاص ”مخالف مسیح“ کے نمودار ہونے سے پہلے ”بہت سے مخالف مسیح پیدا ہو گئے ہیں“۔ یہ وہ جھوٹے استاد ہیں جو کسی جھوٹے مسیح اور جھوٹی انجیل کو پیش کرتے ہیں۔ یہ

بات خاص قابلِ ذکر اور قابلِ توجہ ہے کہ جس زمانہ میں ہم ہیں اس کی خصوصیت یہ ہے کہ بہت سے ایسے فرقہ اور مسلک پیدا ہو گئے ہیں جو مسیح کا انکار کرتے ہیں۔ ان سب کا وجود اس حقیقت کی گواہی دیتا ہے کہ منجی کی دوسری آمد نزدیک ہے۔

۱۹:۲۔ یہ جھوٹے استاد جو مسیحی ہونے کا دعویٰ کرتے تھے ایک وقت تھا کہ ان کا رسولوں کے ساتھ میل جول تھا۔ لیکن دل میں وہ سچے ایمان داروں کے ساتھ ایک نہیں تھے۔ ثبوت یہ ہے کہ وہ رفاقت میں سے ”نکل ... گئے۔“ اگر (وہ) ہم میں سے ہوتے تو ہمارے ساتھ رہتے۔ یہاں ہم سیکھتے ہیں کہ سچا ایمان ”مستقل“ یا دائمی ہونے کی صفت رکھتا ہے۔ اگر کوئی شخص واقعی نے سرے سے پیدا ہوا ہے تو وہ خداوند کے ساتھ چلتا رہے گا۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم آخر تک برداشت کرنے سے نجات پاتے ہیں بلکہ یہ کہ جو آخر تک برداشت کرتے ہیں وہ حقیقت میں نجات یافتہ ہیں۔ جھوٹے استاد ”نکل اس لئے گئے کہ یہ ظاہر ہو کہ وہ سب ہم میں سے نہیں ہیں۔“

۲۰:۲۔ مگر اس سے ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ کوئی تو عمر ایمان دار (مراد نو مرید بھی ہو سکتی ہے) کس طرح جان سکتا ہے کہ سچ کیا ہے اور جھوٹ کیا ہے؟ جواب یہ ہے کہ ہم ”کو تو اس قدوس کی طرف سے مسیح کیا گیا ہے“ اور ہم ”سب کچھ جانتے“ ہیں۔ ”یہ مسیح“ روح القدس کا حوالہ دیتا ہے اور ”اس قدوس“ یعنی خداوند یسوع مسیح کی طرف سے ہے۔ جب کوئی شخص نجات پاتا ہے تو اس کو اندر سکونت کرنے والا روح القدس ملتا ہے جو کہ ایمان دار کو سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرنے کی صلاحیت دیتا ہے۔ جب یوحنا اپنے نو عمر تارین کو بتاتا ہے کہ ”تم سب کچھ جانتے ہو“ تو مطلب یہ نہیں ہے کہ ان کا علم کامل ہے، بلکہ یہ کہ ان کو سچ اور جھوٹ میں امتیاز کرنے کی صلاحیت حاصل ہے۔ اس طرح سب سے کم عمر اور سادہ لوح ایمان دار کو خدا کی وہ باتیں جان لینے اور پہچان لینے کی صلاحیت حاصل ہے جن کو غیر نجات یافتہ فلسفی جان نہیں سکتا۔ ایک مسیحی اپنے گھٹنوں کے بل ہو کر بہت کچھ دیکھ سکتا ہے جبکہ دنیاوی شخص پنچوں کے بل کھڑا ہو کر بھی کچھ نہیں دیکھ سکتا۔ اس طبعی دنیا میں جب بچہ پیدا ہوتا ہے تو اس کو انسانی نسل کی ساری صلاحیتیں مل جاتی ہیں۔ اس کی آنکھیں، ہاتھ، کان اور دماغ وغیرہ سب کچھ ہوتا ہے۔ اسے یہ چیزیں بعد میں نہیں ملتیں۔ اگرچہ یہ بڑھتی اور ترقی کرتی رہتی ہیں، لیکن آغاز ہی میں پورا شخص یا پوری شخصیت موجود ہوتی ہے۔ یہی حال اس وقت ہوتا ہے جب کوئی نے سرے سے پیدا ہوتا ہے۔ اس کو وہ تمام صلاحیتیں اور قویٰ حاصل ہوتے ہیں جو روحانی زندگی کا خاصہ ہیں۔ البتہ ان کے بڑھنے اور ترقی کرنے کے لائحہ عمل کائنات

ضرور ہوتے ہیں۔

۲۱:۲۔ یوحنا نے یہ باتیں اس لئے ”نہیں“ لکھی تھیں کہ اُس کے قارئین ”سچائی“ کو نہیں جانتے تھے، بلکہ اس لئے کہ جس سچائی کو وہ جانتے تھے اُس میں مضبوط ہو جائیں، اور یہ یاد دلانے کے لئے کہ کوئی جھوٹ سچائی کی طرف سے ”نہیں“۔ غناسطی ایسے عقیدوں کی تعلیم دیتے تھے جو خدا کے کلام کے خلاف تھے، چنانچہ جھوٹ تھے۔ اُن کا سب سے بڑا جھوٹ جو اُن کی ساری تعلیم کی بنیاد تھا اُن کا یسوع کے مسیح ہونے کا انکار تھا۔ جیسا کہ ہم نے تعارف میں بھی بیان کیا اُن کی تعلیم یہ تھی کہ یسوع محض ایک بشر تھا اور مسیح اُس پر پیتسمہ کے وقت نازل ہوا۔ آج بھی بہت سے فرقے اسی عظیم جھوٹ کا پرچار کرتے ہیں۔ بائبل مقدس ہر جگہ زور دے کر اور تاکید کے ساتھ کہتی ہے کہ نئے عہد نامہ کا یسوع پرانے عہد نامہ کا خداوند (یہوواہ) ہے۔ یہ کہنا ہرگز درست نہیں کہ مسیح، یسوع پر نازل ہوا بلکہ درست یہ ہے کہ یسوع ہی مسیح ہے۔

۲۲:۲۔ یوحنا بڑی احتیاط سے توجہ دلاتا ہے کہ خداوند ”یسوع“ کی اُنومیت کا انکار ”باپ“ کا بھی انکار ہے۔ بعض لوگ اپنے خیال میں تو خدا کی پرستش کرتے ہیں، مگر وہ خداوند یسوع مسیح کے ساتھ کچھ واسطہ نہیں رکھنا چاہتے۔ رسول کہتا ہے کہ ”مخالف مسیح وہی ہے جو باپ اور بیٹے کا انکار کرتا ہے۔“

۲۳:۲۔ یوحنا کی انجیل ۱۹:۸ اور ۴۲ میں یسوع کہتا ہے کہ جو لوگ میری اُنومیت کو پہچاننے اور میرے ساتھ محبت رکھنے سے قاصر رہتے ہیں وہ نہ تو باپ کو جانتے ہیں اور نہ خدا کبھی اُن کا باپ تھا۔ اسی طرح یوحنا بھی کہتا ہے کہ جو کوئی بیٹے کا انکار کرتا ہے اُس کے پاس باپ بھی نہیں۔ جو بیٹے کا اقرار کرتا ہے اُس کے پاس باپ بھی ہے۔ یہ ”باپ“ اور ”بیٹے“ کے ایک ہونے کی عجیب حقیقت اور سچائی ہے۔ یہ پیغام ہے جو ہر فرقے اور مسلک کو سننا اور ماننا چاہئے۔

۲۴:۲۔ جھوٹے استادوں سے نو عمر ایمان داروں کی حفاظت اس میں ہے کہ ”جو تم نے شروع سے سنا ہے وہی تم میں قائم رہے۔“ اس سے مراد وہ تعلیم ہے جو خداوند یسوع نے اور اُس کے سارے رسولوں نے دی۔ ہمارا تحفظ اسی میں ہے کہ خدا کے کلام کے بالکل قریب رہیں۔ ہم کو ہر بات اور ہر تعلیم کا امتحان اس کسوٹی سے کرنا چاہئے کہ ”نوشتہ کیا کہتے ہیں؟“ اگر کوئی تعلیم بائبل مقدس کے ساتھ موافقت نہیں رکھتی تو ہم اسے رد کر دیں۔ ڈاکٹر اسٹرن سائڈ کہتا ہے کہ اگر تعلیم نئی ہے تو سچی نہیں، اگر سچی ہے تو نئی نہیں ہو سکتی۔

۲: ۲۵- جب ہم مسیحی تعلیم پر قائم رہتے ہیں تو اپنے ایمان کی سچائی اور حقیقت کا ثبوت دیتے ہیں۔ اور اس ایمان کا ”ودعہ“ ہمیشہ کی زندگی ہے۔ جب ہم خداوند یسوع کو قبول کرتے ہیں تو ہم اُس کی اپنی زندگی یعنی ہمیشہ کی زندگی حاصل کرتے ہیں۔ اور یہ زندگی ہم کو توفیق دیتی ہے کہ ہر نئی اور مشکوک تعلیم کو پرکھ سکیں۔

۲: ۲۷- یوحنا نے جھوٹی تعلیم کے خلاف یہ باتیں نو عمر ایمان داروں کو خبردار کرنے کے لئے لکھیں۔ اُس کو آخری نتیجہ کے بارے میں کوئی شک یا ڈر نہیں تھا، کیونکہ وہ یاد کرتا ہے کہ میرے قارئین کا ”مسح“ خداوند یسوع کی طرف سے ہے۔ جیسے پہلے بیان ہوا یہ ”مسح“ رُوح القدس ہے، اور یہاں ہم سیکھتے ہیں کہ رُوح القدس تم میں قائم رہتا ہے۔ یہ ایک مثبت بیان ہے کہ جب ایک دفعہ رُوح القدس مل جاتا ہے تو کبھی واپس نہیں لیا جاتا۔ چونکہ ہم کو رُوح القدس مل چکا ہے اس لئے ہم اُس کے محتاج نہیں کہ کوئی ہمیں ”سکھائے“۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہمیں کلیسیا میں مسیحی استادوں کی ضرورت نہیں۔ خدا نے افسیوں ۳: ۱۱ میں ایسے استادوں کا خاص بندوبست کیا ہے۔ اس کا مطلب ہے کہ ہر مسیحی کو اُس تعلیم کے علاوہ جو خدا کے کلام میں موجود ہے کس اور تعلیم کی ضرورت نہیں۔ یعنی سچائی وہی ہے جو خدا کے کلام میں پائی جاتی ہے۔ غناسطی یہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہمارے پاس اضافی سچائی ہے۔ مگر یہاں یوحنا کہہ رہا ہے کہ اضافی سچائی کی قطعاً ضرورت نہیں۔ جب خدا کا کلام ہمارے ہاتھوں میں اور خدا کا رُوح ہمارے دلوں میں ہے تو خدا کی سچائی کی تعلیم پانے کے لئے جو کچھ درکار ہے وہ ہمارے پاس ہے۔ ۲: ۲۸- یوحنا خدا کے گھرانے کے سارے ”بچوں“ کو مخاطب کرتے ہوئے اُن کو نصیحت کرتا ہے کہ اُس میں قائم رہو تاکہ جب وہ ظاہر ہو تو ہمیں دلیری ہو اور ہم اُس کے آنے پر اُس کے سامنے شرمندہ نہ ہوں۔ یہاں ہم کو اشارہ رسولوں کی طرف ہے، اور نکتہ یہ ہے کہ اگر وہ مسیحی جن کو یوحنا نے سکھا ہے وفاداری سے خداوند کے ساتھ چلتے نہیں رہتے تو جو رسول اُن کو مسیح کے پاس لائے تھے مسیح کے آنے پر شرمندہ ہوں گے۔ یہ آیت زور دیتی ہے کہ بشارت کے کام میں بعد میں پیروی کرنا بے حد ضروری اور اہم ہوتا ہے۔ نیز مسیح کی آمد پر شرمندگی کے امکان کا ذکر بھی کرتی ہے۔

۴- مسیحی رفاقت میں شامل افراد کی علامات (جاری ہے)۔ راست بازی

محبت اور اس سے پیدا ہونے والا اعتماد (۲: ۲۹-۳: ۲۳)

۲۹: ۲- جو تھی خاندانی خاصیت ”راست بازی“ ہے۔ طبعی دنیا میں ہر چیز اپنی جیسی چیز پیدا

کرتی ہے۔ یہی بات روحانی دنیا پر بھی صادق آتی ہے۔ ”جو کوئی راست بازی کے کام کرتا ہے وہ اُس (خدا) سے پیدا ہوا ہے۔“ چونکہ خدا ”راست“ بازی ہے اس لئے لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ بھی کرتا ہے وہ سب ”راست“ ہوتا ہے اور جو کوئی... اُس سے پیدا ہوا ہے ”وہ راست“ بازی ہے۔ یہ یوحنا کی ناقابل تردید منطق ہے۔

۱:۳۔ خدا سے پیدا ہونے کا خیال یوحنا کو حیرت میں مبتلا کر دیتا ہے۔ وہ اپنے قارئین سے کہتا ہے کہ اُس عجیب ”محبت“ پر غور کریں جو ہم کو ”خدا“ کے گھرانے میں لے آئی ہے۔ محبت ہم کو خدا کے ”فرزند“ بنائے بغیر بھی سعادت دے سکتی تھی۔ لیکن خدا کی ”محبت“ کا انداز یہ ہے کہ وہ ہمیں ”فرزند“ کی حیثیت سے خدا کے خاندان میں لے آئی۔ ”دیکھو باپ نے ہم سے کیسی محبت کی ہے کہ ہم خدا کے فرزند کہلائے۔“ اب جب کہ ہم روز بروز چلتے پھرتے ہیں تو ”دنیا ہمیں... نہیں جانتی“ یعنی دنیا ہم کو خدا کے فرزندوں کی حیثیت سے نہیں پہچانتی یا تسلیم نہیں کرتی۔ ”دنیا کے لوگ نہ ہمیں نہ ہمارے طور و اطوار کو سمجھ سکتے ہیں۔ دراصل جب خداوند یسوع اس دنیا میں تھا تو دنیا اس کو بھی نہیں سمجھتی تھی۔“ وہ دنیا میں تھا اور دنیا اُس کے وسیلہ سے پیدا ہوئی اور دنیا نے اُسے نہ پہچانا۔ وہ اپنے گھر آیا اور اُس کے آپنوں نے اُسے قبول نہ کیا۔“ چونکہ ہم میں بھی خداوند یسوع جیسی خصوصیات ہیں اس لئے ہم توقع نہیں کر سکتے کہ دنیا ہمیں سمجھے گی۔

۲:۳۔ تاہم دنیا ہم کو سمجھے یا نہ سمجھے مگر ہم اس وقت خدا کے فرزند ہیں اور یہ ہمارے مستقبل کے جلال کی ضمانت ہے۔ ”ابھی تک یہ ظاہر نہیں ہوا کہ ہم کیا کچھ ہوں گے۔ اتنا جانتے ہیں کہ جب وہ (یسوع) ظاہر ہوگا تو ہم بھی اُس کی مانند ہوں گے کیونکہ اُس کو ویسا ہی دیکھیں گے جیسا وہ ہے۔“ اس کا یہ مطلب نہیں کہ آسمان میں ہم جسمانی طور پر یسوع کی مانند ہوں گے۔ خداوند یسوع کی ایک خاص شکل و شہادت ہوگی اور پوری ابدیت میں وہ کلورسی کے داغ لئے ہوگا۔ ہمیں یقین ہے کہ ہم میں سے ہر ایک کے اپنے اپنے امتیازی خد و خال ہوں گے اور ہم اسی طرح پہچانے جائیں گے۔ بائبل یہ نہیں سکھاتی کہ آسمان میں سب کی شکل و صورت ایک جیسی ہوگی، البتہ ہم اخلاقی لحاظ سے خداوند یسوع مسیح کی مانند ہوں گے۔ ہم (گناہ سے) آئودہ ہونے کے امکان سے آگناہ بیماری، غم اور موت سے آزاد ہوں گے۔

یہ حیرت ناک تبدیلی کس طرح پایہ تکمیل کو پہنچے گی؟ جواب یہ ہے کہ مسیح پر ایک نظر سے یہ وقوع پذیر ہو جائے گی۔ کیونکہ ہم اُس کو ویسا ہی دیکھیں گے جیسا وہ ہے۔ یہاں اس زندگی میں

مسیح کی مانند بننے کا عمل جاری ہے کیونکہ یہاں ہم ایمان سے اُس کو خدا کے کلام میں دیکھتے ہیں۔ لیکن یہ عمل اُس وقت پورے طور پر مکمل ہو جائے گا جب ہم اُس کو ویسا ہی دیکھیں گے جیسا وہ ہے۔ کیونکہ اُس کو دیکھنا "اُس کی مانند ہونا" ہے۔

۳:۳۔ "اور جو کوئی اُس سے یہ امتیاز رکھتا ہے" یعنی مسیح کو دیکھنے اور اُس کی مانند بننے کی اُمید رکھتا ہے وہ اپنے آپ کو ویسا ہی پاک کرتا ہے جیسا وہ پاک ہے۔ مسیحی لوگ مدتِ مدید سے تسلیم کرتے آ رہے ہیں کہ مسیح کے بہت جلد دوبارہ آنے کی اُمید ایمان دار کو پاک کرنے کی تاثیر رکھتی ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ میں کوئی ایسا کام کروں کہ جب مسیح آئے تو چاہوں کہ نہ کر رہا ہوں۔ غور کریں کہ کہا گیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو ویسا ہی پاک کرتا ہے جیسا وہ (مسیح) پاک ہے۔ یہ نہیں کہ جیسے وہ (مسیح) اپنے آپ کو پاک کرتا ہے۔ خداوند یسوع کو اپنے آپ کو پاک کرنے کی کبھی ضرورت نہ تھی۔ وہ تو پاک ہے ہی۔ ہمارے لئے پاک ہونا ایک تدریجی عمل ہے۔ اُس کے لئے پاک ہونا ایک حقیقت ہے۔

۳:۴۔ اس آیت میں اپنے آپ کو پاک کرنے کے اُلٹے عمل کا بیان کیا گیا ہے۔ "جو کوئی گناہ کرتا ہے وہ شرع کی مخالفت کرتا ہے اور گناہ شرع کی مخالفت ہی ہے۔" کرتا ہے۔ "یونانی زبان کے لفظ کا مطلب ہے مسلسل روش جس کا اظہار فعل حال جاری (استمراری) سے ہوتا ہے۔ شریعت (شرع) کے بغیر بھی گناہ کا ہونا ممکن ہے۔ آدم اور موسیٰ کے درمیانی زمانہ میں بھی گناہ دنیا میں موجود تھا، اور یہ زمانہ خدا کی شریعت دئے جانے سے پہلے کا ہے۔" گناہ بے شریعتی ہے۔ یہ خدا کی نافرمانی یا خدا سے گردن کشی ہے۔ اپنی روش پر چلنے یا اپنی مرضی پر چلنے کی ضد اور خداوند کو جائز یا حق دار ہنشاہ مطلق ماننے سے انکار ہے۔ مختصر یہ کہ اپنی مرضی کو خدا کی مرضی پر مسلط کرنے کا نام گناہ ہے۔ یہ اُس زندہ شخصیت کی مخالفت ہے جس کا حق ہے کہ انسان اُس کی فرمانبرداری کرے۔

۳:۵۔ کسی سچے مسیحی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ گناہ کرتا رہے کیونکہ اس طرح اُس مقصد کا قطعی انکار ہوتا ہے جس کے لئے خداوند یسوع اس دنیا میں آیا تھا۔ "وہ اس لئے ظاہر ہوا تھا کہ گناہوں کو اٹھائے جائے۔" چنانچہ گناہ میں زندگی بسر کئے جانا اُس دوسرے قطعی بے پروائی برتنے کے مترادف ہے جس کے لئے اُس کا تجسم ہوا۔

پھر کسی سچے مسیحی کے لئے گناہ کرتے رہنا اس لئے بھی ممکن نہیں کیونکہ اس طرح اُس برہنہ کا انکار ہوتا ہے جس کا نام اُس پر ہوتا ہے۔ "اُس کی ذات میں گناہ نہیں۔" یہ نئے عہد نامہ کے ان تین کلیدی حوالوں میں سے ایک ہے جو خداوند یسوع مسیح کی بے گناہ بشریت کا بیان کرتے ہیں۔ پطرس بیان کرتا

ہے کہ ”نہ اُس نے گناہ کیا۔۔۔“ (۱- پطرس ۲: ۲۲) اور پوچھتا ہے کہ ”وہ گناہ سے واقف نہ تھا“ (۲- کرنتھیوں ۵: ۲۱)۔ اور اب یوحنا جو خداوند کو خاص قریب سے جانتا تھا اپنی گواہی دیتا ہے کہ اُس کی فطرت میں گناہ نہیں۔“

۶: ۳۔ ”جو کوئی اُس میں قائم رہتا ہے وہ گناہ نہیں کرتا۔ جو کوئی گناہ کرتا ہے نہ اُس نے اسے دیکھا

ہے اور نہ جانا ہے۔“ یہ آیت ایک سچے ایمان دار کا مقابلہ ایک ایسے شخص کے ساتھ کرتی ہے جو کبھی نئے سرے سے پیدا نہیں ہوا۔ سچے ایمان دار کے بارے میں یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ وہ گناہ کرتا نہیں رہتا۔ یہاں یوحنا کا ذکر گناہ کی بات نہیں کر رہا، بلکہ مسلسل ایسا چلن یا ایسی روش جو عادتاً گناہ کرنے پر مائل رہتی ہے اُس کی بات کر رہا ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ نہیں کہ جب کوئی مسیحی کوئی گناہ کرتا ہے تو نجات سے محروم ہو جاتا ہے، بلکہ یہ کہ جب کوئی شخص گناہ کرنے کو عادت بنالیتا ہے تو حتمی بات ہے کہ اُس کو نئی پیدائش کا ہرگز تجربہ نہیں ہوا۔

یہاں فطری طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ گناہ عادت کب بن جاتا ہے؟ کتنی دفعہ ایک شخص ایک گناہ کرے تو اُس کو خاص روش قرار دیا جاسکتا ہے؟ یوحنا اس سوال کا جواب نہیں دیتا بلکہ وہ ہر ایمان دار کو چوکنا کر رہا ہے۔

۷: ۳۔ غناسطی اپنے علم کے بارے میں بڑی ڈینگیں مارا کرتے تھے، مگر اپنی شخصی زندگیوں کی پروا نہیں کرتے تھے۔ اس لئے یوحنا بھی کہتا ہے کہ ”اے بچو! کسی کے قریب میں نہ آنا۔ جو راستبازی کے کام کرتا ہے وہی اُس کی طرح راست باز ہے۔“ اس نکتے پر کسی کو کوئی الجھن نہیں ہونی چاہئے۔ یہ ممکن نہیں کہ کسی شخص کی زندگی روحانی ہو اور وہ گناہ بھی کرتا رہے۔ بلکہ راست بازی کے کام وہی شخص کر سکتا ہے جس کو راست باز سرشت حاصل ہو۔ اور یہ سرشت اُسی سے ملتی ہے جو خود ”راست باز ہے۔“

۸: ۳۔ بعض بچے اپنے والدین کے اتنے مشابہ ہوتے ہیں کہ بڑی سے بڑی جھڑپیں بھی آسانی سے پہچانے جاتے ہیں۔ یہ بات خدا کے فرزندوں اور ابلیس کے فرزندوں پر بھی صادق آتی ہے۔ ”جو شخص گناہ کرتا ہے وہ ابلیس سے ہے کیونکہ ابلیس شروع ہی سے گناہ کرتا رہا ہے۔“ یہاں بھی خیال یہ ہے کہ ”جو شخص گناہ پر عمل پیرا رہتا ہے وہ ابلیس سے ہے۔“ یہاں ایک چلن، ایک روش کے تسلسل کا ذکر ہے جو شروع سے یعنی جب پہلی دفعہ گناہ کیا تھا اُس وقت سے لے کر مسلسل وہی روش چلی آرہی ہے اور اُس کے سارے فرزند اُس کھلی اور کشادہ راہ میں اُس کی پیروی کرتے ہیں۔ یہاں یہ بات بیان کرنا ضروری ہے کہ انسان نئی پیدائش کے وسیلہ سے خدا کے فرزند بنتے ہیں۔ لیکن ابلیس کے فرزند بننے کے سلسلہ میں

کسی پیدائش کا کوئی تعلق نہیں۔ انسان صرف اُس کے چلن یا کردار کی تقلید کرنے سے اُس کا فرزند بن جاتا ہے، مگر کوئی بھی اُس کے فرزند کے طور پر پیدا نہیں ہوتا۔

اس کے بالمقابل خداوند یسوع اس لئے آیا کہ ابلیس کے کاموں کو مٹائے یا منسوخ کر دے۔ خداوند ابلیس کو ایک لفظ سے ہلاک کر سکتا تھا۔ لیکن اُس نے ایسا نہیں کیا بلکہ خود اس دنیا میں آیا تاکہ دکھائے، خون بہائے اور اس طرح ابلیس کے کاموں کو مٹائے۔ اگر گناہ کو دور کرنے کے لئے منجی کو یہ قیمت ادا کرنی پڑی تو جو اس منجی پر ایمان لاتے ہیں ان کا رویہ کیا ہونا چاہئے!

۹:۳- یہ آیت اس بات کو دہراتی ہے کہ جو کوئی خدا سے پیدا ہوا ہے۔ اُس کے لئے ممکن نہیں کہ گناہ کرتا رہے۔ بائبل مقدس کے بعض علما کا خیال ہے کہ یہ آیت ایمان دار کی نئی فطرت کے بارے میں ہے کہ پرانی فطرت تو گناہ کر سکتی اور کرتی بھی ہے، نئی فطرت گناہ کر ہی نہیں سکتی۔ لیکن ہمیں یقین ہے کہ یہاں یوحنا رسول نئی پیدائش رکھنے والے اور نئی پیدائش نہ رکھنے والے اشخاص کا تقابل پیش کر رہا ہے اور عادی اور مستقل کردار یا رویہ کا بیان کر رہا ہے۔ ایمان دار میں گناہ کی عادت نہیں ہوتی۔ وہ جان بوجھ کر اور سرکشی کے ساتھ گناہ نہیں کرتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس کا تنہم اُس میں بنا رہتا ہے۔ اس جملے کی تفسیر کے سلسلے میں علما میں بہت اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ تنہم کا مطلب نئی فطرت ہے۔ جبکہ بعض کہتے ہیں کہ اس کا مطلب رُوح القدس ہے اور بعض اس کا مطلب "خدا کا کلام" قرار دیتے ہیں۔ یہ ساری باتیں امکانی تشریح ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ تنہم کا اشارہ نئی زندگی کی طرف ہے جو ایمان دار کو ایمان لاتے وقت ملتی ہے۔ چنانچہ یہاں بیان یہ ہے کہ الٰہی زندگی ایمان دار میں رہتی ہے، یعنی قائم رہتی ہے۔ وہ ہمیشہ کے لئے محفوظ ہے۔ یہ بات کسی مسیحی کے لئے گناہ کرنے کا بہانہ نہیں بن جانی چاہئے۔ اُس کا ابدی تحفظ اس بات کی ضمانت ہے کہ وہ کرتا نہیں رہے گا۔ وہ عاقلاً گناہ کر ہی نہیں سکتا، کیونکہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔ یہ الٰہی تعلق اس امکان کو ختم کر دیتا ہے کہ گناہ کرنا اُس کی زندگی کی عیش بن جائے اور وہ اُس کو جاری رکھے۔

۱۰:۳-۱۱- یہاں خدا کے فرزند اور ابلیس کے فرزند میں جو تھا فرق بیان کیا گیا ہے۔ جو کوئی راست بازی کے کام نہیں کرتا وہ خدا سے نہیں۔ درمیانی علاقہ کوئی نہیں۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ کوئی شخص آدھا خدا کا اور آدھا ابلیس کا (فرزند) ہو۔ خدا کے فرزند اپنی راست بازی کی زندگیوں سے پہچانے جاتے ہیں۔

۱۰:۳ ب ۱۱ء - کلام کے اس حصہ میں اُن لوگوں کے امتحان کا دوسرا حصہ جاری ہے جو خدا کے خاندان کے ہیں۔ یہ امتحان یا کسوٹی "محبت" ہے۔ اس بیان کا پیچھے تعلق ۷:۲-۷:۱۷ کے ساتھ ہے۔ مسیحی نظام کے آغاز ہی سے یہ تعلیم دی جا رہی ہے کہ اپنے بھائی سے "محبت" رکھنا، الہی یا روحانی فرض ہے۔ یہاں "محبت" کا لفظ دوست داری یا انسانی چاہت کے معنوں میں استعمال نہیں ہوا، بلکہ یہ الہی "محبت" ہے یعنی دوسروں سے ویسی محبت رکھنا جیسی مسیح ہمارے ساتھ لکھتا ہے۔ دراصل انسان اپنی ذاتی طاقت سے ایسا کر نہیں سکتا، بلکہ رُوح القدس کی توفیق اور طاقت سے ایسا کر سکتا ہے۔

۱۲:۳ - یوحنا تاریخ کے اُس پہلے واقعہ کی طرف رجوع کرتا ہے جب ایک انسان نے اپنے بھائی سے محبت نہیں رکھی تھی۔ "قائن" نے اپنے بھائی (ابل) کو قتل کر کے ثابت کر دیا کہ میں "اُس شریر سے" یعنی ابلیس سے ہوں۔ اس کی بنیادی وجہ ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے کہ "اُس واسطے کہ اُس کے کام بُرے تھے اور اُس کے بھائی کے کام راستی کے تھے۔"

۱۳:۳ - انسانی زندگی میں بنیادی اصول یہ ہے کہ بدی راست بازی سے نفرت اور عداوت رکھتی ہے اور اسی سے وضاحت ہوتی ہے کہ "دنیا" ایمان دار سے کیوں "عداوت رکھتی ہے"۔ مسیحی کی راستی کی زندگی بے ایمان کی ناراستی یا بدی کو بالکل واضح اور آگاہ کر دیتی ہے۔ بے ایمان (ناراست) شخص اپنے یوں ننگا ہونے کو سہت ناپسند کرتا ہے اور اپنی بری روش اور ناپسندیدہ چلن کو بدلنے کی بجائے اُس چیز یا شخص کو تباہ یا ہلاک کرنے پر تکل جاتا ہے جس نے اُس کی حقیقت کو ظاہر کیا۔ یہ ایسی ہی نامعقول بات ہے جیسے کوئی اُس مسطر (روٹر) کو توڑ ڈالے جو ظاہر کرتا ہے کہ اُس کی کھینچی ہوئی لکیر ٹیڑھی ہے۔

۱۴:۳ - ہم جانتے ہیں کہ موت سے نکل کر زندگی میں داخل ہو گئے، کیونکہ ہم بھائیوں سے محبت رکھتے ہیں۔ یہ بات نہایت قابلِ توجہ ہے کہ جب کوئی شخص نجات پاتا ہے تو ہم ایمانوں کے ساتھ اُس کا رویہ یکسر بدل جاتا ہے۔ یہ بھی ایک طریقہ ہے جس سے اُسے نجات کا یقین حاصل ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص خدا کے حقیقی فرزند سے محبت نہیں رکھتا تو وہ بے شک مسیحی ہونے کا دعویٰ کرتا رہے مگر خدا کا کلام کہتا ہے کہ وہ "موت کی حالت میں رہتا ہے"۔ وہ روحانی طور پر مُردہ تھا۔ اور ابھی تک مُردہ ہے۔

۱۵:۳ - دنیا کی نگاہ میں نفرت، کوئی بڑی برائی نہیں، لیکن خدا اس کو قتل کرتا ہے۔ اگر لومبر غور کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ نفرت یا عداوت قتل یا خون کرنے کی جڑ ہے۔ نیت موجود ہوتی ہے۔ عمل کا ارتکاب اگرچہ نہیں ہوتا۔ چنانچہ "جو کوئی اپنے بھائی سے عداوت رکھتا ہے وہ فحشی ہے" جب

یوحنا کہتا ہے کہ ”کسی خوبی میں ہمیشہ کی زندگی موجود نہیں رہتی“ تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ خوبی یا قاتل نجات نہیں پاسکتا۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے دوسروں سے عدوت رکھنا اپنی خاصیت بنالی ہے وہ امکانی طور پر قاتل ہے اور نجات یافتہ نہیں۔

۱۶:۳ - ہمارے خداوند یسوع نے ”محبت“ کا اعلیٰ ترین نمونہ دیا۔ اُس نے ہمارے واسطے اپنی جان دے دی۔ یہاں مسیح کا مقابلہ قاتل کے ساتھ کیا گیا ہے۔ مسیح ہمیں اعلیٰ ترین محبت دیتا ہے۔ محبت کا اس سے اعلیٰ اور برتر اظہار ہو نہیں سکتا۔ ایک مفہوم میں محبت نا دیدنی ہوتی ہے، لیکن ہم محبت کا اظہار تو دیکھ سکتے ہیں۔ کٹوری کی صلیب میں ہمیں وہ محبت نظر آتی ہے جو واقعی محبت ہے۔ یوحنا اس سے ایک سبق اخذ کرتا ہے کہ ”ہم پر بھی بھائیوں کے واسطے جان دینا فرض ہے۔“ اس کا مطلب ہے کہ ہماری زندگیاں ہم ایمانوں کی خاطر ایثار اور دے دینے کا ایک مسلسل نمونہ ہوں اور اگر ضرورت پڑے تو ہم ان کی خاطر اپنی جان بھی دے دینے کو تیار ہوں۔ ہم میں سے اکثر و بیشتر کو دوسروں کی خاطر مرنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ لیکن ہم میں سے ہر ایک برادرانہ محبت دکھا سکتا ہے کہ وہ اپنی مادی چیزوں میں ہر اُس شخص کو شریک کرے جس کو ضرورت ہو۔ آیت ۱۷ میں اسی بات پر زور دیا گیا ہے۔

۱۷:۳ - آیت ۱۶ میں وہ بات بیان ہوئی ہے جو ہم زیادہ سے زیادہ ”یا انتہائی صورت میں“ اپنے بھائیوں کے لئے کر سکتے ہیں، جبکہ آیت ۱۷ میں کم سے کم کر سکنے والی بات کا ذکر ہے۔ یوحنا بڑی صفائی سے کہتا ہے کہ وہ شخص مسیحی نہیں ہے جو ”اپنے بھائی کو محتاج“ دیکھتا ہے اور اُسے وہ چیز دینے سے دریغ کرتا ہے جس کی اُسے ضرورت ہے۔ اس سے ہر کسی کو بلا امتیاز دیتے چلے جانا درست ثابت نہیں ہوتا، کیونکہ ایسا بھی ممکن ہے کہ ہم کسی شخص کو وہ چیز خریدنے کے لئے پیسہ دے دیں جو اُس کے لئے نقصان کا باعث ہو اور یوں ہم اُس کے نقصان کے ذمہ دار ٹھہریں۔ کچھ بھی ہو، یہ آیت مسیحیوں کے لئے دولت جمع کرنے کے بارے میں بڑے سنجیدہ نکات اٹھاتی ہے۔

۱۸:۳ - ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم کلام اور زبان ہی سے نہیں بلکہ کام اور سچائی کے ذریعہ سے بھی محبت کریں۔“ دوسرے لفظوں میں ہم صرف پیار بھری باتیں ہی نہ کریں اور نہ مجھوٹا اظہار ہمدردی کریں، بلکہ محبت اور ہمدردی کا سچا اظہار ہو اور مر باقی اور ہمدردی کے کام بھی کریں۔ یہ کام سچے دل سے ہوں۔ دوست وہ جو ضرورت میں کام آئے۔

۲۰:۱۹:۳ - اپنے بھائیوں کے لئے اس سچی اور فعال ”محبت“ کو بروئے کار لا کر ”ہم جانیں گے کہ حق کے ہیں۔“ اور جب ہم دیکھیں اُس کے ”حضور“ آئیں گے تو اسی سے ہماری ”دلجمعی“ ہوگی۔

اگر ہمارا دل ہمیں الزام دے گا (آیت ۱۹) تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ”خدا ہمارے دل سے بڑا ہے اور سب کچھ جانتا ہے۔“ یہاں موضوع وہ رویت ہے جس کے ساتھ ہم دعائیں خدا کے حضور میں آتے ہیں۔ اس آیت کو سمجھنے کے دو پہلو ہیں۔

اول۔ اگر ہمارا دل ہمیں الزام دے گا۔۔۔۔۔ خدا ہمارے دل سے بڑا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ ترس کھانے میں ہمارے دل سے بڑا ہے۔ ہمیں تو یکتا ہونے کا شدید احساس ہوگا، مگر خدا جانتا ہے کہ بنیادی طور پر ہم اُس سے محبت رکھتے اور اُس کے لوگوں سے محبت رکھتے ہیں۔ وہ جانتا ہے کہ اپنی ساری کمزوریوں، گناہوں اور ناکامیوں کے باوجود ہم اُسی (خدا) کے ہیں۔

دوم۔ اگر ہمارا دل ہمیں الزام دے گا۔۔۔۔۔ خدا ہمارے دل سے بڑا ہے۔ یعنی وہ پرکھنے اور جائزہ لینے میں ہمارے دل سے بڑا ہے۔ ہم تو اپنے گناہوں کو بہت محسوس طور سے جانتے ہیں، مگر وہ ہمارے اندر کی ساری قابل الزام باتوں یا حالت کو جانتا ہے جبکہ ہم صرف بزدلی طور پر جانتے ہیں۔ ہم اس دوسرے نقطہ نظر کی حمایت کرتے ہیں، اگرچہ باتیں دونوں ہی ممکن ہیں۔

۲۱:۳۔ یہاں اُس شخص کے رویہ کا بیان ہوا ہے جس کا دل ضمیر، خدا کے حضور صاف ہوتا ہے۔ مراد یہ نہیں کہ اُس شخص کی زندگی بے گناہی سے بسر ہوئی، بلکہ یہ کہ اُس نے بہت جلد اپنے گناہوں کا اقرار کیا اور اُن کو ترک کر دیا۔ اس وجہ سے اُس کو ”خدا کے سامنے دلیوی“ اور دعائیں اعتمد حاصل ہوتا ہے۔ چنانچہ یوحنا کہتا ہے کہ ”جب ہمارا دل ہمیں الزام نہیں دیتا تو ہمیں خدا کے سامنے دلیری ہو جاتی ہے۔“

۲۲:۳۔ اور جو کچھ ہم مانگتے ہیں وہ ہمیں اُس کی طرف سے ملتا ہے کیونکہ ہم اُس کے حکموں پر عمل کرتے ہیں اور جو کچھ وہ پسند کرتا ہے اُسے بجالاتے ہیں۔ اُس کے حکموں پر عمل کرنا اُس میں قائم رہنا ہے۔ یہی اپنے منجی کے بالکل قریب اور اُس کے ساتھ گہری رفاقت میں زندگی بسر کرنا ہے۔ جب ہم اس طرح اُس کی رفاقت میں ہوتے ہیں تو اُس کی مرضی کو اپنی مرضی بنا لیتے ہیں۔ روح القدس کے وسیلے سے وہ ہمیں اپنی مرضی کے عرفان سے بھر دیتا ہے۔ اس صورت میں ہم خدا کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں مانگتے۔ اور جب ہم اُس کی مرضی کے مطابق مانگتے ہیں تو وہ ہمیں اُس کی طرف سے ملتا ہے۔

۲۳:۳۔ خدا کا حکم یہ ہے کہ ہم اُس کے بیٹے یسوع مسیح کے نام پر ایمان لائیں اور عیسائیں اُس نے ہمیں حکم دیا اُس کے موافق آپس میں محبت رکھیں۔ اس میں نئے عہد نامہ کے سارے حکموں کا

غلامہ سمودیا گیا ہے۔ اس میں خدا کے لئے اور اپنے ساتھی مسیحیوں کے لئے ہمارے فرض کو بیان کیا گیا ہے۔ ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ خداوند یسوع مسیح پر ایمان لائیں اور پھر چونکہ درست ایمان کا اظہار صحیح کردار سے ہوتا ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ آپس میں محبت رکھیں۔ یہ نجات بخش ایمان کا ثبوت ہے۔

خود کریں کہ ان آیات میں یوحنا خدا باپ اور خداوند یسوع مسیح دونوں کے لئے شخصی اسم ضمیر "اُس" استعمال کرتا ہے اور وضاحت نہیں کرتا کہ مراد خدا ہے یا یسوع۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بیبا حقیقت میں ویسا ہی خدا ہے جیسا کہ باپ۔ لہذا دونوں کے لئے ایک ہی لفظ استعمال کرنے میں کوئی حرج یا گستاخی نہیں۔

۲۴:۳ ا۔ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ محبت خدا کے فرزندوں کی پہچان کی ایک کسوٹی ہے۔ اس آیت کے پہلے جڑو کے ساتھ کسوٹی کے بیان کا موضوع ختم ہو جاتا ہے کہ جو اُس کے حکموں پر عمل کرتا ہے وہ اُس میں اور یہ اُس میں قائم رہتا ہے۔ اُس کے حکموں پر عمل کرنا اُس میں قائم رہنا ہے۔ اور جتنے اُس میں قائم رہتے ہیں اُن کو اُس کی دائمی حضوری کا یقین بھی دلایا جاتا ہے۔

۲۴:۳ ب۔ "اور اسی سے یعنی اُس رُوح سے جو اُس نے ہمیں دیا ہے ہم جانتے ہیں کہ وہ ہم میں قائم رہتا ہے۔" یہاں دلجمعی یا یقین کے موضوع کو شروع کیا گیا ہے اور آغاز میں بتایا گیا ہے کہ خدا کے ہم میں قائم رہنے کا یقین "رُوح القدس" سے ہوتا ہے۔ سارے ایمان داروں کے پاس رُوح القدس ہے۔ وہی ہے جو تمام سچائی میں اُن کی راہنمائی کرتا اور غلطی یا قصور کے امتیاز کی توفیق دیتا ہے۔

۷۔ سچائی اور جھوٹ میں امتیاز کرنے کی ضرورت (۱:۴-۶)

۱:۴۔ رُوح القدس کا ذکر کرتے ہی یوحنا کو یاد آتا ہے کہ اور بھی محبت سی "روحیں" ہیں جو آج کی دنیا میں جگہ جگہ موجود ہیں، اور لازم ہے کہ خدا کے فرزندوں کو اُن سے خبردار کیا جائے۔ چنانچہ وہ ایمان داروں کو ہوشیار کرتا ہے کہ ہر ایک رُوح کا یقین نہ کرو۔ یہاں بنیادی طور پر لفظ "روح" کا اشارہ اُستادوں کی طرف ہے، مگر مراد صرف اُستاد نہیں۔ کوئی شخص صرف اس لئے خدا کا فرزند نہیں کہ وہ بائبل مقدس، خدا اور یسوع کی باتیں کرتا ہے۔ ہمیں ہدایت کی گئی ہے کہ "روحوں کو آزمائو" کہ وہ خدا کی طرف سے ہیں یا نہیں کیونکہ بہت سے جھوٹے نبی دنیا میں بکھل کھڑے ہوئے ہیں۔

یہ وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم نے مسیحیت کو قبول کیا ہے اور تعلیم کسی اور ہی خوشخبری کی دیتے ہیں۔

۲:۴۔ یوحنا وہ امتحان بتاتا ہے جس سے اُن لوگوں کو آزمانا چاہئے۔ کسی اُستاد کا سب سے بڑا امتحان یہ ہے کہ ”مسیح کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟“ یا ”آپ مسیح کو کیا سمجھتے ہیں؟“ جو کوئی رُوح اِقرار کرے کہ یسوع مسیح مجسم ہو کر آیا ہے وہ خدا کی طرف سے ہے۔ یہ ایک تاریخی واقعہ کا اِقرار ہی نہیں بلکہ یہ ایک زندہ شخص کا اِقرار ہے کہ ”یسوع مسیح مجسم ہو کر آیا ہے۔“ یہ اِقرار ہے جو تسلیم کرتا ہے کہ ”یسوع“ مجسم ”مسیح“ ہے۔ اور اُس کا اِقرار کرنے کا مطلب ہے اُسے اپنی زندگی کا خداوند مان کر اُس کے سامنے جھکنا۔ چنانچہ جب کبھی آپ کسی آدمی کو سُنتے ہیں کہ وہ خداوند یسوع کو خدا کے حقیقی مسیح کے طور پر پیش کر رہا ہے تو آپ جان لیں گے کہ وہ خدا کے رُوح سے بول رہا ہے۔ خدا کا رُوح انسانوں کو بلاتا ہے کہ یسوع مسیح کو اپنا خداوند مانیں اور اپنی زندگیاں اُس کے سپرد کر دیں۔ رُوح القدس ہمیشہ مسیح کو جلال دیتا ہے۔

۳:۴۔ اور جو کوئی رُوح یسوع کا اِقرار نہ کرے وہ خدا کی طرف سے نہیں۔ مُراد یہ ہے کہ جو کوئی مسیح کے مجسم کو نہیں مانتا وہ خدا کی طرف سے نہیں۔ اس طرح آپ جھوٹے اُستادوں کو پہچان سکتے ہیں۔ وہ اُس ”یسوع“ کا ”اِقرار نہیں“ کرتے جس کا بیان گزشتہ آیت میں ہوا ہے۔ ”میں مخالفِ مسیح کی رُوح ہے۔“ اسی کے بارے میں نبوت کی گئی تھی۔ پہلے سے بتا دیا گیا تھا کہ ”وہ اُنے والی ہے بلکہ اب بھی دُنیا میں موجود ہے۔“ آج بھی بہت سے افراد موجود ہیں جو یسوع کے بارے میں ایسی باتیں کہتے کو تیار ہیں جو قابلِ قبول ہو سکتی ہیں مگر وہ کسی طرح بھی اُس کو خدا کے مجسم ماننے کو تیار نہیں ہوتے۔ وہ کہہ دیں گے کہ مسیح خدا کی طرف سے ہے، مگر یہ کبھی نہیں کہیں گے کہ وہ ”خدا“ ہے۔

۴:۴۔ حلیم ایمان دار اُن جھوٹے اُستادوں پر ”غالب“ آنے کے لائق ہوتے ہیں، کیونکہ رُوح القدس اُن کے اندر ہوتا ہے اور اسی سے وہ جھوٹ کو پہچاننے کے قابل ہوتے ہیں۔

۵:۴۔ یہ جھوٹے اُستاد ”دُنیا سے ہیں“ اس لئے وہ جو کچھ کہتے ہیں اُس کا سرچشمہ ”دُنیا“ ہی ہے۔ ”دُنیا“ ہی اُن ساری باتوں کا منبع ہے جن کی وہ تعلیم دیتے ہیں اور اسی لئے ”دُنیا اُن کی سُنتی ہے۔“ اس سے ہمیں یاد آتا ہے کہ دُنیا کی منظوری کسی تعلیم کے سچ ہونے کی کسوٹی نہیں۔ اگر کوئی شخص مشہور اور ہر دل عزیز ہونا چاہتا ہے تو اُس کو صرف یہ کرنا ہوگا کہ جیسی باتیں دُنیا کرتی ہے ویسی ہی باتیں وہ بھی کرے۔ لیکن اگر اُس کو خدا کا وفادار رہنا ہے تو اُس کو دُنیا کی طرف سے نامنظور ہونے کا سامنا کرنا ہوگا۔

۶:۴۔ اس آیت میں یوحنا رسولوں کے نمائندہ کی حیثیت سے بول رہا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ ”ہم

خُدا سے ہیں۔ جو خُدا کو جانتا ہے وہ ہماری مُنہا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ واقعی خُدا سے پیدا ہوئے ہیں وہ رسولوں کی تعلیم کو قبول کرتے ہیں جو نے عہد نامہ میں موجود ہے۔ اس کے برعکس جو خُدا سے نہیں وہ نے عہد نامہ کی گواہی کو قبول نہیں کرتے۔ وہ اُس میں اضافہ کرتے اور اُس میں آمیزش کرتے ہیں۔

۸۔ مسیحی فاقہ میں شامل افراد کی علامات (جاری ہے) (۴: ۷-۵: ۲۰)

۱۔ محبت

۸: ۷، ۴۔ یہاں یوحنا اپنے بھائی کے لئے محبت کے موضوع کو دوبارہ شروع کرتا ہے۔ وہ زور دیتا ہے کہ محبت رکھنا ایک فرض ہے۔ یہ خُدا کے کردار سے موافقت رکھتا ہے۔ جیسے پہلے بیان ہوا یوحنا اُس محبت کا ذکر نہیں کرنا جو سب انسانوں میں مشترک پائی جاتی ہے بلکہ یہ خُدا کے فرزندوں کے ساتھ وہ محبت ہے جو تھے سرے سے پیدا ہونے والوں میں ڈالی گئی ہے۔ محبت خُدا کی طرف سے ہے۔ یعنی اس کا سرچشمہ اور ماخذ خُدا ہے۔ جو کوئی محبت رکھتا ہے وہ خُدا سے پیدا ہوتا ہے۔ جو محبت نہیں رکھتا وہ خُدا کو نہیں جانتا کیونکہ خُدا محبت ہے۔ آیت یہ نہیں کہتی کہ خُدا محبت رکھتا ہے، اگرچہ یہ مقولہ بھی درست ہے، مگر یوحنا زور دیتا ہے کہ خُدا محبت ہے۔ محبت اُس کی سیرت، اُس کی ذات ہے۔ صحیح مفہوم میں محبت صرف وہی ہے جس کا سرچشمہ و منبع خُدا ہے۔

۱۰: ۹، ۳۔ ان آیات میں خُدا کی محبت کے ظہور کا بیان تین زمانوں میں کیا گیا ہے۔ ماضی یعنی گزشتہ زمانوں میں ہم گنہگاروں پر اس کا ظہور اُس کے اکلوتے بیٹے (۴: ۹-۱۱) میں ہوا۔ یہ اُس کی بخشش ہے۔ زمانہ حال میں اس کا ظہور ہم مقدسوں میں اُس کے سکونت کرنے سے ہوتا ہے (۴: ۱۲-۱۴)۔ اور مستقبل یعنی آنے والے زمانوں میں اس کا ظہور ہمیں عدالت کے دن دلیری دے جانے سے ہوگا۔ سب سے پہلے ہم گنہگاروں کو خُدا کی محبت نصیب ہوئی۔ خُدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو دُنیا میں بھیجا ہے تاکہ ہم اُس کے سبب سے زندہ رہیں۔ اور وہ ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو۔ ہم سرور تھے۔ ہمیں زندگی کی ضرورت تھی۔ ہم قصور وار تھے اور ہمیں کفارہ کی ضرورت تھی۔ اپنے اکلوتے بیٹے نے کفارہ کا مطلب ہے قربانی کے وسیلے سے گناہ کی مزا کا حساب بے باقی کرنا۔ اصل زبان میں اس لفظ کا تعلق کفارہ گاہ یا گرم گاہ کے لئے یونانی لفظ سے ہے۔ یہ لفظ علم الہیات کی ایک عظیم حقیقت کو بیان کرتا ہے۔ کفارہ کا بنیادی مطلب دُعا گناہ ہے۔ دیکھئے زبور ۳۲: ۱ مبارک ہے وہ جس کی خطا بخش گئی اور جس کا گناہ دُھا لگا گیا۔

یہ ترکیب ایک ایسے بے مثال اور یکتا رشتے کا بیان کرتی ہے جس میں کوئی دوسرا بیٹا شریک نہیں ہو سکتا۔ اس سے خدا کی محبت اور بھی زیادہ نمایاں اور قابلِ ذکر بن جاتی ہے کہ اُس نے اپنے بے مثال بیٹے کو دُنیا میں بھیجا تاکہ اُس کے وسیلے سے ہم زندہ رہیں۔

ہم کو خدا کی محبت اس لئے "نہیں" دکھائی گئی کہ پہلے ہم نے خدا سے محبت کی۔ ہم نے خدا سے محبت نہیں کی، بلکہ فی الحقیقت ہم اُس کے دشمنی تھے اور اُس سے عداوت رکھتے تھے۔ دوسرے لفظوں میں اُس نے ہم سے اس لئے محبت نہیں کی کہ پہلے ہم نے اُس سے محبت کی تھی، بلکہ اُس نے ہماری سخت دشمنی کے باوجود ہمارے ساتھ محبت رکھی۔ اُس نے یہ محبت کیسے ظاہر کی؟ اپنے بیٹے کو بھیجنے سے کہ "ہمارے گناہوں کا کفارہ ہو"۔ کفارہ سے ہمارے گناہ کا مسئلہ حل ہو گیا۔

بعض آزاد خیال علمائے خدا کی محبت کو مسیح کے کفارہ کے کام سے الگ مانتے ہیں۔ یوحنا یہاں ان دونوں کو باہم اکٹھا رکھتا ہے کہ دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔ دینی اس نکتے پر یوں تبصرہ کرتا ہے:

اس آیت میں زبردست متناقض بات نظر آتی ہے کہ خدا بیک وقت محبت کرنے والا اور قہر کرنے والا ہے۔ اُس کی محبت وہ کفارہ مہیا کرتی ہے جس نے اُس کے قہر و غضب کو ہم پر سے مٹالیا۔ رسول کو محبت اور کفارہ میں کوئی تضاد نظر نہیں آتا، بلکہ اُسے یہ دکھائی دیتا ہے کہ کفارہ کا میلان کئے بغیر کسی کو محبت کا تصور سمجھایا نہیں جا سکتا۔

۴: ۱۱۔ اب یوحنا ایسی محبت کے سبق کا اطلاق ہم پر کرتا ہے کہ جب خدا نے ہم سے ایسی محبت کی تو ہم پر بھی ایک دوسرے سے محبت رکھنا فرض ہے۔ "یہاں کسی قسم کے شبہ کی گنجائش نہیں کہ خدا نے اُن لوگوں سے محبت کی جو اُس کے لوگ ہیں۔ اس لئے ہم پر بھی فرض ہے کہ اُن لوگوں کے ساتھ "محبت" رکھیں جو خدا کے مبارک خاندان کے رکن ہیں۔

۴: ۱۲، ۱۳۔ موجودہ زمانہ میں خدا کی محبت اس طرح ظاہر ہوتی ہے کہ وہ ہمارے اندر سکونت کرتی ہے۔ رسول کہتا ہے کہ "خدا کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔ اگر ہم ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں تو خدا ہم میں رہتا ہے اور اُس کی محبت ہمارے دل میں کامل ہو گئی ہے۔" یوحنا کی انجیل ۱: ۱۸ میں لکھا ہے کہ "خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اُسی نے ظاہر کیا۔" یوحنا کی انجیل میں ہم

دیکھتے ہیں کہ نایدی فی خدا کو خداوند یسوع مسیح کے وسیلہ سے دنیا پر ظاہر کیا گیا۔ اور یہاں یہ الفاظ ہیں کہ ”خدا کو کبھی کسی نے نہیں دیکھا۔“ یہ یوحنا کی انجیل کی بازگشت ہیں۔ لیکن یہاں خدا دنیا پر مسیح کے وسیلہ سے ظاہر نہیں ہوتا کیونکہ وہ آسمان پر واپس چلا گیا ہے اور اب خدا کے دہنے ہاتھ ہے۔ اس کی بجائے خدا دنیا پر ایمان داروں کے وسیلہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ انسان کو ضرورت ہے کہ خدا کو دیکھے۔ کیسی عظیم اور نادربات ہے کہ اب ہم انسان کی اس ضرورت کا جواب ہیں! اور جب ہم ایک دوسرے سے محبت رکھتے ہیں تو خدا کی محبت ہمارے دل میں کامل ہو جاتی ہے۔ مطلب ہے کہ خدا کی محبت ہم میں اپنا مقصد پورا کر لیتی ہے۔ خدا کا ارادہ کبھی نہیں ہوتا کہ ہم اُس کی برکتوں کا آخری اسٹیشن بن جائیں، بلکہ یہ کہ ان برکتوں کو آگے پہنچانے کا وسیلہ بنیں۔ خدا کی محبت ہمیں اس لئے نہیں دی گئی کہ اس کا ذخیرہ کر کے بیٹھ جائیں بلکہ اس لئے کہ یہ ہمارے وسیلہ سے دوسروں پر اُنڈلی جائے۔ جب ہم اس طریقہ سے ایک دوسرے سے محبت کرتے ہیں تو ثابت ہو جاتا ہے کہ ہم اُس میں قائم رہتے ہیں اور وہ ہم میں اور کہ ہم اُس کے روح کے حصہ دار ہیں۔ ہمیں اس بات پر حیرت کے ساتھ غور کرنا چاہئے کہ وہ ہم میں سکونت کرتا ہے اور ہم اُس میں۔

۴: ۱۴۔ اب یوحنا رسولوں کی گواہی بھی شامل کرتا ہے کہ ہم نے دیکھ لیا ہے اور گواہی دیتے ہیں کہ باپ نے اپنے بیٹے کو دنیا کا مسیحی کر کے بھیجا۔ یہ خدا کی سرگرم عمل محبت کا عظیم بیان ہے۔ باپ نے اپنے بیٹے... بھیجا۔ ان الفاظ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مسیح کے کام کی وسعت بے انتہا ہے۔ ڈبلیو۔ ای۔ وائن نے لکھا ہے کہ ”اُس (مسیح) کے مشن کی وسعت ایسی ہی بے حد و حساب ہے جیسی کہ نسل انسانی۔ صرف انسان کا توبہ نہ کرنا اور ایمان نہ لانا ہی اُس کے اثر واقعی کو محدود کر سکتے ہیں۔“

۱۵: ۴۔ خود خدا کا ہمارے اندر سکونت کرنا ایک عظیم برکت ہے۔ یہ سعادت اُن سب کا استحقاق اور اعزاز ہے جو اقرار کرتے ہیں کہ ”یسوع خدا کا بیٹا ہے۔“ یہاں بھی یہ اقرار محض عقلی یا ذہنی منظوری یا قبولیت نہیں بلکہ اس میں انسان کا اپنی پوری ذات اور شخصیت کو خداوند یسوع مسیح کے لئے وقف کر دینا شامل ہے۔ اس سے زیادہ گہرا اور قریبی رشتہ ہونہیں سکتا کہ ایک شخص ”خدا میں“ اور ”خدا“ اُس شخص میں سکونت کرتا ہو۔ ہمارے لئے ایسے رشتے یا تعلق کا تصور کرنا بھی مشکل ہے۔ لیکن ہم طبعی دنیا میں اس کو آگ پر رکھی ہوئی ایک سیخ سے، پانی میں رکھے ہوئے اسفنج یا پتھر میں لہراتے ہوئے غبار سے تشبیہ دے سکتے ہیں۔ ہر صورت میں وہ چیز ایک

مُغْصِر میں اور وہ مُغْصِر اُس چیز میں ہوتا ہے۔

۱۶:۴۔ ”جو محبت خدا کو ہم سے ہے اُس کو ہم جان گئے اور ہمیں اُس کا یقین ہے۔ خدا محبت

ہے اور جو محبت میں قائم رہتا ہے وہ خدا میں قائم رہتا ہے اور خدا اُس میں قائم رہتا ہے۔“ خدا محبت ہے اور محبت کو ایک مفعول چاہئے (جس سے محبت کی جائے)۔ خدا کی محبت کا خاص مفعول اُن لوگوں کی جماعت ہے جو اُس کے خاندان میں پیدا ہوئے ہیں۔ اگر میری خدا سے رفاقت ہے تو لازم ہے کہ میں اُن سے محبت رکھوں جن سے اُسے محبت ہے۔

۱۶:۴۔ ”اسی سبب سے محبت ہم میں کامل ہو گئی ہے۔ ہماری محبت کامل نہیں ہوئی بلکہ ہمارے

ساتھ خدا کی محبت کامل ہو گئی ہے۔ اب یوحنا ہمیں اُنے والے اُس وقت میں لے جاتا ہے جب ہم خداوند کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ کیا ہم ”دلیری“ اور اعتماد کے ساتھ کھڑے ہوں گے یا ڈرتے ہوئے؟ جواب یہ ہے کہ ہم ”دلیری“ یا اعتماد کے ساتھ کھڑے ہوں گے، کیونکہ کامل محبت نے گناہ کا مسئلہ ایک ہی دفعہ ہمیشہ کے لئے حل کر دیا ہے۔ اُس آنے والے دن میں ہمارے اعتماد کی وجہ ان الفاظ میں بیان ہوئی ہے: ”کیونکہ جیسا وہ ہے ویسے ہی دنیا میں ہم بھی ہیں۔“ خداوند یسوع اب آسمان پر ہے۔ وہ اس دنیا میں آیا اور ایک ہی دفعہ گناہوں کی سزا برداشت کی۔ اس سزا کے حق دار ہم تھے۔ لیکن اُس نے مخلصی کے کام کو مکمل کر دیا۔ اب گناہ کے مسئلے کو دوبارہ نہیں چھیڑنا پڑے گا۔ ”جیسا وہ ہے ویسے ہی دنیا میں ہم بھی ہیں۔“ یعنی کلوسی کی صلیب پر ہمارے گناہوں کی عدالت ہو گئی۔ اور چونکہ عدالت مسیح پر گزر گئی اس لئے ہم ہلاکت کی پینچ سے باہر ہو گئے۔

۱۸:۴۔ چونکہ ہم خدا کی ”محبت“ کو جان گئے ہیں اس لئے ہمیں ہلاک ہونے کا ”خوف“ نہیں

رہا۔ ”محبت میں خوف نہیں ہوتا بلکہ کامل محبت خوف کو دور کر دیتی ہے۔“ یہ خدا کی ”کامل محبت“ ہے جو ”خوف کو دور کر دیتی ہے۔“ مجھے سب سے پہلے خداوند کی محبت کا یقین دلایا گیا ہے کیونکہ خدا نے اپنے بیٹے کو بھیجا تا کہ وہ میری خاطر جان دے۔ دوسرے میں جانتا ہوں کہ وہ مجھ سے محبت رکھتا

ہے کیونکہ وہ اس وقت میرے اندر سکونت کرتا ہے۔ تیسرے، میں پوندے اعتماد کے ساتھ اور بغیر کسی خوف و خطر کے مستقبل کا انتظار کر سکتا ہوں۔ یہ بات بالکل صحیح ہے کہ ”خوف“ سے عذاب ہوتا ہے اور ”کوئی خوف کرنے والا محبت میں کامل نہیں ہوا۔“ جو لوگ خدا سے خوف کھاتے ہیں خدا کی محبت اُن کی زندگیوں میں کام نہیں کرتی۔ وہ کبھی توبہ کر کے نہ اُس کے پاس آئے اور نہ گناہوں کی معافی حاصل کی۔

۱۹:۴- ”ہم اس لئے محبت رکھتے ہیں کہ پہلے اُس نے ہم سے محبت رکھی۔ ہمارے ”محبت“ رکھنے کی واحد وجہ یہ ہے کہ ”پہلے اُس (خدا) نے ہم سے محبت رکھی۔“ دس احکام کا تقاضا تھا کہ انسان اپنے خدا اور اپنے بڑوسی سے محبت رکھے۔ لیکن شریعت یہ محبت پیدا نہیں کر سکتی تھی۔ تو پھر خدا وہ محبت کیسے حاصل کر سکتا تھا جو اُس کی راست بازی مانگتی ہے؟ اُس نے یہ مسئلہ یوں حل کیا کہ اپنے بیٹے کو بھیجا تاکہ ہماری خاطر جان دے۔ ایسی عجیب محبت جواب میں ہمارے دلوں کو اُس کی طرف کھینچتی ہے۔ ہم کہتے ہیں ”تُو نے میری خاطر خون بہایا اور موت گوارا کی۔ اب سے میں تیری خاطر جیوں گا۔“

۲۰:۵- ”یُوخّا زور دیتا ہے کہ یہ بات بالکل ناممکن ہے کہ انسان دعویٰ تو کرے کہ میں خدا سے محبت رکھتا ہوں“ مگر ”اپنے بھائی سے عداوت“ رکھتا ہو۔ پہلے کی باتیں جیسے مرکز کے قریب آتی ہیں تو ایک دوسری کے بھی قریب ہو جاتی ہیں۔ اسی طرح جب ہم خداوند کے قریب آتے ہیں تو اپنے ہم ایمانوں کے ساتھ زیادہ محبت کرنے لگتے ہیں۔ دراصل ہم خداوند سے اتنی ہی محبت کرتے ہیں جتنی اُس کے چھوٹے سے چھوٹے پیروکار سے کرتے ہیں۔ یُوخّا کہتا ہے کہ جن بھائیوں کو ہم نے دیکھا ہے“ اگر ہم اُن سے محبت نہیں رکھتے تو خدا سے جیسے ہم نے نہیں دیکھا“ محبت رکھنا ممکن نہیں۔ ۲۱:۴- ”یُوخّا اس حصّہ کو بذکر کرتے ہوئے اسی حکم“ کو دہراتا ہے کہ جو کوئی خدا سے محبت رکھتا ہے وہ اپنے بھائی سے بھی محبت رکھے۔“ یہ حکم ”ہم کو اُس خداوند کی طرف سے ملا ہے۔“

ب۔ صحیح تعلیم (۵: ۱۱)

اب یُوخّا زندگی کے امتحانوں کی بات ختم کرتا اور تعلیم کے امتحان کی بات دوبارہ شروع کرتا ہے۔ ہم اس کو ایمان کا امتحان بھی کہہ سکتے ہیں۔ پہلی تین آیات میں ایمان کے نتائج بیان ہوئے ہیں جو یہ ہیں: اول روحانی پیدائش، دوم خدا سے محبت، سوم ہم ایمانوں سے محبت اور چہارم خدا کے حکموں کی تعمیل۔ سب سے پہلے روحانی پیدائش کی بات ہوتی ہے ”جس کا یہ ایمان ہے کہ یسوع ہی مسیح ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔“ یہاں ایمان کا مطلب صرف ذہنی یا عقلی طور پر کسی حقیقت کو مان لینا نہیں، بلکہ یسوع کو مسیح مان کر اپنی زندگی اُس کے حوالے کرنا ہے۔

ج۔ محبت اور اس سے پیدا ہونے والی فرمانبرداری (۵: ۱۱-۳)
 ۵: ۱۱- اگر ہم واقعی ”خدا سے پیدا“ ہوئے ہیں تو ہم ”اُس سے“ محبت رکھیں گے۔ صرف یہی

نہیں بلکہ ہم اُس کی اولاد سے بھی محبت رکھیں گے۔ یہاں یہ بات جان لینا مفید ہے کہ ہمیں سارے ایمان داروں سے محبت رکھنا ہے نہ کہ فقط اسی جماعت سے جس سے ہم رفاقت رکھتے ہیں۔

۳:۲۰:۵ - ایمان کا پتہ تھا نتیجہ خدا کے حکموں پر عمل کرنا ہے۔ "جب ہم خدا سے محبت رکھتے

اور اُس کے حکموں پر عمل کرتے ہیں تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ ہم خدا کے فرزندوں سے بھی محبت

رکھتے ہیں۔" جو حقیقت میں سچائی یافتہ ہیں ان کی خواہش ہوتی ہے کہ ہم خدا کی مرضی بجالائیں۔ "خدا

کے لئے ہماری محبت کا اظہار اس بات سے ہوتا ہے کہ ہم اُس کے حکموں کی تعمیل کرنے پر آمادہ ہوں۔

خداوند یسوع نے کہا کہ اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میرے حکموں پر عمل کر دو گے (یوحنا ۱۴:۱۵)۔

"اُس کے حکم سخت نہیں۔" یوحنا کا یہ مطلب نہیں کہ خدا کے حکم مشکل نہیں، بلکہ یہ وہی باتیں کام

ہیں جو نئے سرے سے پیدا ہوئے لوگ کرنا دل سے پسند کرتے ہیں۔ جب آپ کسی ماں سے کہتے

ہیں کہ اپنے بچے کا خوب خیال رکھو تو آپ اُسے وہی کچھ کہتے ہیں جو وہ دل سے کرنا چاہتی ہے۔

خداوند کے "حکم" ہمارے نزدیک بہت اچھے ہیں اور ہماری نئی فطرت ان سے زہنائی خوش ہوتی ہے۔

د- ایمان جو دنیا پر غالب آتا ہے (۵: ۳-۵)

۳:۵ - اس کے بعد ہم "دنیا" پر فتحیابی کا راز سیکھتے ہیں۔ دنیا کا نظام آزمائشوں کا بہت ہی

بڑا منصوبہ ہے۔ دنیا ہر وقت کوشش کرتی رہتی ہے کہ ہمیں خدا سے دور گھسیٹ لے جائے۔ ابدی

چیزوں سے بیگانہ کر دے اور ہمیں عارضی، فانی اور شہوانی باتوں کے دھیان میں لگائے رکھے۔ اس

دنیا کے لوگ عارضی اور فانی چیزوں کا شکار ہو کر رہ گئے ہیں۔

صرف وہی شخص "دنیا پر غالب آتا ہے" جو حقیقت میں "خدا سے پیدا ہوا ہے"۔ اس لئے

کہ ایمان کے وسیلہ سے اس دنیا کی چیزوں سے بلند ہو جاتا ہے اور ان کو ان کے اصلی اور ابدی تناظر

میں دیکھ سکتا ہے۔ چنانچہ جو شخص "دنیا پر" واقعی "غالب آتا ہے" وہ کوئی سائنسدان یا فلاسفر یا ماہر

نفسیات نہیں ہوتا، بلکہ وہ سیدھا سادہ ایمان دار ہوتا ہے جس کو شعور ہوتا ہے کہ یہ چیزیں جو نظر

آ رہی ہیں فانی ہیں اور جو چیزیں نظر نہیں آتیں وہ ابدی ہیں۔ مسیح کے چہرے سے خدا کا جو جلال نظر

آتا ہے اُس کی ایک جھلک دنیا کے جلال اور شان و شوکت کو ماند کر دیتی ہے۔

۵:۵ - جیسا کہ ہم نے دیکھا اس حصے کا موضوع "ایمان بطور ابدی زندگی کی کسوٹی ہے۔" یوحنا

نے ابھی ابھی بیان کیا ہے کہ "دنیا کو مغلوب کرنے والا" صرف وہی شخص ہے جس کا یہ ایمان ہے کہ

یسوع خدا کا بیٹا ہے۔ اب یوحنا خداوند یسوع مسیح کے کام کے بارے میں سچائی کی وضاحت کرتا ہے۔

۵- صحیح تعلیم (۵: ۶-۱۲)

۵: ۶-۷۔ وہ کہتا ہے کہ ”یہی ہے وہ جو پانی اور خون کے وسیلہ سے آیا تھا۔“ ان الفاظ کے مفہوم پر بہت بحث ہوتی رہی ہے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ یہ ”پانی اور خون“ ہے جو نجات دہندہ کے پہلو سے بہا تھا (یوحنا ۱۹: ۳۴)۔ دوسرے علما کہتے ہیں کہ ”پانی“ خدا کے روح کی طرف اشارہ ہے اور ”خون“ وہ خون ہے جو کورسی پر بہایا گیا تھا۔ کئی دوسرے علما کا خیال ہے کہ اس سے مراد طبعی پیدائش ہے جس میں ”پانی اور خون“ موجود ہوتے ہیں۔ ہم ایک چوتھی تاویل پیش کرنا چاہتے ہیں جس میں غناسطی کی بدعت پر خاص توجہ دی گئی ہے۔ اور اس خط میں رسول اسی بدعت کے خلاف بات بھی کر رہا ہے۔ جیسا ہم نے پہلے بیان کیا غناسطی کہتے تھے کہ یسوع کے پیتسمہ کے وقت مسیح اُس پر ”آیا“ یا نازل ہوا اور گنستہنی باغ میں دکھ اٹھانے سے پہلے اُس سے جدا ہو گیا۔ دوسرے لفظوں میں وہ کہتے تھے کہ مسیح صلیب پر نہیں مٹوا، بلکہ یسوع جو بشر ہے وہ مرا تھا۔ بے شک یہ بات دوسروں کے گناہوں کے لئے اُس کے کام کو بے اثر اور اُس کی اہمیت کو ختم کر دیتی ہے۔ ہم یہ خیال پیش کرتے ہیں کہ ”یوحنا پانی“ کو یسوع کے پیتسمہ کی علامت کے طور پر استعمال کرتا ہے اور ”خون“ اُس کے ہدیہ کی موت کی علامت ہے۔ یہ خداوند کی علانیہ خدمت کی ابتدا اور انتہا ہیں۔ ”یوحنا“ کہہ رہا ہے کہ اپنی موت کے وقت بھی یسوع اُتنا ہی مسیح تھا جتنا دریا ئے یردن پر پیتسمہ لیتے وقت تھا۔ ”یہی ہے وہ جو پانی اور خون کے وسیلہ سے آیا تھا۔“ وہ نہ فقط پانی کے وسیلہ سے، (غناسطی اس بات کو تو مانتے تھے) بلکہ پانی اور خون دونوں کے وسیلہ سے آیا تھا۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ انسانی دل ہر وقت اسی کوشش میں رہتا ہے کہ ہدیہ کے عقیدے سے جان چھڑا لے۔ انسان یہ ماننا تو پسند کرتے ہیں کہ خداوند یسوع کامل انسان ہے۔ اعلیٰ ترین مثال نمونہ ہے۔ اور اُس نے ہمیں عمدہ ترین مضابطہ اخلاق دیا ہے۔ لیکن یہاں یوحنا زور دے رہا ہے کہ خداوند یسوع صرف کامل انسان ہی نہیں بلکہ کامل خدا بھی ہے۔ اور جس ہستی نے دریا ئے یردن میں پیتسمہ لیا اُسی نے گنہگاروں کے لئے اپنی جان قربان کی۔ انسان مسیح سے کہتا ہے ”صلیب پر سے اُتر آ تو ہم تجھ پر ایمان لے آئیں گے۔“ اگر انسان اپنی سوچ میں سے صلیب کو نکال باہر کر سکے تو راضی اور خوش ہوگا۔ لیکن یوحنا کہتا ہے

”نہیں۔ آپ کو خداوند یسوع مسیح ملے گا تو کلوری پر اپنے فدیہ کے کامل کام کے ساتھ ملے گا۔ اس کے بغیر نہیں۔“

”اور جو گواہی دیتا ہے وہ رُوح ہے کیونکہ رُوح سچائی ہے۔“ اس کا مطلب ہے کہ خدا کا پاک رُوح خداوند یسوع کے بارے میں گواہی کی تصدیق کرتا ہے اور یوحنا اس گواہی کی وضاحت کر رہا ہے۔ وہ گواہی دیتا ہے کہ مسیح صرف پانی کے وسیلہ سے نہیں آیا بلکہ پانی کے وسیلہ سے اور خون کے وسیلہ سے۔

۵: ۸۔ گزشتہ آیات میں یوحنا نے مسیح کی ذات اور کام کا بیان کیا ہے۔ اب وہ بیان کرتا ہے کہ اُس پر ہمارا ایمان قابلِ بھروسہ ہے۔ وہ کہتا ہے کہ گواہی دینے والے تین ہیں۔ رُوح اور پانی اور خون اور یہ تینوں ایک ہی بات پر متفق ہیں۔ (لفظی ترجمہ۔ یہ تینوں ایسے متفق ہیں جیسے ایک)۔ اگرچہ ایمان کی بنیاد کے لئے خدا کا کلام کافی ہونا چاہئے، مگر وہ بندہ نوازی کرتے ہوئے اس سچائی کی تہی گواہی دیتا ہے۔ اول، خدا کا رُوح اس سچائی کی گواہی دیتا ہے کہ یسوع مسیح خدا ہے، وہ دنیا کا واحد منجی ہے۔ رُوح کی گواہی خدا کے تحریری کلام میں ملتی ہے۔

دوم۔ ”پانی“ بھی گواہی دیتا ہے۔ ہمارا یقین ہے کہ یہاں اشارہ اُس واقعہ کی طرف ہے جو خداوند یسوع کے پتھرنے کے وقت رونما ہوا تھا۔ اُس موقع پر خدا نے آسمان کھول دیا اور اعلان کیا ”یہ میرا بیٹا ہے بیٹا ہے جس سے میں خوش ہوں۔“ اس طرح مسیح کی ذات کے بارے میں خدا رُوح کی گواہی کے ساتھ خدا باپ نے اپنی گواہی کو بھی ملایا۔

سوم۔ ”خون“ بھی گواہی دیتا ہے۔ صلیب پر خداوند یسوع نے اپنے بارے میں گواہی دی کہ میں خدا کا بیٹا ہوں۔ کسی نے اُس سے اُس کی جان نہیں لی، اُس نے خود ہی دی۔ اگر وہ صرف بشر ہوتا تو ہرگز ایسا نہ کر سکتا۔ خداوند یسوع مسیح کا خون گواہی دیتا ہے کہ گناہ کا مسئلہ ایک ہی دفعہ ہمیشہ کے لئے حل ہو گیا ہے اور خدا کے سارے تقاضوں کی تسکین ہو گئی ہے۔ اور یہ تینوں گواہ ایک ہی بات پر (ایک ہی شخص کی طرح) متفق ہیں۔ یعنی وہ مسیح کی ذات اور اُس کے کام کی کاملیت کے بارے میں گواہی پر اتفاق کرتے ہیں۔

۵: ۹۔ اب یوحنا بہت ہی مؤثر دلیل پیش کرتا ہے کہ جب ہم آدمیوں کی گواہی قبول کر لیتے ہیں تو خدا کی گواہی تو اُس سے بڑھ کر ہے۔ روزِ مرہ زندگی میں ہم ہر وقت اپنے ساتھی انسانوں کی گواہی قبول کر لیتے ہیں۔ اگر نہ کریں تو کاروبارِ زندگی رک جائے گا اور سماجی زندگی ناممکن ہو کر رہ جائیگی۔

ہم اُن آدمیوں کی گواہی بھی مان لیتے ہیں جو ہو سکتا ہے غلطی پر ہوں، یا ہو سکتا ہے دھوکے باز ہوں۔ اگر ہم روزمرہ زندگی میں ایسا کرتے ہیں تو کس قدر زیادہ چاہئے کہ خدا کی بات کا یقین کریں جو نہ تو غلطی کھا سکتا ہے نہ جھوٹ بول سکتا ہے۔ خدا کا یقین نہ کرنا نہایت ہی غیر معقول بات ہے۔ اُس کی گواہی قطعی طور پر قابل یقین ہے۔

۱۰:۵۔ جب کوئی انسان خدا کے بیٹے کے بارے میں خدا کی گواہی قبول کر لیتا ہے تو خدا اس گواہی پر ہمہ تصدیق لگا دیتا ہے کہ اُس (انسان) کے دل میں روح کی گواہی آجاتی ہے۔ اسی کو یوحنا کہتا ہے کہ وہ اپنے آپ میں گواہی رکھتا ہے۔ اس کے برعکس اگر کوئی شخص خدا کا یقین نہیں کرتا تو اُس نے اُسے (خدا کو) جھوٹا ٹھہرایا۔ کیونکہ وہ اُس گواہی پر جو خدا نے اپنے بیٹے کے حق میں دی ہے ایمان نہیں لایا۔ لوگ سوچتے ہیں کہ ہم بیٹے کے بارے میں خدا کی گواہی کو قبول کر سکتے ہیں یا رد کر سکتے ہیں۔ لیکن یوحنا اُن پر واضح کرنا چاہتا ہے کہ اس گواہی کو رد کرنا خدا پر بددیانتی کا الزام لگانا ہے۔

۱۱:۵۔ اب یوحنا مسیحی پیغام کا باب اباب پیش کرتا ہے کہ ”اور وہ گواہی یہ ہے کہ خدا نے ہمیں ہمیشہ کی زندگی بخشی اور یہ زندگی اُس کے بیٹے میں ہے۔“ یہ کیسی زبردست سمایاں اور حقائق ہیں، یعنی خدا نے انسانوں کو ہمیشہ کی زندگی بخشی ہے اور کہ اس زندگی کا سرچشمہ اُس کے بیٹے میں ہے۔

۱۲:۵۔ اس بات سے لازماً یہ نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ جس کے پاس بیٹا ہے اُس کے پاس زندگی ہے اور جس کے پاس خدا کا بیٹا نہیں اُس کے پاس زندگی بھی نہیں۔ اس تعلیم کو غلط سمجھا ہی نہیں جاسکتا۔ ہمیشہ کی زندگی نہ تعلیم میں ہے نہ فلسفہ میں، نہ سائنس میں ہے نہ نیک اعمال میں، نہ مذہب میں ہے نہ کلیسیا میں۔ ”زندگی“ پانے کے لئے ہر شخص کے پاس ”خدا کا بیٹا“ ہونا لازمی ہے۔ اس کے برعکس ”جس کے پاس خدا کا بیٹا نہیں، اُس کے پاس زندگی بھی نہیں۔“ یہاں زندگی سے مراد ہے: حقیقی زندگی۔ ”ابدی زندگی“ اور یسوع مسیح لازم ملزوم میں۔ ان کو الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔

و۔ کلام کے وسیلہ سے یقین (۱۳:۵)

۱۳:۵۔ اب ہم اس خط کے اختتامی جھٹے تک پہنچ گئے ہیں۔ سب سے پہلے تو یوحنا بڑے صاف اور واضح لفظوں میں بیان کرتا ہے کہ میں نے گزشتہ جھٹے کیوں لکھے ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ جو خدا کے بیٹے کے نام پر ایمان لائے ہیں اُن کو معلوم ہو جائے کہ ہم ہمیشہ کی زندگی رکھتے ہیں۔ اگر آپ میں

خدا کے فرزندوں جیسی علامتیں ہیں تو پھر آپ کو ”معلوم“ ہونا چاہئے کہ آپ خدا کے گھرانے میں پیدا ہو چکے ہیں۔ یہ آیت ایک اور اصول سچائی کی بھی تعلیم دیتی ہے کہ نجات کی تسلی خدا کے کلام سے حاصل ہوتی ہے۔ یوحنا نے یہ باتیں اس لئے لکھیں کہ لوگوں کو ”معلوم ہو“ جائے کہ وہ ”ہمیشہ کی زندگی“ رکھتے ہیں۔ دوسرے کفطوں میں یہ پاک صائف اس لئے لکھے گئے تاکہ جو خداوند یسوع پر ایمان رکھتے ہیں ان کو یقین ہو جائے کہ ہم نجات یافتہ ہیں۔ اب اُمید کرنے، اندازے لگانے، محسوس کرنے یا اندھیرے میں ٹامک ٹوٹیاں مارنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اب اگر کوئی کہتا ہے کہ میں نجات پا گیا ہوں تو یہ بات کوئی گمان یا قیاسی بات نہیں ہوگی۔ یوحنا نہایت واضح الفاظ میں کہتا ہے کہ ”جو خداوند یسوع پر سچا ایمان لائے“ ہیں ان کو ”معلوم ہو کہ ہمیشہ کی زندگی رکھتے“ ہیں۔

۵: ۱۴-۱۵۔ دُعا پر اعتماد

۵: ۱۴، ۱۵۔ جب ہم جان لیتے ہیں کہ ہمارے پاس ہمیشہ کی زندگی ہے تو یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ہم ”دلیری“ یعنی اعتماد کے ساتھ خداوند کے پاس جاسکتے ہیں۔ یوحنا اس ”دلیری“ یا اعتماد کا بیان آیات ۱۴ اور ۱۵ میں کرتا ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ اگر ”اُس (خدا) کی مرضی کے موافق کچھ مانگتے ہیں تو وہ (خدا) ہماری سنتا ہے“ یعنی وہ ہماری دُعاؤں کو سنتا اور اُن کا جواب دیتا ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ ہمیں اُس بات کے لئے دُعا مانگنے سے ڈرنا چاہئے جو اُس کی مرضی کے موافق نہ ہو۔ شاید کوئی پوچھے کہ میں خدا کی مرضی کیسے معلوم کر سکتا ہوں؟ ”عمومی لحاظ سے جواب یہ ہے کہ خدا کی مرضی پاک نوشتوں میں ظاہر کر دی گئی ہے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ کلام کا مطالعہ کریں تاکہ بہتر طور پر جان سکیں کہ خدا کی مرضی کیا ہے اور ہم کس طرح زیادہ سمجھ کے ساتھ دُعا مانگ سکتے ہیں۔

۵: ۱۶۔ یوحنا ایک مثال دیتا ہے جس میں ایمان دار دُعا پر اعتماد رکھ سکتا ہے، مگر ساتھ ہی ایک مثال دیتا ہے جب اعتماد رکھنا ممکن نہیں ہوتا۔ ”اگر کوئی اپنے بھائی کو ایسا گناہ کرتے دیکھے جس کا نتیجہ موت نہ ہو تو دُعا کرے۔ خدا اُس کے وسیلہ سے زندگی بخشے گا۔ اُن ہی کو جنہوں نے ایسا گناہ نہیں کیا جس کا نتیجہ موت ہو۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی ایسا معاملہ ہے جس میں کوئی مسیحی اپنے ہم ایمان کو کسی گناہ آلودہ کام میں مشغول دیکھتا ہے۔ یہ ایسا گناہ نہیں جس سے گناہ کرنے والے شخص پر موت وارد ہو۔ اس صورت میں وہ ایمان دار اُس غلطی کرنے والے شخص کی بحالی کی دُعا مانگ سکتا ہے۔ اور خدا اس التجا کے جواب میں اُن کو ”زندگی“ بخشے گا جو ایسا گناہ نہیں

کرتے جس کا نتیجہ موت ہو۔

اس کے برعکس ”گناہ ایسا بھی ہے جس کا نتیجہ موت ہے“۔ اور رسول اس سلسلے میں کہتا ہے کہ
”اس کی بابت دُعا کرنے کو میں نہیں کہتا“

وہ گناہ جس کا نتیجہ موت ہے

حتیٰ طور سے کہنا ممکن نہیں کہ ”گناہ“ ہے جس کا نتیجہ موت ہے۔ چنانچہ بہتر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس غلطی سے پیش کی جانے والی مختلف تشریحات کو پیش کیا جائے اور آخر میں بتایا جائے کہ ہم کس تشریح کو زیادہ صحیح سمجھتے ہیں۔

۱۔ بعض علما کا خیال ہے وہ گناہ... جس کا نتیجہ موت ہے ایسا گناہ ہوتا ہے جو کسی ایمان دار کی زندگی میں قائم رہتا ہے اور وہ اس کا اقرار نہیں کرتا۔ ۱۔ کرنتھیوں ۱۱: ۳۰ میں ہم پڑھتے ہیں کہ بعض اس لئے مر گئے کہ وہ اپنا جائزہ لئے بغیر خداوند کی عشا کھاتے تھے۔

۲۔ کچھ علما کہتے ہیں کہ یہاں مراد قتل کا گناہ ہے۔ اگر کوئی عیسائی کسی وقت غصہ سے مغلوب ہو کر کسی دوسرے شخص کو قتل کر دے تو پھر ہم کو یہ آزادی محسوس نہیں کرنی چاہئے کہ موت کی سزا سے چھٹکارے کے لئے دُعا مانگیں کیونکہ خدا نے بتا دیا ہے کہ اُس کی مرضی ہے کہ ”جو آدمی کا خون کرے اُس کا خون آدمی سے ہوگا“ (پیدائش ۹: ۶)۔

۳۔ اکثر علما کے خیال کے مطابق جس گناہ کی طرف یہاں اشارہ کیا گیا ہے وہ رُوح القدس کے خلاف کُفر بلکہ کا گناہ ہے۔ خداوند یسوع نے کہا ہے کہ میں رُوح القدس کی قدرت سے مُعجزے کرتا ہوں۔ مگر جو لوگ ان مُعجزوں کو بد رُوحوں کے سردار بعل زبول (بعل زبول) سے منسوب کرتے ہیں وہ ناقابلِ معافی گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اس کی معافی نہ اس دُنیا میں ہے نہ آنے والی دُنیا میں۔

۴۔ دوسرے علما کہتے ہیں کہ یہ کوئی خاص قسم کا گناہ ہے جیسا موسیٰ یا ہارون، حننیاہ اور سفیرہ سے ہوا تھا، جس کی سزا خدا فوری قہر و غضب سے دیتا ہے۔

۵۔ ایک آخری تشریح یہ ہے کہ یہاں برشتگی کا گناہ پیش نظر ہے۔ اور ہمارا یقین ہے کہ یہی تشریح سیاق و سباق کے ساتھ گہری مطابقت رکھتی ہے۔ برگشتہ شخص وہ ہوتا ہے جس نے مسیحی ایمان کی عظیم سمجائیوں کو سنا، ذہنی طور پر قابلِ قبول ہوا کہ یسوع ہی مسیح ہے، مسیحی ہونے کا دعویٰ

بھی کیا، مگر حقیقت میں اُسے نجات کا تجربہ کبھی نہیں ہوا۔ مسیحیت کی اچھی باتوں کا مزہ چکھ لینے کے بعد وہ اُن سے بالکل منحرف ہو گیا اور خداوند یسوع مسیح کو بالکل رد کر دیا۔ عبرانیوں کے نام خط کے چھٹے باب میں بیان ہوا ہے کہ یہ گناہ ہے جس کا نتیجہ موت ہے۔ جو افراد اس گناہ کے مرتکب ہوتے ہیں اُن کے پاس بچنے کا کوئی راستہ نہیں رہتا۔ اس لئے کہ وہ خدا کے بیٹے کو اپنی طرف سے دوبارہ مصلوب کر کے علانیہ ذلیل کرتے ہیں“ (عبرانیوں ۶: ۶)۔ اس پورے خط میں یوحنا غناسطیوں کو پیش نظر رکھ کر بات کرتا آیا ہے۔ ایک وقت تھا کہ یہ جھوٹے استاد مسیحی رفاقت میں شامل تھے۔ وہ ایمان دار ہونے کا دعویٰ کرتے تھے۔ وہ ایمان کے حقائق سے واقف تھے۔ لیکن پھر انہوں نے خداوند یسوع سے منہ موڑ لیا اور وہ تعلیم اپنا لی جو اُس کی الوہیت اور اُس کے قد کے کام کا قطعی انکار کرتی ہے۔ کسی مسیحی کو ایسے لوگوں کے لئے دعا کرنے کی آزادی نہیں ہو سکتی کیونکہ خدا نے اپنے کلام میں پہلے ہی بتا دیا ہے کہ وہ ایسے گناہ کے مرتکب ہیں جس کا نتیجہ موت ہے۔

۱۷: ۵۔ ”ہے تو ہر طرح کی نالاستی گناہ، مگر ایسا گناہ بھی ہے جس کا نتیجہ موت نہیں۔“ گناہ

کے درجات میں واضح امتیازات ہیں۔ بعض ایسے گناہ بھی ہیں جو ایسی نوعیت کے ”نہیں“ جن کا نتیجہ ”موت“ ہو۔

ح۔ روحانی حقائق کا علم (۱۸: ۵-۲۰)

۱۸: ۵۔ اس آیت سے شروع کر کے یوحنا رسول مسیحی ایمان کی سچائیوں یا حقائق کے بیان کا اعادہ کرتا اور خط کو نہایت شاندار انداز میں اختتام تک پہنچاتا ہے۔ ”ہم جانتے ہیں کہ جو کوئی خدا سے پیدا ہوا ہے وہ گناہ نہیں کرتا“۔ ہمیں اس بات کا یقین ہے کہ جس کو الہی یا روحانی فطرت حاصل ہو جاتی ہے وہ گناہ کرتا نہیں رہتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ”اُس کی حفاظت وہ کرتا ہے جو خدا سے پیدا ہوا اور وہ شریر اُسے چھوٹے نہیں پاتا“۔ ۹: ۳ کی طرح یہاں بھی بات سچے ایمان دار کی ہو رہی ہے، جو ثابت قدم رہتا یا اپنی روحانی فطرت کو قائم رکھتا ہے۔ ریفرنس بائبل کے حاشیہ میں اس بات کی وضاحت یوں درج ہے کہ ”بلکہ جو خدا سے پیدا ہوا وہ اپنی حفاظت کرتا ہے“، یعنی صرف ایسا شخص ہی اُس ”شریر“ یعنی ابلیس کے ضرر سے محفوظ رہتا ہے۔

۱۹: ۵۔ بہت سے لوگ اعلیٰ و برتر علم یا عرفان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں (یعنی غناسطی)۔ مسیحی نقطہ نظر سے اُن کے لئے جواب یہ ہے کہ ”ہم جانتے ہیں کہ ہم خدا سے ہیں اور ساری دنیا اُس شریر

کے قبضہ میں پڑی ہوئی ہے۔ ”یوحنا کھڑا پھر کر بات نہیں کرتا۔ اُس کو صرف دو طبقات نظر آتے ہیں۔ ایک جو مسیح کے اختیار میں ہے۔ اور دوسرا جو اُس شریر کے قبضہ میں ہے۔“ سارے بنی نوع انسان کو دیکھیں تو یا تو وہ نجات یافتہ ہیں یا کھوئے ہوئے ہیں۔ اُن کی حیثیت کا انحصار خداوند یسوع کے ساتھ اُن کے تعلق پر ہے۔ اسے غناسطیوں کا کان کھول کر سن لو۔

۲۰:۵۔ تیسری بڑی حقیقت ”تجسم المسیح“ ہے۔ اور ہم ”یہ بھی جانتے ہیں کہ خدا کا بیٹا آگیا ہے۔“ یوحنا نے اپنے خط کا آغاز اسی مضمون سے کیا تھا اور اسی پر ختم کرنے کو ہے۔ خداوند یسوع کی آمد نے ہم پر اُس کو جو حقیقی ہے“ ظاہر کر دیا۔ یعنی حقیقی خدا“ کو۔ خدا باپ کو صرف خداوند یسوع مسیح کے وسیلہ سے جانا جاسکتا ہے ”خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ اکو تا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اُسی نے ظاہر کیا“ (یوحنا ۱:۱۸)۔ اس کے ساتھ ہی یوحنا مزید کہتا ہے کہ ”ہم اُس میں جو حقیقی ہے یعنی اُس کے بیٹے یسوع مسیح میں ہیں۔“ یہاں پھر زور اسی بات پر ہے کہ جو کچھ ہم مسیح میں ہیں وہی ہم خدا میں ہیں۔ ”کوئی میرے وسیلہ کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا۔“ حقیقی خدا اور ہمیشہ کی زندگی یہی ہے۔“ دوسرے لفظوں میں یوحنا اُس بات کی تعلیم دے رہا ہے غناسطی جس کا انکار کرتے تھے۔ یعنی یسوع مسیح خدا ہے اور ہمیشہ کی زندگی صرف اُس میں ہے۔

۹۔ اختتامی التماس (۲۱:۵)

آخر میں یوحنا اپنی آخری نصیحت کرتا ہے ”اے بچو! اپنے آپ کو بُتوں سے بچائے رکھو۔“ دراصل رسول کہہ رہا ہے کہ ”ہر اُس تعلیم سے خبردار رہو جو ان متعلق کے خلاف ہے۔“ وہ چاہتا ہے کہ ایمان دار ہر ایسے تصور اور خیال سے اپنی حفاظت کریں جس میں خدا کا انکار پایا جاتا ہے۔ اور صرف اُسی تعلیم پر قائم رہیں جو ہم کو رسولوں سے پہنچی ہے۔ اُس کے علاوہ ہر خیال، ہر نظریہ بُت پرستی ہے۔ یہاں یوحنا بنیادی طور پر اُن بُتوں کی بات نہیں کر رہا جو لکڑی وغیرہ سے کھود کر بنائے گئے ہیں۔ جو چیز یا بات بھی حق اور سچائی کی جگہ لے لیتی ہے، اُس کا متبادل بن جاتی ہے وہ بُت اور جھوٹا معبود جوتی ہے۔ یہاں بُت سے مراد کوئی مادی چیز نہیں بلکہ جھوٹی تعلیم ہے۔

یوحنا کا دوسرا خط

تعارف

یوحنا کا دوسرا خط ہمارے سامنے رسول کا ایک نیا پہلو پیش کرتا ہے۔ کہ وہ انفرادی رُوحوں کا چرواہا ہے۔۔۔ خط میں خواہ کسی مقامی کلیسیا کو۔۔۔ یا کسی مسیحی خاتون کو مخاطب کیا گیا ہو۔۔۔ مگر یہ ہے خاص اشخاص کے لئے۔۔۔ جن میں وہ گہری دلچسپی رکھتا ہے۔

۱۔ مستند کتب میں مقام

مقدس یوحنا نہایت ہر دل عزیز رسول تھا۔ مگر اُس کی ذاتی خط و کتابت میں سے ہمارے پاس یوحنا کا تیسرا خط اور زیرِ نظر مختصر سا رُقعہ ہی موجود ہیں۔

بعض اوقات مسیحیوں کو فکر ہوتی ہے کہ ہم دوسروں کے لئے اپنے دروازے کھٹے یا بند رکھیں، خصوصاً اُن افراد کے لئے جو ایمان دار ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ یوحنا کا دوسرا اور تیسرا خط اس نہایت عملی سوال کا جواب دیتے ہیں۔ یوحنا کے دوسرے خط میں اس بات کی اہمیت واضح کی گئی ہے کہ ہم اپنے گھر (یا گھر یلو کلیسیا) کے دروازے بدعتیوں پر بند رکھیں۔ تیسرے خط میں گشتی مبلغوں اور مشنریوں کے لئے دروازے کھٹے رکھنے کی پالیسی کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے۔

۲۔ مصنف

یوحنا کے پہلے خط کی نسبت دوسرے خط کے لئے خارجی شہادت قدرے کمزور ہے۔ اس کی وجہ بلاشبہ یہی ہے کہ خط نہایت مختصر اور شخصی نوعیت کا ہے۔ ایرینیئس نے اس سے اقتباس کیا ہے، مگر دوسروں کی طرح اُس کا بھی یہی خیال تھا کہ یہ یوحنا کے پہلے خط کا حصہ ہے (ابواب اور آیات میں تقسیم تو صدیوں بعد ہوئی)۔ اور قین کو اس خط کے بارے میں شک تھا۔ مگر سکندر ریہ کے کلیمنس اور ڈامیونیسس (یہ بھی سکندر ریہ کا تھا) نے اس سے یوحنا کے خط کی حیثیت سے اقتباس کیا ہے۔ قیریلوس خاص طور پر آیت ۱۰ کا اقتباس کرتا اور کہتا ہے کہ یہ یوحنا رسول

کے الفاظ ہیں۔

داخلی شہادت، اس حقیقت پر مبنی ہے کہ اسلوب بیان اور ذخیرہ الفاظ یوحنا کی انجیل اور پہلے اور تیسرے خط سے مشابہت و موافقت رکھتا ہے۔ اگرچہ پہلا اور تیسرا خط زیر نظر یعنی دوسرے خط سے مختلف پیرایہ میں شروع ہوتے ہیں لیکن مشابہت اتنی گہری ہے کہ شاید ہی کوئی شخص انکار کرنے کی جرأت کرے کہ یہ تینوں ایک ہی شخص کی تحریر ہیں اور یہ بھی صاف نظر آتا ہے کہ تینوں ایک ہی زمانہ میں لکھے گئے تھے۔

روایت بھی ۲۔ یوحنا کو اسی نام کے رسول سے منسوب کرتی ہے (تفصیل کے لئے ۱۔ یوحنا کا تعارف ملاحظہ کیجئے)۔ اور کوئی وجہ نہیں کہ ہم اس روایت پر شک کریں۔

۳۔ سن تصنیف

۱۔ یوحنا کی طرح یہاں بھی دو عام تاریخیں ممکن ہیں۔ ایک پہلے کی (سن ۶۰ء کا عشرہ) جو کہ یرشلیم کی بربادی سے پہلے کا زمانہ ہے۔ دوسرے بعد کی تاریخ (سن ۸۵ء - ۹۵ء)۔ اگر اول الذکر کو مانا جائے تو خط غالباً یرشلیم سے لکھا گیا۔ اگر مؤخر الذکر کو تسلیم کیا جائے تو خط افسس سے بھیجا گیا، کیونکہ عمر رسیدہ رسول نے زندگی کے آخری ایام میں وہیں پورے کئے۔

۴۔ پس منظر اور موضوع

اس خط کا پس منظر یہ ہے کہ ابتدائی کلیسیا میں گشتی مبلغوں کی خدمت دور دور تک پھیل گئی تھی۔ بعض حلقوں میں آج بھی تبلیغ کا یہی انداز اپنایا جاتا ہے۔ خدا کے کلام کے یہ خادم مبلغ جہاں جہاں جاتے تھے وہاں کی کلیسیائیں اور مسیحی گھر ان کا خیر مقدم کرتے تھے۔ ان کی ہمان نوازی کرتے، ان کے لئے کھانے پینے کا بندوبست کرتے اور کبھی کبھی نقد امداد بھی کرتے تھے۔ بد قسمتی سے جھوٹے استاد اور مذہبی نیم حکیم بھی نمودار ہو گئے۔ وہ ایسے حالات سے فائدہ اٹھانے سے کب چوکے والے تھے۔ وہ بھی "مالِ مفت" پر ہاتھ صاف کرنے اور اپنی اپنی بدعتیں پھیلانے لگے۔ ان کی ایک نمایاں مثال تو غناسطی فرقہ تھا (دیکھیے ۱۔ یوحنا کا تعارف)۔

ان بدعتیوں اور مذہبی منافع خوروں سے خبردار کرنا اگر پہلی صدی میں ضروری تھا تو اگر یوحنا رسول موجودہ زمانے کے فرقوں اور مسلکوں کی رنگارنگ گڈری دیکھ لے تو کیا کچھ نہ کرے گا!

۲۔ یوحنا کا مرکزی موضوع یہ ہے کہ ہمیں ایسے شخص سے کسی قسم کا تعاون ہرگز نہیں کرنا چاہئے جو ہمارے خداوند کی ذات کے بارے میں غلط تعلیم پھیلاتا ہو (آیت ۱۰، ۱۱)۔

خاکہ

- ۱۔ رسول کی طرف سے سلام۔ فضل، رحم اور اطمینان آیات ۱-۳
 - ۲۔ رسول کی خوشی۔ فرمانبردار بچے آیت ۴
 - ۳۔ رسول کی طرف سے ذمہ داری۔ محبت میں چلنا آیات ۵-۶
 - ۴۔ رسول کی فکر مندی۔ دھوکے باز مخالفِ مسیح آیات ۷-۱۱
 - ۵۔ رسول کی اُمید۔ شخصی ملاقات آیات ۱۲-۱۳
-

تفسیر

۱۔ رسول کی طرف سے سلام۔ فضل، رحم اور اطمینان (آیات ۱-۳)

آیات ۲۱-۲۰ دوسرے خط میں یوحنا نے اپنا تعارف ”بزرگ“ کہہ کر کر دیا ہے۔ اس سے اشارہ اُس کی عمر یا کلیسیا میں باضابطہ عہدہ کی طرف بھی ہو سکتا ہے۔ جہاں تک عمر کا تعلق ہے یوحنا خداوند یسوع کے ساتھ ساتھ رہنے والے رسولوں میں سے آخری رسول تھا جو اب تک زندہ تھا۔ جہاں تک عہدے کا تعلق ہے تو یقیناً وہ پشپ یا یگران تھا۔ اس لئے ہمیں لفظ ”بزرگ“ کی تشریح پر زیادہ تشویش نہیں ہونی چاہئے۔ دونوں باتیں درست ہیں۔

”برگزیدہ بی بی“۔ ان الفاظ کی تشریح آسان نہیں۔ اس سلسلے میں تین نظریات پیش کئے جاتے ہیں: (۱) بعض علما کا خیال ہے کہ ”برگزیدہ بی بی“ کلیسیا ہے جس کو دوسرے مقامات پر مسیح کی دلہن یا خاص مقامی کلیسیا کہا گیا ہے۔ (۲) بعض علما کہتے ہیں کہ یہ خط برگزیدہ Kyria کو لکھا گیا۔ اُن کا خیال ہے کہ Kyria اُس خاتون کا نام تھا۔ ممکن ہے کہ یہ نام آرامی نام مرتھا کا مترادف ہو (دونوں کا مطلب ’خاتون‘ یا ’بی بی‘ ہے)۔ (۳) تیسرا نظریہ یہ ہے کہ یوحنا ایک بے نام مسیحی ”بی بی“ کو لکھ رہا ہے جو دوسرے ایمان داروں کے ساتھ خدا کے ”برگزیدہ“ لوگوں میں شامل ہے۔ یعنی جن کو بنائے عالم سے پیشتر چُن لیا گیا تھا۔

ہم آخری نظریہ کو ترجیح دیتے ہیں اور محسوس کرتے ہیں کہ یہ بات خاص اہمیت رکھتی ہے کہ مسیحیت کے خلاف تعلیم دینے والے استادوں سے خبردار کرنے کی بات ایک ایسے خط میں پائی جاتی ہے جو ایک خاتون کو لکھا گیا۔ گناہ دُنیا میں پہلے اسی طرح داخل ہوا تھا کہ شیطان نے حوا کو فریب دیا تھا۔ ”عورت فریب کھا کر گناہ میں پڑ گئی“ (۱- تیمتھیس ۲: ۱۴)۔ پوئس رسول بھی جھوٹے استادوں کے بارے میں یہی کہتا ہے کہ وہ عورتیں زیادہ آسانی سے اُن کی سنٹی ہیں۔

یہ جھوٹے استاد ”دبے پاؤں گھروں میں گھس آتے ہیں اور اُن پھپھموری عورتوں کو قابو میں کر لیتے ہیں جو گناہوں میں دبی ہوئی ہیں اور طرح طرح کی خواہشوں کے بس میں ہیں۔ وہ ہمیشہ تعلیم پاتی رہتی ہیں مگر حق کی پہچان تک کبھی نہیں پہنچتیں“ (۲- تیمتھیس ۳: ۶، ۷)۔ آج بھی یہی ہوتا ہے۔ جھوٹے استاد دین کے اُس وقت گھروں میں جاتے ہیں جب کہ سرد کام کاج کے سلسلے میں باہر ہوتے ہیں۔ بچوں کو بھی جھوٹے استادوں سے خبردار کرنے کی ضرورت ہے۔

یوحنا کہتا ہے کہ ”اُس برگزیدہ بی بی اور اُس کے فرزندوں ... سے ... اُس سچائی کے سبب سے سچی محبت رکھتا ہوں“ جتنے بھی نجات یافتہ لوگ ہیں وہ ایک عجیب رفاقت میں رہتے ہیں۔ اگر وہ خدا کی سچائی میں شریک نہ ہوتے تو اُن سے کبھی محبت نہ کرتے جن سے اب کرتے ہیں۔ خدا کی سچائی دلوں کو ایک بندھن میں باندھ دیتی ہے۔

”جو حق سے واقف ہیں“ اُن سب کے دل مذکورہ محبت میں بندھ جاتے ہیں۔ آیت ”اِس سچائی کے سبب سے“ کی دو تاویلیں ممکن ہیں۔ ایک تو سارے مقدسوں سے محبت رکھنے کے ”مقصد“ کی بات ہو سکتی ہے۔ دوسرے ”یوحنا“ کے یہ خط لکھنے کی وجہ۔ دونوں قابل قبول تاویلیں ہیں۔ ”سچائی جو ہم میں قائم رہتی ہے اور ابد تک ہمارے ساتھ رہے گی۔“ یہاں ”سچائی“ سے مراد (۱) خداوند یسوع مسیح بھی ہو سکتا ہے۔ اُس نے کہا تھا کہ ”... حق ... میں ہوں“ (یوحنا ۱۴: ۶)۔ (۲) روح القدس بھی ہو سکتا ہے ”کیونکہ روح سچائی ہے“ (۱- یوحنا ۵: ۷) مزید دیکھئے یوحنا ۱۴: ۱۷، ۱۸، ۱۹) یا (۳) مراد بائبل مقدس بھی ہو سکتی ہے۔ ”تیرا کلام سچائی ہے“ (یوحنا ۱۷: ۱۷)۔ یہ تینوں ہم کو سنبھالتے ہیں اور ابد تک ہمارے ساتھ رہیں گے۔ آیت ۳۔ ”یوحنا کا سلام یہ ہے کہ فضل اور رحم اور اطمینان“ تمہارے ساتھ رہے۔ ”فضل“ خدا کی وہ مہربانی ہے جس کا انسان حق دار نہیں، بلکہ انسان اِس کے اُلٹ سلوک کا سزاوار تھا۔ ”رحم“ وہ ترس ہے جو زبوں حال اور خطا کار لوگوں سے رفا رکھا جاتا ہے، جبکہ ”اطمینان“ وہ کچھ ہے جو خدا کے فضل اور رحم کے نتیجہ میں حاصل ہوتا ہے۔ یہ تینوں برکات ”خدا باپ اور باپ کے بیٹے یسوع مسیح کی طرف سے“ ملتی ہیں۔ ”باپ“ اِن کا سرچشمہ اور ”بیٹا“ اِن کا وسیلہ یا ذریعہ ہے۔ علاوہ ازیں اِن کے ساتھ ”سچائی اور محبت“ بھی ہیں۔ کوئی فضیلت دوسری فضیلت کو کم نہیں کرتی۔

۲- رسول کی خوشی۔ فرمانبردار بچے (آیت ۴)

یوحنا اِس خبر پر خوشی کا اظہار کرتا ہے کہ ”برگزیدہ بی بی“ کے ”بعض“ ”حقیقت میں“ اُس

”حکم“ یا سچائی پر چلتے ہیں جو خدا کی طرف سے ملا ہوا ہے۔ ”سچائی“ جس کو یہاں ”حکم“ کہا گیا ہے کوئی ایسی بات نہیں جس پر صرف عقلی یا ذہنی لحاظ سے ایمان رکھا جائے، بلکہ اس پر ہر روز عمل کرنا ہوتا ہے۔ روزمرہ زندگی میں اس کا عملی ثبوت دینا ہوتا ہے۔ جس طرح خداوند یسوع اس سچائی کا زندہ اور چلتا پھرتا مجسمہ تھا اسی طرح وہ توقع کرتا ہے کہ ہماری زندگیاں بھی اس سچائی کی گواہ ہوں۔

۳۔ رسول کی طرف سے ذمہ داری (حکم)۔ مجرت میں چلنا (آیات ۵، ۶)

آیت ۵۔ معلوم ہوتا ہے کہ آیات ۵-۹ میں رسول نے اپنے پہلے خط کا خلاصہ پیش کیا ہے۔ پہلے خط میں اُس نے زندگی کو پرکھنے کے لئے امتحانوں کا بیان کیا تھا۔ اور یہاں ان آیات میں اُن میں سے کم سے کم تین کو دوبارہ پیش کرتا ہے۔ — ”مجرت“ کا امتحان (آیت ۵) ”فرمانبرداری“ کا امتحان (آیت ۶) اور ”تعلیم“ یا عقیدہ (ایمان) کا امتحان (آیات ۷-۹)۔

آیت ۶۔ پہلے یوحنا اپنے قارئین کو اپنے ہم ایمانوں کے ساتھ ”مجرت“ رکھنے کے حکم کی یاد دہانی کرتا ہے۔ بلاشبہ یہاں ”مجرت“ وہ جذبہ ہے جس سے انسان بے کوٹ انداز میں اپنے آپ کو دوسروں کے لئے دے دیتا ہے۔ یہ نہیں سوچتا کہ ”میں اُس شخص سے کیا حاصل کر سکتا ہوں؟“ بلکہ یہ کہ ”میں اُس شخص کے لئے کیا کر سکتا ہوں؟“ یوحنا وضاحت کرتا ہے کہ ”مجرت یہ ہے کہ ہم اُس کے حکموں پر چلیں۔“ ہم اُس وقت تک سچی مجرت کر ہی نہیں سکتے جب تک خداوند کی فرمانبرداری اور خدا کی سچائی کے مطابق نہیں چلتے۔

۴۔ رسول کی فکر مندی۔ دھوکے باز مخالف مسیح (آیات ۷-۱۱)

آیت ۷۔ اس آیت میں ہماری تعلیم (عقیدہ/ایمان) کے امتحان کی بات کی گئی ہے۔ سب سے بڑا سوال یہ ہے کہ ”کیا مسیح یسوع کی ذات میں خدا واقعی انسان بن گیا؟“ جواب ایک زوردار ”ہاں“ ہے۔ غناسطی یہ مانتے اور تعلیم دیتے تھے کہ الہی مسیح کچھ مدت کے لئے ناقصرت کے یسوع پر اتر آیا

لے اس بات پر تفصیلی بحث کے لئے کلموں کے خط کا تعارف دیکھئے۔

تھا۔ مگر یوحنا زور دے کر کہتا ہے کہ ”یسوع مسیح“ خدا تھا، ہے اور ہمیشہ تک خدا رہے گا۔
آیت ۸۔ چنانچہ یوحنا اپنے قارئین کو خبردار کرتا ہے ”اپنی بابت خبردار رہو تاکہ جو محنت ہم
 نے کی ہے وہ تمہارے سبب سے ضائع نہ ہو جائے بلکہ تم کو پورا اُتھرے۔“ دوسرے لفظوں میں
 خداوند یسوع مسیح کے بارے میں سچائی پر مضبوطی سے قائم رہو تاکہ جو محنت ہم نے تمہارے درمیان
 کی ہے وہ رائیگاں ثابت نہ ہو اور ہم (رسول اور اُن کے پیروؤں) کو پورا اجر ملے۔

آیت ۹۔ ”جو کوئی آگے بڑھ جاتا ہے اور مسیح کی تعلیم پر قائم نہیں رہتا۔“ یہاں یوحنا جھوٹے
 اُستادوں کی بات کر رہا ہے۔ ”آگے بڑھ“ جانے کا مطلب ہے مقررہ حدود سے تجاوز کرنا۔ کئی
 فرقے اور مسلک یہی کرتے ہیں۔ وہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمیں نئی روشنی ملی ہے اور اُن عقائد کی تعلیم
 دیتے ہیں جن کا مکاشفہ خدا نے اپنے کلام میں نہیں دیا۔ وہ مسیحی مکاشفہ کی حدود کے اندر نہیں جیتے،
 یعنی ”مسیح کی تعلیم پر قائم نہیں رہتے۔“ غالباً مراد یہ ہے کہ اُس تعلیم پر قائم نہیں رہتے جو ”یسوع مسیح“
 نے دی ہے۔ مزید برآں مسیح کے بارے میں بائبل مقدس کی ساری ”تعلیم“ بھی مراد ہو سکتی ہے۔
آیت ۹ میں رسول زور دیتا ہے کہ کوئی فرقہ پرست یا نئے مسلک کا داعی دعویٰ تو کر سکتا ہے کہ میں
 خدا کو جانتا ہوں، لیکن اگر وہ خداوند یسوع کی کامل الوہیت اور کامل بشریت پر یقین نہیں رکھتا
 تو اُس کے پاس خدا نہیں۔“ ہرگز نہیں۔ خدا کو صرف اُس کے بیٹے کے وسیلہ سے جانا جا
 سکتا ہے ”کوئی میرے وسیلہ کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا“ (یوحنا ۱۴:۶)۔

آیات ۱۱-۱۰۔ یہ خط کا مرکز یا دِل ہے۔ یہاں انمول نصیحت کی گئی ہے کہ جو جھوٹے اُستاد
 ہمارے گھروں میں آجاتے ہیں اُن سے کس طرح نمٹا جائے۔ یہاں وہ اتفاقیہ ملاقات کرنے والوں
 کی بات نہیں کرتا، بلکہ صحیح تعلیم کے خلاف پروپیگنڈا کرنے والوں کی بات کر رہا ہے۔ کیا
 ہم اُن کو اندر آنے کی دعوت دیں؟ اُن کو چائے یا شربت پیش کریں؟ اُن کی مالی معاونت
 کریں؟ اُن کا لٹریچر خریدیں؟ جواب یہ ہے کہ ”نہ انہیں گھر میں آنے“ دیں، نہ اُن کو ”سلام“ کریں۔
 ایسے لوگ مسیح کے دشمن ہوتے ہیں۔ اُن کی حمان نوازی کرنا اپنے نجات دہندہ کے مخالفوں کا
 ساتھ دینے کے مترادف ہے۔ ممکن ہے کہ کسی وقت ہم کسی ایسے شخص کو گھر کے اندر آنے دیں،
 مگر ہمیں خبر نہ ہو کہ وہ خداوند کا انکار کرتا ہے۔ ایسی صورت میں ان آیات کا اطلاق نہیں ہوتا۔
 لیکن جب ہمیں پتہ ہو کہ فلاں شخص جھوٹا اُستاد ہے تو پھر اُس کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا
 مسیح سے بے وفائی کرنا ہے۔ ان آیات کا اطلاق عام ملاقاتیوں پر نہیں ہوتا۔ ہم کئی دفعہ غریبانہ دل

کو اپنے ہاں دعوت دیتے ہیں۔ کئی دفعہ مقصد اُن کو مسیح کے لئے جیتنا ہوتا ہے۔ یہاں سوال اُن مذہبی اُستادوں کا ہے جو مسیح کی الوہیت اور بشریت کا انکار کرتے ہیں۔

۵۔ رسول کی اُمید۔ شخصی ملاقات (آیات ۱۲، ۱۳)

آیت ۱۲۔ یوحنا رسول اُس ”برگزیدہ بی بی“ سے اور بھی ”بہت سی باتیں“ کرنا چاہتا ہے، لیکن وہ اس مرحلے پر اس اُمید کے ساتھ لکھنا بند کرتا ہے کہ جلد ہی خود وہاں جائے گا اور ”روبرو بات چیت“ کر سکے گا۔ روبرو باتیں کرنے سے کیسی تسلی ملتی ہے! ”کاغذ اور سیاہی“ سے یعنی لکھ کر بات کرنے میں وہ بات پیدا ہو ہی نہیں سکتی جو آئنے سامنے بیٹھ کر بات کرنے میں ہوتی ہے۔ اور جب ہم اپنے نجات دہندہ کو روبرو دیکھیں گے تو کیسی عجیب اور اعلیٰ بات ہوگی! اب ہم ایمان کی آنکھوں سے اُسے دیکھتے ہیں، مگر اس دیکھنے اور اُس دیکھنے میں جو فرق ہے اُس کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔ بے شک اُس وقت ہماری ”خوشی کامل“ ہو جائے گی!

آیت ۱۳۔ چنانچہ یوحنا خط کے اختتام پر لکھتا ہے کہ ”تیری برگزیدہ بہن کے لڑکے تجھے سلام کہتے ہیں“۔ ہمیں معلوم نہیں کہ یہ بیٹے کون تھے، مگر وہ دن آتا ہے کہ ہماری اُن سے ملاقات ہو گی اور ہم اُن کی رفاقت اور اس خط کے لکھنے والے یوحنا رسول کی رفاقت سے لطف اندوز ہوں گے۔ اور سب سے بڑھ کر اپنے منجی کی رفاقت سے سرشار اور شادمان ہوں گے۔ آمین!“

یوحنا کا تیسرا خط

تعارف

اس خط میں رسولی زمانہ کی مسیحی زندگی کی آخری جھلک نظر آتی ہے۔ بہتر ہو گا کہ طالب علم اس پر غور کرے۔ جس قسم کے حالات سے پردہ اٹھتا ہے وہ مثالی نہیں ہیں، لیکن بڑھتے ہوئے ایمان کی قوت اور آزادی کے گواہ ہیں۔ بی۔ ایف۔ ویسکاٹ

۱۔ مستند کتب میں مقام

یوحنا کا تیسرا خط نئے عہد نامہ کی سب سے چھوٹی کتاب ہے (اصل زبان میں ۲۔ یوحنا سے صرف ایک سطر کم ہے جبکہ اردو ترجمہ میں ایک سطر زیادہ ہے)۔ یہ خط اس الہی سچائی کی وضاحت کرتا ہے کہ ہر ایک صحیفہ ... فائدہ مند ہے۔ ۲۔ یوحنا کی طرح اس کے کلیدی الفاظ بھی ”محبت“ اور ”سچائی“ ہیں۔ ۲۔ یوحنا یہ سکھاتا ہے کہ ہم ”محبت“ میں اس طرح قائم رہیں کہ چھوٹی تعلیم دینے والوں کو بالکل گھاس نہ ڈالیں، جبکہ ۳۔ یوحنا میں ”محبت“ کی نرمی اور شفقت کو اجاگر کیا گیا ہے کہ جو سچائی میں آگے بڑھ گئے ہیں ان کی مدد کریں۔

۲۔ مصنف

۳۔ یوحنا کے لئے بھی خارجی شہادت ۲۔ یوحنا کی مانند ہے۔ یہ دونوں خطوط اتنے مختصر اور اتنے زنجی ہیں کہ تعجب نہیں ہوتا کہ ان میں ۱۔ یوحنا جیسی وسیع شہادتیں موجود نہیں۔ سکندریہ کے دو بزرگوں کلیمنس اور ڈائیونیسس نے ۳۔ یوحنا کو یوحنا کی تصنیف مانا ہے۔ اسی طرح یروشلم کے قوروس نے بھی تسلیم کیا ہے کہ یوحنا ہی اس خط کا مصنف ہے۔ البتہ اس سلسلہ میں مرقوری فہرست کا فیصلہ واضح نہیں۔

داخلی شہادت، اس خط کو ۲۔ یوحنا کے ساتھ گہرے طور پر اور ۱۔ یوحنا کے ساتھ بہت واضح طور پر منسلک کرتی ہے۔ مصدقہ ہونے کے سلسلے میں تینوں خط ایک دوسرے کی حمایت کرتے ہیں۔

روایت بھی کہتی ہے کہ پہلے اور دوسرے خط کی طرح یوحنا ہی اس تیسرے خط کا بھی مصنف ہے۔
اس دعوے پر شک کر لے کی کوئی معقول وجہ ہمارے پاس نہیں۔

۳۔ سن تصنیف

۱۔ یوحنا اور ۲۔ یوحنا کی طرح اس خط کے لئے بھی دو عمومی تاریخیں پیش کی جاتی ہیں۔ اگر یوحنا
یروشلم شہر کی بربادی سے پہلے اس شہر سے یہ خط لکھ رہا ہے تو امکانی تاریخ ۶۸ء کے دہے میں ہوگی۔
لیکن علما عام طور سے یہ سمجھتے ہیں کہ یہ خط بعد کے سالوں میں لکھا گیا جب یوحنا افسس میں مقیم تھا اور
وہاں خدمت کرتا تھا۔ اس طرح ۸۵ء۔ ۹۰ء کی تاریخ زیادہ وسیع حلقوں میں قابل قبول مانی
جاتی ہے۔

۴۔ پس منظر اور موضوع

اس چھوٹے سے خط کا تاریخی پس منظر پہلی صدی عیسوی کے نصف آخر کے دوران کلیسیائی زندگی
کی ایک واضح جھلک پیش کرتا ہے۔ قلم کی صرف چند جنبشوں سے رسول تین کرداروں کا خاکہ ہمارے
سامنے پیش کر دیتا ہے۔ اول گیس جو روحانی اور مہمان نواز ہے۔ دوم۔ دیترفیس جس کو کسی سے
محبت نہیں اور جو صرف اپنی ہی فکر کرتا ہے کہ میں بڑا بن جاؤں۔ اور سوم دیمیتریس جو ایک قابل
تعریف شخصیت کا مالک ہے۔ دیترفیس ایک خود رائے اور خود مہر شخص کی مثال ہے جو
کسی بھی کلیسیائی ڈھانچے میں نمودار ہو سکتا ہے۔ دوسری صورت میں یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ کسی
ایک بزرگ (ایڈٹر) کی طرف جھکاؤ رکھتا ہو کہ وہ فوقیت حاصل کر کے ان لوگوں پر حاکم بن جائے جو
پہلے برابر کے بزرگ (ایڈٹر) تھے۔ یہی رجحان ترقی کر کے ”شہنشاہی اسقفیت“ یا ”مطلق العنان اسقفیت“
(ایک غالب نگران یا بشپ کی حکمرانی) بن گئی جو دوسری صدی سے لے کر اب تک موجود ہے۔

خاکہ

۱۔ سلام (آیات ۱-۴)

۲۔ خُدا پرست گیتس (آیات ۵-۸)

۳۔ آمردیتز فیس (آیات ۹-۱۱)

۴۔ جان نثار دیمیتریس (آیت ۱۲)

۵۔ رسول کا منصوبہ اور کلمہ برکت (آیات ۱۳، ۱۴)

تفسیر

۱۔ سلام (آیات ۱-۴)

آیت ۱۔ دوسرے خط کی طرح یوحنا اپنے آپ کو ”بزرگ“ کہتا ہے۔ وہ اس خط میں ”پیارے گیس“ کو مخاطب کرتا ہے جس سے رسول ”سچی محبت“ رکھتا تھا۔ ہمیں علم نہیں کہ آیا یہ وہی گیس ہے جس کا ذکر رویموں ۱۶: ۲۳ میں آیا ہے یا وہ جس کا ذکر اعمال ۲۰: ۴ میں آیا ہے۔ لیکن عجیب ہے کہ ان چند آیات میں اُس کے بارے میں ہمیں بہت کچھ معلوم ہو جاتا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ پتہ چلتا ہے کہ اُس ایمان دار سے بہت ”محبت“ کی جاتی تھی۔ اُس کی پوری زندگی نے اُس کو اپنے ساتھی مسیحیوں میں ہر دل عزیز بنا دیا تھا۔

آیت ۲۔ لگتا ہے کہ گیس جسمانی لحاظ سے زیادہ صحت مند شخص نہیں تھا۔ اسی لئے یوحنا دُعا کرتا ہے کہ ”تو... تندرست رہے“ اور تیری جسمانی صحت بھی تیری ”روحانی ترقی“ کی طرح ہو۔ ”میں یہ دعا کرتا ہوں کہ... تو سب باتوں میں ترقی کرے۔“ اس دُعا میں غالباً دولت اور مادی خوشحالی پیش نظر نہیں، بلکہ جسمانی صحت کا زیادہ خیال ہے، جیسا کہ ”تندرست رہے“ کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے۔

کیا ہم چاہیں گے کہ ہماری جسمانی حالت ہماری روحانی حالت کے موافق ہو؟ افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم اکثر اپنی رُوحوں کی نسبت اپنے بدنوں کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ اسی لئے ایف۔ بی۔ میٹر بڑی ترشی کے ساتھ کہتا ہے کہ

جس آرزو کا اظہار آیت ۲ میں کیا گیا ہمارے لئے مناسب نہ ہو گا کہ اپنے دوستوں کے لئے ایسی آرزو کریں کیونکہ اگر اُن کے بدن اُن کی روحانی حالت کے مطابق ہو گئے تو وہ اچانک برسی صحت کا شکار ہو جائیں گے۔

آیت ۲ صریحاً اس بات کی نفی کرتی ہے کہ ہر قسم کی بیماری زندگی میں گناہ کا نتیجہ ہوتی ہے اور کہ اگر کسی شخص کو شفا نہیں ملتی تو اس کا سبب بے اعتقادی ہوتا ہے۔ گیس کی روحانی حالت اچھی تھی،

مگر اُس کی جسمانی حالت اتنی اچھی نہ تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ کسی شخص کی جسمانی حالت کو اُس کی روحانی حالت کی دلیل نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

آیت ۳- ”جب بھائیوں نے آکر تیری اُس سچائی کی گواہی دی ... تو میں نہایت خوش ہوا۔“
 گیس ”سچائی“ پر چلتا تھا۔ بہت اچھی بات ہے کہ ہم میں سچائی ہو۔ لیکن بہت بہتر ہے کہ ہماری زندگیوں سے اس ”سچائی“ کا اظہار ہو۔ ہم ہی سچائی کو تھامے نہ رہیں، بلکہ چاہئے کہ سچائی ہم کو تھامے ہو۔ لوگ وعظ ”سُفہ“ کی نسبت وعظ ”دیکھنا“ زیادہ پسند کرتے ہیں۔ ہم حقائق کی دنیا میں رہتے ہیں۔ یہاں پاکیزہ زندگی سے بڑھ کر کوئی چیز خدا کی گواہ نہیں ہو سکتی۔

آیت ۴- ”یوحنا اس بات کو اتنا اہم سمجھتا تھا کہ وہ کہتا ہے کہ ”میرے لئے اس سے بڑھ کر اور کوئی خوشی نہیں کہ میں اپنے فرزندوں کو حق پر چلتے ہوئے سُنوں۔“ شاید ہم میں سے بعض لوگ یہ سوچتے ہیں کہ رُوحوں کو جتنا سچی زندگی کی سب سے بڑی خوشی ہے۔ اور حقیقت میں یہ ہے بھی بہت خوشی کی بات کہ ہم رُوحوں کو تاریکی کی بادشاہی سے نکل کر انہیں خدا کے پیادے بیٹے کی بادشاہی میں داخل ہوتا دیکھیں۔ یہ فرش سے عرش پر جانے کے مترادف ہے۔ لیکن اُس دردِ دل کا اندازہ کون لگا سکتا ہے جو نجات یافتہ ہونے کا دعویٰ کرنے والوں کو اپنی سابقہ زندگیوں واپس جاتے دیکھ کر پیدا ہوتا ہے؟ یہ آئے ہی ہے جیسے ننلائی ہوئی سُورنی دلدل میں لوٹنے کو اودگتا اپنی ہی قے چاٹنے کو مڑتا ہے۔ اس کے برعکس انسان کو کیسی مسرت اور شادمانی ہوتی ہے کہ وہ اپنے روحانی فرزندوں کو خداوند میں اور فضل سے فضل تک ترقی کرتے ہوئے دیکھے۔ یہاں اس بات کی اہمیت پھر واضح ہوتی ہے کہ جنہوں نے خداوند کو قبول کر لیا ہے ان کی بعد میں دیکھ بھال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔

۲۔ خدا پرست گیس (آیات ۵-۸)

آیت ۵- گیس کو اس بات سے بے حد خوشی ہوتی تھی کہ میرے گھر کے دروازے اُن افراد کے لئے کھلے رہیں جو انجیل کی منادی کرنے کو نکلے ہوئے ہیں۔ اُس کی مہمان نوازی صرف اپنے واقف کاروں اور جاننے والوں ہی تک محدود نہ تھی، بلکہ ”پر دیسی“ بھی اس سے مستفید ہوتے تھے۔ یوحنا کہتا ہے کہ گیس یہ خدمت ”دیانت سے“ کرتا تھا۔ نئے عہد نامہ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ مہمان نوازی خدا کی نظر میں بہت اہمیت رکھتی ہے۔ اگر ہم خداوند کے لوگوں کی خاطر مدارات کرتے ہیں تو یہ خود خداوند کی خاطر مدارات کرنے کے برابر ہے (متی ۲۵: ۴۰)۔ اس کے برعکس اگر ہم اُس

کے خادموں کی خبر گیری کرنے سے قاصر رہتے ہیں تو خداوند کی خبر گیری کرنے سے قاصر رہتے ہیں (متی ۲۵: ۲۵)۔
 پر دیسیوں کی مہمان نوازی کرنے میں ”بعض نے بے خبری میں فرشتوں کی مہمان داری کی ہے“ (عبرانیوں ۱۳: ۲)۔
 بہت سے لوگ گواہی دے سکتے ہیں کہ مہمان نوازی پر عمل کرنے کے باعث ان کو بڑی برکت حاصل ہوئی (لوقا ۲۴: ۲۹-۳۵)۔ بچے تبدیل ہو کر ایمان لے آئے اور خاندان خداوند کے زیادہ قریب آ گئے۔

آیت ۶۔ اجر بھی ملتے ہیں۔ گیس کی مہربانی اور مہمان نوازی ساری ”کیلیسیا“ میں مشہور تھی۔ لیکن اس سے بھی بڑھ کر یہ حقیقت ہے کہ اُس کا نام ایک ایسے شخص کے طور پر خدا کے پاک کلام میں ہمیشہ کے لئے درج ہے جس کے دل اور گھر کے دروازے کھلے رہتے تھے۔ علاوہ ازیں گیس کو مسیح کے تختِ عدالت پر اجر ملے گا، کیونکہ ”جو نبی کے نام سے نبی کو قبول کرتا ہے وہ نبی کا اجر پائے گا“ (متی ۱۰: ۴۱)۔ وہ ان سب مُبَشِّرِیوں کے انعام میں حصہ دار ہو گا جن کی اُس نے مہمان نوازی کی۔ جو لوگ بشارت نہیں دے سکتے ان کو یہ نکتہ خوب یاد رکھنا چاہئے۔ خداوند کے نام میں مُبَشِّرِیوں کی مہمان نوازی کر کے آپ بھی مُبَشِّرِی کا اجر پا سکتے ہیں۔ خدا ہر نیک اور اچھے کام کا بدلہ دے گا! اُس کی مہربانی انسان کی مہربانی سے کہیں زیادہ ہوگی۔

اب یوحنا گیس کو یاد دلاتا ہے کہ ”اگر تو انہیں اس طرح روانہ کرے گا جس طرح خدا کے لوگوں کو مناسب ہے تو اچھا کرے گا۔“ یہاں ”روانہ“ کرنے سے مراد صرف دوستانہ الوداع کہنا نہیں، بلکہ کافی زور دہ دے کر روانہ کرنا ہے۔ بے شک یہ ہمارے لئے بہت اُونچا معیار قائم کرتا ہے کہ جو لوگ منادی کرتے اور تعلیم دیتے ہیں ہم ان کو اپنی مادی چیزوں میں شریک کریں۔

آیت ۷۔ ایک خاص سبب بتایا گیا ہے کہ گیس کیوں ان گشتی مُبَشِّرِیوں کا مددگار ہو۔ کیونکہ وہ اُس نام کی خاطر نکلے ہیں اور غیر قوموں سے کچھ نہیں لیتے۔ یہ لوگ اپنی ضروریات کے بارے میں صرف خداوند کی طرف دیکھتے تھے۔ وہ غیر نجات یافتہ لوگوں سے مدد قبول نہیں کرتے تھے۔ ایسا کرنے کا مطلب ہوتا کہ ہمارا مالک اتنا غریب ہے کہ ہماری ضروریات پوری نہیں کر سکتا، اور اس طرح اپنی ہی نظریں راست باز لوگوں کو باتیں بنانے کا بلا وجہ موقع مل جاتا ہے۔ آج کی مسیحی دُنیا پیسے جمع کرنے کے کیا کیا طریقے استعمال نہیں کرتی! یہ بات کیسی بدنامی کا باعث ہے! اس سے ہمیں یاد آنا چاہئے کہ خداوند کے ان خادموں کے لئے ہماری کیا ذمہ داری ہے جو زندہ خدا پر ایمان میں نکلتے ہیں اور جو اپنی ضروریات ہوائے خداوند کے کسی کو نہیں بتاتے۔

آیت ۸۔ ”پس ایسوں کی خاطر داری کرنا ہم پر فرض ہے تاکہ ہم بھی حق کی تابندگی میں ان کے ہم خدمت

ہوں۔ اُن کی خاطر داری کرنا سے مراد ہے ”سچائی“ کو آگے پھیلانے میں ہم اُن کی ہر ممکن مدد کریں۔

۳- امر دیتیرفیس (آیات ۹-۱۱)

آیت ۹- معلوم ہوتا ہے کہ یوحنا نے انہی سطور پر ”کلیسیا“ کو لکھا تھا، مگر ”دیتیرفیس“ نامی اِس شخص نے وہ خط راستہ ہی میں اچک لیا۔ یہ شخص اپنے آپ کو بھرت ”بڑا“ سمجھتا تھا۔ وہ جماعت میں آسنا بیٹھا تھا۔ اُس کا گناہ یہ تھا کہ اپنے منصب پر بے حد فخر کرتا تھا، انا پرست اور شدید حسد کا شکار تھا۔ وہ ان باتوں کو اپنا حق سمجھتا تھا اور ان کو مقامی کلیسیا کی خود مختاری کا نام دے کر ان کا دفاع کرتا تھا۔ دیتیرفیس بھول گیا تھا کہ کلیسیا کا سر مسیح ہے۔ اور شاید اُسے اِس حقیقت کی کوئی خبر ہی نہ تھی۔ وہ یہ بھی بھول گیا تھا کہ رُوح القدس کلیسیا میں مسیح کا نائب یا نمائندہ ہے۔ کسی انسان کو یہ اختیار اپنے ہاتھ میں لینے، فیصلے کرنے، کسی کو کلیسیا میں شامل کرنے، یا رد کرنے کا حق نہیں۔ یہ کردار تو خدا کا اعلیٰ بن بیٹھے والی بات ہے جو خدا کو ہرگز پسند نہیں۔ بے شک دیتیرفیس اپنے اِس کردار کے حق میں یہ عذر پیش کرتا ہو گا کہ میں توسپائی کا دفاع کرتا ہوں۔ بلاشبہ یہ بات جھوٹ تھی اور توسپائی کو ناقابلِ بیان نقصان پہنچا رہا تھا اور بھانہ کرتا تھا کہ میں خدا کا وفادار ہوں۔ وہ نہ صرف رسول کی بلکہ دوسرے بھائیوں کی بات بھی نہیں مانتا تھا۔

آیت ۱۰- نہ صرف وہ اُن سچے ایمان داروں کی بات پر کان دھرنے سے انکار کرتا تھا، بلکہ جو اُن کی صفے اور مانتے تھے اُن کو کلیسیا سے خارج کر دیتا تھا۔ وہ طاقت اور اختیار کا بھوکا تھا۔ وہ خدا کے سچے خادموں کے خلاف ”بری باتیں بکتا“ تھا۔ جب یوحنا اگلی دفعہ وہاں کی جماعت کو بر ملنے آئے گا تو اُسے یہ سب کچھ یاد دلائے گا! جو لوگ تو دہی سردار بن بیٹھے ہیں وہ خدا کے کلام کا سامنا نہیں کر سکتے، بلکہ اپنی ہی نظر میں رد ہو جاتے ہیں۔ اُن کے اقتدار کا دار و مدار تنقید میڈنگوں اور دھونس اور دھاندلی پر ہوتا ہے۔

آیت ۱۱- یوحنا اب گیس کو نصیحت کرتا ہے کہ ایسی ”بری“ کے کردار سے پہلو بچائے اور ”نیکی کی پیروی“ کرے۔ نیک کام ”خدا“ کے ساتھ تعلق کا ثبوت ہوتے ہیں۔ اِس بات کے پیش نظر یوحنا رسول دیتیرفیس کی روحانی حالت کے بارے میں زبردست شکوک کا اظہار کرتا

۴۔ جاں نثار دیمیتریس (آیت ۱۲)

غالباً ”دیمیتریس“ اس خط کو لے کر گیا تھا۔ بہر حال ”دیمیتریس“ کے بارے میں سب نے اور خود حق نے بھی گواہی دی۔ ایف۔ بی۔ تول کہتا ہے کہ

غور کریں، بات یہ نہیں کہ اُس نے سچائی کے حق میں گواہی دی، بلکہ یہ کہ سچائی (حق) نے اُس کے بارے میں گواہی دی۔ دیمیتریس وہ معیار نہیں تھا جس پر سچائی کو پرکھا جاتا، بلکہ سچائی (حق) وہ معیار (کٹھنٹی) ہے جس پر اُس کو پرکھا گیا، اور وہ صحیح ثابت ہوا۔

۵۔ رسول کا منصوبہ اور کلمہ برکت (آیات ۱۳، ۱۴)

یونہی رسول اس خط کو اسی طرح ختم کرتا ہے جس طرح دوسرے خط کو کیا تھا کہ ”بات چیت“ کو ”روبرو“ ملاقات تک اٹھا رکھتا ہے۔ ہم ان خطوط کے لئے رسول کے بے حد ممنون اور احسان مند ہیں۔ یہ خطوط ہمیں ابتدائی دور میں مسیحی کلیسیا کی زندگی کے اندر تک دیکھنے کا موقع فراہم کرتے ہیں اور خدا کے لوگوں کے لئے دائمی ہدایت ہیں۔ وہ وقت بہت جلد آ رہا ہے جب ہم آسمان میں روبرو ہو کر بات چیت کریں گے۔ اس وقت ہم خدا کے مکاشفہ کی ان باتوں کو بہت اچھی طرح سمجھیں گے جو اس وقت مجہوم معلوم ہوتی ہیں۔

یہوداہ کا خط

تعارف

”چند مسطور پر مبنی، لیکن آسمانی فضل کے طاقتور الفاظ سے بھر پور خط۔“

اور غنیم

۱۔ کتبِ مسلمہ میں مقام

یہوداہ بڑی خوشی سے مسیحی ایمان کے بارے میں لکھنے کو ترجیح دیتا جس میں اُس کے قارئین بھی شریک تھے۔ لیکن جھوٹی تعلیمات اس قدر تیزی سے پھیل رہی تھیں کہ وہ یہ التماس لکھنے پر مجبور ہو گیا کہ ”تم اُس ایمان کے واسطے جانفشانی کرو جو مقدسوں کو ایک ہی بار سونپا گیا تھا۔“

یہوداہ گھما پھرا کر بات نہیں کرتا بلکہ وہ صاف صاف بات کرتا ہے تاکہ بدنام زمانہ بدعتی بے نقاب ہو جائیں۔ وہ ایمان داروں کو جھنجھوڑنے اور غیرت دلانے کے لئے فطرت سے، پرانے عہد نامہ سے اور یہودی روایت سے (حنوک) مثالیں پیش کرتا ہے۔

سخت زبان اور لہجے کے باوجود یہ خط اُسلوب کا شاہکار ہے۔ اس میں جگہ جگہ مددِ مرقی موقی (مثلاً آیت ۱۱ میں تین بُرائیاں) برٹے ہوئے ہیں۔ برگشتہ لوگوں کا بیان نہایت واضح اور ناقابلِ فراموش ہے۔

یہوداہ خط کا اختتام نہایت خوبصورت کلمہ برکت سے کرتا ہے۔ کیسیا اس کلمہ برکت کے لئے اُس کی عیشہ تک احسان مند رہے گی۔ بے شک اُس کا خط چھوٹا ہے، مگر آج کی دنیا میں جہاں برگشتگی روز افزوں ہے اس کی اشد ضرورت ہے۔

۲۔ مصنف

خارجی شہادت

اگرچہ یہ خط بہت مختصر ہے، اس میں غیر مصدقہ مواد استعمال ہوا ہے، اور یہ کسی رسول کی تصنیف بھی نہیں (آیت ۱۴) تو بھی ۲۔ پطرس کی نسبت خارجی شہادتیں اس کی زیادہ توثیق کرتی ہیں۔

ہر اس، پالکارپ اور غالباً آئینا گرس نے بھی اس خط سے مواد مستعار لے کر استعمال کیا ہے۔ مصلحان
تو خاص طور سے کہتا ہے کہ یہوداہ نے حنوک کی مثال دی ہے۔ مروتوری فہرست اس خط کو یہوداہ کی
تصنیف مانتی ہے۔

داخلی شہادت

یہوداہ بہت مقبول یہودی نام تھا۔ نئے عہد نامہ میں 'یہوداہ' نام کے سات افراد کا ذکر ہے۔
ان میں سے تین کے بارے میں رائے ظاہر کی گئی ہے کہ وہ 'یعقوب' کا بھائی 'یہوداہ' ہے جس نے
یہ خط تحریر کیا ہے۔

۱۔ یہوداہ (اسکریوٹی نہیں جس نے خود کشی کر لی تھی) رسول چونکہ آیت ۱۷ واضح طور پر مصنف
کو رسولوں سے الگ کرتی ہے۔ اور چونکہ اگر مصنف رسول ہونے کا دعویٰ کرتا تو اس کی حیثیت مضبوط ہو
سکتی تھی، اس لئے نہایت ہوتا ہے کہ مصنف یہوداہ رسول نہیں ہے۔

۲۔ وہ یہوداہ جو ایک بزرگ (لیڈر) تھا اور جس کو پوسس، برناباس اور سیلاس کے ساتھ انطاکیہ
بھیجا گیا تھا (اعمال ۱۵: ۲۲)۔ یہ ہو سکتا ہے، لیکن کوئی بھی شہادت اس خط کو اس شخص کے ساتھ
منسلک نہیں کرتی۔

۳۔ وہ یہوداہ جو ہمارے خداوند کا چھوٹا سوتیل بھائی اور یعقوب کا بھائی (یعقوب کے خط کا
تعارف دیکھئے) تھا۔ اس کے حق میں شہادتیں زیادہ مضبوط ہیں۔ فطرت سے مثالیں دینے اور کاٹ دار
اور رنگین انداز استعمال کرنے میں وہ خداوند یسوع اور یعقوب کے برابر نظر آتا ہے۔ ہم اس نظریہ کو
مانتے ہیں۔

اپنے بھائی یعقوب کی طرح یہوداہ بھی نہایت شریف الطبع شخص تھا۔ وہ منجی دو عالم کے ساتھ
اپنے جسمانی رشتہ سے فائدہ اٹھانے سے قطعی گریز کرتا ہے۔ آخر اہمیت تو خداوند یسوع کے ساتھ
روحانی رشتہ کو ہے۔ کیا مسیح نے نہیں فرمایا تھا کہ جو کوئی میرے آسمانی باپ کی مرضی پر چلے وہی میرا بھائی
اور میری بہن اور ماں ہے (متی ۵۰: ۱۲)؟ ایک اور موقع پر اُس نے کہا تھا کہ جوئی رشتہ داروں سے
زیادہ مبارک وہ ہیں جو خدا کا کلام سنتے اور اُس پر عمل کرتے ہیں (کونیا ۱۱: ۲۷-۲۸)۔

یعقوب کی طرح یہوداہ نے بھی یسوع مسیح کا 'بندہ' (غلام) ہونا زیادہ قبول کیا۔ چونکہ یہ دونوں
بھائی شروع میں اپنے نصف برادر پر ایمان نہیں رکھتے تھے بلکہ اُس کے جی اٹھنے کے بعد ہی

ایمان لائے تھے، اس لئے اُن کے لئے ایسی ہی رُوح کا اظہار کرنا زیادہ موزوں تھا۔ یہوداہ شادی شدہ تھا اور اشارتی دُوروں میں اپنی بیوی کو ساتھ رکھتا تھا (۱- کرنتھیوں ۹: ۵)۔ سنہ ۷ء کے دہے میں یہوداہ کے پوتوں کو شہنشاہ دو مپطیان کے سامنے پیش کیا گیا۔ اُن پر یہی ہونے کا الزام تھا۔ شہنشاہ نے دیکھا کہ برسوں کا شتکاری کرنے کے باعث اُن کے ہاتھ سخت اور کھردرے ہیں، اس لئے اُن کو چھوڑ دیا کہ یہ توبہ ضرور یہودی ہیں۔

۳۔ سن تصنیف

یہ بات تصنیف طلب ہے کہ پطرس نے یہوداہ سے مواد استعمال کیا یا یہوداہ نے پطرس سے، یا دونوں نے کسی مشترک ماخذ سے استفادہ کیا۔ دونوں میں مُشابہات اتنی بڑی ہیں کہ اسے اتفاق کہنا ممکن نہیں۔ چونکہ پطرس اپنے دوسرے خط میں (۲: ۱ اور ۳: ۳) لکھتا ہے کہ ہنسی ٹھٹھا کرنے والے اور جھوٹے نبی یا استاد ”آئیں گے“ اور یہوداہ کہتا ہے (آیت ۴) کہ ایسے شخص ”چٹکے سے ہم میں آئے ہیں“ اس لئے امکان نظر آتا ہے کہ یہوداہ کا خط بعد کی تحریر ہے۔ چونکہ یہوداہ یرشلیم کی بڑا ہی (سنہ ۷ء) کا کوئی ذکر نہیں کرتا، اس لئے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ابھی نہیں ہوا تھا۔ اس طرح یہ خطرہ ۶۷ء اور سنہ ۷ء کے درمیانی سالوں میں لکھا گیا ہوگا۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کچھ عرصہ پہلے یہ واقعہ ہو چکا تھا (اگر یہوداہ کا خط سنہ ۷۰ء یا ۷۵ء میں لکھا گیا تھا)۔ بشرطیکہ فرض کیا جائے کہ یہوداہ اتنی دیر زندہ رہا۔ ایک اور امکان یہ ہے کہ اس واقعہ نے ایسے گہرے زخم لگائے تھے کہ کوئی حساس یہودی اسے مثال کے طور پر استعمال نہیں کر سکتا تھا۔

۴۔ پس منظر اور موضوع

یہوداہ کو برگشتگی کی فکر تھی۔ اُس کے زمانہ میں بھی مذہبی مفاد پرست افراد کلیسیا میں چٹکے چٹکے سرگرم عمل تھے۔ خُدا کے خادموں کے بہرُوپ میں وہ مسیح کی صلیب کے دشمن تھے۔ یہوداہ کا مقصد ان خُداروں کو بے نقاب کرنا اور اُن کے حشر کا بیان کرنا تھا۔

”برگشتہ یا مُرتد وہ شخص ہوتا ہے جو دعویٰ تو سچا ایمان دار ہونے کا کرتا ہے، مگر دُر اصل اُسے نہی پیدا شش کا کوئی تجربہ نہیں ہوتا۔ وہ بپتسمہ بھی لے لیتا ہے، اور مقامی کلیسیا کی تمام سرگرمیوں، رُسومات اور شعائر میں پورے طور پر شریک بھی ہوتا ہے۔ لیکن کچھ

مدت کے بعد وہ دیدہ دانستہ مسیحی ایمان سے منحرف ہو جاتا ہے اور بدبیتی کے ساتھ منجی کا انکار کرتا ہے۔ مسیح کی الوہیت کا، کٹوری پر اُس کے کفارہ کے کام کا، اُس کے جسمانی طور پر جی اٹھنے کا اور دوسرے بنیادی عقائد کا انکار کرتا ہے۔

یہاں صرف پیچھے ہٹ جانے یا سست پڑ جانے کا سوال نہیں بلکہ دراصل ایسا برگشتہ شخص کبھی ایمان لایا ہی نہیں تھا، تبدیل ہوا ہی نہیں تھا۔ وہ خدا کے مہیا کردہ نجات کے واحد راستہ کی دیدہ دانستہ حقارت کرتا ہے مگر اسے ذرہ بھر پیشانی نہیں ہوتی۔ وہ اپنی بے ایمانی میں بڑا سخت اور کٹھن ہوتا ہے اور پوری ڈھٹائی کے ساتھ خدا کے مسیح کی مخالفت کرتا ہے۔

برگشتگی منجی کے صرف انکار کا سوال ہی نہیں، انکار تو پطرس نے بھی کیا تھا۔ پطرس سچا ایماندار تھا۔ وہ بحران کے دباؤ تلے جھک گیا۔ مگر وہ خداوند کو دل سے پیار کرتا تھا، اور توبہ کر کے اور بحال ہونے سے اُس نے اپنے ایمان کی حقیقت اور سچائی ثابت کر دی۔

یہوداہ اسکریوتی برگشتہ تھا۔ وہ سن گرد ہونے کا دعویٰ کرتا تھا۔ وہ تقریباً تین برس تک خداوند یسوع کے ساتھ ساتھ رہا۔ یہاں تک کہ اُس خاص گروہ کا خزانچی بھی تھا۔ لیکن آخر کار اُس نے اپنی اصلیت ظاہر کر کے چاندی کے تیس سکوں کے عوض خداوند کے ساتھ غداری کی۔

برگشتگی وہ گناہ ہے جس کا نتیجہ موت ہے۔ ایسا گناہ کہ ایمان داروں کی دُعائیں اُس کی معافی کی ذمہ دار نہیں ہو سکتیں (۱-یوحنا ۵: ۱۶ ب)۔ برگشتہ شخص کو توبہ پر مائل کرنا ناممکن ہوتا ہے، اس لئے کہ وہ اپنی طرف سے خدا کے بیٹے کو دوبارہ مصلوب اور ذلیل کرتا ہے (عبرانیوں ۶: ۶)۔ جو لوگ سچائی کی پہچان حاصل کرنے کے بعد جان بوجھ کر اس طرح گناہ کرتے ہیں اُن کے لئے ”گناہوں کی کوئی اور قربانی باقی نہیں رہی۔ ہاں عدالت کا ایک ہولناک انتظار اور غضب ناک آتش باقی ہے جو مخالفوں کو کھلے گی“ (عبرانیوں ۱۰: ۲۶، ۲۷)۔

ابتدائی دور کی کلیسیا میں برگشتگی کے بیچ پہلے ہی بوئے جا چکے تھے۔ پولس نے افسس کے بزرگوں کو خبردار کیا تھا کہ میرے بعد بھاڑنے والے بھیڑیے آئیں گے جو گلے پر ہرگز ترس نہیں کھائیں گے۔ اور کہ اُن ہی میں سے ایسے آدمی برپا ہوں گے جو اُلٹی اُلٹی باتیں کہیں گے تاکہ مشاگردوں کو اپنی طرف کھینچ لیں (اعمال ۲۰: ۲۹-۳۰)۔ یوحنا نے بھی اپنے پہلے خط میں اُن مخالفین مسیح کا ذکر کیا ہے جو مسیحی رفاقت میں شامل تھے مگر اُس کو چھوڑ کر اپنے جھوٹ کو ظاہر کر دیا، یعنی اپنے ایمان سے منحرف ہو گئے (۱-یوحنا ۲: ۱۸، ۱۹)۔

۲۔ تھسلنکیوں ۲:۲-۴ میں ہم پڑھتے ہیں کہ خداوند کے دلی سے پہلے زبردست برگشتگی ہوگی۔ ہماری سمجھ کے مطابق ترتیب یوں ہوگی کہ

اول۔ خداوند ہوا میں آئے گا تاکہ کلیسیا کو باپ کے گھر میں لے جائے (یوحنا ۱۴:۱-۱۳)۔
تھسلنکیوں ۴:۱۳-۱۸)۔

دوم۔ پیچھے رہ جانے والے نام نہاد مسیحی بڑی تعداد میں مسیحیت سے پھر جائیں گے۔
سوم۔ گناہ کا شخص دنیا کے شیخ پر ظاہر ہوگا۔

چہارم۔ پھر خداوند کا دن — یعنی بڑی مصیبت کا سات سالہ دور شروع ہوگا۔
گناہ کا شخص سب سے بڑا برگشتہ شخص ہوگا۔ وہ نہ صرف مسیح کی مخالفت کرے گا، بلکہ یہ تقاضا کرے گا کہ میری پرستش کرو کیونکہ میں خدا ہوں۔

پطرس اُن برگشتہ جھوٹے استادوں کی تفصیلی تصویر پیش کرتا ہے جو اخیر دنوں میں برپا ہوں گے (۲۔ پطرس باب ۲)۔ بعض پہلوؤں سے پطرس کا بیان یہوداہ کے بیان کے متوازی نظر آتا ہے۔ مندرجہ ذیل حوالوں کا مقابلہ کرنے سے یہ مشابہات دیکھی جاسکتی ہیں :

یہوداہ	۲۔ پطرس
آیت ۲	۲: ۱-۳
آیت ۷	۲: ۶
آیت ۸	۲: ۱۰
آیت ۹	۲: ۱۱
آیت ۱۰	۲: ۱۲
آیت ۱۶	۲: ۱۸

مگر حقیقت میں ان مشابہات کی نسبت ان میں پائے جانے والے اختلافات زیادہ اہم ہیں۔ یہوداہ نوح، طوفان یا ٹوٹ کا کوئی ذکر نہیں کرتا۔ پطرس مقرر سے بچ نکلنے والے اسرائیلیوں، میکائیل، تائفن، قورح یا جنوک کی نبوت کا ذکر نہیں کرتا۔ وہ اُن فرشتوں کے بارے میں کوئی زیادہ معلومات نہیں دیتا جنہوں نے گناہ کیا تھا، جبکہ یہوداہ اُن کا بیان کرتا ہے۔ پطرس جھوٹے استادوں کا بیان کرتے ہوئے کہتا ہے کہ انہوں نے اُس مالک (خداوند) کا انکار کیا جس نے اُن کو خریدا ہے۔ جبکہ یہوداہ کہتا ہے کہ ”یہ بے دین ہیں اور ہمارے خدا کے فضل کو شہوت پرستی سے بدل ڈالتے ہیں۔ اور ہمارے

واحد مالک اور خداوند یسوع مسیح کا انکار کرتے ہیں۔ (آیت ۴)۔

ہمیں ان دونوں ابواب کو بعینہ ایک دوسرے کے مماثل نہیں سمجھنا چاہیئے، بلکہ جاننا چاہیئے کہ ہر دو حالتوں میں روح القدس نے اپنے مقصد اور ارادہ کو پورا کرنے کے لئے مواد کا انتخاب کیا ہے۔ اور دونوں باب ایک دوسرے کے اتنا مشابہ نہیں جتنا پہلی نظر میں دکھائی دیتے ہیں۔ جن افراد نے چاروں اناجیل کا مطالعہ کیا ہے اور افسیوں اور کلمتیوں کے نام خطوط کا موازنہ کیا ہے وہ جانتے ہیں کہ خدا کا روح بلاوجہ باتوں کو نہیں دہراتا۔ ان مشابہات اور اختلافات کے پیچھے روحانی معنی ہیں۔ ہمارے پاس دیکھنے والی آنکھیں ہونی چاہئیں۔

خاکہ

۱۔ سلام (آیات ۲۱)

۲۔ برگشتہ لوگوں کو بے نقاب کیا جاتا ہے (آیات ۱۶-۳)

۳۔ برگشتگی کے درمیان ایمان دار کا کردار (آیات ۲۳-۱۷)

۴۔ خوبصورت کلمہ برکت (آیات ۲۵، ۲۴)۔

تفسیر

۱۔ سلام (آیات ۲۱)

آیت ۱۔ خدا نے راست باز ”یہوداہ“ کو برگشتہ لوگوں کو بے نقاب کرنے کے لئے استعمال کیا۔ ایک اور یہوداہ۔۔۔ یہوداہ اسکریوتی ان برگشتہ لوگوں کا سب سے عبرت ناک نمونہ ہے۔ اس نیک ”یہوداہ“ کے بارے میں جو بات ہم یقینی طور پر جانتے ہیں یہ ہے کہ وہ ”یسوع مسیح“ کا بندہ اور یعقوب کا بھائی تھا۔

اس آیت میں مکتوب الیہمان کو مخاطب کرتے ہوئے یہوداہ تین القاب استعمال کرتا ہے جو سچے ایمان داروں پر صادق آتے ہیں۔ وہ ”بلائے ہوئے“ ہیں اور خدا باپ میں عزیز اور یسوع مسیح کے لئے محفوظ ہیں۔ خدا نے ان کو انجیل کے وسیلہ سے دنیا میں سے بلایا ہے، تاکہ اُس کے ہو جائیں۔ خدا نے ان کو اپنے لئے الگ اور مخصوص کر لیا ہے تاکہ اُس کے خاص اور پاکیزہ لوگ ہوں۔ وہ معجزانہ طور پر خطرہ، نقصان، ناپاکی اور ہلاکت سے محفوظ کئے گئے ہیں۔ بالآخر ان کو بادشاہ کے سامنے لایا جائے گا تاکہ اُس کا شہنشاہ و جمال دیکھیں۔

آیت ۲۔ یہوداہ اپنے قارئین کو ”رحم اور اطمینان اور محبت“ کی دعا دیتا ہے۔ یہ دعا ان لوگوں کے خاص طور پر حسب حال ہے جنہیں ایمان کو تہس نہس کرنے والوں کے تابڑ توڑ حملوں کا سامنا تھا۔ ”رحم“ کا مطلب ہے خدا کا تسلی سے بھرا ہوا سکون جو وہ کشمکش اور جدوجہد کے ایام میں اپنے مقدسوں کو مہیا کرتا ہے۔ ”اطمینان“ سے مراد وہ اعتماد اور سکونِ خاطر ہے جو خدا کے کلام پر بھروسہ کرنے اور پیش آمدہ حالات کی بجائے اُس ہستی کو دیکھنے سے حاصل ہوتا ہے جو اپنے مقاصد کو پورا کرنے کے لئے حالات کو باطل کر دیتا ہے۔ ”محبت“ خدا کا اپنے لوگوں کو گلے لگانا ہے جبکہ وہ اس کے حقدار بھی نہیں۔ یہ وہ اعلیٰ ترین شفقت ہے جس میں ہمیں دوسروں کو شریک کرنا لازم ہے۔ وہ دعا مانگتا ہے کہ یہ تینوں برکات ”زیادہ“ ہو جائیں۔

۲۔ برگشتہ لوگوں کو بے نقاب کیا جاتا ہے (آیات ۳-۱۶)

آیت ۳۔ یہوداہ کا اصل ارادہ جلالی نجات کی بابت لکھنے کا تھا جس میں ”سب ایمان دار شریک ہیں“۔ لیکن خدا کے رُوح نے اس اطاعت پذیر کتاب پر ایسا اثر کیا کہ اُس نے جان لیا کہ رُخ تبدیل کرنا ضروری ہے۔ تعلیم یا عقیدہ کے بارے میں ایک عام مقالہ سے بات نہیں بنے گی۔ صرف ایک پُر جوش اپیل ہی قارئین کو مضبوط کر سکتی ہے۔ اُن کو ابھارنا ہوگا کہ ”ایمان کے واسطے جانفشانی“ کریں۔ مسیحی ایمان کے مقدس ذخیروں پر چلے گئے جا رہے تھے۔ کوششیں کی جا رہی تھیں کہ عظیم بنیادی عقائد کی بڑیں کاٹ ڈالی جائیں ضرورت تھی کہ خدا کے لوگ خدا کے پاک کلام کے لئے ڈٹ جائیں کہ یہ الہامی اے خطا، با اختیار، مُصدقہ اور کافی ہے۔

لیکن ایمان کی خاطر لڑتے ہوئے بھی ایمان دار کا فرض ہے کہ ایک مسیحی کی طرح بولے اور عمل کرے جیسا کہ پُلُس نے لکھا ہے کہ ”مناسب نہیں کہ خداوند کا بندہ جھگڑا کرے بلکہ سب کے ساتھ نرمی کرے اور تعلیم دینے کے لائق اور مُردہ بار ہو“ (۲۔ تیمتھیس ۲: ۲۴)۔ وہ ”جانفشانی“ کرے مگر جھگڑاؤ نہ ہو اور خدا کے کلام اور اپنے ایمان کی اس طرح تصدیق کرے کہ اُس کی گواہی رائیگاں نہ ہو۔

جس چیز کے لئے ہم ”جانفشانی“ کرتے ہیں وہ ”ایمان“ ہے جو مقدسوں کو ایک ہی بار سونپا لیا تھا۔ غور کریں کہ ایک بار نہیں بلکہ ”ایک ہی بار“ کہا گیا ہے۔ ایمان مکمل ہے۔ عقائد کی تکمیل ہو چکی ہے۔ اس میں کچھ اضافہ نہیں کیا جاسکتا۔ عقیدہ / ایمان کی ”بات اگر نئی ہے تو سچی نہیں، اگر سچی ہے تو نئی نہیں۔“ جب کوئی اُستاد دعویٰ کرتا ہے کہ مجھے وہ مکاشفہ ملا ہے جو بائبل مقدس میں موجود مکاشفہ سے آگے اور اوپر ہے تو ہم اُسے فوراً رد کر دیتے ہیں۔ ایمان سونپا جا چکا ہے، ہمیں اس کے علاوہ نہ کسی چیز کی ضرورت ہے، نہ ہم کسی بات پر کان دھرتے ہیں۔ جھوٹے رُخوں اور مسالک کے لیڈروں کو ہمارا یہی جواب ہے جو اپنے اپنے مکاشفہ لئے پھرتے ہیں اور کہتے پھرتے ہیں کہ یہ بھی پاک نوشتوں اور صحیفوں کی طرح مستند ہیں۔

آیت ۴۔ جس خطرے سے خبردار کیا گیا اُس کی نوعیت کا بیان آیت ۴ میں ہوا ہے۔ تروبالا کرنے والے عناصر مسیحی رفاقت پر یکبارہ کر رہے تھے۔ بعض ایسے شخص چپکے سے اُن میں آئے تھے۔ دھوکے اور فریب کی ایک خفیہ تحریک چل رہی تھی۔

ان خفیہ تحریک والوں کی ”سزا کا ذکر قدیم زمانہ میں پیشتر سے لکھا گیا تھا“ لگتا ہے کہ خدا نے

ان خاص افراد کو ہلاکت کے لئے چن لیا تھا، مگر مطلب یہ نہیں ہے۔ بائبل مقدس کبھی تعلیم نہیں دیتی کہ بعض لوگوں کو ہلاکت کے لئے چن لیا جاتا ہے۔ جب لوگ نجات پاتے ہیں تو خدا کے فضل سے پاتے ہیں۔ لیکن جب وہ بالآخر ہلاک ہوتے ہیں تو اپنے گناہ اور نافرمانی کے باعث ہوتے ہیں۔

ان الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ برگشتہ لوگوں کی "سزا" کا فیصلہ بہت عرصہ پیشتر سے ہو چکا ہے۔ اگر لوگ مسیحی ایمان سے پیچھے ہٹ جانے کا انتخاب کریں تو پھر ان کو وہ "سزا" ملے گی جو ایمان نہ رکھنے والے اسرائیلیوں کو بیابان میں، باغی فرشتوں اور سردیوں کو مل چکی تھی۔ وہ پہلے سے مقرر نہیں کئے گئے تھے کہ پیچھے ہٹ جائیں یا برگشتہ ہو جائیں۔ انہوں نے برگشتہ ہونے کا فیصلہ خود کیا۔ چنانچہ ان کو وہ سزا ملی جو سب برگشتہ ہونے والوں کے لئے پہلے سے مقرر ہو چکی ہے۔

ان "بے دین" افراد کی دو خاص خصوصیات ہیں۔ ایک تو ان کا کردار کھوٹا اور خراب ہے۔ دوسرے ان کی تعلیم بگڑی ہوئی اور خراب ہے۔ اپنے کردار میں وہ "خدا کے فضل کو شہوت پرستی سے بدل ڈالتے ہیں"۔ وہ مسیحی آزادی کو توڑ مرد کر گناہ کرنے کا "اجازت نامہ" بنا لیتے ہیں اور اپنی تعلیم میں وہ "ہمارے واحد مالک اور خداوند یسوع مسیح کا انکار کرتے ہیں"۔ وہ اس کی حاکمیت، الوہیت، عوضی موت، قیامت — غرض اس کی ذات اور کام سے متعلق ہر بنیادی اور ضروری تعلیم کا "انکار کرتے ہیں"۔ وہ دعویٰ تو کرتے ہیں روحانی حلقے میں وسیع تر آزادی کا، مگر بڑے ڈھیٹ اور خود رائے ہو کر انجیل کی مخالفت کرتے اور مسیح کے خون کی قدر و قیمت کو بیچ بھڑاتے اور اس کے واحد ذریعہ نجات ہونے کو جھٹلانے پر تیار رہتے ہیں۔

آیت ۵۔ کوئی شک و شبہ نہیں کہ ان برگشتہ لوگوں کے بارے میں خدا کا رویہ کیا ہوگا۔ خدا نے پرانے عہد نامہ میں اسے متعدد بار ظاہر کیا ہے۔ اب یہوداہ اپنے قارئین کو "یاد دلانا" چاہتا ہے اور اس مقصد کے لئے تین مثالیں پیش کرتا ہے، یعنی بے ایمان اسرائیلی، گناہ کرنے والے فرشتے اور سدوم اور عمورہ کے لوگ۔

پہلی مثال بیابان میں اسرائیلیوں کی ہے۔ "خداوند نے ایک امت کو ملک مصر میں سے چھڑانے کے بعد انہیں ہلاک کیا جو ایمان نہ لائے" (دیکھئے گنتی باب ۱۴، ۱۵؛ اسکر تفسیر ۵: ۱۰-۱۱)۔ خدا نے ملک کنعان اس قوم کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔ اس وعدہ میں ان کے لئے تمام ضروری توفیق بھی شامل تھی۔ لیکن انہوں نے قادس میں جھوٹے جاسوسوں کی رپورٹ کا یقین کیا اور خدا سے باغی ہو گئے۔ اس کے نتیجہ میں وہ تمام افراد جو مصر سے نکلتے وقت بیٹیں برس یا اس سے زیادہ عمر کے تھے وہ سب بیابان میں ہلاک ہو گئے۔ صرف دو شخص بچے یعنی کالب اور یسوع کیونکہ وہ بغاوت کے مرتکب نہیں ہوئے

تھے (دیکھئے عبرانیوں ۳: ۱۶-۱۹)۔

آیت ۶۔ برگشتگی اور بغاوت کی دوسری مثال وہ فرشتے ہیں جنہوں نے گناہ کیا۔ اُن کے متعلق صرف اتنا بتایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی حکومت کو قائم نہ رکھا جو اُن کے سپرد کی گئی تھی، بلکہ اپنے خاص مقام کو چھوڑ دیا۔ اور اب خدا نے اُن کو ... دائمی قید میں تاریکی کے اندر روزِ عظیم کی عدالت تک رکھا ہوا ہے۔ پاک صحائف سے معلوم ہوتا ہے کہ فرشتوں میں کم سے کم دو دفعہ برگشتگی ہوئی۔ ایک وہ جب توسیف گرایا گیا۔ اُس کے ساتھ اور بھی بہت سے فرشتے تھے جو اس بغاوت میں ملوث تھے۔ یہ گرسے ہوئے فرشتے فی الحال قید میں نہیں ہیں۔ ابلیس اور اُس کے شیاطین خداوند اور اُس کے لوگوں کے خلاف جنگ کرنے میں سرگرم عمل ہیں۔

فرشتوں کی دوسری برگشتگی وہ ہے جس کا ذکر یہوداہ نے اور پطرس (۲- پطرس ۲: ۴) نے بھی کیا ہے۔ بائبل مقدس کے حکما میں اس کے بارے میں بہت اختلاف رائے پایا جاتا ہے کہ یہاں کس واقعہ کی طرف اشارہ ہے۔ جو کچھ ہم بیان کرنے کو ہیں وہ ہماری ذاتی رائے ہے، کوئی لاکلام حقیقت نہیں ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ یہوداہ اُس واقعہ کی طرف اشارہ کر رہا ہے جو پیدائش ۱: ۶-۷ میں درج ہے۔ خدا کے بیٹوں نے ہمیشہ فرشتوں کا اپنا خاص مقام چھوڑ دیا۔ انسانی شکل میں زمین پر اتر آئے اور انسانوں کی بیٹیوں سے شادیاں کیں۔ یہ ازدواجی ملاپ خدا کے حکم اور انتظام کے خلاف تھا اور اُس کی نظر میں مکروہ تھا۔ آیت ۴ میں یہ اشارہ بھی پایا جاتا ہے کہ ان غیر فطری شادیوں کے نتیجے میں جو اولاد پیدا ہوئی وہ انتہائی قوت اور شرارت کی مالک تھی۔ یہ بات سچ ہو، یا نہ ہو، مگر اتنی بات ضرور واضح ہے کہ انسان کی اُس وقت کی شرارت سے خدا سخت ناراض ہوا اور اُس نے فیصلہ کر لیا کہ ایک زبردست طوفان سے زمین کو فنا کر دے۔

اس نظریہ پر تین اعتراض کئے جاتے ہیں (۱) پیدائش کے متذکرہ حوالہ میں فرشتوں کا ذکر نہیں، صرف "خدا کے بیٹوں" کا ذکر ہے۔ (۲) فرشتے بے جنس ہوتے ہیں۔ (۳) فرشتے بیاہ شادیاں نہیں کرتے۔

بے شک خصوصیت سے فرشتوں کا نام نہیں لیا گیا، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ سامی زبانوں میں "خدا کے بیٹوں" کا مطلب فرشتے بھی ہے (دیکھئے ایوب ۱: ۶ اور ۱: ۲)۔

بائبل میں کہیں کوئی ایسا بیان نہیں کہ فرشتے بے جنس ہوتے ہیں۔ کئی دفعہ فرشتے زمین پر انسانی شکل میں ظاہر ہوئے۔ وہ انسانی اعضا اور جھوک (خواہشات) رکھتے تھے (پیدائش ۱۸: ۲،

۲۲ بمقابلہ ۱۹: ۲۶۱- (۵) -

بائبل یہ نہیں کہتی کہ فرشتے بیاہ شادی نہیں کرتے، بلکہ صرف یہ کہ قیامت میں بیاہ شادی نہ ہو گی بلکہ لوگ آسمان پر فرشتوں کی مانند ہوں گے“ (متی ۲۲: ۳۰) -

آیت ۶ کے پس منظر میں کوئی بھی تواریحی واقعہ ہو، اہم نکتہ یہ ہے کہ ان فرشتوں نے وہ مقام چھوڑ دیا جو خدا نے اُن کے لئے متعین کیا تھا۔ اور اُب ”قید میں تاریکی کے اندر ہیں اور اُس وقت تک رہیں گے جب تک اُن کی بربادی کا آخری حکم صادر نہیں ہوتا۔

آیت ۷۔ پُرانے عہد نامہ کی تیسری برگشتگی جس کا ذکر یہوداہ نے کیا ہے وہ ”سَدوم اور عمورہ اور اُن کے آس پاس کے شہروں“ کی برگشتگی ہے (پیدائش ۱۸: ۱۶-۱۹: ۲۶)۔ اس فقرے کے ابتدائی لفظ ”اسی طرح“ ظاہر کرتے ہیں کہ سَدوم کے گناہ میں کچھ ایسے خدوخال تھے جو فرشتوں کے گناہ میں بھی تھے۔ یہ گناہ تھا ”انتہائی بد اخلاق“ جو فطرت کے بالکل خلاف تھی اور جس سے خدا کو کراہیت ہے۔ جنسی کجروی کے اس خاص گناہ پر پورٹس رسول نے رومیوں کے نام خط میں بحث کی ہے۔ اُن کی عورتوں نے اپنے طبعی کام کو خلاف طبع کام سے بدل ڈالا۔ اسی طرح مرد بھی عورتوں سے طبعی کام پھوڑ کر آپس کی شہوت سے مست ہو گئے، یعنی مردوں نے مردوں کے ساتھ رُوسیاہی کے کام کر کے اپنے آپ میں اپنی گمراہی کے لائق بدلہ پایا (رومیوں ۱: ۲۶ ب - ۲۷)۔ سَدوم، عمورہ، آدمہ ضبوتیم کے مرد ہم جنس پرستی کے عادی ہو چکے تھے۔ اس گناہ کو یہاں ”غیر بجم کی طرف راغب ہونا“ کہا گیا ہے، یعنی یہ فعل اُس طبعی انتظام کے قطعی خلاف ہے جو خدا نے مقرر و متعین کر دیا ہوا ہے۔

کیا یہ محض ایک اتفاق ہے کہ دورِ جدید کے بہت سے برگشتہ افراد اُس ہراول دستہ میں شامل ہیں جو ہم جنس پرستی کی کھلے عام حمایت کرتا اور ہمیں چلاتا ہے کہ اس فعلِ قبیح کو قانونی درجہ دیا جائے کہ جب دلو بالینہ افراد باہم راضی ہوں تو جو چاہیں کرتے پھریں؟

ایسے آوارہ خیال لوگوں کے سامنے سَدوم اور عمورہ کے شہروں کو جائے عبرت کے بطور پر پیش کیا گیا ہے کہ وہ ”ہمیشہ کی آگ کی سزائیں گرفتار“ رہیں گے۔ ”ہمیشہ کی آگ“ سے یہ مراد نہیں کہ جس آگ نے اُن شہروں کو تباہ و برباد کیا تھا وہ دائمی ہے بلکہ یہ کہ اس آگ کی بجھم کرنے والی قوت کامل اور وسیع ہے۔ یہاں اُس ابدی سزا کی تصویر پیش کی گئی ہے جو سارے باغیوں پر نازل ہوگی۔

آیت ۸۔ یہوداہ موجودہ دور کے برگشتہ لوگوں کے موضوع کی طرف لوٹتا ہے۔ وہ وہیں میں مبتلا ہو کر ...

جسم کو ناپاک کرتے ... ہیں۔ اُن کے خیالات کی دنیا بگڑی ہوئی اور گنہ سے معمور ہوتی ہے۔ وہ گنہ خیالات کی دنیا میں بستے ہیں اور بالآخر سدوم کے مردوں کی طرح جنسی کجروی سے اپنے خیالات کی تکمیل کرتے ہیں۔ یہ تو متقی اُن کے گنہ ہوں کی بات۔

علاوہ ازیں وہ حکومت کو ناچیز جانتے ... ہیں۔ وہ خدا اور حکومتی اداروں کے باغی ہیں۔ یقین رکھیں کہ وہ لاقانونیت اور طوائف الملوک کے محرک ہوتے ہیں۔ اُن کے نام اُن تنظیموں کی فہرستوں میں شامل ہوتے ہیں جو حکومت کا تختہ اُٹانے پر ادھار کھائے بیٹھی جوتی ہیں۔

یہ برگشتہ لوگ ”عزرت داروں“ یعنی فرشتوں پر ”لعن طعن کرتے ہیں“۔ اُن کے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ کوئی حکومت ایسی نہیں جو خدا کی طرف سے نہ ہو۔ اور جو حکومتیں موجود ہیں وہ خدا کی طرف سے مقرر ہیں (رومیوں ۱۳: ۱ ب)۔ وہ اس الٰہی حکم کا تسخیر کرتے ہیں کہ ”تو ... نہ اپنی قوم کے سردار پر لعنت بھیجنا“ (خروج ۲۲: ۲۸)۔ وہ ہر اختیار کا ذکر حقارت اور کینہ کے ساتھ کرتے ہیں۔ یہ اختیار خواہ خدا کا ہو خواہ فرشتوں کا، خواہ انسانوں کا، اُن کو کچھ پروا نہیں جوتی۔

آیت ۹۔ اس لحاظ سے وہ ”مقرب فرشتہ میکائیل“ کو بھی خاطر میں نہیں لاتے، بلکہ وہ کام بھی کر گزرتے ہیں جو اُس ”مقرب فرشتہ“ نے بھی کرنے کی برأت نہیں کی تھی۔ جب ”میکائیل نے موسیٰ کی لاش کی بابت ابلیس سے بحث و تکرار“ کی تو اُس نے ابلیس پر ناراض کرنے یا طعنہ زنی کرنے کی کوشش نہ کی، بلکہ صرف یہ کہا کہ ”خداوند تجھے ملامت کرے“۔ یہاں یہوداہ ہمیں ایک ایسے واقعہ میں شریک کرتا ہے جس کا بائبل مقدس میں کسی اور جگہ ذکر نہیں۔ فطری طور پر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اُس کو یہ معلومات کہاں سے ملیں؟

بعض علما کہتے ہیں کہ یہ معلومات روایت کے ذریعہ سے پہنچیں۔ ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو اور ہو سکتا ہے کہ نہ ہو۔

سب سے تسلی بخش وضاحت یہ ہے کہ یہ معلومات فوق الفطرت طریقے سے اُسی روح القدس نے ظاہر کیں جس نے اُسے یہ خط لکھنے کی تحریک دی تھی۔

ہمیں کچھ علم نہیں کہ موسیٰ کی لاش کی بابت ”میکائیل اور شیطان کے درمیان یہ بحث و تکرار کیوں چھڑی۔ ہم اتنا ضرور جانتے ہیں کہ موسیٰ کی لاش کو خدا نے مواب کی ایک وادی میں دفن کیا تھا۔ غالباً شیطان جانا چاہتا تھا کہ وہ جگہ کہاں ہے تاکہ وہاں مزار یا زیارت گاہ بنا دے۔ اس طرح

اسرائیل موسیٰ کی ہڈیوں کی بت پرستانہ پریشانی کی طرف رجوع ہو جاتے۔ میکائیل فرشتہ بنی اسرائیل کا نمائندہ تھا (دانی ایل ۱۰: ۲۱)۔ چنانچہ اُس نے پودی پودی کوشش کی کہ موسیٰ کے دفن کی جگہ کسی کو معلوم نہ ہو اور قوم اس قسم کی بت پرستی سے بچتی رہے۔

اس سارے بیان میں ایک اہم نکتہ یہ بھی ہے کہ میکائیل ایک ”مقرب فرشتہ“ ہے اور وہ فرشتہ ہے جس کو خدا شیطان کو آسمان سے گرانے کے لئے استعمال کرے گا (مکاشفہ ۱۲: ۷-۹)۔ تو بھی اُس نے یہ جرات نہ کی کہ اُس ہستی پر لعنت کرے جو شیاطین کی دنیا پر حکمران ہے۔ اُس نے علامت کا سارا کام خدا پر چھوڑ دیا۔

آیت ۱۰۔ یہ برگشتہ لوگ ضدی اور ڈھیٹ ہو کر ان باتوں کے بارے میں حقارت اور لعن طعن کے ساتھ بولتے ہیں جن باتوں کو نہیں جانتے۔ جن سے بالکل بے خبر ہیں۔ وہ نہیں سمجھتے کہ کسی بھی منظم معاشرہ میں اختیار کا ہونا، اور اُس اختیار کی اطاعت کا ہونا اشد ضروری ہوتا ہے۔ چنانچہ وہ بڑی ترنگ میں آگے ہی آگے قدم مارتے اور جھوٹے جھامتے پھلتے جاتے ہیں۔ وہ بے عقل اور بے شعور جانوروں کی طرح اپنے آپ کو شہوت پرستی اور جنسی کجروی کے حوالہ کر دیتے ہیں، اور یوں ”اپنے آپ کو خراب“ اور ہلاک کرتے ہیں۔

آیت ۱۱۔ ان کے لئے نہایت کڑی سزا کا بیان کیا گیا ہے۔ ”ان پر افسوس! رسول ان کے ضدی اور غیر ناثب دل کے باعث ان پر افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ وہ اپنے لئے قہر اور غضب جمع کر رہے ہیں۔ جس روز خدا کی راست اور صادق عدالت ظاہر ہوگی وہ قہر کا دن ہوگا (رومیوں ۲: ۵) اور یہ لوگ ہرگز بچ نہیں سکیں گے۔

ان کے کردار کو ایسے ”گرنے“ سے تشبیہ دی گئی ہے جس میں رفتار ہر لمحہ بڑھتی جاتی ہے اور جس کی کوئی تھام نہیں۔ ایک تو وہ ”قائن کی راہ پر چلے، دوسرے انہوں نے ”بلعام کی سی گمراہی اختیار کی“ اور پھر ”قورح کی طرح مخالفت کر کے ہلاک ہوئے۔“ گمراہی اور برگشتگی کبھی ایک جگہ ساکت نہیں رہیں، بلکہ لوگوں کو کشاکش کر اڑے پر لے جاتی ہیں اور پھر اُس سے گرا کر ہلاک کر دلاتی ہیں۔

”قائن کی راہ“ بنیادی طور پر اُس نجات کا انکار ہے جو قربانی کے خون کے وسیع سے ملتی ہے (پیدائش باب ۴)۔ اس میں انسان اپنی کوشش سے خدا کے غضب کو ٹھنڈا کرنے کا جتن کرتا ہے۔ لیکن انسانی کوشش اور جتن پر زکیہ کرنے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فضل اور فضل پانے والوں سے نفرت

کی جاتی ہے۔ اور بالآخر اس نفرت کا نتیجہ ایذا رسانی اور قتل و خون ہوتا ہے (۱- یوحنا ۳: ۱۵)۔

”بلعام کی سخی گرجی“ سے مراد یہ خواہش ہے کہ خدا کی خدمت کو کاروبار بنا کر میں دولت مند ہو جاؤں۔ بلعام کہتا تھا کہ میں خدا کا نبی ہوں۔ لیکن وہ حریفین تھا اور نبوت کرنے کی نعمت کو دولت کمانے کے لئے استعمال کرنے پر آمادہ رہتا تھا (گنتی باب ۲۲-۲۴)۔ اسرائیل پر لعنت کرنے کے لئے بلیق نے اُس کو پانچ دفعہ ادائیگی کی اور بلعام ایسا کرنے پر دل سے راضی تھا، مگر خدا نے اُس کو زبردستی روک دیا۔ اُس نے جو باتیں کہیں اُن میں سے اکثر سچی، درست اور خوبصورت تھیں۔ اس کے باوجود وہ ایک کراسے کا نبی بن گیا۔ وہ اسرائیلیوں پر لعنت تو نہ کر سکا، لیکن بالآخر اُن کو موآب کی بیٹیوں کے ساتھ گناہ کرنے پر راضی کرنے میں کامیاب ہو گیا (گنتی ۱۰: ۲۵-۵)۔

آج کے جھوٹے استاد بھی بلعام کی طرح بڑے ملائم اور قابل کرنے والے ہوتے ہیں۔ وہ بیک وقت دو قسم کی باتیں کرنے کے ماہر ہوتے ہیں۔ وہ اپنی آمدنی میں اضافے کی خاطر سچ کو دبائے رکھتے ہیں۔ وہ لالچی ہوتے ہیں۔ ہر وقت اسی کوشش میں رہتے ہیں کہ خدا کے گھر کو تجارتی مرکز بنادیں۔

یہودہ جس ”افسوس“ کا اظہار کرتا ہے اُس کی تیسری وجہ یہ ہے کہ یہ جھوٹے استاد ”قورح کی طرح مخالفت کر کے ہلاک ہوئے۔“ داتن اور ابی رام کے ساتھ قورح نے بھی موسیٰ اور ہارون کی قیادت کے خلاف بغاوت کی اور کمانت کے عہدے میں گھس آنے کی خواہش کی (گنتی باب ۱۶)۔ اس طرح دراصل، انہوں نے خداوند کی تحقیق کی۔ اُن کی بغاوت اور نافرمانی کے باعث ایک بڑا زلزلہ آیا اور زمین اُن کو رنگل گئی۔ خدا نے اپنی سخت ناراضی دکھائی، کیونکہ قورح وغیرہ اُن لوگوں کا سامنا کرنے لگے تھے جن کو خدا نے اپنے نائب مقرر کیا تھا۔

آیت ۱۲- اب برگشتہ لوگوں کے کردار اور حشر کو ظاہر کرنے کے لئے یہودہ طبعی دنیا سے پانچ مثالیں دیتا ہے۔

وہ ”محبت کی ضیافتوں میں... دریا کی پوشیدہ چٹانیں ہیں“ ابتدائی دور کے مسیحی خداوند کی عشا کے سلسلے میں یہ ضیافت کیا کرتے تھے، مگر برگشتہ لوگ نہ خدا سے ڈرتے ہیں نہ انسان سے۔ اُن کو گلے کی نہیں صرف اپنی فکر اور پروا ہوتی ہے۔ وہ ایمان کو داغدار کرنے کے لئے دوسروں کو بھی

لے وہ ان ضیافتوں کو ’اکاپے‘ کہتے تھے، جس کا مطلب ہے بے لوث ’محبت‘۔

فریب سے راغب کر لیتے ہیں۔

”یہ بے پانی کے بادل ہیں“ لگتا تو ہے کہ خشک اور سوکھی زمین کو تر قازہ کر دیں گے، لیکن ہوا میں اُن کو اُڑا لے جاتی ہیں۔ اُن سے صرف مایوسی حاصل ہوتی ہے۔ وہ سرابِ ثنابت ہوتے ہیں۔

”یہ پتہ بکھر کے بے پھل درخت ہیں“ جن پر پتے بھی نہیں ہوتے۔ ”دونوں طرح سے مُردہ“۔ مُردہ ہے بالکل مُردہ۔ یا یہ کہ اُن کی جڑیں بھی مُردہ اور شاخیں بھی مُردہ ہوتی ہیں۔ علاوہ ازیں وہ ”جڑ سے اکھڑے ہوئے“ ہیں۔ گویا تیز آمد صی نے اُن کو زمین سے اکھاڑ ڈالا ہے۔ اُن کا مُتنبہ بھی باقی نہیں رہا کہ مستقبل ہی میں زندگی کے پھوٹ نکلنے اور بڑھنے کی اُمید ہو سکتی۔

آیت ۱۳۔ ”یہ سمندر کی پُرجوش موجیں ہیں“ جو تافوں میں نہیں آتیں، شور و غل مچاتی ہیں اور غضب ناک ہوتی ہیں۔ مگر سارے شور و غل اور جوش و خروش کے باوجود صرف ”اپنی بے شرمی کے جھاگ اچھالتی ہیں“۔ جن باتوں پر شرمندہ ہونا چاہیے یہ لوگ اُن پر فخر کرتے ہیں۔ کوئی قابلِ قدر اور ٹھوس چیز باقی نہیں رہنے دیتے۔

اور پھر ”یہ وہ آوارہ گرد ستارے ہیں جن کے لئے ابد تک بے حد تاریکی دھری ہے“۔ وہ اجرامِ فلک جو کسی مقررہ اور باقاعدہ مدار پر گردش نہیں کرتے وہ آوارہ گرد ستارے ہیں۔ وہ جہاز رانی میں مدد کے سلسلے میں بے کار ہیں۔ یہ جھوٹے اُستادوں کا کیسا موزوں بیان ہے! ان سے روحانی راہنمائی کی اُمید رکھنا فضول ہے۔ وہ دم بھر کو چمکتے ہیں، تیز روشنی چھوڑتے ہیں پھر آتش یازی کے کھلونوں کی طرح تاریکی میں گم ہو جاتے ہیں۔

آیت ۱۴۔ ”ان لوگوں کا انجام کی خبر“ خنوک نے بھی جو آدم سے ساتویں پشت میں تھا“ پہلے سے پیشین گوئی کے طور پر دی تھی۔ اس نبوت کا ذکر صرف یہوداہ کے خط میں ہے۔ کئی علماء کہتے ہیں کہ یہ خنوک کی غیر مستند کتاب سے لی گئی ہے۔ لیکن ایسی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ یہ کتاب یہوداہ کے زمانہ میں موجود تھی۔ کیلی کہتا ہے :

اس (خنوک کی کتاب) میں ہر وہ علامت موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ یرشلیم کی بربادی (یعنی یہوداہ کے خط کے لکھے جانے) کے بعد لکھی گئی تھی۔ اس کا مصنف ایک یہودی ہے جو ابھی تک خود کو اسی اُمید کا سہارا دے ہوئے تھا کہ خدا یہودیوں کی مدد کرے گا۔

ہمیں تو یہ علم نہیں کہ یہوداہ کو اس قدیم پیشین گوئی کی خبر کیسے ہوئی، مگر اس کی سادہ

وضاحت یہ ہے کہ جس طرح رُوح القدس نے باقی خط لکھنے میں ہدایت اور رہنمائی کی اُسی طرح اِن الفاظ کا مکاشفہ بھی دیا۔

نبوت یوں ہے کہ ”دیکھو۔ خداوند اپنے لاکھوں مُقدسوں کے ساتھ آیا“۔ اِس پیشین گوئی کی ابتدائی اور جزوی تکمیل اُس وقت ہوگی جب بڑی مقبلیت کے دور کے بعد خداوند اپنے نخیلقوں کو نیست کرنے اور بادشاہی کرنے کے لئے دُنیا میں واپس آئے گا۔ اِس کی مکمل اور آخری تکمیل ہزار سالہ بادشاہی کے بعد ہوگی جب بڑے سفید تخت کے سامنے شہرِ مِردوں کی عدالت ہوگی۔

آیت ۱۵۔ مسیح اِس لئے آ رہا ہے کہ ”سب آدمیوں کا انصاف کرے“۔ آیت کے باقی حصے پتہ چلتا ہے کہ یہاں ”سب“ کا مطلب ”سب بے دینوں“ ہے۔ سچے ایماندار اِس میں شامل نہیں ہیں۔ مسیح پر ایمان لانے کے وسیلے سے ان کو عدالت سے بریت حاصل ہے۔ یہ وعدہ یوحنا ۵ : ۲۴ میں درج ہے: ”میں تم سے سچ سچ کہتا ہوں کہ جو میرا کلام سُنتا اور میرے بھیجنے والے کا یقین کرتا ہے ہمیشہ کی زندگی اُس کی ہے اور اُس پر سزا کا حکم نہیں ہوتا“۔ عدالت کا سارا اختیار ابنِ آدم کے سپرد ہے اور اسی حیثیت میں خداوند یسوع ”سب بے دینوں کو اُن کی بے دینی کے اُن سب کاموں کے سبب سے جو انہوں نے بے دینی سے کئے ہیں اور اُن سب سخت باتوں کے سبب سے جو بے دین گنہگاروں نے اُن کی مخالفت میں کئی ہیں قصور وار ٹھہرائے“ گا۔ اِس آیت میں ”بے دین“ یا ”بے دینی“ کا لفظ چار بار آیا ہے۔ ”بے دین“ ہیں۔ اُن کے کام ”بے دینی“ کے ہیں۔ جس طریقے سے وہ یہ کام کرتے ہیں وہ ”بے دینی“ کا طریقہ ہے اور خداوند کے خلاف کفر کینے سے وہ اپنی ”بے دینی“ کا مزید اظہار کرتے ہیں۔ ”بے دینی“ کے اِس سارے کاروبار کے لئے خداوند اُن کو ”قصور وار ٹھہرائے“ گا۔ مطلب صرف یہ نہیں کہ اُن کو اپنے قصور کا گہرا احساس دلانے کا، بلکہ اُن کا قصور تو ثابت ہے اِس لئے اُن پر سزا کا حکم جاری کرے گا۔

آیت ۱۶۔ اب یہوداہ اُن کی بے دینی کی باتوں اور بے دینی کے کاموں کی تفصیل بیان کرتا ہے۔ وہ ”بڑبڑانے والے“ ہیں۔ وہ خدا کی رحمتوں کے شکر گزار نہیں ہوتے بلکہ جو کچھ اُس نے عطا کیا

لے یہ سامی زبان کا ماضی الماضی ہے۔ اسے ہم نبوتی فعل ماضی مطلق کہہ سکتے ہیں جس میں مستقبل کے کسی واقعہ کو اِس طرح بیان کیا جاتا ہے جیسے وہ ماضی میں وقوع پذیر ہو چکا ہے۔

ہے اُس پر گلے شکوے کرتے رہتے ہیں۔ خدا اس قسم کے بڑبڑانے کو سخت ناپسند کرتا ہے
ثبوت یہ ہے کہ اُس نے بیابان میں بڑبڑانے والے اسرائیلیوں کو سزا دی۔

یہ لوگ ہر وقت خدا سے شاکی رہتے اور اُس کی مخالفت میں باتیں بناتے رہتے ہیں۔ خدا لڑائیوں،
جنگوں اور دھوکہ و تکلیف کی اجازت کیوں دیتا ہے؟ وہ ساری معاشرتی نا انصافیوں کا خاتمہ کیوں نہیں
کر دیتا؟ اگر وہ قادرِ مطلق ہے تو دنیا میں مچی ہوئی ساری افراتفری اور بد نظمی کا چارہ کیوں نہیں کرتا؟
وہ خدا کے لوگوں میں بھی کپڑے نکالتے رہتے ہیں کہ یہ اپنے عقائد اور تعلیم میں تنگ نظر ہیں اور اپنے
کردار میں کٹر پابندِ شرع بنے ہوئے ہیں۔

یہ برگشتہ (بے دین) لوگ عیش و عشرت میں زندگی گزارتے، جسم کی شہوتوں کے پیچھے بھاگتے اور
جنسی معاملات میں ڈھیل دینے کے لئے بڑے زور شور سے دلیلیں تراشتے رہتے ہیں۔

اُن کی پیچھے دار اور متکبرانہ گفتگو دوسروں کو متوجہ کرنے میں بطمی کا میاب رہتی ہے۔ وہ سیاسی،
معاشی اور سماجی غرض ہر معاملے میں انتہا پسندی کی حمایت کرتے ہیں۔ اُن کی باتیں شدِ سرخیاں بن
جاتی ہیں۔ وہ بڑی ڈھٹائی اور بے شرمی سے بُنیادی مسیحی عقائد کو رد کرتے ہیں۔

اور خوش مد کے فن میں تو یہ لوگ ماہر ہوتے ہیں۔ اس طرح بہت سے لوگوں کو اپنے پیچھے لگا
لیتے ہیں اور اچھی خاصی آمدنی بھی حاصل کرتے رہتے ہیں۔

بے دینوں (برگشتہ) کی یہ تصویر بالکل سچی اور درست ہے۔ دنیا کے ذرائعِ ابلاغ ہر روز
اس کی تصدیق کرتے نظر آتے ہیں۔

۳۔ برگشتگی کے درمیان ایمان دار کا کردار (آیات ۱۷-۲۳)

آیت ۱۷۔ پہلے یہوداہ برگشتہ لوگوں اور اُجرتی پرواہوں کی بات کر رہا تھا۔ اب وہ موضوع کو
تھوڑا سا بدلتا اور برگشتگی کے ایسے حالات کے درمیان ایمان داروں کے کردار کی بات کرتا ہے۔
پہلے تو اُن کو یاد دلاتا ہے کہ تم کو اس آنے والے خطرہ سے پیشگی خبردار کر دیا گیا ہے۔ پھر اُن کی
حوصلہ افزائی کرتا ہے کہ اپنی روحانی حالت مضبوط بنائے رکھیں۔ اور آخر میں نصیحت کرتا ہے کہ
ان برگشتہ لوگوں کا شکار ہونے والوں کے درمیان خدمت کرتے ہوئے اُن کی ضرورتوں کا خیال
رکھیں۔

”یسوع مسیح کے رسول“ بتا چکے تھے کہ جھوٹے اُستاد برپا ہوں گے۔ پولس رسول کی خدمت

میں یہ بات دیکھی جاسکتی ہے (احمال ۲۰، ۲۹؛ ۳۰، ۱؛ تیمتھیس ۱۰؛ ۵، ۲؛ تیمتھیس ۱۰؛ ۳-۹)۔
نیز پطرس اور یوحنا نے بھی خبردار کیا تھا (دیکھئے ۲۔ پطرس ۱۰؛ ۲۲؛ ۱۰؛ ۳-۴؛ ۱۸؛ ۱۸؛ ۱۸)۔
(۱۹)۔

آیات ۱۸، ۱۹۔ رسولوں کے پیغام کا خلاصہ یہ ہے کہ ”آخر زمانہ میں ایسے ٹھٹھا کرنے والے ہوں
گئے جو اپنی بلے دینی کی خواہشوں کے موافق چلیں گے۔“

یہوداہ اس نبوت کے ساتھ کچھ وضاحت کا اضافہ کرنا ہے کہ ان ٹھٹھا کرنے والوں کی مین نمایاں
خصوصیات ہیں۔ ایک تو وہ ”نفسانی ہیں“۔ مطلب یہ ہے کہ وہ طبعی انداز میں سوچتے اور عمل کرتے
ہیں۔ دوسرے وہ ”تفرقہ ڈالتے ہیں“۔ یعنی لوگوں کو اپنے شاگرد یا مرید بناتے ہیں۔ یہ لوگ ”روح
سے بے بہرہ“ ہوتے ہیں۔ وہ اوپر سے کبھی پیدا نہیں ہوئے، اس لئے خدا کی باتیں سمجھنے کی
صلاحیت قطعی نہیں رکھتے۔

آیت ۲۰۔ ایمان دار کی تقویت کا سرچشمہ بلاشبہ اسی میں ہے کہ خداوند کے نزدیک رہے
اور اُس کے ساتھ رفاقت میں خلل نہ آنے دے۔ مگر کس طرح؟ یہوداہ چار اقدام کی نشاندہی
کرتا ہے۔

اول۔ ”اپنے پاک ترین ایمان میں ترقی“ کرنا۔ یہ ایمان مسیحی ایمان ہے، ہم بائبل مقدس کا مطالعہ
کرنے اور اُس پر عمل کرنے سے ایمان میں ترقی کرتے ہیں۔ کلام سے مستقل واقفیت ہماری مثبت
راہنمائی کرتی اور راست بازی کی راہ پر چلاتی ہے اور راستے کے خطروں سے آگاہ رکھتی ہے۔
ایچ۔ پکنگ کتا ہے کہ ”لوگ تعلیم کو حقیر قرار دے سکتے ہیں۔ مگر عقیدہ ہے جو کردار کی تشکیل و
تعمیر کرتا ہے، کردار سے عقیدے کی تشکیل و تعمیر نہیں ہوتی۔“

دوم۔ دوسرا قدم ہے ”روح القدس میں دُعا“ کرنا۔ یعنی ”روح“ کی ہدایت کے مطابق،
خدا کی مرضی کے مطابق دُعا کرنا اور خدا کی مرضی بائبل میں ظاہر کر دی گئی ہے۔ موضوعی طور پر ”روح“
شخصی طور پر بھی ایمان دار پر ظاہر کرتا ہے۔ یہ دُعاؤں دُعاؤں سے قطعی مختلف ہوتی ہے جو میکاکی لنداز
میں دُہرا دی جاتی ہیں یا روح کی مدد کے بغیر جلدی جلدی بول دی جاتی ہیں۔

آیت ۲۱۔ سوم۔ تیسرا قدم ہے ”اپنے آپ کو خدا کی محبت میں قائم“ رکھنا۔ یہاں ”خدا کی محبت“
کو سورج کی روشنی کے مشابہ ٹھہرایا جاسکتا ہے۔ سورج ہر وقت چمکتا رہتا ہے۔ مگر جب کوئی
چیز ہمارے اور سورج کے درمیان آجاتی ہے تو ہم روشنی میں نہیں رہتے۔ یہی حال ”خدا کی محبت“

کا ہوتا ہے۔ اُس کی شفاعتیں تو ہماری طرف لپکتی رہتی ہیں، لیکن اگر ہمارے اور خداوند کے درمیان نگاہ آ جائے تو عملاً ہم اُس کی محبت سے مستفید نہیں ہوتے۔ ہم اپنے آپ کو اُس کی محبت میں کس طرح قائم رکھ سکتے ہیں؟ اس طرح کہ ہماری زندگیاں دینداری اور پاکیزگی میں بسر ہوں۔ اور اگر نگاہ درمیان میں آ جائے تو چاہئے کہ فوراً اقرار کریں اور اُسے ترک کریں۔ راز یہی ہے کہ کسی چیز کو اپنے اور خدا کے درمیان نہ آنے دیں۔

اور چہارم۔ جو تھا قدم ہے اپنے "خداوند یسوع مسیح کی رحمت کے منتظر" رہنا۔ یہاں رحمت کا اشارہ خداوند کی عنقریب والہی کی طرف ہے کہ وہ اپنے لوگوں کو آسانی وطن میں لے جانے کو آئے والا ہے۔ تاریکی اور برگشتگی کے زمانہ میں ضروری ہے کہ ہم اس مبارک اُمید کی روشنی اپنے دلوں میں جلتی رکھیں۔ یہ اطمینان بخش اور پاک کرنے والی اُمید ثابت ہوگی (۱۔ تھسلینیوں ۴: ۱۸، ۱۹؛ یوحنا ۳: ۲۲)۔ برگشتگی کا شکار ہونے والوں کے ساتھ سلوک کرتے وقت بڑی حد تک روحانی امتیاز کا ہونا ضروری ہوتا ہے۔ کچھ لوگ تو معمولی تعلیم اور سلک کا پروپیگنڈا کرنے میں سرگرم ہوتے ہیں، اور کچھ لوگ اُن کے فریب میں آجاتے ہیں۔ پاک کلام ان دونوں گروہوں کے ساتھ سلوک کرنے میں واضح فرق رکھتا ہے۔ لیڈروں اور پروپیگنڈا کرنے والوں کے تعلق سے حکمتِ علی ۲۔ یوحنا ۱۱، ۱۲ میں دی گئی ہے۔ اگر کوئی تمہارے پاس آئے اور یہ تعلیم نہ دے تو نہ اُسے گھر میں آنے دو اور نہ سلام کرو۔ کیونکہ جو کوئی ایسے شخص کو سلام کرتا ہے وہ اُس کے برے کاموں میں شریک ہوتا ہے۔

لیکن جن لوگوں کو ان جھوٹے اُستادوں نے دھوکا اور فریب دیا ہے اُن کے ساتھ مختلف رویے کی تلقین کرتا ہے۔ وہ طریق کار کی دو الگ الگ راہیں پیش کرتا ہے۔

"بعض لوگوں پر جو شک میں ہیں رحم کرو۔ جو لوگ شک اور بحث و تکرار کے مرض میں پڑے ہوتے ہیں، ہم رحم اور ہمدردی کے ساتھ اُن میں دلچسپی لیں اور اُن کی ہدایت اور رہنمائی کرتے ہوئے الہی سمجائی کے یقین تک لاییں۔

آیت ۲۳۔ کچھ لوگ کڑاٹے کے کنارے پر ہوتے ہیں، یعنی برگشتگی کے شعلوں میں گرنے ہی کو ہوتے ہیں، اُن کو بچانے کے لئے سخت اور مستعد ہدایت اور تنبیہ کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اُس پریشاک سے بھی نفرت کرو جو جسم کے سبب سے داغی ہو گئی ہو۔ پُرانے عہد نامہ کے کورمھی کے کپڑے ناپاک ہوتے تھے۔ اُن کو جلا دینا ضروری ہوتا تھا (استثنا ۱۳: ۴۷-۵۲)۔ آج کے زمانہ میں جو لوگ جنسی گناہوں میں پڑ گئے ہوں اُن کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ مادی چیزیں

(مثلاً لباس) بھی جذبات کو بھڑکاتی ہیں۔ جب ہم ان چیزوں کو دیکھتے یا محسوس کرتے ہیں تو کئی گنا ہوں کے ساتھ ذہنی شرکت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ناپاک ہو جانے والے لوگوں کے ساتھ کام کرتے ہوئے ہمیں بہت محتاط رہنا چاہئے کہ کوئی چیز ہماری زندگیوں کے لئے آزمائش نہ بن جائے۔

جے۔ بی۔ میسر خیردار کرتا ہے کہ گنہگار پر نرس کھانا اور اس کے لئے دعا مانگنا ایک مسیحی پر فرض ہے۔ لیکن جتنی باتیں گناہ کے آثار و علامات سے آلودہ ہوں ان سے کراہیت کرنا بھی ضروری ہے۔

۴۔ خوبصورت کلمہ برکت (آیات ۲۴، ۲۵)

آیت ۲۴۔ یہوداہ ایک خوبصورت کلمہ برکت کے ساتھ خط کو بند کرتا ہے۔ یہ کلمہ اُس ہستی کی تعریف اور حمد و ثنا پر محمول ہے جو بہت کچھ کر سکتا ہے۔ وہ نجات دے سکتا ہے (عبرانیوں)؛ (۲۵) مضبوط کر سکتا ہے (رومیوں ۱۶: ۲۵)۔ مدد کر سکتا ہے (عبرانیوں ۱۸: ۲)؛ تابع کر سکتا ہے (فلپیوں ۲: ۲۱) اور یہاں ”بچا سکتا“ یعنی محفوظ رکھ سکتا ہے۔ وہ ہمیں کامل طور پر سلامت رکھ سکتا ہے (یسعیاہ ۳: ۲۶)۔ وہ ہماری امانت کی اُس دن تک حفاظت کر سکتا ہے (۲۔ تیمتھیس ۱: ۱۲)۔ وہ ہماری درخواست اور خیال سے بہت زیادہ کام کر سکتا ہے (افسیوں ۳: ۲۱)۔ اور وہ ہمیں ”ٹھوکر کھانے سے بچا سکتا ہے“ یہ آخری وعدہ خاص طور سے بروقت ہے، خصوصاً برگزینگی کے اُن ایام کے لئے مرنے والے یہوداہ کو رہا ہے۔

مگر یہ وعدہ یہیں ختم نہیں ہو جاتا۔ وہ ہم کو اپنے پُر جلال حضور میں کمال خوشی کے ساتھ بے عیب کر کے کھڑا کر سکتا ہے۔ یہ نہایت عجیب اور نہایت عظیم بات ہے! جب سوچتے ہیں کہ ہم کیا تھے۔ اپنی خطاؤں اور گناہوں کے باعث مردہ تھے۔ اور جب ہم سوچتے ہیں کہ اب کیا ہیں، کمزور، غریب، ماندہ سے خادم۔ اور پھر سوچیں کہ ایک دن ہم بالکل ”بے عیب“ ہو کر کُل کائنات کا تخت گاہ میں کھڑے ہوں گے اور کمال خوشی منائیں گے۔ یہ کیسی بڑا فضل ہے!

آیت ۲۵۔ وہ نہ صرف ہمارا کامل کرنے والا اور قائم و محفوظ رکھنے والا ہے۔ وہ ”خداے واحد“ ہمارا ”منجی“ ہے۔ یہ بہت حیرت کی بات ہے کہ ”خدا“ ہم میں اتنی دلچسپی لے کر ہمارا ”منجی“ بن جائے۔ اس مفہوم میں کہ اُس نے وہ منصوبہ تیار کیا جس سے ہماری نجات ہوئی اور اُس نے اپنے بے گناہ بیٹے کو دے دیا کہ ہماری خاطر قربانی کا برہ ہو۔

اگر پرستش کا مطلب ہے کہ خدا سے وہ باتیں منسوب کرنا جن کے وہ لائق ہے تو جلال اور

عظمت اور سلطنت اور اختیار اُسی کا ہے۔ جو کچھ وہ ہے اور جو کچھ اُس نے ہمارے لئے کیا ہے اس کے باعث وہ اعلیٰ ترین اور ارفع ترین عزت و تعظیم کا حقدار ہے۔ یہ ہے اُس کا "جلال" — "عظمت" سے مراد ہے کہ وہ کائنات کا اعلیٰ ترین شہنشاہ ہے۔ اس لئے تمام شان و شوکت اور حشمت اُس کا حق ہے۔ "سلطنت"۔ یہ اُس کا مطلق العنان حق ہے جسے کوئی چیلنج نہیں کر سکتا کہ کل کائنات پر فرمانروائی اور حکمرانی اُسی کی ہے۔ "اختیار"۔ اُس کے ہاتھوں نے جو کچھ بنایا ہے اُس پر قدرت رکھنا، اُسے قابو میں رکھنا یہ اُس کا حق منصبی ہے۔

وہ ماضی میں اس حمد و ثنا کا حقدار تھا۔ وہ آج بھی حقدار ہے اور ازل میں بھی ہمیشہ تک حقدار رہے گا۔ برگشتہ لوگ اور جھوٹے استاد اُس کو "جلال" سے محروم کرنے، اُس کی "عظمت" کو کم کرنے، اُس کی "سلطنت" پر بڑبڑانے اور اُس کے "اختیار" کو چیلنج کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ لیکن سارے ایمان داروں کی تسلی و اطمینان اور سیری اسی سے ہوتی ہے کہ اُسی کو جلال دیں اور "اب بھی اور ابلا باد" بھی اُس کی حضوری اور قربت سے محفوظ ہوتے رہیں۔

"آمین"

یسوع مسیح کا مکاشفہ

تعارف

جب ہم نبوت کے یہ الفاظ پڑھتے اور اُس فضل کو یاد کرتے ہیں جس نے ہمیں
اس زمانہ پر وارد ہونے والی تمام باتوں سے بچایا تو ہمارے دل یقیناً حمد و ستائش
سے چھلک اٹھتے ہیں۔ ایک اور برکت آخری فتح اور جلال کا یقین ہے۔
آرٹوسی۔ گیبلیں

۱۔ مُستند کتب میں مقام

بائبل کی آخری کتاب کی یکمائی اصل زبان میں اس کے پہلے لفظ Apokalupsis

یعنی "مکاشفہ" ہی سے آشکارا ہے۔ اس لفظ کا مطلب ہے بے نقاب کرنا، کھولنا یا منکشف کرنا۔
یہ ایک خاص قسم کی تحریر ہے جو پُرانے عہد نامہ میں دانی ایل، حزقی ایل اور زکریا کے صحائف میں اور نئے
عہد نامہ میں صرف زیر نظر کتاب میں پائی جاتی ہے۔ اس میں مستقبل کے بارے میں نبوتی روایا ہوتی ہے
جس میں علامتوں، استعاروں اور دیگر آدبی صنعتوں کا استعمال ہوتا ہے۔

مکاشفہ کی کتاب نہ صرف مستقبل میں ساری چیزوں کے کمال کو پہنچنے، اور خدا اور برہ کی آخری فتح کی
طرف دیکھتی ہے بلکہ یہ بائبل کی پہلی پینسٹھ^{۶۵} کتابوں کو بھی جوڑتی اور مربوط کرتی ہے۔ درحقیقت اس
کتاب کو سمجھنے کا طریقہ یہی ہے یعنی پوری بائبل مقدس کو جانتے ہوں! اس کتاب میں جتنے کردار،
علامات، واقعات، اعداؤ، رنگوں وغیرہ کا ذکر آتا ہے خدا کے کلام میں اس سے پہلے بھی تقریباً
ان سب کے ساتھ ہماری ملاقات ہوتی ہے۔ کسی نے نہایت بجا طوط پر اس کتاب کو بائبل مقدس
کے "عظیم مرکزی سٹیشن" کا نام دیا ہے، کیونکہ ساری ٹرینیں یہیں آتی ہیں۔ کونسی ٹرینیں؟ اُس تصور
کی ٹرینیں جن کا آغاز پیدائش اور اُس کے بعد کی کتابوں میں ہوتا ہے۔ مثلاً کفارہ کی سرخ ڈوری، اسرائیلی قوم،
غیر اقوام، کلیسیا، خدا کی امت کے مخالف شیطان، مخالف مسیح اور بہت سے دیگر تصورات۔

"مکاشفہ کی کتاب" بائبل مقدس کا لازمی اختتام ہے۔ (چوتھی صدی سے اس کو غلطی سے یونحیا عارف

کا مکاشفہ، کہتے آرہے ہیں جبکہ حقیقت میں یہ یسوع مسیح کا مکاشفہ (۱:۱) ہے۔)۔ یہ مکاشفہ ہمیں بتاتا ہے کہ بالآخر ہر چیز کا انجام کیا ہوگا۔ اسے سرسری طور پر بھی پڑھیں تو بے ایمانوں کے لئے سخت تنبیہ ہے کہ توبہ کریں اور خدا کے لوگوں کے لئے حوصلہ افزائی ہے کہ استقلال کے ساتھ قائم رہیں!

۲۔ مَصْنُف

یہ کتاب خود بتاتی ہے کہ مَصْنُف یُوَحْنَّا ہے (۱:۱، ۴، ۹، ۲۲:۸)۔ اُس نے اپنے خداوند یسوع مسیح کے حکم سے اس کو قلم بند کیا۔ قدیم، مضبوط اور وسیع تر پھیلی ہوئی شہادتیں تائید کرتی ہیں کہ یہ یُوَحْنَّا زبیدی کا بیٹا یُوَحْنَّا رسول ہے جس نے ایشیائے کوچک میں بہت برسوں تک سخت محنت کی (جن سات کلیسیاؤں کو باب ۲ اور ۳ میں مخاطب کیا گیا ہے وہ اسی علاقہ میں قائم تھیں)۔ دو مطہان نے یُوَحْنَّا کو جلاوطن کر کے پتیس کے جزیرہ میں بھیج دیا تھا۔ وہیں اُس نے یہ روایاں تحریر کیں جو خداوند نے اُسے عطا کی تھیں۔ بعد میں وہ افسس واپس آیا جہاں اُس نے نہایت بڑھاپے میں رحلت کی۔ یوٹلیں شہید، ایرینیس، طرطیان، ہپالیت، سکندریہ کا کلیمنس اور اورقین سب اس کتاب کو یُوَحْنَّا سے منسوب کرتے ہیں۔ کچھ عرصہ ہوا مقررے ایک کتاب ملی ہے جس کا نام 'مکاشفہ یُوَحْنَّا' (تحریر تقریباً ۱۵۸۰ء) ہے۔ یہ کتاب "یُوَحْنَّا حارف" کے مکاشفہ کو واضح طور پر یعقوب کے بھائی یُوَحْنَّا کی تصنیف قرار دیتی ہے۔

جس شخص نے سب سے پہلے مخالفت کی کہ یہ کتاب رسول کی تصنیف نہیں وہ سکندریہ کا دیونوسیاس تھا۔ دراصل وہ "ہزار سالہ بادشاہی" (مکاشفہ باب ۲۰) کے عقیدہ کا مخالف تھا اس لئے نہیں چاہتا تھا کہ یُوَحْنَّا کو اس کا مصنف مانا جائے۔ اُس نے کہا کہ اس کا مَصْنُف یُوَحْنَّا قرص ہے۔ پھر کہنے لگا کہ "بزرگ (بشپ) یُوَحْنَّا" اس کا مَصْنُف ہے۔ اُس کا یہ مبہم اور متلون مادہ جو دوسری مضبوط شہادتوں کے سامنے ٹھہر نہیں سکتا۔ دورِ جدید کے آزاد خیال علما میں سے بھی کئی ایک اس نظریہ کو رد کرتے ہیں کہ یُوَحْنَّا رسول مکاشفہ کی کتاب کا مصنف ہے۔ یُوَحْنَّا کے دوسرے اور تیسرے خط کے مصنف کے علاوہ کلیسیائی تاریخ میں "بزرگ یا بشپ (پریسبٹر) یُوَحْنَّا" نامی کسی اور شخص کے وجود کا ثبوت نہیں ملتا۔ ان دونوں خطوط کا اسلوب و انداز وہی ہے جو یُوَحْنَّا کے پہلے خط کا ہے اور سادگی اور ذہیرہ الفاظ کے لحاظ سے یُوَحْنَّا کی انجیل سے بہت مشابہ ہے۔

متذکرہ بالا خارجی شہادتیں بہت مضبوط ہیں، مگر داخلی شہادتیں اتنی صاف نہیں ہیں۔ ذہیرہ

الفاظ، ترکیب کی بندش اور نشست اور ناملائم ”سامی“ یونانی اسلوب بیان (کچھ ایسی ترکیب بھی موجود ہیں جن کو قواعد زبان کے ماہرین نے تمیزی قرار دیتے ہیں) کی بنا پر کچھ علما کا خیال ہے کہ جس شخص نے مکاشفہ لکھی ہے وہ یونانی انجیل کا مصنف نہیں ہو سکتا۔

تاہم ان اختلافات کی توجیہ کی جاسکتی ہے اور دونوں کتابوں میں توازن پیدا کرنے والی مشابہات بھی موجود ہیں۔

مثال کے طور پر کچھ علما مانتے ہیں کہ ”مکاشفہ“ کی تاریخ تصنیف کچھ پہلے کی یعنی شہ ۱۰۰۰ء کے دہے کی ہے (جب کلاڈیس یا نیرو حکمران تھا)۔ اور خیال یہ پیش کرتے ہیں کہ یونانی نے ”انجیل“ کہیں بعد میں شہ ۱۰۰۰ء کے دہے میں لکھی جب اس نے یونانی زبان پر کافی عبور حاصل کر لیا تھا۔ البتہ یہ کوئی ضروری حل نہیں ہے۔ عین ممکن ہے کہ انجیل لکھنے کے لئے یونانی کے پاس کوئی تحریر یا نقل نویس تھا۔ لیکن پتیس کے جزیرہ پر بالکل یکہ وتنہا تھا۔ (اس سے الہام کے عقیدہ پر کوئی رد نہیں پڑتی، کیونکہ خدا مصنف کے انفرادی اسلوب کو استعمال کرتا ہے۔ بائبل مقدس کی ساری کتابوں کے لئے عمومی اور یکساں اسلوب استعمال نہیں کرتا)۔

روشنی اور تاریکی کے عام موضوعات یونانی انجیل اور مکاشفہ دونوں میں ملتے ہیں۔ ”برہ“، ”غالب آنا“، ”سکلام“، ”سچ“، ”زندگی کا پانی“ اور ایسے ہی متعدد الفاظ دونوں تحریروں کو ایک بندھن میں باندھتے نظر آتے ہیں۔ پھر یونانی ۱۹: ۳۷ اور مکاشفہ ۱: ۷ دونوں میں ذکر کیا ۱۰: ۱۲ سے اقتباس کیا گیا ہے۔ مگر ہفتادی ترجمہ میں پایا جانے والا لفظ ”چھیدا ہے“ نہیں بلکہ ایک دوسرا لفظ استعمال کرتے ہیں جس کا ترجمہ ”چھیدا ہے“ کیا گیا ہے۔

انجیل اور مکاشفہ میں ذخیرہ الفاظ اور اسلوب بیان میں فرق کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ دونوں الگ الگ قسم کا ادب پیش کرتے ہیں۔ مزید برآں مکاشفہ میں عبرانی عبارات بندھی، ترکیب اور بندشوں کی بھرمار کی جاتی ہے جبکہ یہ ہے کہ پیرا نے عمد نامہ کو محبت استعمال کیا گیا ہے۔ نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ اس نظریہ کو مضبوط تواریحی بنیاد حاصل ہے کہ مکاشفہ کا مصنف زیدی کا بیٹا اور یعقوب کا بھائی یونانی ہے۔

۳۔ سن تصنیف

بعض علما پہلے کی سنی تصنیف کو ترجیح دیتے ہیں یعنی شہ ۱۰۰۰ء کا عشرہ۔ یا شہ ۱۰۰۰ء کے

دہے کے آخری سالوں میں یہ کتاب تصنیف ہوئی۔ جیسا پہلے بیان ہوا اس کی کچھ دہر تو یہ ہے کہ اس سے توجیہ ہو جاتی ہے کہ مکاشفہ کا اسلوب زیادہ سلیجھا ہوا کیوں نہیں - مزید برآں کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ ”۶۶۶“ (۱۸:۱۳) نیرو کی پیشین گوئی تھی جس کے بارے میں بعض سوچتے تھے کہ مردوں میں سے جی اٹھے گا۔ اس نظریہ کے مطابق پہلے کی تاریخ سامنے آتی ہے۔

آبائے کلیسیا خاص طور سے یہ بیان کرتے ہیں کہ دو مطلقانہ کے دور حکومت کے آخری ایام (تقریباً ۱۹۷۰ء) میں پتیس کے جزیرہ پر یوحنا کو یہ مکاشفہ حاصل ہوا۔ آبائے کلیسیا کی اس شہادت کے باعث اسی سن کو راسخ العقیدہ مسیحی حلقوں میں وسیع پذیرائی حاصل ہے۔

۳۔ موضوعات اور وسعت

مکاشفہ کی کتاب کو سمجھنے کی ایک سادہ سی کلیدیہ ہے کہ یہ تین حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے باب میں ایک رویا کا بیان ہے جس میں یوحنا نے مسیح کو ایک مُنصف کے لباس میں اور سات کلیسیاؤں کے درمیان کھڑے دیکھا۔ ابواب ۲ اور ۳ کا تعلق کلیسیائی زمانہ سے ہے جس میں ہم رہ رہے ہیں۔ باقی انیس ابواب آنے والے واقعات کا بیان کرتے ہیں جو کلیسیائی زمانہ کے اختتام کے بعد ہوتے ہیں۔ ہم اس کتاب کو یوں تقسیم کر سکتے ہیں :

۱۔ وہ باتیں جو یوحنا نے دیکھیں۔ یعنی رویا کہ مسیح کلیسیا کا مُنصف ہے۔

۲۔ وہ باتیں جو ہیں۔ اُس کلیسیائی دور کا خاکہ جو رموزوں کی موت سے لے کر اُس وقت تک۔

مُحیط ہے جب مسیح اپنے مقدسوں کو آسمان پر لے جائیگا (ابواب ۲، ۳)۔

اے عبرانی اور یونانی میں حروف کی عددی قیمت مقرر ہے۔ (جیسا کہ اردو میں بھی حروف ابجد کے حساب سے عددی قیمت مقرر ہے) مثلاً الفا اور ایلف کی قیمت ۱، بیٹہ اور بیتا کی قیمت ۲ ہے، وغیرہ۔ چنانچہ ہر نام کے حروف کی قیمت کو جمع کیا جاسکتا ہے۔ یہ بڑی دلچسپ بات ہے کہ یسوع کے یونانی نام Iesous کے حروف کا مجموعہ ۸۸۸ ہے (آٹھ نئے آغاز اور قیامت کا عدد ہے)۔ اسی نظام کو استعمال کرتے ہوئے ”قیصر نیرو“ Nero Caesar میں معمولی سے تصرف سے مجموعہ ۶۶۶ ہو جاتا ہے۔ البتہ ہم کو اس قسم کی بے محابا تحقیق نظر سے بچنا چاہئے کیونکہ اور بھی نام ہیں جن کا عدد ۶۶۶ ہے۔

۳۔ وہ باتیں جو ان کے بعد ہوں گی۔ مستقبل کے اُن واقعات کا خاکہ جو مقدسوں کے فضائی استقبال سے لے کر ابدی حالت کے آغاز تک کے درمیانی زمانہ میں رونما ہوں گے (ابواب ۲۲-۴)۔ اس تیسرے حصّے کے مندرجات کو یاد رکھنے کا ایک طریقہ ذیل میں دیا جاتا ہے:

۱۔ باب ۴ سے ۹ تک بڑی مصیبت کا بیان ہے۔ یہ کم سے کم سات برس کا عرصہ ہے جس کے دوران خدا ایمان نہ لانے والی اسرائیلی قوم اور ایمان نہ لانے والی غیر قوموں کی بھی عدالت کرے گا۔ ان عدالتوں کا بیان مندرجہ ذیل استعاروں سے کیا گیا ہے:

(۱) سات مہرین۔
 (۲) سات نرسنگے۔
 (۳) سات پیالے۔

ب۔ ابواب ۲۰-۲۲ میں مسیح کی دوسری آمد، زمین پر اُس کی بادشاہی، بڑے سفید تخت کی عدالت اور ابدی حالت کا بیان ہے۔

بڑی مصیبت کے زمانہ میں ساتویں مہر ہے جس میں سات نرسنگے شامل ہیں۔ اور ساتویں نرسنگے میں سات پیالوں کی سزائیں بھی موجود ہیں۔ چنانچہ بڑی مصیبت کے زمانہ کو ایک نقشے کی صورت میں یوں پیش کر سکتے ہیں:

مہرین

۷،۶،۵،۴،۳،۲،۱

نرسنگے

۷،۶،۵،۴،۳،۲،۱

پیالے

۷،۶،۵،۴،۳،۲،۱

مکاشفہ کی کتاب میں جملہ مُعترضہ

مندرجہ بالا نقشہ مکاشفہ کی کتاب کے بڑے خیال کے سلسلے کو پیش کرتا ہے۔ البتہ جیسے جیسے بیان آگے بڑھتا ہے کئی دفعہ سلسلہ بیان مُنقطع ہوتا ہے اور قاری کو بڑی مصیبت کے زمانہ کی عظیم شخصیتوں اور واقعات سے متعارف کرایا جاتا ہے۔ بعض علما ان کو جملہ ہائے مُعترضہ یا

اندراج اضافی کا نام دیتے ہیں۔ ان میں سے اہم جملہ ہائے معترضہ یہ ہیں :

- ۱۔ ۴۴۰۰۰ راہبہودی مقدسین جن پر مہر کی گئی ۸-۱:۷
- ۲۔ اس دور کے غیر قوم ایماندار ۱۷-۹:۷
- ۳۔ ایک چھوٹی کتاب (طومار) لئے ہوئے طاقتور فرشتہ باب ۱۰
- ۴۔ دو گواہ ۱۲-۳:۱۱
- ۵۔ اسرائیل اور اژدہا باب ۱۲
- ۶۔ دو حیوان باب ۱۳
- ۷۔ ۴۴۰۰۰ مسیح کے ساتھ کوہ صیون پر ۵-۱:۱۴
- ۸۔ ابدی خوشخبری لئے ہوئے فرشتہ ۷-۱:۱۴
- ۹۔ بابل کے گرنے کا ابتدائی اعلان ۸:۱۴
- ۱۰۔ حیوان کی پرستش کرنے والوں کو خبردار کرنا ۱۲-۹:۱۴
- ۱۱۔ فصل کی کٹائی اور تناکستان ۲۰-۱۴:۱۴
- ۱۲۔ بابل کی بربادی ۳-۱۹:۱۷

اس کتاب میں علامات

مکاشفہ کی کتاب کی زیادہ تر زبان علامتی یا تمثیلی ہے۔ اعداد، رنگ، دھاتیں، موتی، حیوان ستارے اور چراغدان وغیرہ سب انسانوں، چیزوں اور سچائیوں کی نمائندگی کرنے کے لئے استعمال ہوئے ہیں۔

خوش قسمتی سے ان میں سے بعض علامتوں کی وضاحت خود اس کتاب میں موجود ہے۔ مثال کے طور پر سات ستارے سات کلیسیاؤں کے فرشتے ہیں (۲۰:۱)۔ بڑا اژدہا ابلیس یا شیطان ہے (۹:۱۲)۔ دوسری علامات کے معنوں کے بارے میں اشتکات بائبل مقدس کے دوسرے حصوں میں ملتے ہیں۔ چار جاندار (۶:۴) ان چار جانداروں کے مماثل نظر آتے ہیں جن کا ذکر حزقی ایل ۱:۵-۱۴ میں کیا گیا ہے۔ حزقی ایل ۱۰:۲۰ میں ان کی شناخت کروبیوں کی حیثیت سے کرائی گئی۔ چیتا، بچھ اور شیر بہر (۲:۱۳) ہمیں دانی ایل باب ۷ کی یاد دلاتے ہیں جہاں یہ جنگلی جانور بالترتیب یونان، فارس اور بابل کی بادشاہتوں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ پاک نوشتوں میں دوسری علامات کی وضاحت

صاف نہیں ہے۔ ان کی تشریح کرتے ہوئے ہمیں بے حد محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔

اس کتاب کی وسعت

پوری بائبل مقدس کی طرح مکاشفہ کی کتاب کا مطالعہ کرتے ہوئے کلیسیا اور اسرائیل کے درمیان فرق کو ہمیشہ ذہن میں رکھنا چاہئے۔ کلیسیا ایک آسمانی امت ہے جس کو روحانی برکات سے نوازا گیا ہے۔ مسیح کی دلہن ہے اور اس کو بلا یا گیا ہے کہ مسیح کے جلال میں شریک ہو۔ اسرائیل خدا کی قدیم اور زمینی امت ہے جس سے خدا نے ملک اسرائیل کا وعدہ کیا اور لغوی معنوں میں مسیح موعود کے زیر نگین زمینی بادشاہی دینے کا وعدہ بھی کیا۔ اصلی اور حقیقی کلیسیا کا بیان پہلے تین ابواب میں کیا گیا ہے، لیکن بعد میں برہ کی شادی کی ضیافت سے پہلے کہیں نظر نہیں آتی۔ اس ضیافت کا بیان ۱۹: ۶-۱۰ میں ہے۔ بڑی مصیبت کا دور (۴: ۱-۱۹: ۵) اپنی نوعیت میں بنیادی طور پر یہودی ہے۔

اس تعارفی حصے کو ختم کرنے سے پہلے یہ بتانا موزوں معلوم ہوتا ہے کہ تمام مسیحی مکاشفہ کی کتاب کی تفسیر و تاویل مندرجہ بالا خاکے کے مطابق نہیں کرتے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ابتدائی کلیسیا کی تاریخ میں مکاشفہ کی کتاب کی تکمیل ہو گئی ہے۔ دوسرے لوگ یہ تعلیم دیتے ہیں کہ یہ کتاب یوحنا کے ایام سے لے کر اخیر زمانہ تک کلیسیائی دور کی مسلسل تصویر پیش کرتی ہے۔ یہ کتاب خدا کے سارے فرزندوں کو سکھاتی ہے کہ ان چیزوں کے لئے زندگی گزارنا حماقت ہے جو بہت جلد مٹ جانے والی ہیں۔ اور حوصلہ افزائی کرتی ہے کہ خداوند کی دوسری آمد کا صبر سے انتظار کریں۔ بے ایمان کے لئے یہ کتاب سنجیدہ تنبیہ ہے کہ جتنے لوگ منجی کو رو کر رہتے ہیں ایک ہولناک حشر ان کا منتظر ہے۔

خاکہ

۱۔ وہ باتیں جو یوحنا نے دیکھیں (باب ۱)

ا۔ لقب اور سلام (۱: ۱-۸)

ب۔ مُنصیف کی پوشاک میں یسوع کی رویا (۱: ۹-۲۰)

۲۔ وہ باتیں جو ہیں — ہمارے خداوند کے خطوط (ابواب ۲، ۳)

ا۔ افسس کے نام (۱: ۲-۷)

ب۔ سمرنہ کے نام (۲: ۸-۱۱)

ج۔ پرگن کے نام (۲: ۱۲-۱۷)

د۔ تھوآتیرہ کے نام (۲: ۱۸-۲۹)

ه۔ سرڈیس کے نام (۳: ۱-۶)

و۔ فلدفیہ کے نام (۳: ۷-۱۳)

ز۔ لودیکیہ کے نام (۳: ۱۴-۲۲)

۳۔ وہ باتیں جو بعد میں واقع ہوں گی (ابواب ۴-۲۲)

ا۔ خدا کے تخت کی رویا (باب ۴)

ب۔ برہ اور سات مُہروں والی کتاب (طومار) (باب ۵)

ج۔ چھ مُہروں کا کھولا جانا (باب ۶)

د۔ بڑی مصیبت کے دوران نجات یافتگان (باب ۷)

ه۔ ساتویں مُہر، اور سات نرسنگوں کا شروع (ابواب ۸، ۹)

و۔ زور آور فرشتہ اور چھوٹی سی کتاب (طومار) (باب ۱۰)

ز۔ دو گواہ (۱۱: ۱-۱۴)

ح۔ ساتواں نرسنگ (۱۱: ۱۵-۱۹)

- ط۔ بڑی مصیبت کے زمانے کی کلیدی شخصیات (ابواب ۱۲-۱۵)
- ی۔ سات پیالوں کی آفتیں (باب ۱۶)
- ک۔ بابل اعظم کا گرنا (ابواب ۱۷، ۱۸)
- ل۔ مسیح کی آمد اور ہزار سالہ بادشاہی (۱: ۱۹-۹: ۲۰)
- م۔ شیطان اور سارے بے ایمانوں کی عدالت (۲۰: ۱۰-۱۵)
- ن۔ نیا آسمان اور نئی زمین (۱: ۲۱-۵: ۲۲)
- س۔ آخری انتباہ، تسلی، دعوت اور کلماتِ برکت (۶: ۲۲-۲۱)
-

تفسیر

۱۔ وہ باتیں جو یوحنا نے دیکھیں (باب ۱)

۲۔ لقب اور سلام (۱:۱-۸)

۲:۱-۲:۱۱۔ پہلی آیت میں کتاب کا مضمون بیان کیا گیا ہے، یعنی ”وہ باتیں دکھائے جن کا جلد ہونا ضرور ہے۔“ مکاشفہ کی کتاب بنیادی طور پر مستقبل سے پردہ اٹھاتی ہے۔ آنے والے واقعات کا ”مکاشفہ“ خدا نے ”یسوع مسیح“ کو دیا تھا۔ پھر خداوند یسوع نے یہ مکاشفہ اپنے ”فرشتہ“ کے سپرد کیا۔ اور فرشتہ نے اسے خداوند کے ”بندہ یوحنا“ پر ظاہر کیا۔ یہ کتاب لکھنے میں یوحنا کا مقصد یہ تھا کہ ان معلومات کو خداوند کے ”بندوں“ تک پہنچائے۔ سب کو ان میں شریک کرے۔ یہاں ”بندوں“ سے مراد تمام ایمان دار ہیں۔ ایسا کرنے میں یوحنا ”خدا کے کلام اور یسوع مسیح کی گواہی کی شہادت“ دیتا ہے۔ یہ خدا کا نبوت کا ”کلام“ ہے۔ اور یسوع مسیح اس کا گواہ ہے۔ مختصراً یہ کہ یوحنا نے ان ”سب چیزوں“ کی شہادت دی ہے جو اس نے آسمانی روایاؤں میں ”دیکھی تھیں۔“

۳:۱۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ خدا کا ارادہ ہے کہ یہ کتاب کلیسیا میں پڑھی جائے کیونکہ اس نے اس کو بلند آواز سے پڑھنے والوں کے لئے اور جماعت میں اس کے ”سننے والوں“ اور دل میں رکھ کر عمل کرنے والوں کے لئے خاص برکت کا وعدہ کیا ہے۔ ان نبوتوں کے پورا ہونے کا وقت نزدیک ہے۔

۵:۴:۱۔ اس کتاب میں یوحنا ”ان سات کلیسیاؤں“ کو مخاطب کرتا ہے جو رومی صوبہ آسیہ میں قائم تھیں۔ یہ صوبہ ایشیائے کوچک (موجودہ ترکی) میں واقع تھا۔

پہلے یوحنا ان کلیسیاؤں کے لئے ”فضل اور اطمینان“ کی دوا مانگتا ہے۔ ”فضل“ خدا کی وہ مہربانی ہے جس کے ہم حق دار نہیں۔ علاوہ ازیں اس میں وہ تقویٰ اور توفیق بھی شامل ہے جو مسیحی زندگی گزارنے کے لئے ہر روز درکار ہوتی ہے۔ ”اطمینان“ وہ تسلی اور سکون ہے جو ایمان دار کو ایذا رسانی، غم، بلکہ موت کا سامنا کرنے کی ہمت اور حوصلہ دیتا ہے۔ بیان کیا گیا ہے کہ فضل اور اطمینان خدا نے ٹائوٹ سے ملتے

ہیں۔ اُس سے صادر ہوتے ہیں جو ہے اور جو تھا اور جو آنے والا ہے۔ یہ ترکیب خدا باپ اور اُس کے ’یہوواہ‘ نام کے حقیقی معنی بیان کرتی ہے۔ وہی ازل سے ابد تک موجود ہے۔ وہی ہمیشہ سے ہمیشہ تک یکساں ہے۔ علاوہ ازیں یہ فضل اور اطمینان ”اُن سأت رُوحوں کی طرف سے“ ہے جو اُس کے تخت کے سامنے ہیں۔ یہ اشارہ اپنی پوری معنوی یا کاملیت کے ساتھ خدا پاک رُوح کی طرف ہے۔ سأت کاملیت اور تکمیل کا عدد ہے۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ بائبل مقدس کی اس آخری کتاب میں سأت کا عدد پچھن دفعہ آیا ہے۔

یہ فضل اور اطمینان ”یسوع مسیح کی طرف سے جو سچا گواہ اور مردوں میں سے جی اٹھنے والوں میں پہلو تھا اور دُنیا کے بادشاہوں پر حاکم ہے“ ملتا ہے۔ یہ سارے القاب واضح طور سے خدا کے بیٹے کا بیان کرتے ہیں۔ وہ قابلِ اعتبار گواہ ہے۔ ”مردوں میں سے جی اٹھنے والوں میں پہلو تھا“ کا مطلب ہے کہ وہ ”مردوں میں سے جی اٹھنے والوں“ میں پہلا ہے جو دوبارہ نہیں مرنے کا۔ اور وہ ہستی ہے جس کو ابدی زندگی سے لطف اندوز ہونے کے لئے مردوں میں سے جلائے جانے والے سب لوگوں میں عزت اور فوقیت حاصل ہے۔ ”وہ دُنیا کے تمام بادشاہوں پر حاکم“ بھی ہے۔ شروع میں سلام لکھنے کے بعد یوحنا خداوند یسوع مسیح کی حمد و ثنا اور ستائش کرتا ہے۔ ”مُنجی کا ذکر کرتے ہوئے پہلے تو کہتا ہے کہ یسوع وہ ہستی ہے جو ہم سے محبت رکھتا ہے اور جس نے اپنے خون کے وسیلہ سے ہم کو گناہوں سے خلاصی بخشی۔“ افعال کے زمانوں پر غور کریں۔ ”محبت رکھتا ہے“ زمانہ حال میں جاری عمل۔ ”خلاصی بخشی“ (دھوکہ پاک کیا) ماضی میں پورا اور مکمل کیا ہوا عمل۔ پھر ترتیب پر بھی غور کریں۔ ”ہم سے محبت رکھتا ہے“ اور حقیقت میں ہمیں ’خلاصی بخشے‘ سے بہت پہلے سے محبت رکھتا تھا۔ اور اُس نے جو قیمت ادا کی وہ بھی دیکھیں: اُس کا ”اپنا خون“۔ اگر پوری دیانتداری سے اپنا جائزہ لیں تو ہم اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ قیمت بہت زیادہ ہے۔ ہم اس لائق نہ تھے، حق دار نہ تھے کہ ہماری خلاصی کے لئے، ہمارے گناہوں کو دھونے کے لئے اتنی بڑی قیمت ادا کی جاتی۔

۱:۶۔ ہمیں دھونے اور خلاصی دینے کے ساتھ اُس کی محبت ختم نہیں ہو گئی، حالانکہ ایسا ہو سکتا تھا، بلکہ اُس نے ہم کو ایک بادشاہی بھی اور اپنے خدا اور باپ کے لئے کاہن بھی بنادیا۔ اور پاک گناہوں کی حیثیت میں ہم رُوحانی قربانیاں گزرتے ہیں۔ یہ قربانیاں کیا ہیں؟ ہماری ذات، ہمارا مال و اسباب، ہماری حمد و ثنا اور ہماری عبادت اور خدمت۔ شاہی گناہوں کی حیثیت سے ہم

اُس ہستی کے کمالات بیان کرتے ہیں جس نے ہم کو تاریکی میں سے اپنی عجیب اور شان دار روشنی میں بلایا۔ اگر اس محبت پر غور کریں تو ہم صرف ایک ہی نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ وہ اور صرف وہ ہی تمام ”جلال“، ”عزت“، عبادت، سجدہ اور حمد کے لائق ہے۔ اور ہم اُس کی جتنی بھی حمد و ستائش کریں کم ہے۔ وہ ہماری زندگیوں پر ”سلطنت“ کرنے کے لائق ہے۔ نہ صرف ہماری زندگیوں پر بلکہ کلیسیا، اور دنیا اور پوری کائنات پر ”سلطنت“ کرنے کے لائق ہے۔ ”آمین!“

۷:۱۔ وہ مبارک ہستی ”بادلوں“ کے رتھوں پر سوار ہو کر زمین پر واپس آنے والا ہے۔ اُس کی آمد نہ تو مقامی ہوگی اور نہ نا دیدنی۔ اس لئے کہ ”ہر ایک آنکھ اُسے دیکھے گی“ (مقابلہ متی ۲۴:۲۳، ۲۹، ۳۰)۔ جن لوگوں نے اُسے مصلوب کرنے کا تصور کیا اُن کے منہ کھلے کے کھلے رہ جائیں گے۔ بلکہ فی الحقیقت زمین پر کے سب قبیلے ”ماتم کریں گے اور چھاتی بیٹھیں گے“ کیونکہ وہ اپنے دشمنوں کی عدالت کرنے اور اپنی بادشاہی قائم کرنے آ رہا ہے۔ ایمان دار اُس کی آمد پر ماتم نہیں کریں گے۔ وہ کہتے ہیں ”بے شک۔ آمین!“

۸:۱۔ اب بولنے والا بدل جاتا ہے۔ خداوند یسوع اپنا تعارف کراتا ہے کہ میں ”الفا اور امیگا“ (یونانی حروف تہجی کا پہلا اور آخری حرف) ہوں۔ یعنی ”اول اور آخر“ ہوں۔ وہ ابدیت پر محیط ہے۔ اعلیٰ ترین ذخیرہ الفاظ بھی اسے بیان کرنے سے قاصر ہیں۔ وہ خلقت کا مبداء اور مقصد ہے۔ اُس نے دنیا میں خدا کا پروگرام شروع کیا، وہی اس کا اختتام کرے گا۔ وہ ”ہے“، وہ ”تھا“ اور وہ ”آنے والا ہے“۔ اپنی ہستی اور وجود میں الٰہی و ابدی اور اپنی طاقت و قوت میں ”قادر مطلق“ ہے۔

ب۔ مُنصف کی پوشاک میں یسوع کی رویا (۱: ۹-۲۰)

۹:۱۔ اب پھر یوحنا مخاطب ہے۔ وہ اپنا تعارف کراتا ہے کہ میں تمام ایمان داروں کا ”بھائی“ اور ”یسوع کی مصیبت اور بادشاہی اور صبر میں“ (سارے ایمان داروں کا) ”شریک ہوں“۔ یہاں وہ ”مصیبت اور صبر“ (استقلال) اور ”بادشاہی“ کو ایک دوسرے سے منسلک کرتا ہے۔ اعمال ۱۴:۲۲ میں پولس نے بھی اسی طرح کیا ہے۔ وہ مقدسوں کو نصیحت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ”ایمان پر قائم رہو... کہ ہم بہت مصیبتیں سہہ کر خدا کی بادشاہی میں داخل ہوں۔“

یوحنا ”پتیس“ نامی ”ٹاپو“ یعنی جزیرہ میں قید تھا۔ یہ جزیرہ ”مجرہ“ انخر میں واقع ہے۔ قید کی وجہ یہ تھی کہ وہ اپنے خداوند کا وفادار تھا۔ چنانچہ خدا کے کلام اور یسوع کی نسبت گواہی دینے

کے باعث ”اُس پر یہ اُفتاد پڑی تھی۔ لیکن اُس کا قید خانہ آسمانی ڈیورٹھی بن گیا، کیونکہ وہیں اُس کو جلال اور عدالت کی رویائیں عطا ہوئیں۔

۱۰:۱۔ ”یوحنا روح میں آگیا۔“ یعنی وہ خدا کی رفاقت میں تھا اور درمیان میں کوئی پردہ حائل نہ تھا۔ چنانچہ وہ ایسی حالت میں تھا کہ خدا سے پیغام حاصل کر سکتا تھا۔ یہ بات ہمیں یاد دلاتی ہے کہ سننے کے لئے ضروری ہے کہ وہ شخص نزدیک ہو۔ ”خداوند کے راز کو وہی لوگ جانتے ہیں جو اُس سے ڈرتے ہیں“ (زبور ۲۵: ۱۴)۔ یہ واقعہ ”خداوند کے دن“ یعنی ہفتہ کے پہلے دن پیش آیا۔ یہ خداوند کے جمی اٹھنے کا دن ہے۔ اور بعد میں خداوند دو دفعہ اسی دن اپنے شاگردوں پر ظاہر ہوا۔ ہفتہ کے پہلے دن ہی پینٹسٹ کو روح القدس نازل ہوا تھا۔ خداوند کے دن ہی شاگرد روٹی توڑنے کے لئے جمع ہوا کرتے تھے۔ پولس نے کرنتھیوں کو ہدایت کی کہ ہفتہ کے پہلے دن چندہ اکٹھا کیا کرو۔ بعض علی کا خیال ہے کہ یوحنا اس عدالت کے وقت کی طرف اشارہ کر رہا ہے جس کے بارے میں وہ لکھنے کو تھا۔ اچانک یوحنا نے ”اپنے پیچھے نرسنگے کی سی“ صاف اور بلند آواز سنی۔

۱۲:۱۱۔ یہ آواز یسوع کی تھی۔ وہ یوحنا کو ہدایت دے رہا تھا کہ جو کچھ تو ابھی دیکھنے کو ہے وہ ساری باتیں ایک کتاب میں لکھ کر ساتوں کلیسیاؤں کے پاس بھیج دے۔ ”یوحنا اُس بولنے والے کو دیکھنے کو مڑا تو سونے کے ساتھ چراغ دان دیکھے۔“ ہر چراغ دان کی ایک کڑی یا پایہ تھا۔ اُس کے اوپر عہدی ڈنڈی اور اُس کے اوپر تیل سے جلنے والا چراغ تھا۔

۱۳:۱۔ ”اُن چراغ دانوں کے بیچ میں آدم زاد سا ایک شخص“ تھا۔ اُس کے اور ایک ایک ”چراغ دان“ کے درمیان کوئی چیز، کوئی وسیلہ، کوئی تنظیم یا کوئی دینی حکومت نہ تھی۔ ہر کلیسیا خود مختار تھی۔ اُس ”آدم زاد“ نے لباس کے اوپر جو چیز پہن رکھی تھی ”پاؤں تک کا جامہ“ تھا جو قاضی یا مُصنّف (جج) پہنتے تھے۔ اُس کا ”سینہ بند“ یعنی سینہ پر پہننے کا پٹکا اُس صداقت اور دیانت داری کی ترجمانی کرتا ہے جس سے وہ انصاف کرتا ہے (دیکھئے یسعیاہ ۵: ۱۱)۔

۱۴:۱۔ ”اُس کا سر اور بال سفید اُون بلکہ برف کی مانند سفید تھے۔“ یہ اُس کے ازلی ہونے کی تصویر ہے، کیونکہ وہ ”قدیم الایام“ (دانی ایل ۹: ۲۴) ہے۔ اس کے علاوہ یہ اُس کے عدل و انصاف کی پاکیزگی اور ستجائی کی بھی علامت ہیں۔ ”اُس کی آنکھیں آگ کے شعلہ کی مانند تھیں۔“ یہ اُس کے علم کامل، لازوال بصیرت اور اُس تقیّش اور جاہل کو ظاہر کرتی ہیں جس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔

۱۵:۱۔ ”خداوند کے“ پاؤں اُس خالص پیتل کے سے تھے جو جھٹٹی میں تپایا گیا ہو“ اور جس کو صیقل

کہا گیا ہو۔ چونکہ پتیل یکساں اور مضبوط عدالت اور انصاف کی مثال ہے اس لئے اس نظریہ کو تقویت ملتی ہے کہ یہاں بنیادی طور پر منصف کا منصب پیش نظر ہے۔
 ”اُس کی آواز زور کے پانی کی سی تھی“۔ سمندر کی موجوں یا پہاڑی آبشار کی طرح رعبدار اور ہیبت ناک تھی۔

۱۶:۱۔ ”اُس کے دہنہ ہاتھ میں ساٹ ستارے تھے۔“ اس سے ملکیت، قوت، اختیار اور عزت کا اظہار ہوتا ہے۔ ”اُس کے منہ میں سے ایک دودھاری تیز تلوار نکلتی تھی۔“ یہ خدا کا کلام ہے (عبرانیوں ۱۲:۴)۔ یہاں بیان ہے اُن بالکل درست عدالتی فیصلوں کا جو اُس کے اپنے لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں اور ساٹ کلیسیاؤں کے نام خطوں میں نظر آتے ہیں۔

”اُس کا چہرہ ایسا چمکتا تھا جیسے تیزی کے وقت آفتاب“۔ یہ اُس کی الوہیت کے فوق العقل جلال اور خیرہ کن درخشانی کا بیان ہے۔

ان سارے تصورات کو یکجا کریں تو جیسا مسیح اپنی پوری کاملیت میں نظر آتا ہے، اور ہم جان لیتے ہیں کہ وہ اس لائق ہے کہ ساٹ کلیسیاؤں کی عدالت کرے۔ اسی کتاب میں ہم آگے چل کر دیکھیں گے کہ وہ اپنے دشمنوں کی بھی عدالت کرے گا، مگر ضرور ہے کہ خدا کے گھر سے عدالت شروع ہو (۱ پطرس ۴:۱)۔ مگر غور کریں کہ ہر دو حالتوں میں عدالت فرق فرق ہے۔ کلیسیاؤں کی عدالت پاک کرنے اور اجر دینے کے مقصد سے جبکہ دنیا کی عدالت سزا دینے کے مقصد سے کی جائے گی۔

۱۷:۱۔ اس عادل منصف کو دیکھ کر یوحنا ”اُس کے پاؤں میں مردہ ساگر پرٹا“۔ مگر خداوند نے اُسے بحال کیا اور اس پر مظاہر کیا کہ ”میں اول اور آخر ہوں۔“ یہ یہوواہ کا لقب ہے (یسعیاہ ۴۴:۶)۔

۱۸:۱۔ یہ منصف وہ زندہ ہستی ہے جو ”مر گیا تھا“ مگر اب وہ ”ابدالاً یا زندہ“ رہے گا۔
 ”موت اور عالم ارواح کی کنجیاں“ اُس کے ہاتھ میں ہیں۔ اُسے دونوں پر اختیار حاصل ہے اور اُسے مردوں کو زندہ کرنے کی کیٹا اور بے مثال قدرت حاصل ہے۔ ”موت“ جسم کی اور ”عالم ارواح“ رُوح کی نمائندگی کرتا ہے۔ جب کوئی شخص مَر جاتا ہے تو رُوح تو ”عالم ارواح“ میں چلی جاتی ہے۔ یہ بے جسم کی حالت کو بیان کرنے کی اصطلاح ہے۔ جسم قبر میں چلا جاتا ہے۔ ایمان دار کے لئے یہ بے جسم کی حالت خداوند کے حضور میں ہونے کی مانند ہے۔ قیامت کے وقت رُوح جلال یافتہ بدن کے ساتھ دوبارہ ملے گی۔ پھر ہم فضا میں اُٹھائے جائیں گے اور باپ کے گھر میں چلے

جائیں گے۔

۱۹:۱۔ یوحنا کو حکم ہوتا ہے کہ ”جو باتیں تو نے دیکھیں“ (باب ۱) اور ”جو ہیں“ (باب ۲، ۳) اور جو ان کے بعد ہونے والی ہیں“ (ابواب ۴-۲۲) وہ سب ”لکھ لے“۔ یہاں ہمیں کتاب کا عام خاکہ دیا گیا ہے۔ ۲۰:۱۔ اس کے بعد خداوند نے یوحنا کو ”سات ستاروں کا“ اور ”سونے کے سات چراغداروں“ کے ”بھید“ کا مطلب سمجھایا۔ ”ستارے“ تو ”سات کلیسیاؤں“ کے ”فرشتوں“ یا ایلمچیوں کے نمائندہ ہیں، جبکہ ”سات چراغدار“ خود ”سات کلیسیاؤں“ کے نمائندہ ہیں۔

لفظ ”فرشتوں“ کی کئی مختلف تشریحات پیش کی گئی ہیں۔ بعض علما کا خیال ہے کہ یہ ایک قسم کے فرشتے ہیں جو کلیسیاؤں کی نمائندگی کرتے ہیں جیسے کہ کچھ فرشتے قوموں کی نمائندگی کرتے ہیں (دانی ایل ۱۰:۱۳، ۲۰:۲۱)۔ دوسرے علما کا خیال ہے کہ وہ ان کلیسیاؤں کے بپتسم (یا پاسٹر/پاسبان) ہیں۔ لیکن اس تشریح کو پاک نوشتوں کی حمایت حاصل نہیں۔ بعض علما کا خیال ہے کہ یہ ”فرشتے“ انسانی ایلمچی یا ہرکارے ہیں جنہوں نے پتسم میں یوحنا سے خطر لے اور انفرادی کلیسیاؤں کو جادے۔ ایک ہی یونانی لفظ ”انگیلوس“ کا مطلب فرشتہ بھی ہے اور پیغام بر/ایلمچی/ہرکارہ بھی ہے۔ لیکن کتاب میں پہلا مطلب (فرشتہ) بہت نمایاں ہے۔ بہر حال یہ بات صاف ہے کہ ان خطوط کا مواد کلیسیاؤں کے لئے ہے۔

”چراغدار“ نور/روشنی کے متعل برادر ہوتے ہیں اور مقامی کلیسیاؤں کی نہایت مناسب علامت ہیں، کیونکہ ان کا فرض ہوتا ہے کہ دنیا کی تاریکی میں خدا کے لئے چمکیں۔

۲۔ وہ باتیں جو ہیں۔ ہمارے خداوند کے خطوط

(ابواب ۲، ۳)

ابواب ۲ اور ۳ میں خطوط ہیں جو آسمیہ کے صوبے کی سات کلیسیاؤں کے نام لکھے گئے ہیں۔ ان خطوط کا اطلاق کم سے کم تین طرح کیا جا سکتا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ اس حالت کا بیان کرتے ہیں جو سات مقامی کلیسیاؤں میں اس وقت پائی جاتی تھی جب یوحنا نے یہ خط لکھے۔ دوسرے یہ تاریخ کے کسی بھی دور میں مسیحی دنیا کا نظارہ پیش کرتے ہیں۔ جو خدا و خال ان خطوط میں دکھائے گئے ہیں وہ پینتکست سے لے کر کم سے کم جزوی طور پر ہر صدی میں موجود رہے ہیں۔ اس لحاظ سے یہ خط متی باب ۱۳ میں درج سات تمثیلوں سے بڑی مشابہت رکھتے ہیں۔ تیسرے،

یہ خط مسیحی دنیا کی تاریخ کے توازن کی پیشگی جھلک دکھاتے ہیں۔ ہر کلیسیا ایک واضح اور نمایاں دور کی عکاسی کرتی ہے۔ حالات کا عام میلان زوال کی طرف ہے۔ بہت سے علما کو یقین ہے کہ پہلے تین خط متوالیہ یا یکے بعد دیگرے (حالات) ہیں اور آخری چار خط ہم وقتی (کسی زمانہ میں ایک ساتھ یا متوازی وقوع پذیر ہونے والے) حالات پیش کرتے ہیں اور ان کا سلسلہ فضائی استقبال تک چلتا ہے۔

تیسرے نقطہ نظر کے مطابق کلیسیا کی تاریخ میں اودار عام طور پر مندرجہ ذیل ہیں:

”افس“۔ پہلی صدی کی کلیسیا عام طور پر قابلِ تعریف تھی، مگر اس نے اپنی پہلی ہی محبت چھوڑ دی تھی۔

”سمرنہ“۔ پہلی سے چوتھی صدی تک کلیسیا رومی شہنشاہوں کے ہاتھوں ظلم و ستم برداشت کرتی رہی۔

”پکن“۔ چوتھی اور پانچویں صدی کے دوران قسطنطین کی زیر سرپرستی مسیحیت کو سرکاری مذہب مانا جاتا تھا۔

”تھوآتیرہ“۔ چھٹی سے پندرہویں صدی تک مغربی مسیحی دنیا میں رون کی تھوٹ کلیسیا کا طوطی بولتا رہا، یہاں تک کہ تحریک اصلاح کلیسیا نے اسے ہلاک رکھ دیا۔ مشرق میں آٹھویں صدی کلیسیا کے جھنڈے لہراتے تھے۔

”سردیس“۔ سولہویں اور سترہویں صدی اصلاح کلیسیا کی تحریک کے بعد کا دور ہے۔ اس تحریک کی روشنی بہت جلد ماند پڑ گئی۔

”فلڈلفیہ“۔ اٹھارہویں اور انیسویں صدی کے دوران کئی دفعہ زبردست بیداری اور بحالی آئی اور بڑی بڑی مشنری تحریکیں چلیں۔

”نودیکہ“۔ یہ آخری دنوں کی کلیسیا کی تصویر ہے جو نیم گرم اور برگشتہ ہے۔ یہ آزاد خیالی اور اقوامیت (مختلف مسیحی فرقوں میں اتحاد) والی کلیسیا ہے۔

خطوط کی عام ساخت یا ڈھانچے میں مشابہت پائی جاتی ہے۔ مثال کے طور پر ہر خط کے آغاز میں کسی انفرادی کلیسیا کو مخاطب کیا گیا ہے۔ ہر خط خداوند یسوع کے ایسے کردار کو پیش کرتا ہے جو خاص طور سے اس کلیسیا کے حسبِ حال ہے۔ ہر خط بیان کرتا ہے کہ خداوند اس کلیسیا کے کاموں سے واقف ہے۔ اس بیان کا آغاز ہمیں جانتا ہوں سے ہوتا ہے۔ سوائے نودیکہ کے ہر کلیسیا کے لئے تعریفی الفاظ کہے گئے ہیں۔ سوائے سمرنہ اور فلڈلفیہ کے ساری کلیسیاؤں کو

سرزنش کی گئی ہے۔ ہر کلیسیا کو خاص نصیحت کی گئی ہے کہ سُننے کہ رُوح کیا کہتا ہے۔ اور ہر خط میں غالب آنے والے کے لئے وعدہ شامل ہے۔

ہر کلیسیا کا اپنا ایک امتیازی کردار ہے۔ فلپس اُن کو مندرجہ ذیل القاب دیتا ہے جن سے اُن کے غالب خدوخال کی وضاحت ہوتی ہے۔ افسس، بے عیبت کلیسیا۔ کورنثی، ایذا رسیدہ کلیسیا۔ ریمون، خد سے بڑھ کر برداشت کرنے والی کلیسیا۔ تھوآتیرہ، مفاہمت آمادہ کلیسیا۔ سردس، خواہیدہ کلیسیا۔ فلڈلفیہ، وہ کلیسیا جس کے پاس موقع ہے۔ اور کورنثیہ، بے پروا کلیسیا۔ ان کلیسیاؤں کے مسائل (۱) محبت ترک کر دی ہے (۲) دکھوں کا خوف (۳) تعلیم سے انحراف (۴) اخلاقی گمراہی (۵) رُوحانی مروجی (۶) مضبوطی سے نہ تھامنا (۷) نیم گرم ہونا۔

۱۔ افسس کے نام (۲: ۱-۷)

۱:۲۔ خداوند "افسس کی کلیسیا" سے اپنا تعارف کراتا ہے کہ میں وہ ہستی ہوں جو اپنے دینے ہاتھ میں ساتوں ستارے لئے ہوئے ہے اور سونے کے ساتوں چراغوں میں پھرتا ہے۔ ان خطوط میں خداوند کے بارے میں اکثر و بیشتر وہی باتیں بیان ہوئی ہیں جو پہلے باب میں پائی جاتی ہیں۔

۲:۲۔ یہ کلیسیا اپنے ہمت سے کاموں کے لئے نامور اور اپنی مشقت اور صبر کے لئے مشہور تھی۔ یہ اپنے درمیان بدوں کو دیکھ نہیں سکتی تھی۔ اس کو چھوٹے رسولوں کا امتیاز کرنے کی رُوح اور اُن کے ساتھ نمٹنے کی توفیق حاصل تھی۔

۳: ۳، ۴۔ افسس کی کلیسیا نے مسیح کے نام کی خاطر بڑے صبر سے آزمائشیں اور تکالیف جھیلی تھیں اور اُن تھک محنت کی تھی۔ مگر اس کا المیہ یہ تھا کہ اس نے پہلی سی محبت چھوڑ دی تھی۔ اس کی محبت کی آگ دھیمی ہو گئی تھی۔ اس کے ابتدائی دنوں کا دھماکا ہوا جوش و جذبہ جاتا رہا تھا۔ ایمان داروں کو گزرے دن یاد آتے تھے، جب صبح کے لئے کولہن کی محبت میں گر جوشی، بھرپور سی اور بے ساختگی تھی۔ تعلیم اور عقیدے کے اعتبار سے وہ اب بھی مضبوط بنیاد پر کھڑے تھے اور خدمت میں سرگرم تھے، مگر عبادت اور خدمت کے پیچھے پہلے جیسا مقصد اور محرک موجود نہیں تھا۔

۵: ۲۔ اُن کو اپنے ایمان کے ابتدائی دور کو یاد رکھنا چاہئے، اپنی پہلی سی محبت کے کم ہونے پر توبہ کرنی چاہئے اور اُسی دلی خدمت اور عبادت کا مظاہرہ کرنا چاہئے جو اُن کی

مسیحی زندگی کے ابتدائی ایام کا خاصہ تھی۔ ورنہ خداوند کلیسیا کے ”چراغدان کو اُس کی جگہ سے ہٹا دے گا، یعنی افسس کی کلیسیا کا وجود ختم ہو جائے گا۔ اُس کی گواہی دہٹ جائے گی۔

۶:۲۔ اس کلیسیا کی ایک اور قابل تعریف بات یہ ہے کہ وہ ”ریمکلیٹوں کے کاموں سے نفرت“ رکھتی تھی۔ ہم یقین سے نہیں کہہ سکتے کہ یہ کون لوگ تھے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ وہ نکولس نامی کسی مذہبی لیڈر کے پیرو تھے۔ کچھ علما بیان کرتے ہیں کہ اس لفظ کا مطلب ہے ”کلیسیا کے عام اراکین پر حکومت چلانا“۔

۷:۲۔ جو لوگ خدا کے کلام کو سننے کے کان رکھتے ہیں اُن کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ سنیں کہ ”روح کلیسیاؤں سے کیا فرماتا ہے“۔

اس کے بعد غالب آنے والے کے لئے ایک وعدہ پیش کیا گیا ہے۔ نئے عہد نامہ کے عام مفہوم کے مطابق غالب آنے والا وہ ہے جو ایمان رکھتا ہے کہ یسوع مسیح خدا کا بیٹا ہے (۱-یوحنا ۵: ۵)، یعنی سچا ایمان دار۔ اُس کا ایمان اُسے دنیا کی آزمائشوں اور رنجبتوں پر غالب آنے کی توفیق دیتا ہے۔ غالباً ہر خط میں ”غالب آنا“ ایک اضافی خیال پیش کرتا ہے جس کا تعلق اُس کلیسیا کی خاص حالت کے ساتھ ہوتا ہے۔ چنانچہ افسس کی کلیسیا میں ”غالب آنے والا“ وہ ہوگا جو اپنی پہلی سی محبت سے انحراف کرنے پر توبہ کرتا ہے۔ اور یوں اپنے ایمان کی خالصیت دکھاتا ہے۔ خداوند کہتا ہے کہ جو شخص بھی اس طرح ”غالب آئے“ یں، اُسے اُس زندگی کے درخت میں سے جو خدا کے فردوس میں ہے پھل کھانے کو دوں گا۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ انسان غالب آنے سے نجات پاتا ہے، بلکہ غالب آنا ثبوت ہے کہ اُس کی تبدیلی حقیقی اور سچی ہے۔ انسان کو نجات صرف فضل سے اور مسیح پر ایمان لانے کے وسیلے سے ملتی ہے۔ جتنے بھی نجات پائیں گے وہ ”زندگی کے درخت میں سے“ پھل کھائیں گے، یعنی ابدی زندگی کی معمولی کے ساتھ آسمان میں داخل ہوں گے۔

اکثر کہا جاتا ہے کہ افسس کی کلیسیا رسولوں کی وفات کے تھوڑے ہی عرصے بعد کی کلیسیائی حالت کو پیش کرتی ہے۔

ب۔ سمیرنہ کے نام (۱۱-۸:۲)

۸:۲۔ ”سمیرنہ“ کا مطلب ہے ”مُر“ یا ”کڑواہٹ“۔ یہاں مسیح اپنے آپ کو اُس ہستی

کے طور پر پیش کرتا ہے ”جو اول و آخر ہے اور جو سر گیا تھا اور زندہ ہوا۔“ یہ بیان اُن لوگوں کے لئے خصوصاً تسلی بخش تھا جن کو ہر روز موت کے خطرے کا سامنا تھا۔

۹:۲۔ بڑی نرمی اور خاص لطافت سے خداوند یسوع اپنے دکھوں میں گھرے ہوئے مقدسوں سے کہتا ہے کہ میں تمہاری ”مُصِیبت“ کو اچھی طرح ”جانتا ہوں۔“ بظاہر وہ ”غریبی“ کے مارے ہوئے تھے، لیکن جہاں تک روحانی باتوں کا تعلق ہے وہ ”دولت مند“ تھے۔

سمرنہ کے مقدسوں پر یہودیوں کی طرف سے سخت حملے ہو رہے تھے۔ مؤرخین بتاتے ہیں کہ ان یہودیوں نے پالکارپ کی شہادت میں بڑی سرگرمی سے حصہ لیا تھا۔ یہ اُن کی دشمنی کی ایک مثال ہے۔ ”یہودی“ ہونے کے باعث وہ دعویٰ کرتے تھے کہ ہم خدا کی برگزیدہ قوم ہیں، مگر اپنے کافرانہ کردار سے وہ ثابت کرتے تھے کہ وہ ”شیطان کی جماعت ہیں۔“

۱۰:۲۔ ہر مسیحی کو حوصلہ رکھنا چاہئے، کیونکہ خداوند کہتا ہے کہ ”جو دکھ تجھے پہنچنے ہوں گے اُن سے خوف نہ کر۔“ بعض کو قید میں ڈالا جائے گا اور ”دش دن تک“ کی ”مُصِیبت“ سے اُن کی آزمائش ہوگی۔ اس عرصے سے مُراد لغوی معنوں میں ”دش دن“ بھی ہو سکتے ہیں اور ایذا رسانی کے وہ دش دور بھی جو قسطنطین سے پہلے رومی شہنشاہوں کے دنوں میں مسیحیوں پر آئے تھے۔ نیز دیولیطیان کے تحت ”دش“ سال کا ظلم و رستم بھی مُراد ہو سکتا ہے۔

ایمان داروں کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ ”جان دینے تک بھی وفادار رہیں، یعنی مسیح پر ایمان کا انکار کرنے کی بجائے مرنے کو تیار ہوں۔ اُن کو ”زندگی کا تاج“ ملے گا۔ یہ شہیدوں کا خاص انعام ہے۔

۱۱:۲۔ پھر حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ سنیں کہ ”روح کلیسیاؤں سے کیا کہتا ہے۔“ غالب آنے والے کو ”دوسری موت“ سے بچائے رکھنے کا وعدہ کیا گیا ہے۔ یہاں غالب آنے والا وہ ہے جو اپنے ایمان کا ثبوت اس طرح دیتا ہے کہ بے ضمیر ہو کر اس دنیا میں رہنے کی بجائے باضمیر ہو کر آسمان پر جانے کو ترجیح دیتا ہے۔ اُس پر ”دوسری موت“ کا کچھ اثر نہ ہوگا۔ یہ موت سارے غیر ایمان داروں کا یقینی حصہ ہے۔

ج۔ برگمن کے نام

(۱۲:۲-۱۷)

۱۲:۲۔ ”برگمن“ کا مطلب ہے ”اونچا برج“ یا ”کاہل شادی شدہ۔“ اس خط میں بتایا گیا ہے

کہ خداوند کے پاس ”دو دھاری تلوار ہے۔“ یہ تلوار خدا کا کلام ہے (عبرانیوں ۴: ۱۲) جس سے وہ جماعت کے اندر مجسے کام کرنے والوں کو سزا دے گا (آیت ۱۶)۔

۱۳: ۲۔ پرگتی آئیہ میں شاہ پرست فرقے کا صدر مقام تھا۔ اس لئے اسے ”شیطان کی تخت گاہ“ کا نام دیا گیا ہے۔ چاروں طرف الحاد اور بت پرستی کے باوجود کلیسیا مسیح کی وفادار تھی حالانکہ اس کا ایک رکن ”انٹپاس“ خداوند یسوع پر ایمان کے اقرار کے سبب سے شہید کر دیا گیا تھا۔ وہ تاریخ میں پہلا ایسیائی ہے جس نے شہنشاہ کی پرستش کرنے سے انکار پر شہادت پائی۔

۱۴: ۲، ۱۵۔ ”لیکن“ خلفہ کو اس کلیسیا کو سرزنش کرنا ہے، کیونکہ وہ غلط اور بُرا عقیدہ اور تعلیم رکھنے والے افراد کو مسیحی رفاقت میں شامل رہنے کی اجازت دیتی ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو ”بلعام کی تعلیم“ کو اور ”نیکلیوں کی تعلیم“ کو مانتے تھے۔ ”بلعام کی تعلیم“ بتوں کی قربانیاں کھانے اور ”خرام کاری“ کرنے کی اجازت دیتی تھی۔ یہاں ناجائز نفع کی خاطر منادی کرنے کی طرف بھی اشارہ ہے (گنتی ۲۲-۲۵: ۳۱)۔

”نیکلیوں کی تعلیم“ کی وضاحت نہیں کی گئی۔ بائبل مقدس کے بیشتر علما کا خیال ہے کہ یہ وہ آزاد خیال (بلکہ آوارگی پسند) لوگ تھے (اور ہیں) جو تعلیم دیتے ہیں کہ جتنے فضل کے ماتحت ہیں ان کو بت پرستی اور جنسی گناہ کرنے کی کھلی جھٹٹی ہے۔

۱۶: ۲۔ سچے ایمان داروں کو ”توبہ“ کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اگر توبہ کریں گے تو خیال کیا جاتا ہے کہ اپنے بچپن میں سے جھوٹے استادوں کو نکال باہر کریں گے۔ ورنہ خداوند خود ان شریر لوگوں سے ”رٹے گا“۔

۱۷: ۲۔ فرمانبردار مقدسین کا فرض ہے کہ مٹینس کے ”روح کلیسیاؤں سے کیا فرماتا ہے“۔ ”جو غالب آئے“ اس کو ”پوشیدہ من میں سے“ اور ”ایک سفید پتھر“ دیا جائے گا۔ پرگتی کی کلیسیا میں غالب آنے والا وہ ہوگا جو مقامی کلیسیا میں جھوٹے استادوں کا وجود برداشت نہیں کرتا۔ لیکن ”پوشیدہ من“ اور ”سفید پتھر“ کیا چیزیں ہیں؟

”من“ تو خود مسیح کا شیل ہے۔ یہ مٹوں کو نذر کی گئی خوراک کے مقابلے میں آسمانی خوراک پیش کرتا ہے (آیت ۱۴)۔ ”پوشیدہ من“ سے مراد غالباً ”اس برستی کے ساتھ شیریں اور پوشیدہ رفاقت ہے جو جلال میں اس شخصیت کی حیثیت میں جانا پہچانا جاتا ہے جس نے اس دنیا میں دکھ اٹھایا تھا۔“

”سفید پتھر“ کی کئی تفسیریں پیش کی جاتی ہیں۔ سفید پتھر قانونی مقدمہ میں بریت کی علامت اور کھیلوں کے مقابلے میں فتح کا نشان ہوتا تھا۔ پھر میزان اپنے جہان کو ”خیر مقدم“ کے اظہار کے لئے بھی سفید پتھر دیتا تھا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ غالب آنے والے کے لئے خداوند کی طرف سے انعام اور اُس کی طرف سے انفرادی منظوری کا اظہار ہے۔ ”نیا نام“ ظاہر کرتا ہے کہ خدا نے ایمان دار کو قبول کر لیا ہے اور اُسے جلال کا حقدار ٹھہرایا ہے۔

تاریخی لحاظ سے یہ کلیسیا قسطنطین کے فوراً بعد کے زمانے کی نمائندہ ہے جب کلیسیا حکومت کے ساتھ کامل طور پر مل گئی تھی۔ ہزاروں ہزار صرف نام کے مسیحی بن کر رہ گئے اور کلیسیا اپنے دریاں بت پرستانہ رسموں کو برداشت کرنے لگی تھی۔

د۔ تھوآتیرہ کے نام

(۲۹-۱۸:۲)

۱۸:۲۔ ”تھوآتیرہ“ نام کا مطلب ہے ”داڑھی قربانی“ یا ”مُسلّس نذرانہ“۔ اس خط میں ہم دیکھتے ہیں کہ خدا کے بیٹے کی ”آنکھیں آگ کے شعلہ کی مانند اور پاؤں خالص پیتل کی مانند ہیں“۔ یہ ”آنکھیں“ اُس نظر کا بیان کرتی ہیں جو اندر گھس کر سب کچھ دیکھ لیتی ہیں، اور یہ پاؤں اُس غضب کا پتہ دیتے ہیں جو نازل ہوا ہی چاہتا ہے۔

۱۹:۲۔ یہ کلیسیا کئی باتوں میں نمایاں اور امتیازی مدبر رکھتی ہے۔ اس میں کاموں اور محبت اور ایمان اور خدمت اور دکھ اور ظلم سہنے میں صبر کی کمی نہ تھی۔ بلکہ اس کے کاموں میں توازن اور ہور ہی تھی۔

۲۰:۲۔ لیکن اس کلیسیا میں ناخالص تعلیم کو برداشت کیا جاتا تھا جس کے نتیجے میں ”حرام کاری“ اور محبت پرستی رواج پا گئی تھی۔

”ایزبل“ نامی ایک ”عورت“ ”بنیہ“ بن بیٹھی تھی جو خدا کے خادموں کو گناہ پر مائل اور راغب کرتی تھی، مگر کلیسیا اسے کچھ نہیں کہتی تھی۔ جس طرح پُرانے عہد نامہ میں ایزبل نے حرام کاری اور زنا کاری سے خدا کی قوم کو بگاڑ دیا تھا، اُسی طرح یہ عورت بھی تعلیم دیتی تھی کہ مسیحی ان کاموں کو کر سکتے ہیں۔ ان میں کوئی گناہ نہیں۔ غالباً وہ ایمان داروں کی حوصلہ افزائی کرتی تھی کہ تھوآتیرہ کی تجارتی انجمنوں میں شامل ہو جائیں، حالانکہ ایسا کرتے ہوئے مخصوص تجارتی انجمنوں کے دیوی دیوتاؤں کی تعظیم کرنی پڑتی تھی۔ اور اُن تعاریب میں شریک ہونا پڑتا تھا جہاں ”توں

کی قربانیاں پیش کی جاتی اور کھائی جاتی تھیں۔ یہ نبیہ ایسی مقامیتوں کو جائز قرار دیتی تھی۔ اور دلیل یہ دیتی تھی کہ اس طرح کلیسیا کے مقصد کے حصول میں ترقی اور فروغ ہوگا۔

۲۱:۲-۲۳۔ چونکہ وہ اپنی حرام کاری سے توبہ کرنا نہیں چاہتی تھی اس لئے خداوند اُسے بیماری کے ”بستر پر“ ڈالنے کو تھا، یعنی عیش و عشرت کے بستر کی بجائے اُس کو دکھ اور مصیبت کا سامنا کرنا ہوگا۔ جو اُس کے ساتھ نہ کرتے تھے، خداوند کہتا ہے کہ اگر وہ اُس کے سے کاموں سے توبہ نہ کریں تو وہ ”بڑی مصیبت“ میں پھنس گئے۔ یہ خداوند کی طرف سے ہوگا۔ غالباً تھوآتیرہ میں لغوی معنوں میں کوئی نبیہ موجود تھی جس کا نام ایزبل تھا۔ لیکن بائبل مقدس کے چند علما کو ای میں ٹھوئے کلیسیائی نظام کا حوالہ نظر آتا ہے جس میں عیش پرستی اور حرام کاری جیسے گناہوں کی معافی کا یقین دلایا جاتا ہے۔

۲: ۲۴، ۲۵۔ تھوآتیرہ میں ایک دفعہ دار بقیہ موجود تھا (باقی لوگوں۔۔۔ جو اس تعلیم کو نہیں مانتے) جنہوں نے ایزبل کی تعلیم اور رسومات میں شمولیت اختیار نہیں کی تھی۔ اسی تعلیم کو ”شیطان کی گہری باتیں“ کہا گیا ہے۔ کلیسیا کو تاکید کی جاتی ہے کہ جو سچائی اُس کے پاس ہے مسیح کے آنے تک اُس کو ”تھامے“ رہے۔ فی الحال ایمان داروں پر اس سے زیادہ ذمہ داری کا بوجھ نہیں ڈالا جا رہا۔

۲۶:۲-۲۸۔ تھوآتیرہ میں غالب آنے والا ایمان دار وہ ہوگا جو ثابت قدمی سے صحیح مسیحی کاموں کے موافق آخر تک عمل کرے گا۔ اُس کا اجر یہ ہے کہ ہزار سالہ بادشاہی میں مسیح کے ساتھ بادشاہی کئے گا۔ اُسے ”قوموں پر اختیار“ حاصل ہوگا اور وہ ”توبہ کے عصا سے اُن پر حکومت کرے گا“۔ تمام گناہ اور بغاوت کی فوری اور سخت سزا دی جائے گی۔ خداوند غالب آنے والے کو ”صبح کا ستارہ“ دینے کا وعدہ کرتا ہے۔ خداوند یسوع ”صبح کا چمکتا ہوا ستارہ“ (۲۲: ۱۶) ہے۔ ”صبح کا ستارہ“ سورج کے طلوع ہونے سے پہلے نمودار ہوتا ہے۔ اسی طرح آفتاب صداقت کے زمین پر بادشاہی کرنے کے لئے طلوع ہونے سے پہلے مسیح صبح کے ستارہ کی حیثیت سے ظاہر ہوگا تاکہ کلیسیا کو فضا میں اٹھا کر آسمان پر لے جائے (۱۔ تھسلونیکیوں ۴: ۱۳-۱۸، ملاکی ۴: ۲)۔ اس طرح غالب آنے والے کے ساتھ وعدہ ہے کہ وہ فضائی استقبال میں حصہ دار ہوگا۔ یہ اعزاز اُسے اپنے اعمال کے سبب سے حاصل نہیں ہوگا، بلکہ اُس کے اعمال اُس کے ایمان کی سچائی اور حقیقت کا ثبوت ہیں۔ اور چونکہ اُس کی تبدیلی حقیقی اور اصلی ہے، اس لئے اُس کو ”صبح کا ستارہ“ دیا جائے گا۔

۲: ۲۹۔ اس خط میں اور اگلے تین خطوں میں ترتیب یہ ہے کہ وعدہ پہلے ہے اور یہ کلیہ

جن کو ”طبعی“ یا جسمانی زندگی دی گئی ہے۔ اس نظریہ کے مطابق جو لوگ اپنی زندگیوں سے ثابت کرتے ہیں کہ ہم واقعی نئے سرے سے پیدا ہوئے ہیں ان کے نام اس کتاب سے کاٹے نہیں جائیں گے، جبکہ باقی سبھوں کے نام مٹا دیئے جائیں گے۔

دوسرے علمائے کتاب میں صرف ”روحانی زندگی“ پانے والوں کے نام لکھے جاتے ہیں۔ ان ہی کے ساتھ وعدہ ہے کہ تمہارے نام مٹائے نہیں جائیں گے، یعنی ان کی نجات کبھی جاتی نہ رہے گی۔ اس نظریہ کے مطابق بعض کے نام نہ کٹنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ باقیوں کے نام کٹ جائیں گے۔

بائبل مقدس مسلسل یہ تعلیم دیتی ہے کہ نجات فضل کے وسیلے سے ہے اعمال سے نہیں اور بہت ہی واضح طور سے بیان کرتی ہے کہ ایمان دار اب تک محفوظ ہوتا ہے (دیکھو ۱۶:۳؛ ۲۴:۵؛ ۲۷:۱۰-۲۹)۔ اس لئے آیت ۵ میں یہ بات مضمر نہیں ہو سکتی کہ خدا کا کوئی فرزند کھویا جاسکتا ہے۔

ہمارا خداوند اس وعدے کا اضافہ کرتا ہے کہ میں غالب آنے والوں کے ناموں کا اپنے باپ اور آسمان کے فرشتوں کے سامنے ... اقرار کروں گا۔

۶:۳۔ یہاں لوگوں کو پھر بڑی سنجیدگی سے خبردار کیا گیا ہے کہ نئی پیدائش کے بغیر مذہبی دعوے کرنا فضول ہے۔

سردیس کی کلیسیا کو اکثر اصلاح کلیسیا کی تحریک کے بعد کے دور کی کلیسیا کی تصویر کہا جاتا ہے جب کلیسیا صرف دستوری، رسوماتی، دنیا دار اور سیاسی ہو کر رہ گئی۔

(۱۳:۷-۱۳)

و۔ قلد لقیہ کے نام

۷:۳۔ ”قلد لقیہ“ کا مطلب ہے ”برادرانہ محبت“۔ اس کلیسیا پر اپنے آپ کو ظاہر کرتے ہوئے خداوند کہتا ہے کہ میں وہ ہوں جو قدوس اور برحق ہے۔ اور داؤد کی گنجی رکھتا ہے جس کے کھولے ہوئے کو کوئی بند نہیں کرتا اور بند کئے ہوئے کو کوئی کھولتا نہیں۔ دوسرے لفظوں میں اسے وہ انتظامی اختیار اور کنٹرول حاصل ہے جس کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا۔

وہ کھلا دروازہ جس کو یہودی قوم اور بہت پرست مذاہب بند کرنے سے عاجز اور قاصر تھے، خدا کی طرف سے عطا کردہ موقع ہے کہ جن کے سننے کے

کان ہیں اُن کے سامنے مسیح کی منادی کی جارہی ہے۔ داؤد کی گنجی میر نے عہد نامہ کا استعارہ ہے کہ خدا دروازے کھولنے اور منہ بند کرنے کا اختیارِ مطلق رکھتا ہے۔ دیکھئے یسعیاہ ۲۲: ۲۲۔

۸: ۳۔ خداوندِ فلذلقیہ کی کلیسیا کی صرف تعریف کرتا ہے۔ وہاں کے مقدسین وفادار رہے ہیں۔ وہ نیک ”کاموں“ میں سرگرم رہے ہیں۔ اپنی انسانی کمزوریوں میں وہ خداوند پر بھروسہ کئے رہے ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے سچائی کو اپنی زندگیوں میں عملاً قائم رکھا ہے۔ انہوں نے مسیح کے نام کا انکار نہیں کیا۔ اس لئے خداوند نے اُن کے ”سامنے“ موقع کا ایک دروازہ کھول رکھا ہے۔ کوئی اُسے بند نہیں کر سکتا۔

۹: ۳۔ وہ نام نہاد ”بیہودی“ جو ایمان داروں کی سخت مخالفت کرتے تھے، خداوند اُن کا ایسا حال کرے گا کہ وہ اگر ایمان داروں کے ”پاؤں“ میں گریں گے۔ جو کہتے تھے ہم خدا کی برگزیدہ اُمت ہیں دراصل وہ شیطان کی... جماعت“ تھے۔ بالآخر وہ ماننے پر مجبور ہو جائیں گے کہ جن مسیحیوں کو حقیر جانا جاتا تھا وہی خدا کا برگزیدہ گنہ ہیں۔

۱۰: ۳۔ ”چونکہ فلذلقیہ والوں نے اپنی زندگیوں سے لوگوں پر خدا کی سچائی کو ثابت کر دیا تھا، اس لئے خداوند بھی آزمائش کے وقت“ اُن کی ”حفاظت“ کرے گا۔ یہ آزمائش کا وقت تمام زمین کے رہنے والوں... پر آنے والا ہے۔“ یہ وعدہ ہے اُس بڑی مصیبت سے بچائے رکھنے کا جس کا بیان ابواب ۶ تا ۱۹ میں درج ہے۔ غور کریں کہ ”آزمائش“ کے وقت یعنی اُس پورے دور میں اُن کی حفاظت کی جائے گی۔ اصل زبان کے مطابق اُن کو اس مصیبت میں نہیں بلکہ اُس میں سے بچایا جائے گا۔

”زمین کے رہنے والوں“۔ یہ ایک تکنیکی اصطلاح ہے۔ مطلب ہے وہ لوگ جو اس زمین کو اپنا گھریا وطن بنا لیتے ہیں یعنی دُنیا کے لوگ... جن کا بخیرہ اسی زندگی میں ہے (زبور ۱۴: ۱۳ ب)۔

۱۱: ۳۔ خداوند مسیح کی آمد کو مقدسوں کے سامنے رکھا گیا ہے۔ یہ وہ مقصد یا محرک ہے جس سے وہ ثابت قدمی سے سب کچھ برداشت کرتے ہیں۔ فاتح کا ”تاج“ اُن کا اجر ہے اور اُن کو چاہئے کہ کسی کو اسے چھیننے کا موقع نہ دیں، جبکہ وہ اسے پانے کے استنہ نزدیک ہیں۔

۱۲:۳- غالب آنے والے کو ”خدا کے مقدس“ کے اندرونی پاک ترین مقام میں ”ایک ستون“ بنایا جائے گا۔ اس کا اور مطلب کچھ بھی ہو، مگر اس میں قوت، عزت اور دائمی تحفظ کا مفہوم ضرور موجود ہے۔ وہ اس مسرت اور خوشی اور تحفظ کے مقام سے کبھی باہر نہ نکلے گا۔ غالب آنے والے پر تین نام لکھے جائیں گے۔ ”خدا کا نام“۔۔۔ ”نئے یروشلیم کا نام جو۔۔۔ آسمان سے اترنے والا ہے“ اور خداوند یسوع کا ”نیا نام“۔ اس طرح اس کی شناخت ہوگی کہ وہ ان تینوں کی ملکیت ہے۔

۱۳:۳- ”جس کے کان ہوں وہ سنے کہ رُوح کلیسیاؤں کو کیا پیغام دے رہا ہے۔“
 زلفہ لغیہ کی کلیسیا کو اکثر ایک بڑی انجیلی بیداری کے دور کی علامت کے طور پر پیش کیا جاتا ہے جو اٹھارہویں صدی اور انیسویں صدی کے ابتدائی دنوں میں آئی، جس میں کلیسیا اور مسیح کی آمد کے بارے میں سچائی کی بحالی ہوئی اور عالمی سطح پر بشارت کا کام ہوا۔ انجیلی مسیحیوں کے لئے تو یہ دور واقعی بحالی کا دور تھا، مگر شیطان نے بھی کلیسیا میں ضابطہ برقی رسوم و شعائر پرستی اور استدلالیت یا عقلیت پرستی کا خمیر ڈالنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

ز۔ لودیکیہ کے نام (۱۳:۳-۱۲)

۱۳:۳- ”لودیکیہ“ کا مطلب ہے ”عوام حکومت کرتے ہیں“ یا ”عوام کی عدالت“۔ یہاں خداوند اپنے بارے میں کہتا ہے کہ میں ”آمین اور سچا اور برحق گواہ اور خدا کی خلقت کا مبدا“ ہوں۔ ”آمین“ کی حیثیت میں وہ سراپا سچائی اور وفاداری ہے۔ خداوند ہی وہ ہستی ہے جو خدا کے وعدوں کی ضمانت دیتا ہے۔ وہ ”خدا کی خلقت“ کا بانی بھی ہے۔ اس میں روحانی اور جسمانی ”خلقت“ دونوں شامل ہیں۔ مراد یہ نہیں کہ وہ پہلا شخص تھا جو تخلیق کیا گیا۔ وہ تو مخلوق ہے ہی نہیں۔ اس کا مطلب ہے کہ اس نے عمل تخلیق شروع کیا۔ یہ نہیں کہا گیا کہ اس کا کوئی شروع تھا، بلکہ وہ ”مبدا“ یعنی شروع یا بانی ہے۔ وہ ”خدا کی خلقت“ کا ”شروع“ ہے۔ وہ ساری مخلوقات پر فائق ہے، یعنی ساری مخلوقات سے پہلے ہے۔

۱۵:۳-۱۴- لودیکیہ کی کلیسیا ”نہ سرد“ تھی ”نہ گرم“۔ وہ ایسی ”نیم گرم“ تھی جس سے ابکائی آتی ہے۔ خداوند چاہتا ہے کہ یہ کلیسیا یا تو اپنے جوش و جذبہ میں سرگرم ہو، یا

اپنی بے پردائی اور بے توجہی میں بالکل ٹھنڈی ہو۔ مگر وہ ایسی نیم گرم تھی کہ لوگ غلطی سے سمجھتے تھے کہ یہ خدا کی کلیسیا ہے۔ وہ دینی اور الٰہی باتوں میں ایسی نیم گرم تھی کہ خدا تعالیٰ اُسے ”اپنے منہ سے نکال پھینکنے کو“ تھا جیسے کسی شخص کو اُبکاٹی آئے تو وہ منہ کی چیز نکال پھینکتا ہے۔ علاوہ ازیں اس کلیسیا میں گھنٹہ، لاعلمی، انا پرستی، خود کفالتی کا غرور اور گناہ کو نظر انداز کرنے کا رویہ پایا جاتا تھا۔

۱۸:۳۔ خداوند اس کلیسیا کو صلاح دیتا ہے کہ ”مجھ سے آگ میں تپایا ہوا سونا خرید لے۔“ اس سے مراد خدا کی راست بازی ہے جو بے زر اور بے دام خریدی جاتی ہے (یسعیاہ ۱:۵۵) اور جو خداوند یسوع پر ایمان لانے کے وسیلے سے مفت بخشش کے طور پر ملتی ہے۔ اس سے مراد سچا ایمان بھی ہو سکتا ہے کہ جب اسے ”آگ میں“ آزمایا جاتا ہے تو اس سے یسوع مسیح کی حمد و ستائش، تعظیم اور جلال ظاہر ہوتا ہے (۱- پطرس ۱:۷)۔

کلیسیا کو یہ صلاح بھی دی گئی ہے کہ خداوند سے ”سفید پوشاک“ بھی خرید لے۔ اس سے مراد روزمرہ زندگی میں علی راست بازی ہے۔ مزید برآں یہ بھی کہ آنکھوں میں لگانے کے لئے سرسمرے، یعنی رُوح القدس کی روشنی سے حقیقی روحانی بینائی حاصل کر لے۔ ہر صلاح نہایت ہی موزوں تھی کیونکہ لوریکہ بیکننگ، پارچہ بانی اور ادویات اور خاص طور پر سرسے کا مرکز مانا جاتا تھا۔

۱۹:۳۔ کلیسیا کے لئے خداوند کی ”محبت“ اس حقیقت سے ظاہر ہوتی ہے کہ اسے ”ملاہٹ اور تنبیہ کرتا ہے۔“ اگر اُسے کلیسیا کی فکر نہ ہوتی تو وہ کوئی پروا نہ کرتا۔ وہ بڑی چاہت اور ملاہٹ کے ساتھ اس برائے نام کلیسیا کو پکارنا اور کہتا ہے کہ ”سرگرم ہو اور توبہ کر۔“

۲۰:۳۔ ان اختتامی آیات میں جو بات بیان ہوئی ہے سکو فیلڈ اس کو کلیسیائی دور کے اختتام پر مسیح کے مقام اور روتیہ کا نام دیتا ہے۔ وہ اس برائے نام کلیسیا کے باہر کھڑا ہے، ترمی اور ملاہٹ سے کھٹکھٹا رہا ہے اور فرداً فرداً (ساری جماعت یا امت کو ایک ساتھ نہیں) لوگوں کو بلاتا رہا ہے کہ برگشتہ کلیسیا کو چھوڑ دو اور میرے ساتھ رفاقت رکھو۔

۲۱:۳۔ غالب آنے والے کے لئے وعدہ ہے کہ مسیح کے ”تحت“ کے جلال میں حصہ دار ہوگا اور ہزار سالہ بادشاہی کے دوران اُس کے ساتھ حکومت کرے گا۔ جو لوگ عاجزی، تکلیف اور رد کئے جانے کی حالت میں اُس کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں وہ جلال میں بھی اُس کے پیچھے پیچھے

آئیں گے۔

۲۲: ۳۔ اب سامع کو آخری دفعہ یہ سنجیدہ نصیحت کی جاتی ہے کہ ”روح“ کی آواز کو سُنئے۔

مکاشفہ کی کتاب کی کچھ بھی تفسیر کی جائے، لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ نو دیکھ کی کلیسیا اُس دور کی واضح تصویر پیش کرتی ہے جس میں ہم زندگی گزار رہے ہیں۔ چاروں طرف عیش و عشرت کے سامان پھیلے ہوئے ہیں، مگر روجیں خوشخبری نہ ہونے کے باعث ہلاک ہو رہی ہیں۔ مسیحی صلیب اٹھانے کی بجائے تاج پہننے ہوئے ہیں۔ ہم کھیلوں، سیاست اور میلی وژن کے پروگراموں پر تو جذبات اور جوش و خروش کا بہت مظاہرہ کرتے ہیں لیکن ”مسیح“ کے سلسلے میں ٹھنڈے پڑے رہتے ہیں۔ نہ روحانی ضرورت کا کچھ احساس ہے نہ حقیقی بیداری کی ترپ۔ ہم اپنی زندگی کی بہترین صلاحیتیں کاروباری دنیا کی نذر کر دیتے ہیں اور سچی کھچی طاقت منجھی کے پاس لے آتے ہیں۔ ہم اپنے جسم کی پرورش کرتے رہتے ہیں جیسے چند برسوں بعد خاک میں لوٹ جانا ہے۔ ہم کوئی چیز ترک نہیں کرتے بلکہ ہر چیز ذخیرہ کرنے کے ورپے رہتے ہیں۔ آسمان پر خزانہ جمع کرنے کی بجائے زمین پر جمع کرتے ہیں۔ عام رو یہ ہے کہ ”خدا کے لوگوں کے نزدیک کوئی شے بھی بُری نہیں۔ اگر میں اپنی ناز برداری نہیں کروں گا تو کون کرے گا؟ آئیے ہم دنیا کے کام نمٹالیں اور اپنی فاریغ شامیں خدا کو دیں۔“ یہ ہے ہماری حالت جبکہ مسیح کی آمد ہو رہی چاہتی ہے۔

۳۔ وہ باتیں جو بعد میں واقع ہوں گی (ابواب ۳-۲۲)

اب ہم مکاشفہ کی کتاب کے تیسرے بڑے حصے پر پہنچتے ہیں۔ پہلے تین ابواب میں رسولوں سے لے کر فضا ئی استقبال تک کے کلیسیائی دور کا بیان ہے۔ زیرِ نظر باب سے یہ موضوع شروع ہوتا ہے کہ ”وہ باتیں جو اس کے بعد ہوں گی۔“

باب ۳ اور ۴ کے درمیان ایک واضح وقفہ ہے۔ اس کے بعد یہ ذکر کہیں نہیں آتا کہ کلیسیا زمین پر ہے۔ تو اس کو ہوا کیا ہے؟ ہمارا ایمان ہے کہ باب ۳ کے بعد خداوند نے اسے آسمان پر اٹھا لیا ہے۔

مقدسین آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ اس کے بعد خداوند اسرائیلی قوم کے ساتھ اپنا سلوک دوبارہ شروع کرے گا۔ اس کے بعد ہی بڑی مصیبت کا آغاز ہوگا۔ یہ سات برس کا

دور ہے جس کے دوران خداوند یہودی قوم کے ساتھ اس بنا پر سلوک کرتا ہے کہ اُس نے مسیح موعود کو رد کر دیا تھا۔ جو لوگ اس بڑی مصیبت کے دوران مسیح کی طرف رجوع ہوں گے وہ نجات پائیں گے اور زمین پر اُس کی جلالی بادشاہی میں داخل ہوں گے جبکہ اُسے رد کرنے والے ہلاک کئے جائیں گے۔

بڑی مصیبت کے دور کے آغاز میں یہودیوں کی بہت بڑی تعداد بے یقینی اور بے ایمانی کی حالت میں اسرائیل کے ملک کو واپس آئے گی (حزقی ایل ۳۶: ۲۴-۲۵)۔ روم کی عالمی طاقت اسرائیلیوں کے ساتھ معاہدہ کرے گی اور اُن کو آزادانہ عبادت کرنے کی ضمانت دے گی (دانی ایل ۹: ۲۷)۔ دراصل اس بڑی مصیبت کے پہلے ساڑھے تین برس نسبتاً نرم ہوں گے۔ خداوند یسوع نے ان برسوں کا بیان متی ۲۴: ۴-۱۴ میں کیا ہے۔

بڑی مصیبت کے دور کے درمیانی عرصے میں یروشلم کی پیکل میں بت پرستی کی ایک شبیہ نصب کی جائے گی اور لوگوں کو حکم دیا جائے گا کہ اس کی پرستش کرو، ورنہ جان سے مارے جاؤ گے (متی ۲۴: ۱۵)۔ یہ بڑی مصیبت یعنی یعقوب کی مصیبت کے ایام کے آغاز کا نشان ہے۔ یہ مصیبت کا ایسا زمانہ ہے جو دنیا کے شروع سے نہ کبھی ہوؤا اور نہ اس کے بعد کبھی ہوگا (متی ۲۴: ۲۱)۔

باب چار کے ساتھ ہم اس بڑی مصیبت میں داخل ہوتے ہیں۔ پہلا منظر آسمان میں ہے جہاں یوحنا کو خدا کے جلال کی رویا دکھائی جاتی ہے۔ اکثر ایسا ہو رہا ہے کہ خدا اپنے نبیوں کو پہلے اپنے جلال کی رویا دکھاتا ہے اور پھر اُن کو مستقبل کے حالات بیان کرنے کا شرف عطا کرتا ہے (یسعیاہ باب ۶؛ حزقی ایل باب ۱)۔ پہلے باب میں بھی یوحنا نے پہلے مسیح کے جلال کی رویا دیکھی، پھر اُسے کلیسیا کے مستقبل کی تاریخ بیان کرنے کو کہا گیا۔ اب بھی اُسے پہلے خدا کی ایک رویا دکھائی گئی ہے اور بعد میں اُسے اُس قدر اور غضب کا علم دیا گیا ہے جو ایمان نہ لانے والے یہودیوں اور غیر قوموں پر اُنڈھیلے جائے گا۔

۱۔ خدا کے تخت کی رویا (باب ۴)

۴: ۱- ”جو آواز“ یوحنا کو آسمان پر آنے کی دعوت دیتی ہے وہ مسیح کی آواز ہے (بحوالہ ۱۰: ۱-۲۰)۔ کئی ایمان داروں کا خیال ہے کہ یوحنا کا آسمان میں داخلہ اس بات کی

تصویر ہے کہ اس وقت کلیسیا اٹھالی گئی ہے تاکہ خداوند کے ساتھ اپنے آسمانی وطن میں ہو (۱)۔
تفسیلیکیوں ۲: ۱۳-۱۴: ۱-۱ (کرنقیوں ۱۵: ۵۱-۵۳)۔ خداوند یسوع یوحنا سے وعدہ کرتا
ہے کہ ”میں تجھے وہ باتیں دکھاؤں گا جن کا ان باتوں کے بعد ہونا ضرور ہے۔“ یہ الفاظ
۱۹: ۱ کے آخری الفاظ سے ملتے جلتے ہیں اور اس بات کی حمایت کرتے ہیں کہ اُس آیت کو
اس کتاب کے خاکے کے طور پر استعمال کیا جائے۔

۳: ۲۰-۳: ۲۱-۳: ۲۲ خدا کا پاک ”روح“ ایک خاص انداز سے یوحنا کو اپنے قبضے میں لے
لیتا ہے۔ وہ ”قورا“ دیکھتا ہے کہ ازلی وابدی خدا اپنے پورے جاہ و جلال اور شوکت و شمت
کے ساتھ ”تخت“ پر بیٹھا ہے اور ”سنگ لیشب“ اور ”عقیق“ سا معلوم ہوتا ہے۔ یہ قیمتی
پتھر خداوند کا بیان کرتے ہیں۔ پُرانے عہد نامہ میں یہ پتھر کاہن کے سینہ بند پر لگے
ہوتے تھے۔ ”سنگ لیشب“ یعقوب کے پہلوٹھے ”روبن“ کی اور ”عقیق“ سب سے
آخری بیٹے بنیامین کی نمائندگی کرتا تھا۔ روبن نام کا مطلب ہے بیٹے کو دیکھو اور
بنیامین کا مطلب ہے ”میرے دہنے ہاتھ کا فرزند“۔ والورڈ کے مطابق ان دو
پتھروں میں بائبل کے بارہ پتھر شامل ہیں اور خدا کی اُمت کو ظاہر کرتے ہیں۔ اور تخت
پر بیٹھا ہوا شخص اسرائیلی قوم کی نسبت سے خدا کو ظاہر کرتا ہے۔

”تخت کے گرد زمرود کی سی ایک دھنک ہے۔“ یہ ”دھنک“ یا قوس رُوح قسم کا نشان ہے
کہ آنے والے قہر و غضب کے باوجود خدا اپنے وعدے پورے کرے گا۔

۴: ۲-۴: ۴ ہم یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتے کہ ”چوبیس بزرگ“ کون ہیں۔ بعض ان کو فرشتگان یا فرشتگان
جیسی ہستیاں سمجھتے ہیں۔ بعض علما ان کو پہلے اور نئے عہد نامہ کے مخفی یافتہ لوگ اور بعض
ان کو صرف نئے عہد نامہ کے مقدسین قرار دیتے ہیں۔ یہ حقیقت کہ وہ تخت نشین ہیں اور تاج
پہنے ہوئے ہیں اشارہ کرتی ہے کہ یہ بزرگ وہ مقدسین ہیں جن کی عدالت ہو چکی ہے اور جن
کو اجر مل چکا ہے۔

۵: ۲-۵: ۴ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ تخت ”تختِ عدالت“ ہے جس سے خوف ناک
”بجلیاں اور آوازیں اور گرجیں“ پیدا ہو رہی ہیں۔ ”آگ کے سات چراغ“ رُوح القدس کی معموری
اور جلال کو ظاہر کرتے ہیں۔ خدا کا رُوح ایک ہی ہے، مگر ”سات“ کا رُبط اور مکمل ہونے
کو ظاہر کرتا ہے۔

۶:۴ - ”شیشہ کا سمندر پتھر کی مانند“ - اس سے پتہ چلتا ہے کہ تخت ایک ایسی جگہ پر رکھا ہے جو اس دنیا کے طوفانوں اور بے قراروں سے مبرا ہے۔ نہ وہاں شریروں کی مخالفت ہے جو کہ طوفانی سمندر کی مانند ہوتے ہیں۔

”تخت کے گرد اگر دچاڑ جاںدار ہیں جن کے آگے پیچھے آنکھیں ہی آنکھیں ہیں“ - اس سے بصارت اور بصیرت کی لمبائی، چوڑائی، گہرائی اور صفائی کا پتہ چلتا ہے۔

۸:۷:۴ - ”ان چاروں جانداروں“ کی شناخت کرنا بے حد مشکل ہے۔ ہم صرف اتنا کہہ سکتے ہیں کہ یہ مخلوق ہستیاں ہیں، کیونکہ خدا کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ جزقی ایل باب ۱۰ کے کرویم اور یسعیاہ باب ۶ کے سرافیم کا نمکبہ معلوم ہوتے ہیں۔ تیت ۷ میں کرویم (کروبی کی جمع) اور آیت ۸ میں سرافیم کی تصویر پیش کی گئی ہے۔ یہ فرشتانہ ہستیاں خدا کے تخت کی محافظ ہیں۔ کرویم کا تعلق آتشی عدالت کے ساتھ اور سرافیم کا تعلق آتشی پاکیزگی کے ساتھ ہے۔ آیت ۷ کا بیان اناجیل میں مسیح کے بیان کے مماثل ہے۔

”ببر“ - شیر ببر — متی — بادشاہ

”بجھڑا“ — یابیل — مرقس — خادم

”انسان“ — نوتا — ابن آدم

”عقاب“ — یوحنا — خدا کا بیٹا (ابن اللہ)

یہ جاندار ”رات دن بغیر آرام کے“ خدا کی قدوسیت اور ازلیت کا بیان کرتے رہتے ہیں۔ بعض نسخوں میں ”قدوس“ نو دفعہ لکھا ہوا ہے جو تثلیث کے عقیدے کا زبردست منظر ہے (یعنی ۳×۳)۔

۱۰:۹:۴ - ”جب وہ جاندار تخت پر بیٹھنے والے ازلی وابدی خدا کی تعجید اور عزت اور شکر گزاری کرتے ہیں تو وہ چوبیس بزرگ“ اس کے سامنے گر پڑتے، اس کو سجدہ کرتے اور اپنے ”ساج اس تخت کے سامنے“ ڈال دیتے ہیں۔

۱۱:۴ - یہ عبادت اور سجدہ تسلیم کرتے ہیں کہ ”خداوند“ ہی تعجید اور عزت اور قدرت کے لائق ہے کیونکہ ”اسی نے سب چیزیں پیدا کیں“ اور وہ اسی کی مرضی سے بھیں اور پیدا ہوئیں۔

یہ روایات ہمیں آسمان والی ساری باتوں کے لئے تیار کرتی ہے۔ یہاں خدا کو دکھایا گیا ہے کہ وہ کل کائنات کا قادر مطلق حاکم ہے۔ وہ اپنے جلال کے تخت پر بیٹھا ہے۔

عبادت گزار اور سجدہ ریز جاندار اُس کے چاروں طرف ہیں اور وہ زمین پر غضب نازل کرنے کو ہے۔

ب۔ برہ اور سات مہروں والی کتاب (طومار) (باب ۵)

۱:۵۔ یہاں خدا کے ہاتھ میں ایک ”کتاب“ (طومار) ہے جس کو ”سات مہریں لگا کر بند کیا گیا“ ہے۔ اس کتاب میں اُن سارے قہروں کا حال درج ہے۔ خداوند یسوع دوبارہ آکر اس دنیا میں اپنی بادشاہی قائم کرنے والا ہے، مگر ضرور ہے کہ اُس کی آمد سے پہلے یہ سارے قہر یا غضب دُنیا پر نازل ہوں۔

۳:۲، ۵۔ ایک ”زور آور فرشتہ“ بڑی زبردست درخواست کرتا ہے۔ وہ منادی کرتا ہے کہ کوئی شخص مل جائے جو اس کتاب کو کھولنے اور اُس کی مہریں توڑنے کے لائق ہو۔ یہ مہریں ایک ایک کر کے توڑی جائیں گی۔ ”آسمان پر یا زمین پر یا زمین کے نیچے“ کہیں بھی کوئی شخص ... نہ بکلا“ جو اُس کتاب کو کھولنے اور پڑھنے کے لائق ہوتا۔ کسی فرشتہ، انسان یا شیطانی رُوح میں اتنا علم اور حکمت نہیں کہ عدالت اور غضب (سزا) کو بروئے کار لاسکے۔

۴:۵۔ ایسی نا اہلی اور نالائق دیکھ کر یوحنا ”زار زار رونے لگا“ کہ کوئی بھی اُس کتاب کو کھولے یا اُس پر نظر کرنے کے لائق نہیں بکلا۔ کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ دُنیا بھر کی مخلیقیں بول ہی رہیں گی؟ اُن کی درستی نہ ہو سکے گی؟ کیا راست بازوں کو کبھی بھی حق بجانب ثابت نہیں کیا جاسکے گا؟ کیا شہریروں کو کبھی سزا نہیں ملے گی؟ کیا اس کا مطلب ہے کہ خداوند کی بادشاہی کبھی نہیں آئے گی کیونکہ زمین کی ضروری صفائی اور پاکیزگی نہیں ہو سکے گی؟

۵:۵۔ ”اُن بزرگوں میں سے ایک نے“ یوحنا کو تسلی دے کر یہ اچھی خبر سنائی کہ ”یہوداہ کے قبیلہ کا وہ بے رجو داؤد کی اصل (خاتون اور جد امجد) ہے اُس کتاب اور اُس کی ساتوں مہروں کو کھولنے کے لئے غالب آیا ہے۔ مہریں کھلنے کا مطلب ہے غضب کھل جائیں گے۔ یسوع اپنی لامحدود حکمت اور خدا کے حکم سے، اپنی ذاتی فوقیت اور کلوری پر اپنے کام کے باعث متعصب ہونے کے لائق ہے (یوحنا ۵: ۲۲، ۲۷)۔

مکاشفہ کی کتاب میں ہمارے خداوند کو برہ اور شیر ببر دونوں کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے۔ خدا کے برہ کی حیثیت سے وہ قربانی ہے اور وہ دُنیا کے گناہ اٹھالے جاتا ہے۔

شیر ببر کی حیثیت سے وہ مُتَصِف ہے جو اپنے دشمنوں کو سزا دیتا ہے۔ اپنی دوسری آمد پر وہ شیر ببر ہوگا۔

۶:۵۔ یوحنا نے نظر اٹھائی تو تخت کے گرد گرد ”بزرگوں“ اور ”چاروں جانداروں“ کو دیکھا۔ بچوں ”بچ“ ایک چھوٹا ”برہ“ کھڑا تھا جو ذبح کیا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ اُس برہ کے ”سائت رینگ“ (قدرت کاملہ) اور ”سائت آنکھیں“ (عالم کل) تھیں۔ ”خدا کی ساتوں روحیں“ اُس کے پاس تھیں۔ اس کا مطلب ہے کہ خداوند یسوع کو روح القدس کی پوری مہموری حاصل تھی (یوحنا ۳: ۳۴ ب) اور ان ساتوں روحوں کا تمام روئے زمین پر بھیجا جانا اُس کے ہر جگہ حاضر و ناظر ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔

۸: ۷۔ ۸۔ جو نبی برہ نے عدالت کی اس فرست کو خدا باپ کے ”دینے ہاتھ سے“ لیا تو ان ”جانداروں“ اور ”چوبیس بزرگوں“ نے ”برہ کے سامنے گر کر اُسے سجدہ کیا۔ ہر ایک کے ہاتھ میں بربط اور عود سے بھرے ہوئے سونے کے پیلے تھے۔ یہ مقدسوں کی دُعائیں ہیں۔ غالباً یہ اُن شہیدوں کی دُعائیں ہیں جو اپنے خون کا بدلہ لینے کے لئے خدا کو پکارتے ہیں (۱: ۶)۔ اگرچہ دُعائیں اُن کے ہاتھوں میں ہیں، مگر ایسا کوئی اشارہ نہیں کہ وہ انہیں خدا کو پیش کرتے ہیں یا ان کا جواب دینے میں کوئی حقیقت ادا کرتے ہیں۔

۱۰: ۱۹۔ ۵۔ اپنے ”نئے گیت“ میں وہ لکار کر کہتے ہیں کہ صلیب پر اپنے فدیہ کے کام کے باعث صرف برہ ہی عدالت کو بروئے کار لانے کے ”لائق“ ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ اپنے آپ کو اُن لوگوں میں شامل کرتے ہیں جن کو برہ نے ”اپنے خون سے... خرید لیا“ ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ اس گیت میں وہ دوسروں کا ذکر کر رہے ہیں۔ اگر اس بات کو مان لیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ گانے والے فرشتہ نامہ ہستیاں ہیں۔

خرید لینے اور فدیہ دینے کے علاوہ خداوند نے ایمان داروں کو ”بادشاہی اور کاربن بنایا“ ہے تاکہ اُس کی عبادت کریں، اُسے سجدہ کریں، اُس کی گواہی دیں اور ہزار سالہ بادشاہی میں اُس کے ساتھ ”زمین پر بادشاہی کرتے“ رہیں۔

۱۱: ۵۔ ”بہت سے فرشتوں“ کے ان ”جانداروں اور بزرگوں“ کے ساتھ آملنے سے گیت بہت وسیع ہو گیا اور گانے والوں کی تعداد ”لاکھوں اور کروڑوں“ تک جا پہنچی۔ یہ سب کا بل ہم آہنگی سے برہ کی حمد و ستائش کر رہے تھے۔

۵: ۱۲۔ جو خراج تحسین اور تعجید یہ ان گنت مخلوق کر رہی تھی وہی ابد تک ایمان دار

بھی کرتے رہیں گے۔ ”ذبح کیا ہوا برہہ“۔۔۔ ان باتوں کے ”لائق ہے“ :

”قدرت“ : میری زندگی، کلیسیا، دُنیا اور کائنات پر۔

”دولت“ : میرا سارا سونا اور میری ساری چاندی۔

”حکمت“ : میری اعلیٰ ترین ذہنی قوتیں۔

”طاقت“ : اُس کی خدمت کے لئے میری جسمانی طاقت اور سارا زور۔

”عزت“ : یہ خالص اور پاکیزہ خواہش کہ میں ہر طرح اُس کے نام کو عظمت دوں۔

”تعجید“ : میری ساری زندگی اُس کو جلال دینے کے لئے وقف ہو۔

”حمد“ : حمد و ستائش کرنے کی میری ساری قوتیں اور صلاحیتیں۔

۵: ۱۳۔ اب یہ موسیقی تال میل کا ایک بہت بڑا زمزمہ بن جاتا ہے جس کی آواز بھرپور

اور گہری ہے، کیونکہ ”آسمان اور زمین اور زمین کے نیچے کی اور سمندر کی سب مخلوقات“ یک

آواز ہو جاتی ہے اور لگاتی ہے کہ خدا باپ ”اور برہہ کی حمد اور عزت اور تعجید اور سلطنت

ابدالاً باد رہے۔“

یہ آیت فلیٹیوں ۲: ۱۰، ۱۱ کے متوازی ہے، جہاں تاکید سے کہا گیا ہے کہ یسوع کے

نام پر ہر ایک گھٹنا ٹکے۔۔۔ اور۔۔۔ ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے۔“

یہاں کسی خاص مقررہ وقت کا ذکر نہیں کیا گیا، مگر صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ اُس وقت

ہوگا جب سارے نجات یافتہ لوگوں کو ہمیشہ کی زندگی کے لئے اور سارے غیر نجات یافتہ

لوگوں کو ہمیشہ کی سزا کے لئے اٹھایا جائے گا۔ ایمان دار تو پچھلے ہی یسوع کو خداوند تسلیم

کر چکے ہوں گے اور اب بے ایمان مجبور کئے جائیں گے کہ اُس کی عزت و تعظیم کریں۔

باپ اور بیٹے کی عالمگیر تعظیم و تعجید ایک مانی ہوئی حقیقت ہے۔

۵: ۱۴۔ آخری منظر! چاروں جانداروں نے آمین کہا اور بزرگوں نے گر کر سجدہ

کیا۔ یہ سجدہ اُسی خداوند کو ہے جو تخت پر بیٹھا ہے اور ”ابدالاً باد“ جیتا اور سلطنت

کرتا ہے۔

ج۔ چھ مہروں کا کھولا جانا (باب ۶)

۶: ۱، ۲۔ جب ”برہہ نے“ پہلی مہر کھولی تو ”ان چاروں جانداروں سے ایک“ نے

”پکار کر گرج کی سی آواز میں کہا کہ ”آ۔“ اس کے جواب میں ”سفید گھوڑے“ پر سوار ایک گھڑسوار نکلا۔ ”وہ کمان لئے ہوئے“ تھا۔ اور ”وہ فتح کرتا ہوا نکلا تاکہ اور بھی فتح کرے۔“ خیال کیا جاتا ہے کہ یہ مخالف مسیح ہے۔ اور ”فتح“ آج کل کی سرد جنگ کی نمائندگی کرتی ہے۔ ”کمان“ جنگ کے خطرہ کو ظاہر کرتی ہے، مگر تیر کا کوئی ذکر نہیں۔ شاید اس میں میزائلوں کی جنگ کا اشارہ ہو، کیونکہ کمان دُور سے جنگ کرنے کا ہتھیار ہے۔ یہ گھڑسوار جنگ کا باعث نہیں بنتا۔ دُوسری مڑ کھلتے تک زمین سے صلح اٹھائی نہیں جاتی۔

۳:۳:۶۔ ”دُوسرا جاندار“ دُوسرے گھڑسوار کو بلاتا ہے۔ یہ سوار ”بڑی تلوار“ لئے ہوئے ہے اور ”لال“ رنگ کے گھوڑے پر سوار ہے۔ ”تلوار“ دستِ بدست لڑائی میں استعمال ہوتی ہے۔ چنانچہ دُوسری مڑ بظاہر کرنے والی فوجوں کا اشارہ ہے جو ایسی جنگ برپا کرتی ہیں جس میں ایک شخص دُوسرے سے وحشیانہ انداز میں لڑتا ہے۔ یہ دُوسرا گھڑسوار ”زمین پر سے صلح اٹھا“ لیتا ہے۔

۶:۵:۶۔ ”تیسرے جاندار“ کا حکم مانتے ہوئے ایک اور گھڑسوار ”ہاتھ میں ایک ترازو“ لئے ہوئے ”کالے گھوڑے“ پر نکلتا ہے۔ یہ کال کا نمائندہ ہے اور جنگ کے بعد اکثر کال پڑ جاتا ہے۔ ”چاروں جانداروں کے بیچ میں سے“ ایک آواز ابھرتی ہے جو اعلان کرتی ہے کہ ”گیٹوں“ اور ”جوتے“ جیسے دامن فروخت ہوں کہ کوئی خرید نہ سکے۔ ”ترازو“ چونکہ راشی کے اناج کو تولنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں اس لئے کال کی علامت ہیں۔

”تیل اور گنے کا نقصان نہ کر۔“ ان الفاظ کی تشریح کرنا بہت مشکل ہے۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ یہ غریب غربا کی خوراک تھی۔ اگر یہ خوراک کا جزوِ اعظم تھے تو زندگی کو قائم رکھنے کے لئے ان کا بچانا ضروری تھا۔ لیکن زیادہ قرین قیاس یہ بات لگتی ہے کہ یہاں نظر امیروں کی عیش کی چیزوں پر ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ امیر کال کے دنوں میں بھی عیش کی چیزیں حاصل کر لیتے ہیں۔

۸:۷:۶۔ ”چوتھے جاندار“ کے کہنے پر ”ایک زرد سا گھوڑا نکلا۔“ اُس کے سوار کا نام موت ہے اور عالمِ اُرواح اُس کے پیچھے پیچھے ہے۔ ”موت“ کا تعلق جسم سے اور ”عالمِ اُرواح“ کا تعلق رُوح سے ہے۔ جنگ، کال، وبا اور جنگلی ”دُروں“ کے ذریعہ سے زمین کی ایک چوتھائی آبادی ہلاک کر دی جاتی ہے۔ ہم اکثر سوچتے ہیں کہ موجودہ دور کی معجز نما اور تیز اثر آئینٹی بائیوٹک ادویات کے باعث وباؤں وغیرہ کا کوئی خطرہ نہیں رہا۔ مگر یاد رکھئے کہ ہلاکت آفریں بیماریاں

زیر نہیں ہوئیں، صرف حالتِ خواب میں ہیں۔ ان پر اگر کچھ قابو ہے تو عارضی ہے۔ یہ دُنیا میں اتنی ہی تیزی سے پھیل سکتی ہیں جتنی تیزی سے جیٹ طیارے سفر کرتے ہیں (ایڈز کے مرض کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ مترجم)۔

۹:۶۔ اب ہمارا تعارف بڑی مصیبت کے دور کے پہلے شہیدوں سے کر لیا جاتا ہے (متی ۹:۲۴)۔ یہ یہودی ایمان دار ہیں جو بادشاہی کی منادی کرنے کو نکلے ہیں۔ یہ اپنی گواہی... کے باعث مارے گئے تھے۔ اُن کی ”روحیں“ آسمان پر ”قربان گاہ کے نیچے“ ہیں۔

۱۰:۶۔ ”وہ بڑی آواز سے“ مطلق العنان ”مالک“ (خداوند) کو پکارتی ہیں کہ ”تو“ ہمارے خون کا بدلہ لے۔ جیسا کہ پہلے بیان ”ہو“ زمین کے رہنے والوں سے مراد وہ بے ایمان لوگ ہیں جو زمین کو اپنا گھر اور وطن سمجھتے ہیں۔

۱۱:۶۔ ان شہیدوں کو ”سفید جائے“ دئے جاتے ہیں۔ یہ اُن کی راست بازی کی علامت ہیں۔ اُن سے کہا جاتا ہے کہ ”تھوڑی مدت آرام کرو“ جب تک مصیبت میں باقی شہید ہونے والوں کا ”شکار پورا نہ ہوئے“۔

۱۲:۶، ۱۳۔ ”چھٹی مہر“ کے کھلنے پر طبعی موجودات میں زبردست ہلچل پیدا ہوئی۔ ”ایک بڑا بھونچا“ آیا جس سے زمین اور سمندر ہل گئے اور بستاروں بھرا ”آسمان“ درج برہم ہو گیا۔ ”سورج کھل کی مانند کالا اور سارا چاند خون سا ہو گیا۔“ ”بستارے“ یوں گر پڑے جیسے درخت کو زور سے ہلانے سے ”انجیر کے... کچے پھل“ گررتے ہیں۔

۱۴:۶۔ ”اور آسمان اس طرح ”ترک گیا“ جیسے کوئی پارچہ لپیٹ دیا جاتا ہے۔ اس زبردست ہلچل اور بھونچال کے باعث ”ہر ایک پہاڑ اور ٹاپو (جزیرہ) اپنی جگہ سے ٹس گیا۔“

۱۵:۶۔ تعجب کیسا کہ ہر طبقے کے لوگ سراسیمہ اور دہشت زدہ ہو گئے، کیونکہ اُن کو احساس ہو گیا کہ خدا اپنا قہر اور غضب نازل کر رہا ہے۔ چنانچہ وہ ”پہاڑوں کے غاروں اور چٹانوں میں جا چھپے“۔

۱۶:۶، ۱۷۔ لوگ اس بات کو ترجیح دینے لگے کہ گرتے ہوئے ”پہاڑوں اور چٹانوں“ تلے کچلے جائیں، بہ نسبت اس کے کہ خدا کے قہر اور ”برہ کے غضب“ کا سامنا کریں۔ اُن کو وقت کے گزر جانے کے بعد ہی ہوش آیا کہ کوئی باغی برہ کے غیض و غضب کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا۔

۵۔ بڑی مُصِیبت کے دوران نجات یافتگان

(باب ۷)

ساتواں باب چھٹی اور ساتویں مہروں کے درمیان آتا ہے۔ اس میں ایمان داروں کے ڈواہم گروہوں کا بیان ہے یہ باب اُس سوال کا جواب دیتا ہے جو باب ۱ کے آخر میں پوچھا گیا ہے کہ ”کون ٹھہر سکتا ہے؟“ جن لوگوں کا اس میں بیان ہوا ہے وہ اس مفہوم میں ٹھہریں گے کہ مسیح کے ساتھ ہزار سالہ بادشاہی میں داخل ہونے کے لئے بچا کر رکھے جائیں گے۔

۷: ۱-۳۔ اس رویا میں ”چاکر فرشتے“ زمین کی چاروں ہواؤں کو تھامے ہوئے کھڑے ہیں۔

یہ اس حقیقت کا بیان ہے کہ ایک زبردست طوفان دُنیا پر ٹوٹ پڑنے کو ہے۔ مگر فرشتوں سے کہا جاتا ہے کہ اس ہولناک تباہی میں کچھ دیر کریں، اسے معطل رکھیں ”جب تک ہم اپنے خدا کے بندوں کے ماتھے پر عمر نہ کر لیں“۔ ”اسرائیل کے بارہ قبیلوں“ میں سے ہر ایک قبیلے کے بارہ ہزار افراد پر مہر کی جاتی ہے۔

۷: ۵-۸۔ یہ توصیف ظاہر ہے کہ یہ ایک لاکھ چوالیس ہزار افراد یہودی ایمان دار ہیں، بیسویں صدی کے کسی غیر قوم یا ملت پرست مذہب کے اراکین نہیں۔ یہ یسوعی مقدسین بڑی مُصِیبت کے ابتدائی عرصے میں نجات پاتے ہیں۔ اُن کے ماتھوں کی مہر ظاہر کرتی ہے کہ یہ خدا کی ملکیت ہیں اور ضمانت دیتی ہے کہ اُنے والے سات برسوں کے دوران وہ زندہ محفوظ رکھے جائیں گے۔

اس فہرست میں دو قبیلے شامل نہیں افرائیم اور دان — شاید اُن کو اس لئے چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ ملت پرستی میں لیڈر تھے۔ بعض علما کا خیال ہے کہ مخالف مسیح دان کے قبیلے سے ہوگا (پیرائش ۴۹: ۱۷)۔ ”یوسف“ اور ”لاوی“ کے قبیلے اس فہرست میں شامل ہیں۔ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں کہ ”یوسف“ کو اپنے بیٹے افرائیم کی جگہ دی گئی ہے۔

۷: ۹۔ اس حصے میں جن لوگوں کا بیان ہے وہ غیر اقوام ہیں۔ اُن کا تعلق ”ہر ایک قوم اور قبیلہ اور امت اور اہل زبان“ سے ہے۔ وہ ”سفید جانے پہنے.... تخت اور برہ کے آگے“ کھڑے ہیں۔ ”سفید جانے“ مقدسین کے راست بازی کے کام ہیں

(۱۹: ۸)۔ اُن کے ماتھوں میں ”کھجور کی ڈالیاں“ ہیں جو فتح کا نشان ہیں۔

۷: ۱۰- یہ وہ غیر قوم لوگ ہیں جو بڑی مصیبت کے دوران خداوند یسوع پر ایمان لا کر نجات پائیں گے۔ اپنے گیت میں وہ اپنی ”نجات“ کی خوشی مناتے اور اس کو خدا اور برہ سے منسوب کرتے ہیں۔

۷: ۱۲- ”فرشتے ... اور بزرگ اور چاروں جاندار“ مل کر خدا کو سجدہ کرتے ہیں۔ اگرچہ اس وقت اُن کی حمد و ستائش میں نجات کا مضمون موجود نہیں۔ کسی گیت نگار نے کہا ہے ”فرشتے اُس خوشی سے ناواقف ہیں جو نجات کے باعث حاصل ہوتی ہے“۔ لیکن وہ اُس کی حمد و ثنا ضرور گاتے ہیں اور اُس کو سات قسم کی خاص ”عزّت“ کے لائق ٹھہراتے ہیں۔

۷: ۱۳- ۱۴- ایک بزرگ یوحنا سے پوچھتا ہے کہ ”یہ سفید جاے پہنے ہوئے کون ہیں اور کہاں سے آئے ہیں؟“ یوحنا اپنی لاعلمی کا اقرار کر کے معلوم کرنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ پھر وہ بزرگ وضاحت کرتا ہے کہ ”یہ وہی ہیں جو اُس بڑی مصیبت میں سے نکل کر آئے ہیں۔ انہوں نے اپنے جاے برہ کے خون سے دھو کر سفید کئے ہیں۔“ ایف۔ بی۔ میٹر لکھتا ہے کہ ”جب ہم کسی ناقابل بیان راز کے روبرو کھڑے ہوتے ہیں تو پورے ایمان کے ساتھ یہ کہنے سے کسی تسلی ہوتی ہے کہ تو ہی جانتا ہے۔“

۷: ۱۵- وہ بزرگ اُن کے موجودہ مقام اور عبادت کے بارے میں بھی بتاتا ہے۔ بائبل کے علماء اس بارے میں متفق نہیں ہیں کہ غیر اقوام کی یہ بڑی بھیڑ اس وقت آسمان میں ہے یا ہزار سالہ بادشاہی والی زمین پر۔ جن برکات کا ذکر آتا ہے اُن کا اطلاق دونوں جگہوں پر یکساں ہوتا ہے۔ اگر ہزار سالہ بادشاہی پیش نظر ہو تو پھر خدا کے تخت اور ”اُس کے مقدس“ سے مراد وہ ہیکل (مقدس) ہے جو بادشاہی کے دور میں یروشلم میں واقع ہو گی (جزقی ایل باب ۴۰-۴۴)۔

یہاں بیان کردہ برکات پر غور کریں :

کابل قربت	”اسی سبب سے یہ خدا کے تخت کے سامنے ہیں۔“
کابل رفاقت	”اُس کے مقدس میں رات دن اُس کی عبادت کرتے ہیں۔“
۱۶: ۷- کامل تسکین	”اُس کے بعد نہ کبھی اُن کو جھوک لگے گی نہ پیاس۔“
کامل تحفظ	”نہ کبھی اُن کو جھوک ستائے گی نہ گرمی۔“

۷: ۱۔ کامل راہنمائی ”کیونکہ جو برہ تخت کے بیچ میں ہے وہ اُن کی گلہ بانی کرے گا اور انہیں آبِ حیات کے چشموں کے پاس لے جائے گا۔“
کامل شادمانی — ”اور خدا اُن کی آنکھوں کے سب آنسو پونچھ دے گا۔“

۵۔ ساتویں مہر اور سات نرسنگوں کا شروع (ابواب ۹، ۸)

۱۰: ۸۔ ساتواں باب مجلہ معتزضہ تھا جس میں ہم نے مقدسوں کے دو گروہ دیکھے۔ اب تم ”ساتویں“ اور آخری ”مہر“ تک پہنچتے ہیں۔ اس مہر کے کھٹنے سے پہلے ”آدھ گھنٹے کے قریب آسمان پر خاموشی رہی۔“ مزید تیز اور شدید ہونے والے غضب سے پہلے ایک ہولناک سکوت اور گہری خاموشی!

۲۰: ۸۔ ساتویں مہر کے کھٹنے پر کسی خاص غضب کا بیان نہیں ہوا۔ اب بیان براہِ راست سات نرسنگوں والے غضب کی طرف آتا ہے۔ اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ ساتویں مہر ”سات نرسنگوں“ پر مشتمل ہے۔

۴: ۳، ۸۔ اکثر سمجھا جاتا ہے کہ اس آیت میں ”فرشتہ“ خداوند یسوع ہے۔ پرانے عہدہ میں اُس کو یہوواہ کا فرشتہ کہا گیا ہے (پیدائش ۱۶: ۱۳؛ ۱۱: ۱۳؛ ۱۳: ۱۱؛ قضاۃ ۶: ۲۳؛ یسعیاہ ۶۰: ۱۲)۔ ”سب مقدسوں کی دعائیں“ اسی کی معرفت باپ تک اور پر جاتی ہیں (افیسو ۲: ۱۸)۔ وہ ”بہت سا خود“ لیتا ہے تاکہ ”دعاؤں کے ساتھ... قربان گاہ پر چڑھائے۔“ ”خود اُس کی ذات اور کام کی خوشبو کی ترجمانی کرتا ہے۔ جب یہ ”دعائیں“ مسیح کی معرفت خدا باپ تک پہنچتی ہیں تو وہ بالکل بے نقص اور کامل طور پر مؤثر ہو جاتی ہیں۔

اس سیاق و سباق میں یہ ”دعائیں“ بڑی مصیبت کے دور کے ”مقدسوں“ کی دعائیں ہیں جو خدا سے التجا کرتے ہیں کہ ہمارے دشمنوں کو سزا دے۔ البتہ یہ ترتیب یا نظام ساری دعاؤں پر صادق آتا ہے۔

۵: ۸۔ اُن کی دعاؤں کے جواب میں ”فرشتہ“ نے دیکتے ہوئے کوٹھے ”زمین پر ڈال دئے جس سے زبردست دھماکے ہوئے“ اور گرہیں اور آوازیں اور بجلیاں پیدا ہوئیں اور بھونچال آیا۔“ ایچ۔ بی۔ سویٹ کہتا ہے: ”مقدسوں کی دعائیں بہت غضب کے ساتھ زمین پر واپس آتی ہیں۔“ چنانچہ بتایا گیا ہے کہ نرسنگوں والے سات غضب اپنی نوعیت میں عناصر قدرت میں زبردست

بچل اور افزا تفری پیدا کرنے والے ہیں۔

۶:۸۔ اب ہم بڑی مصیبت کے وسط میں پہنچ گئے ہیں۔ نرسنگوں والے غضب ہمیں اُس وقت تک لے آتے ہیں جب مسیح زمین پر اترتا، اپنے دشمنوں کو ہلاک اور تباہ کرتا اور اپنی بادشاہی کا آغاز کرتا ہے۔ پہلے چار غضب انسان کے طبعی ماحول پر اثر انداز ہوتے ہیں اور آخری تین خود انسان پر اثر کرتے ہیں۔ بہت سے مفسرین کو ان آفتوں اور مہر پر نازل ہونے والی آفتوں میں بہت مشابہت نظر آتی ہے (خرج باب ۷-۱۲)۔

۷:۸۔ "جب پہلے (فرشتہ) نے نرسنگا پھونکا تو خُون مِلے ہوئے آدے اور آگ پیدا ہوئی اور زمین پر ڈالی گئی اور تہائی زمین جل گئی اور تہائی درخت جل گئے اور تمام ہری گھاس جل گئی۔" اس بات کو کٹھنوی طور پر سمجھنا ہی بہتر ہے۔ زمین کے اُن علاقوں پر یہ دہشت ناک آفت آئی جہاں سے انسان خوراک حاصل کرتا ہے۔

۸:۸، ۹۔ "جب دوسرے فرشتہ نے نرسنگا پھونکا تو گویا آگ سے جلتا ہوا ایک پہاڑ سمندر میں ڈالا گیا" اور ایک "تہائی سمندری حیات مر گئی اور ایک "تہائی جواز تباہ ہو گئے۔" اس طرح نہ صرف انسان کی خویش کی مقامی رسد مزید کم ہو جائے گی بلکہ دُور دراز علاقوں سے خوراک حاصل کرنے کے وسائل بھی جلتے رہیں گے۔

۸:۱۰، ۱۱۔ "تیسرے نرسنگے کے پھونکے جانے پر "ناگ دُنا" نامی "جلتا ہوا" ایک "بڑا ستارہ" گرگا، جس سے انسان کے "پانی" کے پختے "کر دئے" ہو گئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ "کر دوا" پانی زہریلا بھی تھا اس لئے کہ "بہت سے آدمی مر گئے۔" "ناگ دُنا" کی شناخت کرنا مشکل ہے۔ جب نرسنگا پھونکا جائے گا تو دُنیا کے رہنے والوں پر ان آیتوں کا مطلب بالکل واضح ہو جائے گا۔ نبوت کا مطالعہ کرتے وقت یاد رکھنا چاہئے کہ بہت سی ایسی باتیں ہیں کہ جب تک واقعی وقوع پذیر نہ ہوں گی ان کا صاف صاف پتہ نہیں چلے گا۔

۱۲:۸۔ معلوم ہوتا ہے کہ "سُورج ... چاند ... اور ستاروں" کو ایسا "صدیم" یا نقصان پہنچے گا کہ صرف دو تہائی روشنی دے سکیں گے۔ یہ چوتھا نرسنگا مقرر میں تاریکی کی آفت سے مشابہت رکھتا ہے۔

۱۳:۸۔ "ایک عقاب" یعنی فرشتہ "آسمان کے بیچ میں ... اُڑتے" ہوئے زمین کے رہنے والوں پر "تھرے اُفوس" کا اعلان کرتا ہے۔ "زمین کے رہنے والوں" سے مراد وہ

لوگ ہیں جن کا نقطہ نظر کلیتہً دُشمنی ہے۔ جو سچا ایمان نہیں رکھتے۔ جنہوں نے زمین ہی کو اپنا گھر یا وطن بنا رکھا ہے۔ باقی کے تین غضبوں کو تین افسوس بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کا اثر نہایت شدید ہوگا۔

۲:۱۰-۹۔ ”آسمان سے زمین پر۔۔۔ گرا ہوا“ یہ ”ستارہ“ کوئی گرا ہوا فرشتہ یا خود شیطان بھی ہو سکتا ہے۔ اُس کے پاس اُنھاہ گرٹھے کی گنجی ہے۔ یہ جگہ شیاطین کی رائٹش گاہ ہے۔ جب فرشتے نے اُتھاہ گرٹھے کو کھولا تو غٹ کے غٹ ”دھواں“ نکلا جیسے ”ایک بڑی بھٹی“ سے دھواں اُٹھتا ہے۔ اس دھوئیں سے زمین پر ہر طرف تاریکی چھا گئی۔

۳:۳-۹۔ ”دھوئیں میں سے“ غول کے غول ”بڈیاں نکل پڑیں“ جو ”بچھوؤں“ کے دنگ کی طرح انسانوں کو درد سے جاں کنی میں مبتلا کر سکتی تھیں۔ اُن کو ٹھکم دیا گیا کہ کسی ہریا ول یا کسی درخت کو ضرر نہ پہنچانا۔ اُن کا شکار وہ تھے ”جن کے ماتھے پر خدا کی مُرنیں“ تھیں، یعنی وہ سب جو ایمان نہیں لائے تھے۔

۶:۵-۹۔ اگرچہ اُن بڈیوں کا ڈبک مُملک نہیں تھا، لیکن اُن سے ایسی اذیت ہوتی تھی جو ”پانچ مہینے تک“ رہتی تھی۔ اور اتنی شدید تھی کہ آدمی موت ڈھونڈتے تھے، مگر انہیں موت نہیں آتی تھی۔ ”بڈیاں“ غالباً شیاطین (بدروحوں) کی نمائندہ ہیں کہ جب وہ اُتھاہ گرٹھے سے نکلیں گی تو غیر نجات یافتہ مرد و زن پر قبضہ کر لیں گی۔ یہ بدروح رفتگی انتہائی شدید جسمانی اور ذہنی اذیت کا باعث ہوگی۔ وہ شخص جس میں بدروحوں کا لشکر تھا اس کی مثال ہے (مرقس ۱:۵-۲۰)۔

۷:۹۔ ”بڈیوں“ کے زیرِ نظر بیان کا مقصد فتح اور کامرانی کا تاثر پیدا کرنا ہے۔ یہ بڈیاں ”اُن گھوڑوں کی سی تھیں جو لڑائی کے لئے تیار کئے گئے ہوں“۔ یہ فتح کرنے والا لشکر ہیں ”اُن کے سروں پر گویا سونے کے تاج تھے“۔ اُن کو آدمیوں کی زندگیوں میں حکمرانی کرنے کا اختیار ہے۔ ”اُن کے چہرے آدمیوں کے سے تھے“ یعنی وہ ذی عقل مخلوق ہیں۔

۸:۹-۱۰۔ ”بڈیوں کے“ بال عورتوں کے سے تھے۔ وہ خوبصورت اور درغلانے اور بہکانے والی ہیں۔ ”اور دانت بیکر کے سے“۔ وہ تند مزاج اور ظالم ہیں۔ ”اور اُن کے پاس لہجے کے سے بکتر تھے“۔ اُن پر حملہ کرنا اور اُنہیں تباہ کرنا مشکل ہے۔ اور اُن کے پیروں سے نہایت تیز اور بلند آواز نکلتی تھی۔ وہ دہشت زدہ اور بے حوصلہ کر دیتی ہیں۔ ”اُن کی دمیں بچھوؤں

کسی تھیں۔ وہ انسانوں کو جسمانی اور ذہنی اذیت دینے کا ساز و سامان رکھتی ہیں۔ ”پانچ مہینے تک... ضرر پہنچانے کی طاقت“ سے مراد ہے کہ اُن کی پیدا کردہ اذیت اور دکھ سے آفاق ممکن نہیں۔

۱۱:۹- ”اتقاء کُٹھے کا فرشتہ اُن پر بادشاہ تھا۔ اُس کا نام عبرانی میں ابدون اور یونانی میں اُپلیون ہے۔“ ”اُبدون“ کا مطلب ”تباہی/ بربادی“ اور ”اُپلیون“ کا مطلب ”تباہ/ برباد کرنے والا“ ہے۔ عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ یہ اشارہ شیطان کی طرف ہے۔

۱۲:۹- تین میں سے پہلا افسوس ہو چکا۔ بدترین افسوس ابھی ہونے کو ہے۔ غصیوں کی شدت میں اضافہ ہوتا جاتا ہے۔

۱۳:۹- ۱۵- ”سنسری قربان گاہ... جو خدا کے سامنے ہے۔“ اس کے ذکر سے پتہ چلتا ہے کہ اگلے غضب کا تعلق خدا کے مظلوم لوگوں کی دعاؤں کے ساتھ ہے۔ چھٹا نرسنگا پھونکے جانے پر وہ چاروں فرشتے کھول دئے گئے جو ”بڑے دریائے قزاق کے پاس“ بندھے ہوئے تھے۔ یہ چار فرشتے ”غالباً شیاطین (بدروحیں) ہیں۔ اُن کو خاص لمحے کے لئے تیار رکھا گیا تھا کہ نکل کر ایک ”تہائی آدمیوں کو مار ڈالیں۔“

۱۶:۹- ۱۷- اُن کے پیچھے پیچھے ”بیس کروڑ“ گھڑ سوار تھے جن کے بکتر آگ اور سنبل اور گندھک کے سے تھے۔ اُن کے گھوڑوں کے سر ”بیر کے سے“ تھے اور اُن کے منہ سے آگ اور دھواں اور گندھک نکلتی تھی۔

۱۸:۹- ۱۹- یہ تین چیزیں یعنی ”آگ اور دھواں اور گندھک“ اُن ”تینوں آفتوں“ کو ظاہر کرتی ہیں جن سے ایک ”تہائی آدمی“ مارے جائیں گے۔ یہ گھوڑے نہ صرف اپنے ”منہ“ سے ہلک کرتے ہیں بلکہ اپنی ”سانپوں کی مانند“ دموں سے بھی ضرر پہنچاتے اور زخمی کرتے ہیں۔

کلام کے اس حصے میں بھت سے سوال ہیں جن کے جواب نہیں دئے جاسکتے۔ کیا آیت ۱۳ میں مُتذکرہ چار فرشتے وہی ہیں جن کا ذکر ۱:۱۷ میں بھی ہے؟ کیا گھڑ سوار انسان ہیں یا وہ شیاطین (بدروحوں)، بیماریوں یا دیگر ہلاکت آفریں قوتوں کی نمائندگی کرتے ہیں؟ جن تین آفتوں کی تصویر ”آگ، دھواں اور گندھک“ سے پیش کی گئی ہے وہ کیا ہیں؟

قابل غور بات یہ ہے کہ گھڑ سوار نہیں بلکہ گھوڑے ہلاک کرتے ہیں۔ ایک مُصنّف یہ رائے دیتا ہے کہ گھڑ سواروں کی یہ زبردست فوج علامت ہے کسی ابلسی فریب کی جو مشرق

سے آئے گا اور روکا نہ جاسکے گا۔ ”یہ جملہ سمجھتا ہے :
 ”اُن گھوڑوں کی طاقت اُن کے مُنہ ... میں تھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ
 یہ فریب، فصیح و بلیغ، خوبصورت اور اثر انگیز تقریروں کے ذریعہ پیش کیا جائے گا۔
 لیکن اس فریب کے پیچھے شیطان کی طاقت ہوگی جس کی علامت سانپوں کی مانند
 دُمیں ہیں۔

۲۱:۲۰-۹ اگرچہ دُو تہائی ”اُمی“ اِن ”افقوں“ سے بچے رہے، مگر انہوں نے ”توبہ نہ کی“ بلکہ
 ”شیاطین“ اور ہاتھ کی بنائی ہوئی بے جان اور بے طاقت ”مردتوں کی پرستش کرنے سے باز نہ آئے۔
 انہوں نے ”خون“ اور بیاؤدوگری اور حرام کاری اور چوری“ کرنا جاری رکھا۔ سزا اور تکالیف
 گنتہکار کی سرشت کو نہیں بدل سکتے۔ اسے صرف نئی پیدائش ہی بدل سکتی ہے۔

۹۔ زور آور فرشتہ اور چھوٹی سی کتاب (طومار) (ایلاب ۱۱:۱۰)

۱۱:۱۰- اب یوحنا ”ایک زور آور فرشتہ کو ... آسمان سے اُترتے“ دیکھتا ہے۔
 اس فرشتہ کی جو تفصیل بیان ہوئی ہے اُن سے بہت سے علماء سمجھتے ہیں کہ یہ خداوند یسوع
 ہے۔ ”اُس کے سر پر دھنک تھی“ دھنک خدا کے عہد کا نشان ہے۔ ”اُس کا چہرہ آفتاب
 کی مانند تھا“۔ یہ بے نقاب جلال کا اظہار ہے۔ ”اُس کے پاؤں آگ کے ستونوں کی مانند تھے۔
 یہ غضب کی شدت اور ”آگ“ کا بیان کرتے ہیں۔

۲:۱۰- ”اُس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی کھلی ہوئی کتاب (طومار) تھی۔ بلاشبہ
 اس میں عنقریب نازل ہونے والے غضبوں کی تفصیل درج تھی۔ ”اُس نے اپنا دینا پاؤں
 تو سمندر پر رکھا اور بایاں خشکی پر“۔ یہ ظاہر کرتا ہے کہ اُسے سارے عالم پر حکمرانی
 کا حق حاصل ہے۔

۱۰:۳-۶ - ”وہ“ بڑی آواز سے پھلایا ... تو گرج کی سات آوازیں سنائی دیں۔
 صاف معلوم ہوتا ہے کہ یوحنا ان گرجوں کا پیغام سمجھ گیا۔ لیکن جب وہ ”لکھنے“ لگا تو فرشتہ
 نے اُس کو منع کر دیا۔ فرشتہ نے خالق خدا کی ”قسم کھا کر کہا کہ اب اور دیر نہ ہوگی۔“
 ۱۰:۷- ساتویں نرسنگے کے زمانے میں ”خدا کا پرشیدہ مطلب ... پورا ہوگا۔“
 ”خدا کے پرشیدہ مطلب“ کا تعلق بدکاروں کو سزا دینے کے منصوبے اور اپنے

بیٹے کی بادشاہی کو لانے سے ہے۔

۹:۸-۱۰۔ یوحنا کو محکم دیا گیا کہ اس ”چھوٹی کتاب کو ... کھائے۔“ یعنی اس کتاب

کو پڑھے اور اس میں درج غضبیوں پر غور کرے۔

۱۰:۱۰۔ جس طرح فرشتہ نے بتایا تھا وہ کتاب یوحنا کے ”مُنہ میں تو شہر کی طرح

میٹھی“ لگی، مگر اُس کا ”پیٹ کڑوا ہو گیا۔“ ایماندار کے لئے یہ پڑھنا بہت میٹھا ہوتا ہے کہ خدا اپنے بیٹے کو جہاں وہ مصلوب ہوا تھا اُسی جگہ جلال دینے کا پختہ ارادہ رکھتا ہے۔ شیطان اور اُس کے لشکر پر خدا کی فتح کا بیان پڑھنا بھی میٹھا ہوتا ہے اسی طرح یہ پڑھنا بھی میٹھا لگتا ہے کہ دنیا بھر کی تمام غلط باتیں درست کر دی جائیں گی۔ لیکن نبوت کا مطالعہ کرنے کے ساتھ کڑواہٹ بھی منسک ہے۔ نبوت کا کلام اپنا محاسبہ کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہ ایک کڑوی بات ہے۔ یہ بیان بھی بہت کڑوا ہے کہ برگشتہ یہودی اور مسیحی دنیا پر بہت جلد غضب نازل ہونے والا ہے۔ اور جنہوں نے منجی کو رد کر دیا ہے اُن کے ابدی انجام اور حشر پر غور کرنا بھی نہایت کڑوی بات ہے۔

۱۱:۱۰۔ یوحنا کو بتایا گیا کہ ”تجھے بہت سی امتوں اور قوموں اور اپنی زبان اور بادشاہوں

پر پھر نبوت کرنا ضرور ہے۔“ مکاشفہ کی کتاب کے بقیہ باب اس فرمان کو پورا کرتے ہیں۔

ز۔ دو گواہ (۱۱:۱-۱۳)

۱۱:۲۰۔ اب یوحنا کو محکم ہوا کہ ”مقدس اور قربان گاہ ... کو ناپ“ اور اس میں عبادت

کرنے والوں کو رگن۔ یہاں ناپنے میں محفوظ کرنے یا محفوظ رکھنے کا تصور پایا جاتا ہے۔ اُس سے کہا گیا کہ ”غیر قوموں“ کے ”صحن“ کو نہ ناپے بلکہ اُسے ”خارج کر دے۔“ کیونکہ غیر قومیں اُسے ”بیالیں مینے“ بڑی مصیبت کا آخری نصف عرصہ۔ (دیکھئے لوقا ۲۱:۲۴) تک پامال کریں گی۔ یہاں جس ”مقدس“ کا ذکر ہے یہ وہ مقدس ہے جو بڑی مصیبت کے زمانہ میں یروشلم میں کھڑا ہو گا۔ عبادت کرنے والوں کو گننے کا مطلب یہ ہے کہ خدا عبادت کرنے والوں کے ایک بقیہ کو اپنے لئے بچائے رکھے گا۔ ”قربان گاہ“ اُس وسیلے کی تصویر ہے جس سے وہ خدا تک رسائی حاصل کریں گے۔ یہ وسیلہ کلوری پر مسیح کا کام ہے۔

۱۱:۳۔ بڑی مصیبت کے آخری نصف عرصے کے دوران خدا ”دو گواہوں“ کو برپا

کرے گا۔ ٹاٹ اوڑھے ہوئے“ یہ ماتم کا نشان ہے۔ وہ لوگوں کے گناہوں کے خلاف پکاریں گے اور خدا کے آنے والے قہر و غضب کا اعلان کریں گے۔

۴:۱۱۔ ان دو گواہوں کو ”زیتون کے دو درخت اور دو چراغدان“ کہا گیا ہے۔ ”زیتون کے درختوں“ کی حیثیت میں وہ روح (تیل) سے بھرے ہیں، اور ”چراغدانوں“ کی حیثیت میں وہ تاریکی کے دن میں خدا کی سچائی کی گواہی دیتے ہیں۔ (پُرانے عہد نامہ میں اس کے متوازی بیان کے لئے ملاحظہ کریں ذکر یاہ ۴: ۲-۱۳)۔

۵:۱۱۔ ان گواہوں کو ساڑھے تین بجے تک معجزانہ طور پر ہر قسم کے نقصان اور ضرر سے بچایا جاتا ہے۔ ”اُن کے منہ سے“ نکلنے والی ”آگ“ اُن کے دشمنوں کو بھسم کر دیتی ہے۔ اور اگر کوئی اُن کو نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے تو اُس کو بھی موت کی سزا ملتی ہے۔

۶:۱۱۔ ان گواہوں کو زمین پر خشک سالی کا ”اختیار ہے“۔ اُن کو یہ اختیار بھی دیا گیا ہے کہ ”پانیوں کو... نمون بنا ڈالیں اور... زمین پر ہر طرح کی آفت لائیں“۔ یہ دیکھ کر حیرانی نہیں ہوتی کہ ان گواہوں کو اکثر موسیٰ اور ایلیاہ سمجھا جاتا ہے، کیونکہ اُن کے کام یعنی پانی کو خون بنانا اور ہر طرح کی آفت لانا ہمیں موسیٰ کے اُن کاموں کی یاد دلاتا ہے جو اُس نے مصر میں کئے (خروج ۱۴: ۱-۲۱، ۸: ۱-۱۲)۔ اس طرح آگ اور موسم پر اختیار ہمیں ایلیاہ کی خدمت کی یاد دلاتا ہے (۱-سلاطین ۱: ۱۷، ۱۸: ۴۱-۴۵ اور ۲-سلاطین ۱: ۹-۱۲)۔

میک کو نکی رقمطراز ہے کہ

وہ (دو گواہ) لوگوں کو گناہ کے شخص سے خبردار کریں گے جس کی پریشانی کرنے کو وہ انہوہ در انہوہ آتے ہیں۔ وہ اُنہیں سرزنش کریں گے کہ اس شخص کی کاروائی کا وقت بہت مختصر ہے اور بتائیں گے کہ یسوع اسے ہلاک کرنے کو آ رہا ہے۔ خبردار کریں گے کہ مصیبت کے دوران کیا خطرات ہوں گے۔ سمجھائیں گے کہ جب موت اور زندگی والی آزمائش آئے تو اپنی جانوں کو عزیز نہ رکھیں۔ اور ضرورت ہے کہ اُس سے نہ ڈریں جو صرف بدن کو ہلاک کر سکتا ہے بلکہ اُس سے ڈریں جو جہنم اور روح دونوں کو جہنم میں ڈال سکتا ہے۔ اور یقین دلاتے ہیں کہ تمہاری دم بھر کی مصیبت کے بعد بادشاہ اور اُس کی جلالی بادشاہت قریب ہے اور کہ اگر تم اُس کے ساتھ دکھ اٹھاؤ گے تو اُس کے ساتھ بادشاہی بھی کرو گے،

کیونکہ جو آخر تک برداشت کریں گے وہ ابدی الطمینان، راست بازی اور جلال حاصل کریں گے، خواہ اس کا مطلب مصیبت کے اُس دور میں شہادت پانا ہو جس میں سے وہ گزر رہے ہیں۔ اس کتاب سے اُن کی گواہی کیسی زیروست ہوگی!

۱۱:۷۔ ”جب وہ اپنی گواہی دے چکیں گے تو وہ حیوان جو اتھاہ گرھ سے نکلے گا۔۔۔ اُن کو مار ڈالے گا۔“ یہ دہری حیوان معلوم ہوتا ہے جس کا بیان ۸:۱۳ میں بھی درج ہے۔ یعنی دوبارہ بحال ہونے والی رومی سلطنت کا سربراہ۔

۱۱:۸۔ اُن گواہوں کی ”لاشیں“ ساڑھے تین دن تک یروشلیم کے بازار میں ”پڑی رہیں گی۔ یہاں یروشلیم کو ”سدوم“ کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ اس شہر کا غرور اور تکبر، عیش و عشرت، آرام و آسائش اور دوسروں کی ضروریات کو نظر انداز کرنے کا رویہ ہے (دیکھئے حزقی ایل ۱۶: ۴۹)۔ اس کو ”بصر“ بھی کہا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہاں کی بت پرستی، ظلم و ستم اور ناراستی اور گناہ کی غلامی ہے۔

۱۱:۹۔ ساری ”قوموں“ کے لوگ ”اُن کی لاشوں کو۔۔۔ دیکھتے رہیں گے“ مگر دفنانے ”نہیں گے۔“ یہ سلوک ہر معاشرے اور ہر تہذیب میں انتہائی تحقیر اور ذلت کا سلوک ہے۔

۱۱:۱۰۔ چونکہ اُن کی نبوت کو کوئی شخص بھی پسند نہیں کرتا، اس لئے اب اُن کی زبانیں بند ہو جانے پر لوگ ”بہت خوشی منائیں گے۔۔۔ اور آپس میں تحفے بھیجیں گے“ جیسا کہ آج کل کرسمس کے موقع پر کیا جاتا ہے۔

۱۱:۱۱، ۱۲۔ ”ساڑھے تین دن کے بعد“ خدا اُن کو مردوں میں سے زندہ کر دیتا ہے۔ اس پر عام لوگوں کو وہ حیرانی اور گھبراہٹ ہوتی ہے کہ تصور میں نہیں آسکتی۔ اپنے ”دشمنوں“ کے دیکھتے دیکھتے وہ آسمان پر ”اُٹھائے جاتے ہیں۔“

۱۱:۱۳، ۱۴۔ عین ”اُسی وقت ایک بڑا بھونچال“ یروشلیم کو ہلا کر رکھ دیتا ہے اور ”شہر کا دسواں حصہ“ گر جاتا ہے اور ”سات ہزار آدمی“ مَر جاتے ہیں۔ پنج رہنے والے ”خدا“ کی تجبیہ کرتے ہیں۔ یہ حقیقی اور ولی عبادت نہیں ہے، بلکہ بادلِ ناخواستہ اُس کی قدرت کا اقرار کرتے ہیں۔ ”دوسرا افسوس ہو چکا۔“

اس کا یہ مطلب نہیں کہ ۱۳:۹ سے ۱۳:۱۱ تک جتنی باتیں درج ہیں دوسرا افسوس اُن

ہی پر مشتمل ہے، بلکہ باب ۱۰-۱۱ اور ۱۳-۱۴ ”دوسرے افسوس“ (چھٹے نرسنگے) اور تیسرے افسوس“ (ساتویں نرسنگے) کے درمیان جملہ متعترضہ ہے۔

ساتواں نرسنگا (۱۱: ۱۵-۱۹)

۱۵: ۱۱۔ ساتواں نرسنگا پھونکا جانے پر ظاہر ہوتا ہے کہ بڑی مصیبت کا دور ختم ہو گیا ہے اور مسیح کی بادشاہی شروع ہو گئی ہے۔ ”دُنیا کی بادشاہی ہمارے خداوند اور اُس کے مسیح کی ہو گئی“ اور وہ ابد الابد بادشاہی کرے گا! یہاں ”دُنیا کی بادشاہی“ سے مراد دُنیا بھر کی ساری حکومتیں اور ریاستیں ہیں۔

۱۶: ۱۱۔ ”چوبیسویں بزرگ ... منہ کے بل گر کر خدا کو سجدہ“ کرتے ہیں۔ اور اُس کے اپنی ”بڑی قدرت“ کو ہاتھ میں لینے اور اپنی بادشاہی کو شروع کرنے پر اُس کا ”شکر“ ادا کرتے ہیں۔

۱۸: ۱۱۔ بے ایمان ”قوموں کو“ خدا پر ”عُصَہ“ آتا ہے اور وہ اُس کی تاجپوشی کو روکنے کی کوشش کرتی ہیں۔ مگر اب وقت آگیا ہے کہ خدا اُن پر عُصَہ ہو، جو روحانی زندگی سے عاری ہیں اُن کی عدالت کرے اور ”زمین کے تباہ کرنے والوں کو تباہ“ کر دے۔ یہی وقت ہے کہ خداوند اپنے ”بندوں، نبیوں اور مقدسوں اور اُن چھوٹے بڑوں کو جو اُس کے نام سے دُرتے ہیں اجر“ دے۔

۱۹: ۱۱۔ خدا اپنی اُمت اسرائیل کے ساتھ اپنے ”عہد“ کو نہیں بھولا۔ ”خدا کا جو مقدس آسمان پر ہے وہ کھولا گیا اور اُس کے مقدس میں اُس کے عہد کا صندوق دکھائی دیا۔“ یہ نشان ہے کہ اسرائیل کے ساتھ خدا کے سارے وعدے پورے ہوں گے۔ اب ”بجلیاں، اور آوازیں اور گرجیں پیدا ہوئیں اور بھونچال آیا اور بڑے بڑے اُورے پڑے۔“

ط۔ بڑی مصیبت کے زمانے کی کلیدی شخصیات

(الو اب ۱۲-۱۵)

۱۰: ۱۲۔ ”پھر آسمان پر ایک بڑا نشان ... یعنی ایک عورت نظر آئی جو آفتاب کو اوڑھے ... چاند اُس کے پاؤں کے نیچے اور ... تاج اُس کے سر پر تھا۔“ یہ عورت ”اسرائیل ہے۔“

”آفتاب... چاند اور ستارے“ اُس جلال اور حکمرانی کو ظاہر کرتے ہیں جس کا آنے والی بادشاہی میں اُس کے ساتھ وعدہ کیا گیا ہے۔ اسی طرح پُرانے عہد نامہ میں آفتاب، چاند اور ستاروں نے تصویر پیش کی تھی کہ یوسف بالآخر اور حتمی طور پر اپنے باپ، ماں اور بھائیوں پر حاکم ہوگا (پیدائش ۳: ۹-۱۱)۔

۱۲: ۲- یہ عورت ”دروڑہ“ میں تھی اور ایک ”بچہ“ جننے کو تھی۔ ان آیات میں اسرائیل کی بیشتر تاریخ پر نظر ڈالی گئی ہے۔ البتہ یہ اشدہ نہیں ہے کہ مختلف واقعات میں وقت کا کوئی وقفہ یا واقعات لازماً تواریخی ترتیب میں ہیں۔

۱۲: ۳- ”پھر ایک اور نشان آسمان پر دکھائی دیا یعنی ایک بڑا لال اژدہا۔ اُس کے سات سر اور دس سینک تھے اور اُس کے سروں پر سات تاج... تھے۔“ یہ اژدہا شیطان ہے۔ لیکن چونکہ یہ بیان ۱۳: ۱ میں بحال شدہ رومی سلطنت کے بیان کے متوازی ہے، اس لئے مراد ہے کہ شیطان اُس عالمگیر طاقت کو تقویت دیتا اور بھڑکاتا ہے۔

۱۲: ۴، ۵- اپنی ”دُم“ کو ایک دفعہ تیزی سے ہلا کر اُس اژدہے نے آسمان کے تہائی رستارے کی پینچ کر زمین پر ڈال دیئے۔“ یہ اشارہ کسی جنگ کا پتہ دیتا ہے جو بڑی مصیبت کے وسطی عرصے میں آسمان پر لڑی جائے گی اور جس کے نتیجے میں گنہگار فرشتوں کو آسمان سے زمین پر پھینک دیا جائے گا (دیکھئے آیات ۸، ۹)۔

”وہ اژدہا“ تیار ہے تاکہ جو نبی ”بچہ“ پیدا ہو اُسے ”نکل جائے“۔ یہ بات ہیرودیس اعظم کی اس حرکت میں پوری ہوئی کہ اُس نے یہودیوں کے نوموؤد بادشاہ کو مار ڈالنے کی کوشش کی۔ یہ نرینہ ”بچہ“ واضح طور پر یسوع ہے جس کو ”لوہے کے عصا سے سب قتل“ پر حکومت ”کرنا ہے۔“ بیان اُس کی پیدائش سے یکدم اُس کے صعود تک پہنچ جاتا ہے۔

۱۲: ۶- آیت ۵ اور ۶ کا درمیانی عرصہ موجودہ کلیسیا کا دور ہے۔ اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ بڑی مصیبت کے وسطی عرصے کے دوران اسرائیلی قوم کا ایک حصہ کسی خفیہ پناہ کی جگہ کو بھاگ جاتا ہے جو کہ ”بیابان“ میں ہے۔ یہ لوگ ساتھی بنیں برس تک چھپے رہتے ہیں۔

۱۲: ۷- ”آسمان پر لڑائی“ چھڑ جاتی ہے جس میں ”میکائیل اور اُس کے فرشتے“ ایک طرف اور ”اژدہا... اور اُس کے فرشتے“ اُن کے مقابل دوسری طرف ہیں۔ یہ واقعہ بڑی مصیبت کے درمیانی عرصہ میں پیش آتا ہے۔ میکائیل مقرب فرشتہ ہے اور اُس کا تعلق اسرائیلی قوم

کے معاملات کے ساتھ ہے (دانی ایل ۱۲: ۱)۔

۹: ۸، ۱۲۔ اژدہ کے کو ایسی مکمل شکست ہوتی ہے کہ اُسے ”آسمان“ پر رسائی کا حق نہیں رہتا۔ وہ اور اُس کے منظور نظر فرشتے زمین ”پر گرا دیئے گئے“۔ یہ اُس کا آخری حشر نہیں ہے (دیکھیے ۲: ۱۰، ۳)۔ اُس کے بارے میں یوحنا کی بیان کردہ تفصیل پر غور کیجئے :

”وہ بڑا اژدہ یعنی وہی پُرانا سانپ جو ابلیس اور شیطان کہلاتا ہے اور سارے جہان کو گمراہ کر دیتا ہے“

۱۰: ۱۲۔ آسمان سے ابلیس کی بے وفائی کے بعد ”آسمان پر سے“ ایک ”بڑی آواز“ آتی ہے کہ خدا کی فتح اور اُس کے لوگوں کی کامرانی کا دن آ پہنچا ہے۔ یہ ہزار سالہ بادشاہی کی پیش بینی ہے۔ در ایں اثنایہ پر حشرت واقع ہے کہ ”ہمارے بھائیوں پر الزام لگانے والا... گرا دیا گیا“ ہے۔

۱۱: ۱۲۔ یہ اعلان جاری رہتا ہے۔ اذیت رسیدہ یہودی ایمان دار اُس شریر ”برہ“ کے خون اور اپنی گواہی کے کلام کے باعث ... غالب آئے۔ اُن کی فتح کی بنیاد مسیح کی موت، اور اس موت کے بارے میں اُن کی ”گواہی“ ہے۔ اُنہوں نے اپنی ”گواہی“ پر اپنے خون کی مٹر لگاتے ہوئے ثابت کیا کہ ہم ”برہ“ کے وفادار ہیں۔

۱۲: ۱۲، ۱۳۔ اژدہ کے بے وفائی پر ”آسمان“ خوشی مناسکتا ہے۔ مگر یہ ”خبر خوشی اور تری“ یعنی زمین اور سمندر کے لئے بہت بُری ہے۔ ابلیس ”جانتا ہے کہ میرا تھوڑا ہی سا وقت باقی ہے۔“ اُس نے تہیہ کر رکھا ہے کہ میں اپنے غیض و غضب کو حتی المقدور دُور دُور تک پھیلا دوں گا۔ اس اژدہ کا قہر اور غصہ خاص طور پر اسرائیل کے خلاف ہے، کیونکہ مسیح موعود اسی قوم سے آیا ہے۔

۱۴: ۱۲۔ ایمان دار اور وفادار یہودی بقیہ کو ”بڑے عقاب کے دو پر دیئے گئے تاکہ جلدی سے ”بیابان“ میں اپنے چھپنے کی جگہ پر پہنچ جائے۔ (بعض لوگ یہ دُور کی کوڑی بھی لائے ہیں کہ یہ ”پر“ زبردست فضائی قوت ہے)۔ وہاں اس بقیہ کی سارے تین برس تک حفاظت کی جائے گی اور سانپ کے حملوں سے بچاؤ کیا جائے گا۔ (ایک زمانہ اور زمانوں اور آدھے زمانہ“ سے مراد سارے تین برس کا عرصہ ہے)۔

۱۵: ۱۶، ۱۷۔ اسرائیل کے فرار کو ناکام بنانے کے لئے ”سانپ“ اُن کے پیچھے ”ندی کی

طرح پانی یعنی بڑا سیلاب بہاتا ہے۔ لیکن ایک زبردست بھونچال آتا ہے جس سے زمین کا ”منہ“ کھل جاتا ہے اور وہ اُس سارے پانی کو پی لیتی ہے۔ اس طرح ابلیس کی چال ناکام بنا دی جاتی ہے۔

۱۲: ۱۷۔ اپنی اس ذلت پر ابلیس ایسا غضب ناک ہوتا ہے کہ جو یہودی ملک میں باقی رہ گئے تھے اُن سے انتقام لینے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ وہ یہودی ہیں جو اپنے ایمان کی حقیقت کو ثابت کرتے ہوئے ”خدا کے حکموں پر عمل“ کرتے ہیں اور ”یسوع کی گواہی دینے پر قائم“ ہیں۔

۱۰: ۱۳۔ باب ۱۳ میں ہمارا تعارف دو حیوانوں سے ہوتا ہے۔ ایک ”حیوان... سمندر میں سے“ نکلتا ہے اور دوسرا ”زمین میں سے“ یعنی اسرائیل کے ملک میں سے نکلتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ حیوان دو آدمیوں کی علامت ہیں جو مصیبت کے دور میں نمایاں کردار ادا کریں گے۔ ان دونوں میں دانی ایل ۷: ۳-۷ والے حیوانوں کے خدو خال یکساں نظر آتے ہیں۔ پہلا حیوان بحال شدہ رومی سلطنت کا سربراہ ہے۔ اس سلطنت کا وجود دس بادشاہوں کی صورت میں ہوگا۔ یہ حیوان ”سمندر میں سے“ نکلتا ہے۔ یہ غیر قوموں کی مثال ہے۔ اس کے ”دس سینگ“ ہیں۔ دانی ایل نے پیشین گوئی کی تھی کہ رومی سلطنت دس بادشاہوں کی صورت میں بحال ہوگی (دانی ایل ۷: ۲۴)۔ اس حیوان کے ”سات سر“ ہیں۔ ۱۰: ۱۷ میں لکھا گیا ہے کہ یہ سات بادشاہ ہیں۔ ممکن ہے اشارہ مختلف قسم کے سات حاکموں یا سلطنت کے سات مختلف درجوں کی طرف ہو۔ اُس کے سینگوں پر دس تاج“ ہیں۔ یہ بیان ہے حکومت کرنے کے اختیار یا طاقت کا جو اُس کو اذہ ہے یعنی شیطان نے دی تھی۔ ”اُس کے سروں پر کفر کے نام لکھے ہوئے“ ہیں، اور وہ دعویٰ کرتا ہے کہ میں محض انسان ہی نہیں بلکہ گویا خدا ہوں۔

۱۳: ۲۔ اس ”حیوان... کی شکل تیندوے کی سی... اور پاؤں رینگنے کے... اور منہ ببر کا سا“ ہے۔ دانی ایل باب ۷ میں تیندو اور یونان کی، رینگنے والی فادس اور ببر باہل کی نمائندگی کرتا ہے۔ چنانچہ بحال شدہ رومی سلطنت اپنے پیشروؤں سے مشابہت رکھتی ہے کہ فتح کرنے میں ”تیندوے“ کی طرح، ”رینگنے کی طرح طاقتور اور ”ببر“ کی طرح لالچی ہے۔ مختصر یہ کہ اس میں پہلے کی دنیوی سلطنتوں کے سارے خدو خال یکساں ہیں۔ اس سلطنت اور اس کے حکمران کو شیطان سے فوق الفطرت طاقت ملتی ہے۔

۱۳: ۳۔ اس حیوان کے ایک سر ”پر گویا زخم کاری لگا ہوا“ ہے۔ سکوفیلڈ اس کی

وضاحت کرتا ہے کہ قدیم رومی سلطنت کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے الگ الگ بادشاہوں کی شکل میں ہمیشہ موجود اور قائم رہے ہیں۔ اس سلطنت کی صرف شہنشاہانہ صورت ختم ہو گئی ہے، یعنی ایک سر زخم کھا کر مر گیا ہے۔ مگر یہ ”زخم کاری اچھا ہو گیا“ ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ سلطنت بحال ہوتی ہے اور ایک شہنشاہ یعنی ”حیوان“ اس کا سر براہ ہے۔

۱۳: ۴۔ لوگ اس ”حیوان“ کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ نہ صرف اُس پر تعجب کرتے ہیں، بلکہ حقیقت میں اُس کو خدا مان کر اُس کی پرستش کرتے ہیں۔ وہ اُس ”ازدہے“ کی بھی پرستش کرتے ہیں۔

۱۳: ۵، ۶۔ یہ حیوان بڑے بول بولتا، یعنی گھمنڈ اور تکبر کی باتیں کرتا اور ناقابل بیان ”کُفر“ بکتا ہے۔ اُسے بیالیس^{۲۲} مہینے تک کام کرنے کا اختیار دیا گیا۔ ”کام“ سے مراد غالباً جنگ ہے۔ وہ ”خدا کی نسبت“ نہایت سخت اور بے عزتی کی باتیں کہتا ہے اور خدا کے ”خیمہ“ اور ”آسمان“ کے لشکروں کے خلاف کُفر بکتا ہے۔

۱۳: ۷۔ وہ خدا کے لوگوں کے خلاف ”جنگ“ کرتا اور مہبتوں پر غالب آتا ہے۔ وہ اُس کی اطاعت قبول کرنے کی نسبت مرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔ اُس کی حکمرانی ساری دنیا پر پھیل جاتی ہے۔ یہ مسیح کی بادشاہی سے پہلے آخری دنیوی سلطنت ہوگی۔

۱۳: ۸۔ جو لوگ سچے ایمان دار نہیں ہیں وہ بڑی جلدی سے حیوان کی پرستش کرتے ہیں۔ چونکہ وہ کبھی مسیح پر ایمان نہ لائے تھے اس لئے اُن کے نام کبھی ”برہ کی کتاب حیات میں لکھے نہیں گئے“ تھے۔ اور چونکہ مخلص یافتہ لوگوں میں اُن کے نام نہیں ملے اس لئے اُن کو گناہ کے حوالے کر دیا گیا۔ وہ سچائی کی جانب راغب نہ ہوئے، اس لئے اب جھوٹ پر ایمان رکھتے ہیں۔

۱۳: ۹۔ یہ بات سب کے لئے تنبیہ ہے۔ سب کو خبردار کرتی ہے کہ جب تک خدا کا نور دستیاب ہے اسے قبول کرلو۔ اگر خدا کے نور کا انکار کرو گے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ یہ نور ہٹالیا جائے گا، پھر موقع نہیں ملے گا۔

۱۳: ۱۰۔ سچے ایمان داروں کو یقین دلایا گیا ہے کہ اُن کو ستانے والے ”قیدی“ پڑیں گے اور ”نور سے قتل“ کئے جائیں گے۔ اس طرح ”مقدسوں“ کو ”صبر اور ایمان“ سے انتظار کرنے کی توفیق ملے گی۔

۱۱:۱۳۔ دوسرا ”حیوان“ بھی بڑی مصیبت کے دور کی ایک نمایاں شخصیت ہے۔

وہ پہلے حیوان کے ساتھ گھر سے اور قریبی تعاون کے ساتھ کام کرتا ہے، یہاں تک کہ پہلے حیوان اور عظیم الجبرہ بت کی پرستش کرانے کے لئے ایک عالمگیر مہم بھی منظم کرتا ہے۔ یہ بہت بڑا بت رومی شہنشاہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ دوسرا حیوان ”زمین میں سے“ یا ملک میں سے نکلتا ہے۔ اگر اسرائیل کا ملک پیش نظر ہے تو پھر یہ لیڈر یقیناً کوئی ’یہودی‘ ہوگا۔ یہ جھوٹا نبی (دیکھئے ۱۶: ۱۳، ۱۹: ۲۰، ۲۰: ۱۰) ہے۔ اس حیوان کے ’برہ‘ کے سے ڈو سینگ“ ہیں۔ یہاں حلیم اور بے ضرر ہونے کا اظہار ہوتا ہے۔ لیکن ساتھ ہی نظر آتا ہے کہ وہ خدا کا برہ نظر آنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ اژدہ کی طرح بولتا ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کی تحریک اور توفیق شیطان کی طرف سے ہے۔

۱۲: ۱۳۔ ۱۳۔ وہ ”پہلے حیوان کا سارا اختیار اُس کے سامنے کام میں لاتا ہے۔ مطلب

یہ ہے کہ رومی شہنشاہ اُس کو لامحدود اختیارات دے دیتا ہے تاکہ اُس کی جانب سے کام میں لائے۔ اُس کو فوق الفطرت طاقت حاصل ہے، یہاں تک کہ آسمان سے زمین پر آگ نازل کر دیتا ہے۔ بلاشبہ ان معجزوں کا مقصد لوگوں کو دھوکا دے کر اُن سے خدا کی بجائے ایک انسان کی پرستش کرانا ہے۔

۱۵: ۱۳۔ اُس کو اختیار دیا گیا کہ اُس بڑے ”بت“ میں رُوح چھونک سکے تاکہ وہ حیوان کا بت

بولے۔ یہ اُچارنے والی مکمل بات ہیں۔ اس بت کی پرستش کرنے سے انکار کی سزا موت ہوگی۔

۱۶: ۱۳۔ دوسرا حیوان اصرار کرتا ہے کہ لوگ رومی شہنشاہ سے اپنا وفاداری کا عملی اظہار کریں۔

اس مقصد کے لئے وہ اپنے ”دہن ہاتھ یا ... ماتھے پر“ اس حیوان کی ”چھاپ“ کر دیتے ہیں۔

۱۷: ۱۳۔ اس نشان یا ”چھاپ“ کے علاوہ حیوان کا ایک ”نام“ اور ایک پُر اسرار ”عدو“ بھی ہے۔

جب تک ایک شخص پر ”یہ چھاپ“ ... یا نام ... یا عدو“ نہ ہوگا وہ ”خیرید و فروخت نہ کر سکے“ گا۔ یہ کوشش ہے کہ لوگوں کو معاشی اور مالی وسائل کے ذریعے سے مسیح کو چھوڑنے اور بت پرستی اختیار کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ یہ نہایت کڑا امتحان ہوگا، مگر سچے ایمان دار مسیح کا انکار کرنے پر موت کو ترجیح دیں گے۔

۱۸: ۱۳۔ ”اس حیوان کا عدد ... چھ سو چھیاسٹھ ہے“۔ چھ انسان کا عدد ہے۔ یہ

حقیقت کہ یہ عدد سات سے بقدر ایک کم ہے ظاہر کرتی ہے کہ انسان خدا کے جلال یا خدا کی

کاملیت سے محروم ہے۔ تین چھٹے بُرائی یا گناہ کی تہلیل کو ظاہر کرتے ہیں۔

باب ۱۳ کے تعلق سے جو سب سے بڑا سوال اٹھایا جاتا ہے یہ ہے کہ پہلے اور دوسرے

حیوان میں سے کونسا مخالفِ مسیح ہے۔ بنیادی طور پر پہلے حیوان کے مخالفِ مسیح ہونے کے حق میں

دلیل یہ ہے کہ وہ اصرار کرتا ہے کہ خدا کی طرح میری پرستش کی جائے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ دوسرا

حیوان مخالفِ مسیح ہے وہ یہ دلیل دیتے ہیں کہ کوئی یہودی کبھی کسی غیر قوم کو مسیح موعود کے طور پر

قبول نہیں کر سکتا۔ اور چونکہ دوسرا حیوان ایک یہودی ہوگا اس لئے وہی جھوٹا مسیح ہوگا۔

۱۰:۱۴- اب ”برہ میٹون کے پہاڑ پر کھڑا“ نظر آتا ہے۔ اس کے ”ایک لاکھ چالیس ہزار“

پیرو اس کے ساتھ ہیں۔ ان سب کے ماتھوں پر ٹہر ہے۔ یہاں نظر اس وقت کی طرف ہے جب

خداوند یسوع زمین پر واپس آئے گا اور اسرائیل کے بارہ قبیلوں میں سے ہر قبیلے کے ان ایمان

داروں کے ساتھ یروشلیم میں کھڑا ہوگا۔ یہ ”ایک لاکھ چالیس ہزار“ دہری ہیں جن کا ذکر باب ۷

میں ہوا تھا۔ اب وہ مسیح کی بادشاہی میں داخل ہونے کو ہیں۔

۱۴:۲۰- اب ”یوحنا کو آسمان پر سے“ موسیقی کی آواز آتی ہے۔ یہ ”زور کے پانی اور

بڑی گرج کی سی آواز تھی“۔ مزید یہ کہ یہ آواز ”ایسی تھی جیسے بربط نواز بربط بجاتے ہوں“۔

صرف وہ ”ایک لاکھ چالیس ہزار“ افراد ہی اس گیت کو سیکھ سکتے ہیں۔

۱۴:۲۰- ان افراد کے بارے میں بیان کیا گیا ہے کہ ”گنوارے“ ہیں اور عورتوں کے ساتھ

آلودہ نہیں ہوتے۔ انہوں نے اپنے آپ کو اس زمانے کی ہولناک بت پرستی سے بچائے رکھا،

اور بے چون و چرا پوری جاں نثاری کے ساتھ ”برہ کے پیچھے پیچھے چلتے“ رہے۔ ان کو خدا اور برہ

کے لئے پہلے پھل کا نام دیا گیا ہے، یعنی یہ مقبیت کے دور کی وہ پہلی فصل ہے جو ہزار

سالہ دور میں داخل ہوگی اور ہزار سالہ دور کی زمین کو آباد کرے گی۔ انہوں نے مخالفِ مسیح

کے جھوٹ کو قبول نہ کیا۔ کہ ایک انسان کی پرستش کی جائے۔ جہاں تک مستقل مزاجی

اور ثابت قدمی کے ساتھ مسیح کا اقرار کرنے کا تعلق ہے یہ افراد بے الزام اور بے داغ ہیں۔

۱۴:۶- ”آسمان کے پہنچ میں اڑتے ہوئے“ فرشتے کے پاس ”ابدی خوشخبری“ ہے۔

یہ بیان متی ۲۴:۱۴ سے مطابقت رکھتا ہے: ”اور بادشاہی کی اس خوشخبری کی منادی تمام

دنیا میں ہوگی تاکہ سب قوموں کے لئے گواہی ہو۔ تب خاتمہ ہوگا۔“ اس خوشخبری کا مضمون آیت

۷ میں دیا گیا ہے۔ لوگوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ حیوان سے نہیں بلکہ خدا سے ڈرو اور اس کی تعجید کرو

نہ کہ اُس کی جو فقط انسان ہے۔ اُس بُت کی پرستش نہ کرو۔ بے شک خوشخبری صرف ایک ہی ہے کہ نجات صرف مسیح پر ایمان لانے کے وسیلہ سے ہے۔ لیکن مختلف نظاموں میں مختلف پہلوؤں پر زور دیا جاتا ہے۔ بڑی مصیبت کے زمانہ میں یہ خوشخبری لوگوں کو حیوان کی پرستش کرنے سے ہٹا کر زمین پر مسیح کی بادشاہی کے لئے تیار کرے گی۔

۱۴:۸- دوسرا فرشتہ بائبل کے گر پڑنے کا اعلان کرتا ہے۔ یہ بات ہمیں ابواب ۱۱:۷ اور ۱۸ کے واقعات کا پہلے سے اشارہ پتہ دیتی ہے۔ ”بائبل“ برگشتہ یہودیت اور برگشتہ مسیحی دنیا کی نمائندگی کرتا ہے۔ یہ دونوں ایک زبردست تجارتی اور مذہبی گٹھ جوڑ بنائیں گے۔ ان کا صدر مقام روم میں ہوگا۔ ”تمام“ قومیں اُس کی ”حرام کاری کی غضب ناک“ سے سرشار ہوں گی۔ ۱۴:۱۰-۱۰۹ ہم تعین کر سکتے ہیں کہ ”پیسرے“ فرشتہ کے اعلان کا وقت مصیبت کے دور کا دمیانی حصہ ہے اور یہی وقت بڑی مصیبت کے شروع کا ہے۔ ”فرشتہ“ خبردار کرتا ہے کہ جو شخص بھی کسی بھی صورت میں حیوان کی پرستش کرنے پر آمادہ ہوگا اُس پر آب اور ہمیشہ تک ”خدا کا قہر“ رہے گا۔ بڑی مصیبت کے دوران اُس کے ”قہر کی... خالص“ زمین پر اٹھیلی جائے گی۔ مگر یہ ابدی جہنم کی جاں کنی کا صرف پیشگی مزہ ہوگا، جہاں بے ایمان لوگ ”آگ اور گندھک کے عذاب میں مبتلا“ رہیں گے۔

۱۴:۱۱- یہ آیت یاد دلاتی ہے کہ جہنم ابدی اور پورے شعور کے ساتھ سزا ہوگی۔ بائبل مقدس نے کبھی تعلیم نہیں دی کہ شریر مردے نابود ہو جائیں گے۔ ”اُن کے عذاب کا دھواں ابد الابد اٹھتا رہے گا۔۔۔ اُن کو رات دن چین نہ ملے گا۔“

۱۴:۱۲- یہی وقت ہوگا جب مقدسوں سے کہا جائے گا کہ حیوان کی بہیمیت اور جبر اور ظلم کو صبر سے برداشت کریں، ”خدا“ کا حکم مانیں۔ کسی انسان یا بُت کی پرستش کرنے سے انکار کرتے رہیں اور ”یسوع پر ایمان“ رکھنے کے اقرار پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ شہیروں کے آخری حشر (آیات ۹-۱۱) سے ایمان داروں کی صبر سے برداشت کرنے میں حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔ ۱۴:۱۳- جو ایمان دار اِس عرصے کے دوران ”میں گے“ وہ بھی ہزار سالہ بادشاہی کی برکات سے محروم نہیں رہیں گے۔ انسان کہتا ہے ”مبارک ہیں وہ جو زندہ ہیں“۔ خدا کہتا ہے ”مبارک ہیں وہ مردے جو... خداوند میں مرتے ہیں“۔ ہر وہ کام جو مسیح کے لئے اور اُس کے نام کی خاطر دوسروں کے لئے کیا جائے، اُس کا بڑا اجر ملے گا۔ ہر مہربانی، ہر اشارے کے ساتھ

دیا ہوا تحفہ، ہرزندانہ، ہر دُعا، ہر آنسو، گواہی کا ہر لفظ ————— اجر پائے گا۔

۱۴:۱۴۔ اگر ہم کلام کے اس حصے کا مقابلہ متی ۱۳: ۲۹-۴۳ اور ۲۵: ۳۱-۴۶ سے

کریں تو پتہ چلتا ہے کہ زمین کی فصل کٹنے کا کام خداوند کی دوسری آمد پر ہوتا ہے۔ یہاں کہا گیا ہے کہ وہ فصل کاٹ رہا ہے۔ متی ۱۳: ۳۹ میں فصل کاٹنے والے فرشتے ہیں۔ دونوں بیان درست ہیں۔ مسیح یہ کام فرشتوں کے وسیلے کرتا ہے۔

یہاں دکھائی دیتا ہے کہ مسیح ”ایک سفید بادل“ پر سوار ہو کر اُترتا ہے۔ ”اُس کے سر پر سونے کا تاج اور ہاتھ میں تیز درانتی ہے۔“

۱۴:۱۵۔ ”ایک اور فرشتہ... مقدس سے نکل کر“ اُس سے کہتا ہے کہ ”اپنی درانتی چلا کر

کاٹ... اس لئے کہ زمین کی فصل بُست پک گئی“ ہے۔ اس کو حکم نہیں سمجھنا چاہئے۔ فرشتوں کو کوئی حق نہیں کہ خدا کو حکم دیں بلکہ یہ ایک التجا ہے یا خدا باپ کی طرف سے ایک حکم ہے جو پہنچایا گیا ہے۔

۱۴:۱۶۔ فصل کی پہلی کٹائی کو دو طرح سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اول، یہ تصویر ہے کہ نصیبت

کے عرصہ والے ایمان داروں کو ہزار سالہ بادشاہی میں داخل ہونے کے لئے جمع کیا جاتا ہے۔ اس نظریہ کے مطابق یہ متی باب ۱۳ میں مذکور اچھے بیجوں سے مطابقت رکھتا ہے جن کو بادشاہی کے بیٹے (فرزند) کہا گیا ہے۔ دوم۔ یہ کٹائی ”عدالت“ کے لئے ہو سکتی ہے۔ اس صورت میں جن کی عدالت ہو رہی ہے وہ غیر قویں ہیں۔ اس لئے کہ بنی اسرائیل اگلی کٹائی میں پیش نظر معلوم ہوتے ہیں (آیات ۱۷-۲۰)۔

۱۴:۱۷۔ اب بیان اُن ہولناک غضبوں کی طرف مڑ کر دیتا ہے جو اسرائیل قوم (زمین کی

تاک) کے اُس حصے پر نازل ہوں گے جو ایمان نہیں لایا (دیکھئے زبور ۸۰: ۸؛ یسعیاہ ۵:

۱-۷؛ یرمیاہ ۲: ۲۱؛ ۶: ۹)۔ ”ایک اور فرشتہ اُس مقدس سے نکلا جو آسمان پر ہے۔

اُس کے پاس بھی تیز درانتی تھی۔“

۱۴:۱۸۔ ”ایک اور فرشتہ“ اشارہ کرتا ہے کہ کٹائی شروع کی جائے۔ اس فرشتہ کو

”آگ پر اختیار تھا“۔ یہ علامت ہے کہ غضب شروع ہونے کو ہے۔

۱۴:۱۹۔ پکے انگور جمع کر لئے جاتے اور ”خدا کے قمر کے بڑے حوض میں ڈال“ دئے

جاتے ہیں۔ سئے بنانے کے لئے انگوروں کو پاؤں سے روندنا اور کچلا جاتا ہے۔ یہ تصویر

ہے کہ غضب الہیٰ شاید یہ ہے کہ روند کے رکھ دے گا۔

۲۰:۱۴۔ انگوروں کو روندنے کا یہ کام یز و شلیم شر کے باہر غالباً یہ یوسفط کی وادی میں کیا جاتا ہے۔ یہ نوٹریزی اتنی بڑی ہے کہ ”خون“ ایک ۱۸۰ میل (تقریباً ۲۹۰ کلو میٹر) ندی کی صورت میں بہہ نکلتا ہے۔ اور اتنا گہرا کہ گھوڑوں کی لگاموں تک پہنچتا ہے۔ یہ بہاؤ یروشلیم سے لے کر اودم کے جنوب تک چلا جاتا ہے۔

۱:۱۵۔ ”آسمان پر ایک اور... نشان“ ظاہر ہوتا ہے۔ ”سات فرشتے ساتوں پھیلی آفتوں کو لے ہوئے“ ہیں۔ جب یہ آفتیں نازل ہو چکتی ہیں تو ”خدا کا قہر“ ختم ہو جاتا ہے۔ (اس بیان سے پتہ چلتا ہے کہ ہم ’مُصِیْبَت‘ کے ایام کے اختتام کو پہنچ رہے ہیں۔

۲:۱۵۔ یوحنا کو آسمان پر لوگوں کی ایک بڑی بھیڑ نظر آتی ہے۔ یہ لوگ ایک سمندر کے کنارے کھڑے ہیں۔ یوحنا اس سمندر کی تفصیل یوں بیان کرتا ہے ”شیشہ کا سا ایک سمندر... جس میں آگ ملی ہوئی ہے۔“ یوحنا ان لوگوں کو پہچان لیتا ہے۔ انہوں نے ”اُس حیوان اور اُس کے بت“ کی پرستش کرنے سے انکار کیا تھا۔ بے شک اس کے نتیجے میں اُن کو شہید کر دیا گیا تھا۔

۴:۱۵۔ مگر اب یہ لوگ آسمان پر ہیں اور ”خدا کے بندہ موسیٰ کا گیت اور برہ کا گیت“ گارہے ہیں۔ یہ گیت تقریباً سارے کے سارے پُرانے عہد نامہ سے اقتباسات پر مشتمل ہیں۔ ان میں خدا کی آفتوں کے راست ہونے کی گواہی ایک طرح پیشگی دی گئی ہے۔ اور پیشینِ نفروہ سلوک ہے جو وہ ان (شہیدوں) کے قاتلوں سے کرے گا۔ ”وہ خداوند خدا قادر مطلق“ کے ”کاموں“ اور اُس کی ”راہوں“ کے لئے اُس کی محدود تائش کرتے ہیں۔ زیرِ نظر سیاق و سباق میں مطلب ہے اُس کی عدالت اور قہر کے کام۔ البتہ اس کا اطلاق اُس کے سارے کاموں پر بھی ہوتا ہے۔ ”ازلی بادشاہ“ ساری قوموں کا بادشاہ ہے۔

”موسیٰ کا گیت“۔ یہ وہ گیت ہے جو خدا کے لوگوں نے نہر کی غلامی سے رہائی پانے پر جشن مناتے ہوئے گایا تھا۔ ”برہ کا گیت“ اس گیت سے روحانی زندگی کے سارے دشمنوں اور شیطان سے آخری خلاصی پانے کا جشن منایا جائے گا۔ چنانچہ اے۔ ٹی۔ پیٹرکسن کیا خوب کہتا ہے کہ ”یہ گیت غلامی کی تاریخ کی دو حدوں کی نشان دہی کرتے ہیں۔ ان دونوں کے درمیان خدا کے اُن لوگوں کی ساری تاریخ ہے جن کا فدیہ دیا گیا ہے۔“

زمین پر نازل ہونے والے خدا کے غضب ثابت کرتے ہیں کہ وہ قدوس خدا ہے۔ ان

آفتوں کے باعث ”سب قومیں“ خدا سے ڈریں گی، اُس کی ”تحمید“ کریں گی اور اُس کو ”سجدہ“ کریں گی۔
 ۱۵:۵ - ”ان باتوں کے بعد“ یوحنا دیکھتا ہے کہ ”شہادت کے خیمہ کا مقدس آسمان میں کھولا گیا“۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ آسمان کی وہ حقیقت ہے کہ زمینی ہیکل جس کا عکس اور نقل تھی (عزرائیل ۲۳:۹)۔ یہاں خاص اشارہ پاک ترین مقام کی طرف ہے۔

۱۵:۶ - ”وہ ساتوں فرشتے“۔۔۔ آہار اور چمکار جو اہر سے اُداستہ اور سینوں پر سنہری سینہ بند باندھے ہوئے مقدس سے نکلے۔“ اِس کا مطلب ہے کہ وہ خدا کی راست عدالت کو بروئے کار لانے کو بالکل تیار ہیں۔ اور سارا سامان اُن کے پاس موجود ہے، اِس طرح خدا اِجلال پائے گا۔ اُس کی تحمید ہوگی۔ ”یہ فرشتے“ آخری ”سات آفتوں“ کو گویا کھولنے ہی والے ہیں۔
 ۱۵:۷ - ”اُن چاروں جانداروں میں سے ایک“ ہر ایک فرشتہ کو ایک ایک پیالہ پکڑا تا ہے۔ ان پیالوں میں بڑی مصیبت کی سات آفتیں بھری ہیں جو اُس کے دشمنوں کے ایک حصے پر نہیں بلکہ تمام دشمنوں پر اثر انداز ہوں گی۔

۱۵:۸ - ”جب تک“۔۔۔ ساتوں آفتیں ختم نہ ہو چکیں کوئی اُس مقدس میں داخل نہ ہو سکا“۔ اِس کا مطلب ہے کہ کسی کا ہن کی شفاعت اب خدا کے قہر کو مؤثر نہیں کر سکتی۔

ی۔ سات پیالوں کی آفتیں (باب ۱۶)

۱۶:۱ - ”مقدس میں سے“۔۔۔ بڑی آواز۔۔۔ اُن سات فرشتوں کو حکم دیتی ہے کہ ”جاؤ۔ خدا کے قہر کے ساتوں پیالوں کو زمین پر اُلٹ دو“۔ اپنی نوعیت اور ترتیب کے لحاظ سے یہ آفتیں زہریلوں والی آفتوں جیسی ہیں۔ مگر ان کی شدت بہت زیادہ ہے۔ پہلے پیالے کو اُلٹنے سے اُن لوگوں کے ”ایک بُرا اور تکلیف دینے والا ناسور“ نکل آیا ”جو حیوان“۔۔۔ اور اُس کے بُت کی پرستش کرتے تھے۔“

۱۶:۳ - ”دوسری آفت سے“ ”سمندر“۔۔۔ مردے کا سا خون بن گیا“ اور ساری سمندری حیات مر گئی۔

۱۶:۴ - تیسرے ”پیالہ“ کے اُلٹنے سے ”پانی“ کا ہر منبع اور چشمہ ”خون“ بن گیا۔

۱۶:۵ - اِس مرحلہ پر ”پانی کا فرشتہ“ خدا کی ان آفتوں کے منصفانہ ہونے کا دفاع کرتا ہے۔ انسان اپنے گنہوں اور بُرے کاموں کا جائز بدلہ پا رہے ہیں۔ انہوں نے

کثرت سے ”خون بہایا تھا“۔ اب اُن کو اس کے بدلے میں پینے کو ”خون“ مل رہا ہے۔ ”وہ اسی لائق ہیں۔“ یہی اُن کا مُصفا نہ بدل رہے۔

۱۶: ۷ ”قربانگاہ“ غالباً شہید مُقدسوں کی رُوحوں کو ظاہر کرتی ہے (۹: ۶)۔ وہ بڑی مُدت سے اور بڑے صبر سے انتظار کر رہے تھے کہ ہم پر ظلم کرنے والوں کو سزا دی جائے۔

۱۶: ۸-۹۔ چوتھی آفت میں لوگ سورج کی شدید گرمی سے ”جھلس“ جاتے ہیں۔ اس کو اشعارِ شمس (سورج کی ریڈیائی شعاعوں کا اثر۔ شمسی تابکاری) بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر لوگوں نے ”توبہ نہ کی“ بلکہ ایسی جھلسا دینے والی گرمی بھیجی ”پر خُدا کے نام کی نسبت کُفر کیا۔“

۱۶: ۱۰-۱۱۔ ”پانچویں فرشتہ“ نے اُس ”جیوان“ کی ”بادشاہی“ پر تاریکی کی آفت اُلٹ دی۔

اس طرح انسانوں کے دُکھوں اور تکلیف میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ وہ پہلے کی آفتوں سے بچنے اور چین پانے کے لئے کہیں جانیں سکتے۔ لیکن اُن کے دل نرم نہ ہوئے بلکہ خُدا سے اُن کی نفرت اور پکی ہو جاتی ہے۔

۱۶: ۱۲۔ جب چھٹا پیالہ اُلٹا جاتا ہے تو دریائے ”فُرت“ کا ”پانی سُکھ“ جاتا ہے اور مشرق سے آنے والی فوجوں کو اسرائیل کے مُلک پر پڑھائی کرنے کا راستہ مل جاتا ہے۔

۱۶: ۱۳-۱۴۔ ”یوحنا“ اُتر دیا کے مُنہ سے... جیوان کے مُنہ سے... اور جھوٹے نبی کے مُنہ سے... تین تپاک رُوحیں مینڈکوں کی صورت میں نکلتے ”دیکھتا ہے۔ یہ شیطان کی جعلی تثلیث ہے۔ یہ شیطانی اور تپاک ”روحیں“ ہیں جو ”نشان“ یعنی مُجربے دکھاتی ہیں، ”ساری دُنیا کے بادشاہوں کو فریب دیتی ہیں اور اُنہیں ترغیب دیتی ہیں کہ ”قادرِ مطلقِ خُدا کے روزِ عظیم“ کو آخری فیصلہ کن ”لڑائی“ کے لئے صُف آرا ہوں۔“

۱۶: ۱۵۔ اس لڑائی کے ذِکر پر خُداوندِ مہیبت کے دورانِ دِلے مُقدسوں کو ایک خاص برکت دیتا ہے۔ یہ جُودِ مُقدسین ہیں جو اُس کی واپسی کی راہ دیکھ رہے ہیں اور جنہوں نے اپنے زمانہ کی بُت پرستی سے خُود کو بچائے رکھا ہے۔ وہ غیر نجات یافتہ لوگوں کے لئے ”چور کی طرح“ آئے گا، یعنی غیر متوقع طور پر آئے گا اور اُن کو نقصان ہوگا۔

۱۶: ۱۶۔ دُنیا کی فوجیں ایک جگہ جمع ہوں گی جس کا نام عبرانی میں ہر مجدون ہے۔ اس کو اکثر اسدِ رولن کا میدان سمجھا جاتا ہے۔ اس کے جنوبی کنارے پر مجدو ہے۔ کہا جاتا ہے کہ نبولین نے اس کو ”دُنیا کا اکھاڑ“ کا نام دیا تھا، یعنی مثالِ میدانِ جنگ۔

۱۷:۱۷۔ ”ساتویں فرشتہ“ کے اعلان سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ پیالوں کی آخری آفت ہے۔
وہ کہتا ہے کہ ”ہو چکا“۔ جہاں تک مصیبت کے دور کا تعلق ہے خدا کا قہر ختم ہو جاتا ہے۔
۱۸:۱۶۔ جب آخری پیالہ اُلٹا جاتا ہے تو فطرت کی قوتیں بڑی شدت کے ساتھ چل جاتی
ہیں۔ دھماکے ہوتے ہیں۔ ”بجلیاں اور آوازیں اور گر جیں“ پیدا ہوتی ہیں اور ایسا ”بڑا بھونچال“
آتا ہے کہ جس کی پہلے کوئی مثال نہیں ملتی۔

۱۹:۱۶۔ ”اُس بڑے شہر“ یعنی ”بابل“ کے تین ٹکڑے ہو جاتے ہیں اور وہ خدا کے ”سخت
غضب کی آگ“ کا جام ”پیتا ہے۔ یہ شہر اپنی بُت پرستی، ظلم و بربریت اور مذہبی الجھاؤ
کو نہیں بھولا۔ اسی موقع پر ”قوموں کے شہر“ زمین بوس ہو جاتے ہیں۔

۲۰:۱۶۔ زمین سخت جھٹکے کھاتی ہے تو ”ہر ایک ٹاپو“ اور بڑے بڑے پہاڑ صفحہ ہستی
سے فائز ہو جاتے ہیں۔

۲۱:۱۶۔ ”مَن مَن بھر کے بڑے بڑے اونٹ“ زمین پر گویا بیماری کرتے ہیں۔ مگر اتنی
زبردست آفتوں اور بے مثال تباہی و بربادی کے باوجود ”لوگوں نے“ توبہ نہ کی، بلکہ خدا کی نسبت
”کفر کیا“۔

ک۔ بابل اعظم کا گرنا (باب ۱۷، ۱۸)

۲۱:۱۷۔ ”ساتویں فرشتوں میں سے... ایک“ ”یوحنا“ کو دعوت دیتا ہے کہ ”بڑی کبھی
کی سزا“ کو دیکھے۔ یہ بڑی کبھی ایک بڑا کاروباری، تجارتی اور مذہبی نظام ہے جس کا صدر مقام
روم میں ہے۔ بہتوں کا خیال ہے کہ باب ۱۷ مذہبی بابل کا بیان کرتا ہے اور باب ۱۸
اس کے تجارتی پہلو کی تصویر پیش کرتا ہے۔ مذہبی بابل میں یقیناً برگشتہ مسیحی دنیا ہے۔
اس بیان پر غور کریں۔ یہ کبھی ”بُت سے پانیوں پر بیٹھی ہوئی ہے“ یعنی غیر قوموں کے بُت
بڑے علاقوں پر کنٹرول رکھتی ہے۔ ”زمین کے بادشاہوں نے“ اس کے ساتھ ”حرام کاری کی“۔
وہ اپنی چالوں اور مفاہمتوں کے ذریعہ سے سیاسی لیڈروں کو درخلاق اور بہکاتی ہے۔ ”زمین کے
رہنے والے اُس کی حرام کاری کی“ سے متولے ہو گئے“ ہیں۔ لاتعداد لوگ اُس کی بُرائی سے متاثر
ہوئے ہیں اور نہروں حالی میں لڑکھڑاتے پھرتے ہیں۔

۲۳:۱۷۔ برگشتہ کلیسیا ”قرمزی رنگ کے حیوان“ پر بیٹھی نظر آتی ہے۔ ہم باب ۱۳ میں

پہلے ہی دیکھ چکے ہیں کہ یہ حیوان بحال شدہ رومی سلطنت ہے (یا بعض اوقات اس سلطنت کا سربراہ ہے)۔ یہ حیوان "کفر کے ناموں سے لپا ہوا" ہے۔ اس کے "سات سر اور دس سینگ" ہیں۔

۴:۱۷۔ کچھ عرصہ تک معلوم ہوتا ہے کہ یہ جمہوری کلیسیا سلطنت پر غالب ہے۔ وہ اپنی بیکریں دولت کے نشان پہننے اور پورے شاہی کڑوؤں کے ساتھ میٹھی ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک سونے کا پیالہ ہے جو اس کی حرام کاری اور بُت پرستی سے بھرا ہوا ہے۔

۵:۱۷۔ اس کے ہاتھ پر "راز" کا "ایک نام" لکھا ہوا ہے کہ "بڑا شہر بابل کبھیوں اور زین کی مکروہات کی ماں"۔ یہ وہ کلیسیا ہے جو صدیوں تک مسیحی شہیدوں کا خون بہاتی رہی ہے اور اب بھی بہا رہی ہے۔ وہ ان شہیدوں کے خون سے متوالی ہے۔

۶:۱۷۔ بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح یوحنا بھی اس عورت کو دیکھ کر "حیران" ہوتا ہے کہ وہ "مقدسوں کا خون" پانی کی متوالی ہو گئی ہے۔ یہ کلیسیائی دور کی ساری تاریخ کے "مقدسوں" کا بیان ہے۔ لیکن خاص طور پر "یسوع کے شہیدوں" کا جو بڑی مصیبت کے دور کے دوران شہید ہوئے۔

۸:۱۷۔ وہ "فرشتہ" یوحنا کو یہ شکش کرتا ہے کہ میں اس عورت اور اس حیوان کا ... بھید بتاتا ہوں۔ "یوحنا نے" جو ... حیوان دیکھا وہ "پہلے تھا" رومی سلطنت ماضی میں موجود تھی) مگر اب نہیں ہے۔ (اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے اور آج کل یہ ایک عالمی سلطنت کی حیثیت سے موجود نہیں ہے)۔ اور آئندہ اعتقاد رکھنے سے نکلے گا (یہ سلطنت شیطانی یا خمیت شکل میں دوبارہ نمودار ہوگی) اور ہلاکت میں پڑے گا۔ (بالآخر یہ سلطنت پورے طور پر اور ہمیشہ کے لئے مٹا دیا ہو جائے گی)۔ اس سلطنت کی بحالی اور اس کے صاحبِ نعمت لیڈر کے نمودار ہونے پر بے ایمان لوگ "تعجب کریں گے"۔

۹:۱۷۔ فرشتہ کہتا ہے کہ "یہ موقع ہے اس ذہن کا جس میں حکمت ہے۔ وہ ساتوں سر سات پہاڑ ہیں جن پر وہ عورت بیٹھی ہوئی ہے۔" روم سات پہاڑیوں پر آباد ہے۔ روایت کے مطابق تشریح یہ ہے کہ اس کبھی کا صدر مقام روم میں ہے۔

۱۰:۱۷۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ "سات بادشاہ" رومی حکومت کی سات شکلیں ہیں۔ دوسرے مفسرین کہتے ہیں کہ اس سے مراد لغوی معنوں میں سات بادشاہ ہی ہیں۔ اور کچھ مفسرین کی رائے ہے کہ یہ بادشاہ سات عالمی طاقتوں کے نمائندہ ہیں، یعنی مصر، اسور، بابل،

فارس، یونان، روم اور مستقبل میں بحال ہونے والی رومی سلطنت۔

۱۷:۱۱۔ ”آٹھواں“ بادشاہ بھی ہے۔ اس کی شناخت کئی مختلف طرح سے کی جاتی ہے کہ وہ بحال شدہ رومی سلطنت کا سربراہ اور مخالف مسیح ہے۔ اس نبوت کا صحیح مطلب شاید اسی وقت سمجھ میں آئے گا جب یہ پوری ہوگی۔

۱۷:۱۲۔ ”دش سینگ“ مستقبل کے ”بادشاہوں“ کی علامت ہیں جو رومی ”جیوان“ کی ماتحتی کریں گے۔ اُن کو گھڑی بھر کے واسطے ”یعنی بہت تھوڑی مدت کے لئے“ بادشاہوں کا سا اختیار“ ملے گا (دیکھئے آیت ۱۰ ب)۔

۱۷:۱۳۔ یہ دشوں بادشاہ متفقہ طور پر اپنی قدرت اور اختیار ”رومی جیوان“ کے پسرود کر دیتے ہیں۔ دوسرے لفظوں میں دش ممالک (یا حکومتیں) اپنی قومی خود مختاری اُس کے حوالے کر دیتے ہیں۔

۱۷:۱۴۔ دش بادشاہتوں کی یہ سلطنت مہیبت کے دود کے بعد خداوند یسوع کے زمین پر واپس آنے پر اُس کے خلاف جنگ کرتی ہے لیکن اس جنگ میں اُن کو شکستِ رفاش ہوتی ہے۔ یسوع اگرچہ ”برہ“ ہے مگر وہ خداوندوں کا خداوند اور بادشاہوں کا بادشاہ“ بھی ہے۔ اُس کے بلائے ہوؤں کو یعنی اُس کے پیروؤں کو ”برگزیہ اور وفادار“ کا نام دیا گیا ہے۔ ۱۷:۱۵۔ فرشتہ مزید تشریح کرتا ہے کہ آیت میں جن ”پانیوں“ کا ذکر آیا ہے وہ ”آبیں اور گروہ اور قومیں اور اہل زبان ہیں۔“ وہ کسی ”ان معنوں میں“ پانیوں“ پر بیٹھی ہے کہ وہ آبادی کے بہت بڑے حصوں پر حکومت چلاتی ہے۔ اُن پر غلبہ رکھتی ہے۔

۱۷:۱۶۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بحال شدہ رومی سلطنت کچھ عرصے کے لئے اس کسی کلیسیا کو اپنے اوپر کنٹرول رکھنے یا اثر و رسوخ رکھنے کی اجازت دیتی ہے۔ مگر بعد میں اس ناقابلِ برداشت جوئے کو اپنے اوپر سے اتار پھینکتی اور تباہ کر دیتی ہے۔ جس حیوان پر یہ ”کبھی“ بیٹھی ہے وہ اُس سے ”خداوت“ رکھتا ہے۔ وہ اُس کو بے کس اور ننگا کر دیتا ہے۔ اُس کا گوشت کھا جاتا اور اُس کو آگ میں بھسَم کر دیتا ہے۔

۱۷:۱۷۔ ان سارے واقعات کے پیچھے خدا ہے۔ وہی جو رومی جیوان کے ماتحت بادشاہتوں کو متحد کرتا اور پھر اُن کو کسی کے خلاف کر دیتا ہے۔ اور یہ سب کچھ اس لئے ہوتا ہے کہ ”خدا“ کی مرضی اور ارادے ”پورے“ ہوں۔

۱۸:۱۷- ”وہ بڑا شہر“ بابل راز ہے ”جو زمین کے بادشاہوں پر حکومت کرتا ہے“ لیکن ہم نے دیکھا ہے کہ اس عورت کا صدر مقام روم میں ہے۔

۱۸:۱- بنیادی طور پر باب ۱۸ ایک مرثیہ یا نغمہ تدفین ہے جس میں بابل کے زوال کی خوشی منائی گئی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا یہ اشارہ کسی کلیسیا کی طرف ہے جو کہ صرف ایک بہت وسیع مذہبی نظام ہے بلکہ شاید دنیا کی سب سے بڑی کاروباری اور تجارتی تنظیم بھی ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ عالمی منڈی کو کنٹرول کرتی ہے۔

جب خبر دینے کے لئے ”بڑے اختیار“ والا ”ایک اور فرشتہ آسمان پر سے“ اترتا ہے تو ایسے لگتا ہے جیسے روشنیاں جل اٹھتی ہیں اور زمین اُس کے جلال سے روشن ہو جاتی ہے۔

۱۸:۲- ”بڑا شہر بابل گر پڑا ہے۔ اُس کے کھنڈرات“ شیاطین کا مسکن اور ہر ناپاک رُوح کا ڈاڈا اور ہر ناپاک اور مکروہ پیرندہ کا ڈاڈا بن جاتے ہیں۔

۱۸:۳- اُس کے زوال اور گرنے کا سبب کیا ہے؟ کامل یگاڑ اور بدی، ”وہ حرام کاری“ جو وہ قوموں اور اُس کے ”سوداگروں“ کے ساتھ کرتی رہی ہے۔ اُس نے اپنی پرشوق ”حرام کاری“ سے ”ساری قوموں“ کو متوالا کر دیا ہے، یہاں تک کہ وہ گر گئی ہیں۔

۱۸:۴- ”آسمان“ سے ایک اور آواز خُدا کے لوگوں کو خبردار کرتی ہے کہ اس نظام کا حشر ہونے والا ہے۔ اُس کی تباہی و بربادی سر پر آپہنچی ہے۔ ”اُس میں سے نکل آؤ“ اُس کے ساتھ میل ملاپ کا مطلب ہے اُس پر آنے والی ”آفتوں“ میں حصہ دار بننا۔

۱۸:۵-۶- ”اُس کے گناہ آسمان تک پہنچ گئے“ اُس کی بدکاریاں خُدا کو یاد آگئی ہیں۔ اب خُدا اُس کے غضب کے ساتھ اُس کے خلاف اُٹھ کھڑا ہوا ہے اور اُسے سزا دے رہا ہے۔ اُس کے بُرے کاموں کا ”دو چند بدلہ“ اُسے ملے گا۔ یہ بدلہ خُدا کے لوگ نہیں دیں گے بلکہ وہ فرشتہ دے گا جو اُس کے ارتقام کا آلہ کار ہے۔

۱۸:۷- بابل نے اپنے آپ کو ”شاندار“ بنایا، تکبر اور گھمنڈ کیا، عیش و عشرت بلکہ ”عیاشی“ کی زندگی کو اپنایا۔ چنانچہ اُس کا ”غلب اور غم“ بھی اسی کے مطابق ہوگا۔ ”وہ سمجھتی تھی کہ میں ”ملکہ“ ہوں اور ہر چیز کے اُدھر بیٹھی ہوں۔“ ”غم“ مجھ تک پہنچ نہیں سکتا۔ چنانچہ اسی کے مطابق اُس کا حشر ہوگا۔

۱۸:۸- ”اُس پر ایک ہی دن میں آفتیں آئیں گی۔“ ان میں ”موت اور غم اور کال“ شامل

ہوں گے۔ قوی اور قادر ”خداوند خدا“ ہے جو آگ کے ساتھ اُس کو سزا دے گا۔

۱۸: ۹، ۱۰۔ ”زمین کے بادشاہ“ اپنی سابقہ داشتہ کے ”جلنے“ پر ”روئیں گے اور چھاتی پیئیں گے۔“

لیکن اُن کا یہ رونا اور ماتم کرنا بے غرض نہیں ہوگا۔ اُن کو تو اپنی عیاشی اور خوش وقتی کے کھوجانے کا غم ہوگا۔ وہ ”دور کھڑے ہوئے“ اُس کے ”عذاب“ کی شدت اور اچانک آپڑنے پر تعجب کریں گے۔

۱۸: ۱۱-۱۳۔ ”سوداگر“ زیادہ ”ماتم“ تو اِس لئے کرتے ہیں کہ اُن کے منافع کی اُمید جاتی رہی

ہے۔ ”اب کوئی اُن کا مال نہیں خریدنے کا۔“

رحمن چیزوں اور مال و اسباب کی خریداری بآبل کرتا تھا اُن کی فہرست عالمی تجارت کا پتہ دیتی ہے۔ اِن میں قیمتی دھاتیں، ہیرے جواہرات، زیورات، پارچہ جات، ”خوشبودار گلریاں اور ہاتھی دانت ... اور پتیل اور لوہا اور سنگ مرمر“ مسالے، ہر قسم کے مال مویشی، اور گاڑیاں یعنی رتھ اور ”آدمیوں کی جانیں“ کیا کچھ شامل نہیں ہے۔ برگشتہ اور مخوف کلیسیا اور کاروباری دُنیا، دونوں ہی ”آدمیوں کی جانیں“ خریدنے اور بیچنے کے جرم میں شامل ہیں۔ کلیسیا اس طرح کہ مُعافی نامے بیچتی ہے۔ اور کاروباری دُنیا اس طرح کہ اُن کا استحصال کرتی ہے۔

۱۸: ۱۴۔ سوداگر اِس تباہ شدہ نظام کو مخاطب کر کے ماتم کرتے ہیں کیونکہ جس منافع کی

اُن کو اُمید تھی وہ جاتا رہا ہے۔ اور اُس کی ساری دولت اور شان و شوکت اُن کی اُن میں عیشہ کے لئے جاتی رہی ہے۔

۱۸: ۱۵، ۱۶۔ بادشاہوں کی طرح ”سوداگر“ بھی حیرت سے مُنہ کھولے ”کھڑے ہوئے“ ہیں

اور روتے اور غم کرتے ہیں کہ گھڑی ہی بھر میں ”اتنی بڑی دولت“ اور سارا منافع برباد ہو گیا۔ وہ شہر کی گزشتہ آسائش و آراستگی کا بیان کرتے ہیں کہ لوگ کیسے ”نفیس“ کپڑے پہنتے اور کیسے کیسے زرد جواہر سے اپنے آپ کو ”آراستہ“ کرتے تھے۔

۱۸: ۱۷، ۱۸۔ اب اچانک یہ ساری آسودہ حالی اور دولت ”برباد“ ہو گئی ہے اور

کساد بانداری کا خطرہ سر پر منڈلا رہا ہے۔ جو سوداگر سمندری تجارت کرتے تھے وہ ”دور کھڑے ہوئے“ روتے چلاتے ہیں کہ کونسا شہر اس بڑے شہر کی مانند ہے؟

۱۸: ۱۹۔ ”وہ اپنے سروں پر خاک“ ڈالتے ہیں۔ شہر پر ماتم اور آہ و نالہ کرتے ہیں کہ اِس

شہر نے دُنیا کی سمندری تجارت اور جہاز رانی کی صنعت کو ”دولت مند“ بنا دیا تھا۔ اب وہ

”گھڑی ہی بھریں“ تباہ و برباد ہو گیا ہے۔

۲۰:۱۸۔ مگر جب زمین پر بے دینی کے آنسو بہائے جا رہے ہیں ”آسمان“ پر بڑی خوشی منائی جا رہی ہے کہ آخر ”خدا“ نے اپنے سب مُقَدَّسوں، رسولوں اور نبیوں کا بدلہ لے لیا ہے۔ اُس بابل کو ویسی ہی سزا دی ہے جیسا سلوک وہ خدا کے لوگوں سے کرتی تھی۔

۲۱:۱۸۔ ”ایک زور آور فرشتہ ... بڑی چٹکی کے پارٹ کی مانند ایک پتھر ... سمندر“ میں پھینکتا ہے۔ یہ بابل کی آخری بربادی کی برکت ہی واضح تصویر ہے۔

۲۲:۱۸۔ اب اُس کی گوشتہ سرگرمیوں کی ”آواز“ پھر کبھی نہ آئے گی۔ ان سرگرمیوں میں موسیقی، صنعت و حرفت اور چٹکی کی آواز سب شامل ہیں۔

۲۳:۱۸۔ اُس کا ہر ”چارخ“ گل کر دیا گیا ہے۔ اب شہر میں بیاہ شادی کی خوشی کبھی نہ ہوگی۔ کیوں؟ اس لئے کہ بابل کے لیڈروں نے اپنی ”جادوگری“ سے ساری ”قوموں“ کو گمراہ کر دیا تھا۔

۲۴:۱۸۔ یہ شہر خدا کے ”مقدّسوں“ یعنی اُن ”سب“ ایمان داروں کے خون کا مجرم ہے جن کو ایمان کی خاطر قتل کیا گیا۔ اب خدا اُس کو پورا پورا بدلہ دے رہا ہے۔

ل۔ مسیح کی آمد اور اُس کی ہزار سالہ بادشاہی

۱۱:۱۹ — ۹:۲۰

۱۱:۱۹۔ ”ان باتوں کے بعد“ یوحنا کو ”آسمان پر گویا بڑی جماعت“ کی بلند آواز سنائی دیتی ہے۔ یہ لوگ اُس بڑی کسی کو راست اور جائز سزا دینے پر خداوند کی حمد و تعریف کر رہے ہیں۔ وہ ان الفاظ سے اُس کی تعظیم کرتے ہیں کہ ”ہلویاہ! نجات اور جلال اور قدرت ہمارے خدا ہی کی ہے۔“

۲:۱۹۔ خدا نے اُس بڑی کسی کو تباہ و برباد کر دیا۔ وہ اس کام میں راست ٹھہرتا ہے۔ یہ بات اُس کی سچائی اور راست بازی کی صفت کے عین مطابق ہے کہ وہ اُس فاحشہ کو اُس کی ”خامکاری“ کی سزا دے جس نے ساری دنیا کو خراب کیا تھا اور بے دردی کے ساتھ اُس کے ”بندوں“ کا خون بہایا تھا۔

۳:۱۹۔ اُس شہر کی جتا سے ”ابداً اباد“ اٹھنے والے ”موتوں“ دیکھ کر مُقَدِّسین کی جماعت

دوسری دفعہ ”ہلویاہ“ کا نعرہ لگاتی ہے۔ اس کا مطلب ہے ”خداوند کی تعریف ہو۔“

۱۹: ۴۔ ”جو بیسویں بزرگوں اور چاروں جانداروں نے“ رل کر آمین! اور رل کی گہرائی سے ہلویاہ! کہا۔

۱۹: ۵۔ ”تخت میں سے“ ایک ”آواز“ نے پکار کر خدا کے ”بندوں“ سے کہا کہ خدا کی حمد و تعظیم کرنے میں شامل ہو جاؤ، کیونکہ اُس نے بلائے عظیم بابل کو نیست و نابود کر دیا ہے۔

۱۹: ۶۔ اب آسمان میں ایک اور گیت گونجنے لگتا ہے۔ اس گیت کی آواز ”زور کے پانی کی سی آواز اور سخت گرجوں کی سی آواز“ تھی۔ ”ہلویاہ! ... خداوند ہمارا خدا قادرِ مطلق بادشاہی کرتا ہے۔“

۱۹: ۸۔ مقصبت کا دور ختم ہو چکا ہے۔ بابل کو سزا مل چکی ہے۔ اب ”برہ کی شادی“ آپہنچی ہے۔ ”سبح“ کی ”بیوی“ یعنی کلیسیا نے ”اپنے آپ کو روح کو گرام دینے والے اس موقع کے لئے تیار کر لیا“ ہے۔ اُس کو ”مجدد اور صاف مبین کثافی کپڑا“ پہننے کا اختیار دیا گیا ہے۔ تشریح کی گئی ہے کہ اس علامت کا مطلب ”مقدس لوگوں کی راست بازی کے کام“ ہے۔

۱۹: ۹۔ ایک فرشتہ ”یوحنا“ کو ہدایت کرتا ہے کہ ”جو برہ کی شادی کی ضیافت میں بلائے گئے ہیں“ اُن سب کے لئے ”لکھ“ کہ وہ سب مبارک ہیں۔ کلیسیا آسمانی دلہن ہے۔ جو شادی کی ضیافت میں بلائے گئے ہیں وہ غلطی یافتہ لوگوں کا بقیہ ہیں۔ فرشتہ اس مبارک بادی کی اہمیت کو مزید واضح کرنے کے لئے تاکید کی طور سے کہتا ہے کہ ”یہ خدا کی سچی باتیں ہیں۔“

۱۹: ۱۰۔ ”یوحنا“ سجدہ کرنے کے لئے ”اُس فرشتہ کے پاؤں“ پر گرتا ہے، مگر اُسے منع کر دیا جاتا ہے۔ سجدہ صرف خدا کو کرنا جائز ہے۔ یہ فرشتہ ”یوحنا“ کا اور ”یوحنا“ کی گواہی دیتے ہیں اُن سب کا ”بھڑکتا“ ہے۔ پھر فرشتہ مزید کہتا ہے کہ ”یسوع کی گواہی نبوت کی روح ہے۔“ مطلب یہ ہے کہ ”نبوت“ کا اصل مقصد ”یسوع“ کی ذات اور کام کی گواہی

لے ”راست بازی“ کی تفسیر کے سلسلے میں اکثر کہا جاتا ہے کہ ”یسوع کی راست بازی ہے جو مقدسوں کے حق میں ”محبوب“ ہوئی ہے۔ بے شک یہ بالکل درست ہے۔ لیکن یہاں گہرائی لفظ dikaiomata استعمال ہوا ہے جو اس تفسیر کی اجازت نہیں دیتا۔ یہ لفظ جمع ہے (عقلی یا تصوری واحد dikaiosune نہیں ہے)۔ مزید برآں حالت جمہولی استعمال ہوئی ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کچھ کیا گیا ہے (یہاں ”راست بازی کے کام“)۔ کلام کے اس حصے میں ”نجات“ کا موضوع پیش نظر نہیں ہے۔

دیتا ہے۔ سہی سیدنا مری کہتا ہے کہ نبوت کا مقصد یسوع کی خوبصورتی اور حسن کو بے نقاب کرنا ہے۔
 فرشتہ چاہتا ہے کہ انسان ”خدا“ بیٹے کو ”سجدہ“ کریں جس کی وہ گواہی دے رہا ہے۔
 ۱۱:۱۹۔ آخر کار ہم اُس واقعہ تک آپہنچتے ہیں جس پر اس کتاب کی نظریں ہیں، یعنی مسیح کی زمین
 پر جلالی آمد تاکہ وہ اپنے مخالفوں اور دشمنوں کو شکست دے اور اپنی بادشاہی قائم کرے۔ یہ کلیسیا
 کا فضائی استقبال کرنے کا واقعہ نہیں۔ اُس موقع پر مسیح اپنے مقدسوں کو لینے ہوا میں آتا ہے۔
 یہاں وہ زمین پر اپنے مقدسوں کے ساتھ آتا ہے۔

مسیح خداوند کے بارے میں جو تفصیل دی گئی ہے اُس پر غور کریں۔ وہ ایک ”سفید گھوڑے“
 پر سوار ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک جنگی گھوڑا ہے، کیونکہ اُس کا سوار اپنے دشمنوں پر فتح پانے
 کو آرہا ہے۔ اُس کا نام ”سچا اور برحق“ ہے۔ وہ اپنے وعدوں میں ”سچا“ اور اپنی بات اور سیرت
 میں ”برحق“ ہے۔ ”وہ راستی کے ساتھ انصاف اور لڑائی کرتا ہے۔“ وہ صرف اُس بادشاہی پر حکمرانی
 کر سکتا ہے جس میں لوگ ”راستی“ کے ماتحت زندگی گزارنے پر راضی ہوں۔ اس لئے ضرور ہے کہ
 پہلے وہ اُن ساری چیزوں کو دود کر دے جو اُس کی مخالفت کرتی ہیں۔

۱۲:۱۹۔ ”اُس کی آنکھیں آگ کے شعلے ہیں“ یعنی وہ عدالت کرنے کے لئے گمرے طور پر
 (باطن کو) دیکھ لیتا ہے۔ وہ ہر قسم کی بغاوت اور بے اعتقادی کا سراغ لگا سکتا ہے۔ ”اُس کے
 سر پر بیست سے تاج ہیں۔“ دوسرے لوگ توفیق کا تاج پہن سکتے ہیں، لیکن خداوند یسوع شہنشاہت
 کا تاج پہننے ہے۔ ”اور اُس کا ایک نام لکھا ہوا ہے جسے اُس کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔“ مسیح کی
 ذات سے راز والستہ ہیں جن کو کوئی مخلوق کبھی نہیں سمجھ سکتا۔

۱۳:۱۹۔ ”وہ خون کی چھڑکی ہوئی پلو شاک پہننے بچھے ہے۔“ یہ وہ خون نہیں جو اُس نے گلوری
 کی صلیب پر بہایا تھا، بلکہ اُس کے دشمنوں کا ”خون“ ہے جن کو اُس نے خدا کے قمر کے حوض میں
 روندنا تھا۔ اُس کا نام کلام خدا کہلاتا ہے۔ ”کلام خیال کے اظہار کا ذریعہ ہوتا ہے۔“ خدا نے
 مسیح میں انسان پر اپنا مکمل اظہار کیا ہے۔

۱۴:۱۹۔ ”آسمان کی فوجیں سفید گھوڑوں پر سوار اور سفید اور صاف مہین کتانی کپڑے پہنے
 ہوئے اُس کے پیچھے پیچھے ہیں۔“ بلاشبہ یہ فوجیں مقتدرین کی فوجیں ہیں۔ مگر غور کرنے کی بات
 ہے کہ ان کو لڑنے کی ضرورت نہیں، خداوند یسوع بغیر کسی مدد کے اپنے دشمنوں کو شکست
 دیتا ہے۔

۱۵:۱۹- ”اُس کے مُنہ سے ایک تیز تلوار نکلتی ہے“ جس سے وہ قوموں کو مارتا ہے۔ ”وہ لوہے کے عُصا سے اُن پر حکومت“ کرتا اور ”قادر مطلق خدا کے سخت عُصے کی نئے کے قُوض میں اُنگور“ روندتا ہے۔

۱۶:۱۹- ”اور اُس کی پوشاک اور ران پر یہ نام لکھا ہوا ہے :

بادشاہوں کا بادشاہ اور
خداوندوں کا خداوند۔“

مسیح یسوع اعلیٰ ترین حاکم ہے۔ لازم ہے کہ سب اُس کی اطاعت گزاری کریں۔

۱۸، ۱۷:۱۹- ”خدا کی بڑی ضیافت“۔ یہ بادشاہی کے قیام سے پہلے خدا کے باقی سب دشمنوں کی تباہی اور ہلاکت ہے۔ اِس میں گدھوں کو بُلا یا جاتا ہے۔ وہ اُن کی لاشوں سے سیر ہوں گے جن کو خداوند نے قتل کیا ہے۔ ران میں معاشرہ کے ”چھوٹے“ اور ”بڑے“ ہر طبقہ کے لوگ شامل ہیں۔

۲۰، ۱۹:۱۹- ”جیوان“، انتہائی اور شدید کوشش کرتا ہے کہ مسیح عذابِ حکومت اپنے ہاتھ میں نہ لینے پائے (زبور ۲)۔ وہ زمین کے بادشاہوں اور اُن کی فوجوں کو ساتھ ملا لیتا ہے تاکہ خداوند اور اُس کی فوج کے خلاف ”جنگ“ کرے، مگر یہ کوشش ناکام رہتی ہے۔ ”جیوان“ اور وہ جھوٹا بنی دونوں پکڑے جاتے ہیں۔ ”وہ دونوں آگ کی اُس جھیل میں زندہ ڈالے جاتے ہیں جو گندھک سے جلتی ہے۔“ ۲۱:۱۹- ”باقی“ باغیوں کو بھی خداوند کی ”تلوار“ سے قتل کیا جاتا ہے۔ اُن کی لاشیں گدھوں کے لئے وافر مُردار مہیا کرتی ہیں۔ ”تلوار“ خدا کے کلام کا استعارہ ہے (دیکھئے افسیوں ۶:۷، ۲۱:۷، ۲۲:۳)۔

۸:۲؛ جبرانیوں ۳:۱۲؛ مکاشفہ ۱:۱۶؛ ۲:۱۶، ۱۲- (۱۶، ۱۲)

۱:۲۰- ہزار سالہ دور شروع ہونے سے پہلے ضرور ہے کہ شیطان قید کیا جائے۔ اِس مقصد کے لئے ”ایک فرشتہ آسمان سے“ اُترتا ہے۔ اُس کے ہاتھ میں انتہاء گڑھے کی کُنجی اور ایک بڑی زنجیر ہے۔

ایک لحاظ سے ہمارے خداوند نے شیطان کو اُس وقت باندھا جب وہ (یسوع) دُنیا میں آیا تھا (متی ۱۲:۲۹)۔ چنانچہ یہ اُس کو باندھنے کا ایک اور مرحلہ ہے۔

۲:۲۰- اُس فرشتہ نے شیطان کو پکڑ کر ”ہزار برس کے لئے“ باندھ دیا۔ یوحنا اِس آزمانے والے کے چاکر نام لگھواتا ہے :

”اڑدھا - سانپ - ابلیس (الزام لگانے والا) اور شیطان (مُحَافِظ/دشمن)۔“

۲۰: ۳۔ ہزار سالہ بادشاہی کے دور میں یہ سب سے بڑا دشمن ”انتھاہ گرٹھے“ میں بند رہتا ہے۔
انتھاہ گرٹھے پر مگر کردی جاتی ہے تاکہ وہ نکل کر قوموں کو پھر گمراہ نہ کرے۔ ”مسیح کی بادشاہی کے
اختتامی دنوں میں اُس کو آخری اور مختصر سی بغاوت کے لئے ”تھوڑے عرصہ کے لئے کھولا جائے“
گا (آیات ۷-۱۰)۔

۲۰: ۴۔ اب یُونَنّا دیکھتا ہے کہ لوگ تختوں پر بیٹھے ہیں۔ ان کو بادشاہی کرنے کا اختیار دیا گیا
ہے۔ یہ کلیسیائی دور کے مقدسین ہیں جو مسیح کی دامن کی حیثیت میں اُس کے ساتھ بادشاہی کریں گے۔
یُونَنّا کو شہیدوں کی ایک جماعت بھی دکھائی دیتی ہے جنہوں نے ”حیوان کی چھاپ“ اپنے اوپر لینے
سے انکار کیا تھا۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ مصیبت کے دور کے مقدسین ہیں جو اپنے ایمان کی
خاطر جان سے مارے گئے تھے۔ یہ دونوں گروہ خوشحالی اور امن کے اس سنہری دور میں ”مسیح
کے ساتھ“ بادشاہی کریں گے۔

۲۰: ۵۔ آیت ۵ کا پہلا حصہ جملہ معترضہ ہے۔ ”باقی مردے“ سے مراد سارے زمانوں
کے غیر ایمان دار لوگ ہیں۔ ان کو ہزار سالہ بادشاہی کے بعد اٹھایا جائے گا، تاکہ بڑے سفید
تخت کے سامنے ان کی عدالت ہو۔

”پہلی قیامت یہ ہے“ اس بیان کا تعلق آیت ۴ سے ہے۔ ”پہلی قیامت“ صرف ایک واقعہ نہیں۔
اس میں مختلف اوقات پر راست بازوں کی ”قیامت“ کا بیان ہے۔ اس میں مسیح کی ”قیامت“ (جی اٹھنا)
(۱- کرنتھیوں ۱۵: ۲۳)، جب مسیح کلیسیا کو فضا میں اٹھالیتا ہے اُس وقت مسیح کے لوگوں کی ”قیامت“
(۱- تھیمسلونیکینوں ۴: ۱۳-۱۸)، اُن ڈوگماتوں کی ”قیامت“ جن کی لاشیں بازاروں میں پڑی رہیں گی
(مکاشفہ ۱۱: ۱۱) اور مصیبت کے زمانہ میں شہید ہونے والوں کی ”قیامت“ جن کا ذکر یہاں ہوا
ہے، شامل ہیں (دانی ایل ۱۲: ۲ بھی دیکھئے)۔ دوسرے لفظوں میں ”پہلی قیامت“ میں مسیح کی
”قیامت“ اور سارے حقیقی ایمان داروں کی قیامت شامل ہے، اگرچہ وہ اٹھائے مختلف اوقات
پر جاتے ہیں۔ یہ قیامت کئی مرحلوں میں ہوتی ہے۔

۲۰: ۶۔ جو لوگ ”پہلی قیامت“ میں شریک ہوں گے وہ ”مبارک اور مقدس“ ہیں کیونکہ اُن
کو ”دوسری موت“ میں شامل نہیں کیا جائے گا۔ جب سارے بے ایمانوں کو آگ کی پھیل میں ڈالا
جائے گا (آیت ۱۴)۔ سچے ایمان دار ”خدا اور مسیح کے کامن ہوں گے اور اُس کے ساتھ ہزار برس

تک بادشاہی کریں گے۔“

۸۰:۲۰۔ اور جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا۔ اور

... زمین کی چاروں طرف ”جائے گا تاکہ اُن قوموں کو... گمراہ کرے“ جو مسیح کے خلاف ہیں اور جن کو ”جوج“ اور ”ماجوج“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ حزقی ایل ابواب ۳۸ اور ۳۹ میں بھی ”جوج“ اور ”ماجوج“ کا ذکر آتا ہے۔ مگر ان دونوں کو آپس میں گڈ مڈ نہیں کرنا چاہئے۔ حزقی ایل میں ”ماجوج“ اسرائیل کے شمال میں ایک بڑا ملک ہے اور ”جوج“ اُس کا حاکم ہے۔ یہاں یہ لفظ عمومی لحاظ سے دُنیا کی قوموں کا بیان کرتے ہیں۔ حزقی ایل میں واقعہ ہزار سالہ دور سے پہلے کا ہے، یہاں ہزار سالہ دور کے بعد کا ہے۔

۹:۲۰۔ بے دین باغیوں کی فوج بھرتی کر لینے کے بعد ابلیس ”عزیز شر“ یروشلیم پر چڑھائی کرتا ہے۔ مگر خدا کی طرف سے آسمان پر سے آگ نازل ہو کر ”ان فوجوں کو بھسم کر دے گی۔“

م۔ شیطان اور سارے بے ایمانوں کی عدالت

(۱۵:۱۰-۲۰)

۱۰:۲۰۔ ”ابلیس“ کو ”آگ اور گندھک کی جھیل میں“ ڈال دیا جاتا ہے۔ یوں وہ ”حیوان

اور جھوٹے نبی“ کے ساتھ جا ملتا ہے جو پہلے سے اس جھیل میں پڑے ہوئے ہیں۔

یہ بات عجیب معلوم ہوتی ہے کہ ہزار سالہ بادشاہی کے بعد شیطان بے ایمانوں کی ایک فوج جمع کر لیتا ہے۔ مگر یاد رکھنا چاہئے کہ مسیح کی بادشاہی کے زمانے میں جتنے نیچے پیدا ہوں گے وہ گناہ میں پیدا ہوں گے اور اُن کو نجات پانے کی ضرورت ہوگی۔ وہ سارے تو اُس کو بادشاہ تسلیم نہیں کریں گے۔ یہ لوگ ساری دُنیا میں پھیل جائیں گے اور کوشش کریں گے کہ یروشلیم سے جتنی دُور جاسکیں چلے جائیں۔

غور کریں کہ ہزار برس کے بعد بھی ”حیوان اور جھوٹا نبی“ ابھی تک دوزخ میں ہیں۔ اس سے نظریہ اعدام (نظریہ نیستی) غلط ثابت ہوتا ہے۔ مزید برآں یہ جملہ بھی اس نظریہ کو غلط

لے بعض لوگ یہ جھوٹی تعلیم دیتے ہیں کہ خدا رحیم و کریم ہے۔ وہ بے ایمانوں اور شیطان اور گمراہ فرشتوں وغیرہ کو ابدی عذاب میں نہیں رہنے دے گا بلکہ بالآخر اُن کو نیست یا فنا کر دے گا۔ یعنی اُن کا وجود بالکل ختم ہو جائے گا۔ اسی تعلیم کو نظریہ اعدام یا نیستی کہتے ہیں۔

ٹھہراتا ہے کہ ”وہ رات دن ابد الابد عذاب میں رہیں گے۔“

۱۱:۲۰۔ اب ہم کو ”بڑے سفید تخت“ کی عدالت کے بارے میں بتایا جاتا ہے۔ یہ ”بڑا“ اس لئے ہے کہ اب جو معاملات پیش ہوں گے وہ بہت بڑے ہیں۔ اور ”سفید“ اس لئے ہے کہ جو فیصلے کئے جائیں گے وہ کامل اور پاک ہوں گے۔ خداوند یسوع مسیح کی حیثیت سے (یوحنا ۵: ۲۲، ۲۷) بیٹھا ہے۔ جس کے سامنے سے زمین اور آسمان بھاگ گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ عدالت موجودہ مخلوقات کی تباہی و بربادی (۲۔ پطرس ۱۰: ۳) کے بعد وقوع پذیر ہوتی ہے۔

۱۲:۲۰۔ ”چھوٹے بڑے سب مُردے“ خدا کے حضور میں کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ سارے زمانوں کے بے ایمان لوگ ہیں۔ دوسری قسم کی کتابیں ”کھولی جاتی ہیں“۔ کتاب حیات میں اُن سب کے نام درج ہیں جن کا ردیہ مسیح کے خون سے دیا گیا ہے، جو مخلص یافتہ ہیں۔ دوسری کتابوں میں غیر نجات یافتہ لوگوں کے ”اعمال“ کی تفصیل درج ہے۔ جو لوگ اس عدالت میں پیش ہوتے ہیں اُن میں سے کسی کا نام کتاب حیات میں درج نہیں۔ یہ حقیقت کہ ایک شخص کا نام اُس کتاب میں موجود نہیں اُسے مجرم ٹھہراتا ہے۔ مگر اُس کی سزا کے درجہ کا تعین اُس کے ”اعمال“ کی تفصیل کے مطابق ہوتا ہے۔ ۱۳:۲۰۔ ”سُندر“ نے وہ مُردے دے دئے جو اُس میں دفن ہیں۔ ”موت“ یہاں قبروں کی نمائندگی کرتی ہے۔ جتنے غیر نجات یافتہ لوگ قبروں میں دفن ہیں، وہ بھی اُٹھیں گے۔ ”عالم ارواح“ اُن لوگوں کی رودہوں کو دے دیگا جو بے ایمانی کی حالت میں مَرے۔ بدن اور رُوحیں دوبارہ مل جائیں گی اور مُنصف کے سامنے کھڑی ہوں گی۔

جس طرح آسمان میں اجر یا جزا کے درجے ہیں اُسی طرح دوزخ میں سزا کے درجے ہوں گے۔ ان کی بنیاد ”اعمال“ پر ہوگی۔

۱۴:۲۰۔ ”پھر موت اور عالم ارواح آگ کی جھیل میں ڈالے گئے۔“ اس کا مطلب ہے کہ پورے بُورے شخص یعنی رُوح، جان اور جسم آگ میں ڈالے گئے۔ متن اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ ”یہ آگ کی جھیل دوسری موت ہے۔“

عالم ارواح اور دوزخ میں فرق ہے۔ جو لوگ بے ایمانی کی حالت میں مَرے ہیں اُن کے لئے عالم ارواح بے بدنی کی حالت میں شعور کے ساتھ سزا کی جگہ ہے۔ یہ ایک طرح کی انتظار گاہ ہے۔ ایک درمیانی حالت جہاں وہ بڑے سفید تخت کی عدالت کا انتظار کرتے ہیں۔

جو ایمان دار مر گئے ہیں اُن کے لئے عالم ارواح آسمان میں بے بدنی کی ایک مبارک حالت ہے جس میں وہ بدن کی قیامت اور جلال پانے کا انتظار کرتے ہیں۔ جب یسوع مَرّا تو فردوس میں گیا (لوقا ۲۳: ۴۳)۔ یوحنا اس کو تیسرا آسمان کہتا ہے (۲۔ کرنتھیوں ۱۲: ۲، ۴) جو خدا کی سکونت گاہ ہے۔ اعمال ۲: ۲۷ میں خداوند کی بے بدنی کی کیفیت کو عالم ارواح کہا گیا ہے۔ خدا نے اُس کی جان کو عالم ارواح میں نہ رہنے دیا، بلکہ اُس کو جلالی بدن سے ملبّس کیا۔

جہنم شہرِ یرمردوں کا آخری قید خانہ ہے۔ اسی کو آگ کی جھیل، جہنم اور دوسری موت بھی کہا گیا ہے۔

۱۵: ۲۰۔ اس عدالت میں فیصلہ اس بنیاد پر ہوتا ہے کہ کس کا نام کتابِ حیات میں لکھا ہوا نہیں ملتا۔ دراصل اگر کسی شخص کا نام وہاں لکھا گیا تھا، تو وہ تو پہلے ہی پہلی قیامت میں شریک ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس آیت کا اطلاق صرف اُن لوگوں پر ہوتا ہے جن کو بڑے سفید تخت کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔

ن۔ نیا آسمان اور نئی زمین (۱: ۲۱-۵: ۲۲)

۱: ۲۱۔ یہاں ایک سوال ہے کہ کیا باب ۲۱ اور ۲۲ صرف ابدی حالت کا بیان کرتے ہیں یا باری ہزار سالہ بادشاہی اور ابدی حالت کی تفصیل پیش کرتے ہیں۔ چونکہ ہزار سالہ بادشاہی اور ابدیت بہت سی باتوں میں ایک جیسے ہیں اس لئے یوحنا رسول کی تحریروں میں اگر وہ ایک دوسرے کے ساتھ مل جاتے ہیں تو حیرانی کی بات نہیں۔

یہاں ابدی حالت کو "ایک نئے آسمان اور نئی زمین" کا نام دیا گیا ہے۔ ان کو اُس نے آسمان اور نئی زمین کے ساتھ گڈمڈ نہیں کرنا چاہئے جن کا ذکر عیساء ۶۵: ۱۷-۲۵ میں آتا ہے۔ وہاں ہزار سالہ بادشاہی پیش نظر ہے کیونکہ گناہ اور موت ابھی تک ہیں جب کہ ابدی حالت سے یہ دونوں بالکل خارج ہوں گی۔

۲: ۲۱۔ یوحنا "شہر مقدس" نے یروشلم کو آسمان پر سے خدا کے پاس سے اُترتے دیکھتا ہے۔ یہ شہر "اُس دامن کی مانند آراستہ" ہے جس نے اپنے شوہر کے لئے سنگار کیا ہو۔ چونکہ یہ نہیں کہا گیا کہ یہ شہر زمین پر اُترا اس لئے بعض سمجھتے ہیں کہ یہ نئی زمین کے اوپر ہوا میں متعلق ہے۔ اس کے پھاٹکوں پر اسرائیل کے قبیلوں کے نام درج ہیں۔ اس حقیقت

سے پتہ چلتا ہے کہ مخلصی یافتہ اسرائیل کو اس تک رسائی حاصل ہوگی، حالانکہ وہ کلیسیا کا حصہ نہیں ہیں۔ شروع سے آخر تک کلیسیا (دولہن، برہ کی بیوی آیت ۹)، اسرائیل (آیت ۱۲) اور غیر قوموں (آیت ۲۴) میں فرق کو نمایاں رکھا گیا ہے۔

۳:۲۱۔ یوحنا آسمان سے ایک اعلان سناتا ہے کہ ”خدا کا خیمہ آدمیوں کے درمیان ہے اور وہ اُن کے ساتھ سکونت کرے گا۔“ چونکہ وہ ”اُس کے لوگ“ ہیں اس لئے اُس کے ساتھ رہنے اور اُس کی رفاقت کا ایسا لطف اٹھائیں گے جس کا کبھی خواب و خیال بھی نہیں آیا تھا۔ ”خدا آپ اُن کے ساتھ رہے گا اور اُن کا خدا ہوگا۔“ کیسا ذہنی، انمول اور دل پذیر تعلق ہوگا!

۵:۴:۲۱۔ اور وہ (خدا) اُن کی آنکھوں کے سب آئینوں پر چمکے گا۔ اس جگہ کا یہ مطلب نہیں کہ آسمان میں آئینے ہوں گے، بلکہ شاعرانہ انداز میں کہا گیا ہے کہ آئینے نہیں ہوں گے! اُس کے بعد نہ موت رہے گی اور نہ ماتم رہے گا۔ نہ آہ و نالہ نہ درد۔ خدا کے لوگوں کے لئے یہ ساری چیزیں ہمیشہ کے لئے ختم ہو جائیں گی۔

”جو تخت پر بیٹھا ہوا ہے، وہ سب چیزوں کو نیا بنا دے گا۔ اُس کی باتیں سچ اور برقی ہیں“ اور یقیناً پوری ہو کر دیں گی۔

۶:۲۱۔ ابدی حالت کے آغاز کے ساتھ موجودہ زمین کے لئے خدا کے ارادے پورے ہو جاتے ہیں۔ جس طرح ”الفا اور امیگا“ یونانی حروف تہجی کے پہلے اور آخری حروف ہیں اسی طرح وہ ”ابتدا اور انتہا“ ہے۔ وہ خلقت کا خالق اور مقصد ہے، وہ ہستی جس نے شروع کیا اور جو اخیر کرتا ہے۔ انہی وادبی ہستی وہ ہے جو ”پہلے سے کو آب حیات (نجات)۔۔۔ مفت“ دیتا ہے۔

۷:۲۱۔ وہی ہے جو غالب آنے والے کو نئی موائست (دلی تعلق) کی پوری وراثت دیتا ہے۔ یہ تعلق ایسا ہے جیسا باپ اور بیٹے میں ہوتا ہے۔ جیسا پہلے بیان ہوا غالب آنے والا وہ ہے جو ایمان رکھتا ہے کہ یسوع خدا کا بیٹا ہے (۱۔ یوحنا ۵: ۵)۔ وہ ایمان کے وسیلے سے دنیا پر غالب آتا ہے (۱۔ یوحنا ۵: ۴)۔

۸:۲۱۔ مگر سارے تو غالب آنے والے نہیں ہیں۔ بعض ”بُزول“ ہوتے ہیں۔ وہ مسیح کا اقرار کرنے سے ڈرتے اور گھبراتے ہیں۔ بعض بے ایمان ہوتے ہیں۔ وہ گنہگاروں کے نجات دہندہ کا یقین کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ وہ سب جو اپنے گنہگاروں میں رہتے ہیں خواہ وہ ایسے بڑے گنہگاروں کے مُرتکب ہوں جن کی فرست یہاں دی گئی ہے خواہ نہ ہوں وہ غالب

آنے والے نہیں ہو سکتے۔ ”گھنٹوںے لوگ“ جو کراہیت افزا بد اخلاقی کے دلدلہ ہوتے ہیں۔ ”خونی“ رکیذ پرور اور وحشی قاتل۔ ”زمامکار“ جو بدکاری اور ہر قسم کے جنسی گناہ کرتے ہیں۔ ”جادوگر“ جو بد رُوحوں سے تعلق قائم کرتے ہیں۔ ”بت پرست“ جو مورتوں کی پوجا کر کے خدا کی بے عزتی کرتے ہیں۔ اور ”جھوٹے“ جن کا دل جھوٹ بولنے پر مائل رہتا ہے اور دوسروں کو فریب دیتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی غالب آنے والوں میں شامل نہیں ہو سکتا۔ ان کا آخری حشر آگ اور گندھک سے جلتے والی جھیل میں ہوگا۔“

۹۰:۲۱۔ قمر کے سات پیالوں والے ”فرشتوں... میں سے ایک“ نے یوحنا کو پیشکش کی کہ میں تجھے نئے یروشلم کا زیادہ تفصیلی نظارہ کراتا ہوں۔ اُس نے اس شہر کو دِلن یعنی ترہ کی بیوی کا نام دیا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ شہر ”دِلن“ کی سکونت گاہ ہے۔

۱۱۰:۲۱۔ یوحنا روح میں ایک بڑے اور اُونچے پہاڑ پر پہنچا گیا اور اُس نے دوبارہ دیکھا کہ شہر مقدس یروشلم... آسمان پر سے اُتر رہا ہے۔ یہ شہر ”خدا کے جلال“ سے منور ہے اور قیمتی پتھر کی طرح چمک رہا ہے۔

۱۳:۱۲، ۱۳:۲۱۔ شہر کے چاروں طرف ایک بڑی ”شہرِ پناہ“ ہے جس میں ”بارہ دروازے“ ہیں جن پر ”بارہ فرشتے“ جلوہ دکھا رہے ہیں۔ ان دروازوں پر ”بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے نام لکھے ہوئے“ ہیں۔ اور چاروں طرف ”تین“ ”تین“ دروازے ہیں۔

بارہ کا عدد اس کتاب میں اکیس دفعہ اور اس باب میں سات دفعہ استعمال ہوا ہے۔ عام طور سے سمجھا جاتا ہے کہ اس کا مطلب حکومت یا نظم و نسق ہے۔

۱۴:۲۱۔ اُس شہر کی شہرِ پناہ کی بارہ بنیادیں تھیں اور اُن پر برہ کے بارہ رسولوں کے بارہ نام لکھے تھے۔ یہ اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ انہوں نے مسیح کے بارے میں تعلیم دے کر کلیسیا کی بنیاد رکھی تھی (انسیوں ۲:۲۰)۔

۱۶:۱۵، ۱۶:۲۱۔ ”سونے کے گز“ یا ”پیمائش کے آلہ“ سے ناپ کر فرشتہ نے معلوم کیا کہ شہر کی لمبائی اور چوڑائی اور اونچائی ”برابر ہے۔ اور ہر طرف سے بارہ ہزار فوٹ لمگ“ (۴۰۰۰۔ ۱۵۰۰ میل یا ۲۲۴۰۔ ۲۴۰۰ کلومیٹر)۔ یہ شہر مکعب کی شکل یا ہرم کی شکل کا ہوا، مگر بحال شدہ اسرائیل کی حدود سے کہیں وسیع تر ہے۔

۱۷:۲۱۔ ”شہرِ پناہ... ایک سو چالیس ہاتھ“ موٹی تھی۔ آدمی کی یعنی فرشتہ کی پیمائش کے

”مطابق“۔ ان الفاظ کا مطلب ہے کہ آیت ۹ اور ۱۵ کے درشتہ نے ناپ کے لئے وہ اکائی استعمال کی جو انسان کرتے ہیں۔

۱۸:۲۱۔ بیان ہوا ہے کہ ”شہر پناہ کی تعمیر یشب کی تھی اور شہر ۱۰۰۰ خالص سونے کا تھا“۔

ہمارے لئے اس کا تصور کرنا مشکل ہے۔ مگر اس کا مقصد چمک دمک اور شوکت و حشمت کی تصویر پیش کرنا ہے۔

۲۱:۱۹، ۲۰۔ بارہ ”بنیادیں“ بارہ قیمت ”جواہر“ سے آراستہ و مزین ہیں۔ یہ جواہر ویسے ہی ہیں جیسے سردار کاہن کے سینہ بند پہ ہوتے تھے اور اسرائیل کے بارہ قبیلوں کی نمائندگی کرتے تھے۔ سارے جواہر کی بالکل صحیح شناخت کرنا ناممکن نہیں اور نہ ان کے روحانی مفہوم کا تعین کرنا ممکن ہے۔

۲۱:۲۱۔ ”بارہ دروازے بارہ موتیوں کے تھے“۔ یہاں یہ بات یاد آتی ہے کہ کلیسیا ایک بیش قیمت موتی ہے جس کی خاطر مسیحی نے سب کچھ بیچ ڈالا (متی ۱۳:۴۵، ۴۶)۔

”شہر کی سڑک شفاف ریشم کی مانند خالص سونے کی تھی“۔ یہاں بے دارغ جلال کا بیان کیا گیا ہے۔

۲۲:۲۲، ۲۳۔ اس شہر میں کچھ چیزیں نامید ہیں۔ اس میں ”مقدس“ کی ضرورت نہیں کیونکہ ”خداوند خدا قادر مطلق اور برہ اس کے مقدس ہیں“۔ اس شہر میں ”سورج یا چاند“ بھی نہیں کیونکہ ”خدا کے جلال نے اسے روشن کر رکھا ہے اور برہ اس کا چراغ ہے“۔

۲۴:۲۱۔ غیر قومیں اس کے حسن اور خوبصورتی سے کطف اٹھائیں گی اور زمین کے بادشاہ ”خارج لے کر خداوند کے پاس آئیں گے“۔

۲۵:۲۱۔ اس شہر کے ”دروازے“ کبھی ”بند“ نہیں ہوتے، کیونکہ آنے جانے کی مکمل آزادی اور پورا پورا تحفظ ہے۔ ”اور رات وہاں نہ ہوگی“۔ اس سرزمین میں دن کی روشنی کبھی مائل نہیں پڑتی۔

۲۶:۲۱۔ جیسا پہلے ذکر ہوا ”قوموں“ کی دولت گویا ہمہ کر اس شہر میں آئے گی۔ ان کی ساری شان و شوکت اور عزت کا سامان یہاں جمع ہو جائے گا۔

۲۷:۲۱۔ کوئی ”ناپاک“ چیز یا شخص اس شہر میں ”داخل نہ“ ہونے پائے گا ”مگر وہی جن کے نام برہ کی کتاب حیات میں لکھے ہوئے ہیں“۔

۹۱۸:۲۲ - جب ”یوحنا“ نے ان باتوں کو سنا اور دیکھا تو وہ اُس ”فرشتہ...“ کے پاؤں پر سجدہ کرنے کو گرا۔ لیکن اُس کو ایسا کرنے سے منع کیا گیا۔ ”فرشتہ“ تو محض ایک مخلوق ہستی ہوتا ہے۔ سجدہ صرف ”خدا“ کو کرنا چاہئے۔

۱۰:۲۲ - یوحنا سے کہا گیا کہ ”نبوت کی باتوں کو پوشیدہ نہ رکھ، کیونکہ وقت نزدیک ہے۔“

یعنی یہ باتیں جلد پوری ہونے والی ہیں۔ یہاں ”پوشیدہ“ رکھنے کا مطلب ہے، ان کو بے نقاب کرنے کو التوا میں ڈالنا۔

۱۱:۲۲ - جب ان باتوں کے پورا ہونے کا وقت آئے گا تو بُرائی کرنے والے بُرائی کرنے میں پختہ ہو جائیں گے، یعنی اسے چھوڑنے پر تیار نہیں ہوں گے۔ جب خداوند زمین پر دوبارہ آئے گا تو ”نجس“ کام کرنے والے کو بدلنے کا موقع نہیں ملے گا۔ مگر ”جو راست باز ہے“ وہ راست بازی کے کام کرتا جائے گا اور ”پاک“ لوگ پاکیزگی میں زندگی بسر کرتے رہیں گے۔

۱۳:۱۲، ۱۳:۲۲ - خداوند دوبارہ اعلان کرتا ہے کہ ”میں جلد آنے والا ہوں۔“ اس دفعہ ساتھ وعدہ بھی ہے کہ ”ہر ایک کے کام کے موافق دینے کے لئے آج میرے پاس ہے۔“ وہ پھر اپنی شناخت کرتا ہے کہ میں ”آلفا اور امیگا...“ ہوں۔ جس ہستی نے ساری چیزوں کو خلق کیا ہے، وہی شیخ کے پر دے کھینچ کر سب کچھ بند کر دے گا۔

۱۴:۲۲ - ”مبارک ہیں وہ جو اپنے جلمے دھوئے ہیں“ یا ”مبارک ہیں وہ جو اُس کے ٹھکوں پر عمل کرتے ہیں۔“ مگر یہاں یہ تعلیم ہرگز نہیں کہ نجات اعمال کے سبب سے ہے۔ بلکہ یہ کہ نیک کام نجات کا پھل اور نبوت ہیں۔ صرف سچے ایمانداروں کو ”زندگی کے درخت“ تک رسائی اور ابدی ”شہر“ میں داخل ہونے کا اختیار حاصل ہوگا۔

۱۵:۲۲ - جو آسمان یعنی فردوس سے ہمیشہ کے لئے خارج ہوں گے وہ ہیں ”گئے“ اور جادوگر اور جہلمکار اور جونی اور میت پرست اور جھوٹی بات کا ہر ایک پسند کرنے اور گھڑنے والا۔ ”گئے“ یہاں مراد ہے ٹوٹے۔ وہ مرد جو کسی کا پیشہ اختیار کرتا ہے (استثنا ۱۸:۲۳)، ناپاک غیر قوم افراد (متی ۱۵:۲۶) یا یہودیت پرست لوگ (فلپیوں ۲:۳)۔

لے۔ ٹوٹے زمانہ میں سدوم کے شہر میں یہ گناہ عام تھا۔ اسے ٹوٹے ساتھ منسوب کر کے ”ٹوٹے“ کہنا مناسب نہیں۔ سدومیت اور سدومی کے لفظ زیادہ موزوں ہیں۔
- مترجم -

۱۹:۲۲۔ ”خداوند نے ”فرشتہ“ کو کلیسیاؤں کے لئے پیغام دے کر بھیجا۔ وہ اپنے بارے میں کہتا ہے کہ ”میں داؤد کی اصل و نسل ... ہوں۔“ اپنی اُلوہیت میں، معبود ہونے میں وہ داؤد کا خالق ہے۔ اپنی بشریت میں وہ داؤد کی اولاد یا نسل ہے۔ ”صبح کا چمکتا ہوا ستارہ“ صبح کو سورج طلوع ہونے سے پہلے آسمان پر نمودار ہوتا ہے۔ مسیح پہلے ”صبح کا چمکتا ہوا ستارہ“ کی حیثیت میں کلیسیا کے پاس آئے گا۔ یہ بات فضائی استقبال کے وقت ہوگی۔ بعد ازاں وہ آفتاب صداقت کی حیثیت سے زمین پر آئے گا اور اُس کی کمرہوں میں شفا ہوگی (ملاکی ۲:۴)۔

۱۵:۲۲۔ اس آیت کو دو طرح سے سمجھا جاسکتا ہے۔ اول، کہ یہ خوشخبری کی لپیں ہیں جس میں ”روح اور دہن ... اور سننے والا“ ہر اُس شخص کو جو ”پیاسا“ ہے، ابھارتے ہیں کہ نجات کے لئے مسیح کے پاس آئے۔ دوم، پہلے دو دفعہ جو لفظ ”آ“ استعمال ہوا ہے وہ دعا ہے کہ مسیح واپس آئے۔ پھر غیر نجات یافتہ لوگوں کو دعوت ہے کہ ”آبِ حیات“ (نجات) کے لئے مسیح کے پاس آؤ اور اس طرح اُس کی دوسری آمد کے لئے تیار ہو جاؤ۔

۱۹:۱۸:۲۲۔ مکاشفہ کی ”اس کتاب“ میں جو کچھ لکھا ہے اگر کوئی انسان اس میں کچھ بڑھائے گا تو ”اس کتاب میں لکھی ہوئی آفتیں اُس پر نازل“ ہوں گی۔ چونکہ اس کتاب کے موضوعات پوری بائبل کے مانے مانے میں موجود ہیں اس لئے یہ آیت خدا کے کلام کے کسی حصے میں کچھ بڑھانے کی مذمت کرتی ہے۔ اسی قسم کی سزا اُس شخص کے لئے بھی ہے جو ”اس نبوت کی کتاب کی باتوں میں سے کچھ نکال ڈالے“۔ اس بات کا اطلاق تشریح و ترجمانی کے معمولی اختلافات پر نہیں ہوتا، بلکہ بائبل کی کاملیت اور الہامی ہونے کی حیثیت پر حملہ کرنے پر ہوتا ہے۔ یہ سزا ابدی موت ہے۔ ”خدا ... زندگی کے درخت اور مقدس شہر میں سے ... اُس کا حصہ نکال ڈالے گا۔“ مطلب یہ ہے کہ اُس کا ابدی ”زندگی“ کی برکات میں کوئی حصہ نہیں ہوگا۔

۲۰:۲۲۔ مکاشفہ کی کتاب ایک وعدہ اور ایک برکت پر ختم ہوتی ہے۔ وعدہ یہ ہے کہ ”خداوند یسوع“ جلد ”آ رہا ہے۔“ جیسے پہلے بیان ہوا اس کا مطلب ”جلد“ بھی ہو سکتا ہے اور ”اچانک“ بھی۔ ”اچانک“ آ جانے کی اُمید وہ توقعات اور ہوشیاری پیدا نہیں کر سکتی جو جلد آنے کی اُمید پیدا کرتی ہے۔ ہر غلطی یافتہ شخص اس مبارک اُمید کا جواب دیتا ہے کہ ”آمین۔“ اے خداوند یسوع آ۔“

جس طرح پیدا کر کے کتاب شروعات کی کتاب ہے اسی طرح مکاشفہ کی کتاب تکمیلات کی

کتاب ہے۔ وہ موضوعات جن کی تمہید پہلی کتاب میں باندھی گئی تھی وہ آخری کتاب میں پھل لاتے ہیں۔
مندرجہ ذیل پر غور کریں :

مکاشفہ کی کتاب

آسمان اور زمین کی بربادی ۱۱:۲۰
نئے آسمان اور نئی زمین کی تخلیق ۱:۲۱
شیطان کا آگ کی جہیل میں ڈالا جانا ۱۰:۲۰
گناہ کا اخراج ۲۷:۲۱
لعنت کا دور کیا جانا ۳:۲۲
حیات کے درخت تک رسائی کی بجالی ۱۹:۲۲
انسان کی واپسی پر خیر مقدم ۷:۲۲
موت کا ہمیشہ کے لئے دور کیا جانا ۳:۲۱
آخری آدم کی شادی ۷:۱۹
غم کا اخراج ۳:۲۱

پیدائش کی کتاب

آسمان اور زمین کی تخلیق ۱:۱
زمین پر شیطان کی بادشاہی کا آغاز ۷:۱-۳
گناہ کا داخل ہونا ۷:۱-۳
مخلوقات پر لعنت کا اعلان ۱۹-۱۷:۳
حیات کے درخت تک جانے کا حق منسوخ کیا جانا ۳:۳
انسان کی باغ عدن سے بے دخلی ۲۳:۳
موت کا دنیا میں داخلہ ۵:۵، ۱۷:۲
آدم اول کی شادی ۱:۴
انسان پر غم کا ورود ۱۶:۳

۲۱:۲۲-اب ہم خدا کے کلام اور مکاشفہ کی اس حیرت افزا کتاب میں آخری برکت تک آپہنچتے ہیں۔ یہ کتاب خدا کی عدالت، غضب اور ترک گنہ گرج سے بھری ہوئی ہے۔ لیکن اس کا اختتام بہت پرسکون اور راحت انگیز ہے۔

یوحنا خدا کے لوگوں کے لئے برکت کی یہ دعا دیتا ہے کہ ”خداوند یسوع کا فضل مقدسوں کے

ساتھ رہے۔ آمین!“

اس کتاب میں گنہگاروں اور مقدسوں کا گہرا اور واضح تقابلی پیش کیا گیا ہے۔ اس لئے کلمہ برکت کا صرف اور صرف ”مقدسوں“ پر اطلاق نہایت بجا اور موزوں ہے۔ ”آمین!“

تفسیر الکتاب عام ایمان داروں کے لئے تحریر کی گئی ہے جس میں سادگی سے پاک کلام کے گہرے بھیدوں سے پردہ اٹھایا گیا ہے۔ اس پیش کش میں نئے عہد نامے کی نہایت احتیاط کے ساتھ آیت بہ آیت تشریح کی گئی ہے۔ سادگی اور سلاست کے باوجود کلام مقدس کے متنازع مسائل سے پہلو تہی نہیں کی گئی، بلکہ مُصنّف نے ان پر بھی تبصرہ کیا ہے اور اپنی رائے کے ساتھ ساتھ دیگر مفسرین کے خیالات بھی درج کئے ہیں۔ علم الہیات کے ضمن میں مُصنّف نے اعتدال پسندی کا دامن نہیں چھوڑا جو اس کتاب کی ایک اور خوبی ہے۔ چنانچہ یہ تفسیر بائبل مقدس کے باضابطہ شخصی مطالعہ کے لئے از حد مفید ثابت ہوگی۔